تفسیرِ مظہری (اردو)

جلد چہارم

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتیؒ

تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات

مولانا سید عبدالدائم الجلالی

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی

تفسیر مظہری اردو

پارہ وَاِذَا سَمِعُوا، وَلَوْ اَنَّنَا، قَالَ الْمَلَأُ تا ختم سورہ اعراف

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی

تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات

مولانا سید عبد الدائم الجلالی

رفیق ندوۃ المصنفین



ایچ ایم سعید کمپنی
ادب منزل پاکستان چوک کراچی

مطبوعہ ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک۔ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرضِ ناشر

سرزمینِ ہند و پاک نے جن نامور محدثین اور مفسرین کو اپنی گود میں پرورش کیا ان میں محدثِ جلیل اور مفسر بے عدیل علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ خلیفہ اجل حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید علیہ الرحمۃ ایک نمایاں اور جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ آپ کے علمی کارناموں کو شہرتِ دوام حاصل ہے امتدادِ زمانہ نے ان کی شہرت یا مقبولیت میں کوئی کمی نہیں کی، بلکہ زمانہ کی ضرورتوں کا تقاضہ ہے کہ آپ کی تصانیف کو زیادہ سے زیادہ مقبول بنانے کی جد وجہد کی جائے۔

آپ کی تفسیر "تفسیر مظہری" جو اپنے شیخ طریقت کے نام نامی سے معنون فرمائی ہے۔ ایک ایسی کامل شخصیت کا کارنامہ ہے جو بیک وقت فنِ حدیث اور فنِ تفسیر دونوں پر یکساں عبور رکھتا ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں وہی طرز اختیار فرمایا جو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تفسیر در منثور" میں اختیار فرمایا جو سلفِ صالحین کی روایت ہے، ہر آیت کے مضمون کو احادیثِ نبویہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اقوالِ سلف سے واضح فرماتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ مسلک کے اعتبار سے احناف و شوافع وغیرھما کے نظریاتی اختلافات بھی واضح فرما دیئے ہیں یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ احناف کا اس سلسلہ میں کیا مقام ہے اور اس طور تفسیر کی افادیت میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے

اس بیش بہا تفسیر کا اردو ترجمہ ندوۃ المصنفین دہلی کے زیرِ اہتمام شائع ہوا تھا لیکن پاکستان میں اس کا حصول کم و بیش ہمیشہ ہی دشوار رہا۔ اس اہم تفسیر کے گوناگوں فوائد اور دورِ حاضر کی اہم ضرورت کے پیشِ نظر بفضلہ تعالیٰ ہم نے (حسب اجازت حکومت پاکستان (سندھ) نمبر ۸۰۹/۷۶/DPR/PB) اس اہم کام کی اشاعت کی ہمت کی تھی۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ جون ۱۹۷۹ء میں بارہویں جلد کی اشاعت پر یہ تفسیر مکمل ہوگئی

جو جلدیں ہندوستان سے طبع ہوئیں ان میں کچھ اغلاط رہ گئی تھیں۔ ہم نے حتی الوسع ان کی صحت کا بھی اہتمام کیا ہے پھر بھی علمائے کرام سے درخواست ہے کہ جو فروگذاشت یا غلطی نظر آئے، مہربانی فرما کر ادارہ کو مطلع فرمائیں۔ تاکہ آئندہ اس کا بھی تدارک کیا جاسکے۔ اس توجہ کے لئے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر مرحمت فرمائے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہماری اس حقیر کوشش کو شرف قبولیت حاصل ہو اور عامۃ المسلمین کو اس نادر تفسیر سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا ہو۔ آمین۔

"ادب منزل" پاکستان چوک کراچی

جنوری ۱۹۸۰ء

نیاز مند

(حاجی) محمد زکی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

تفسیر مظہری اردو جلد چہارم وَاِذَا سَمِعُوْا

فہرست سورۂ انعام

فصل

فہرست سورۃ اعراف

فہرست کا ترجمہ ختم ہوا۔ عبدالرحمٰن غفرلہٗ

۵ رمضان [illegible]

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تفسیر مظہری اردو جلد چہارم پارہ وَاِذَا سَمِعُوْا، وَلَوْاَنَّنَا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ
اور جب وہ اس (کلام) کو سنتے ہیں جو رسولؐ کے پاس بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھوں کو آنسو بہاتے دیکھتے ہیں۔ طبرانی نے بھی نسائی کی مذکورہ بالا روایت کی طرح بیان کیا ہے مگر واقعہ کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں نجاشی یا وفد نجاشی کے متعلق آیت کا نزول حکم کی تخصیص کو نہیں چاہتا کہ انہی کے ساتھ حکم مخصوص ہو کیونکہ الفاظ کا عموم معتبر ہوتا ہے واقعہ کی خصوصیت ناقابلِ اعتبار ہے۔

واذا سمعوا کا عطف لایستکبرون پر ہے رونے کا ذکر کرنے سے مقصود ہے ان کے دلوں کی رقت کا خوفِ الٰہی کی شدت کا قبولِ حق کی طرف سبقت کرنے کا اور پیامِ حق سے سرکشی نہ کرنے کا اظہار۔

فیض کا معنی ہے کسی چیز کا بھرنے کے بعد چھلک جانا۔ بھرنے کی جگہ چھلکنے کا لفظ کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا۔ یا یوں کہا جائے کہ کثرت گریہ کی وجہ سے (بجائے آنسوؤں کے) آنکھوں کو چھلکنے والا قرار دینے میں کثرتِ بکاء کو ظاہر کرنا مقصود ہے (بہنے والی چیز پانی ہے آنکھ یا نہر نہیں بہتی مگر مجازاً ظرف بول کر مظروف مراد لے لیا جاتا ہے یا ظرف کی طرف فعل کی نسبت مبالغۃً کر دی جاتی ہے)

مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ اس سبب سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا۔ جملہ مِمَّا میں من ابتدائیہ ہے یا تعلیلیہ یعنی حق کو پہچاننے کی وجہ سے۔ اور ما موصولہ ہے اور من الحق میں من بیانیہ ہے یعنی جو حق انھوں نے پہچان لیا اس کے سبب سے انکی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں۔ یا من الحق میں من تبعیضیہ ہے یعنی حق کو کسی قدر پہچاننے کے بعد ان پر گریہ طاری ہو گیا اگر پورے حق کو پہچان لیتے تو کیا حال ہوتا۔ عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ

عنہما) کا قول آیا ہے کہ سننے والوں سے مراد ہیں نجاشی اور ان کے ساتھی حبش میں (نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے ان کو کھٰیٰعٰص پڑھ کر سنائی تھی تو جب تک آپ پڑھتے رہے وہ لوگ روتے رہے)۔

یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم نے (تیرے رسول محمدؐ اور اس کتاب کو جو تو نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل کی ہے) مان لیا تو ہم کو بھی انہی لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرنے والے ہیں (اٰمنّا سے مراد گذشتہ ایمان کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ ایمان لانے سے مراد ہے اب ایمان لانا اور دائرہ مؤمنین میں داخل ہونا۔ رَبَّنَا کا لفظ کہنا ظاہر کر رہا ہے کہ وہ منافقوں کی طرح ایمان نہیں لائے بلکہ سچے دل سے انھوں نے تصدیق کی۔ الشاہدین سے مراد ہیں امت محمدیہ جو قیامت کے دن پیغمبروں کی طرف سے شہادت دیگی (کہ ان پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو پیام ہدایت پہونچا دیا تھا)

نومسلم عیسائیوں نے اپنی دعا میں یہ لفظ اس لئے کہا کہ ان کو انجیل پڑھنے سے معلوم ہو گیا تھا کہ امت محمدیہ پیغمبروں کی طرف سے شہادت دیگی یا شاہدین سے مراد ہیں نبوت محمدیہ اور حقانیت قرآن کی شہادت دینے والے یعنی مسلمان۔ شہادت سے مراد تصدیق ہے کیونکہ شہادت (وہی ہوتی ہے جو اندرون قلب اور سچے دل سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے متعلق (باوجودیکہ وہ زبانی اقرار کرتے تھے) فرمایا ہے وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ گویا الشاہدین کا لفظ کہہ کر انھوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ ہمارا ایمان سچے دل سے ہے منافقوں کی طرح نہیں، اور اس کی دلیل آیت میں اس طرح بیان کی۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ○ اور کیا وجہ کہ ہم اللہ پر اور اس حق پر جو ہمارے پاس آگیا ہے ایمان نہ لائیں اور اس بات کی امید نہ کریں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کے گروہ میں شامل کر دے۔

القوم الصلحین سے مراد ہیں ایماندار مسلمان جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ○ ہم نے نصیحت کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

نَطْمَعُ کا عطف نُؤْمِنُ پر ہے (یعنی حرف نفی کے تحت ہے اسی کے موافق ہم نے ترجمہ کیا ہے، یعنی کیا عذر ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اور امید نہ کریں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لا نؤمن پر عطف ہو یعنی کیا وجہ کہ ہم اللہ پر اور کلام حق پر ایمان بھی نہ لائیں اور پھر نیک لوگوں کے زمرہ میں شامل کئے جانے کی امید بھی رکھیں عدم ایمان کے ساتھ تو امید جمع نہیں ہو سکتی یہ بھی ممکن ہے کہ نؤمن کی ضمیر سے نطمع حال ہو یعنی کیا وجہ کہ ہم ایمان نہ لائیں ایسی حالت میں کہ ہم کو زمرۂ صالحین میں شامل ہونے کی امید بھی لگی ہوئی ہے مطلب یہ کہ جب انعام

خداوندی کی ہم کو امید ہے تو اس امید کا تو تقاضا یہ ہے کہ ہم ایمان لائیں مقتضی موجود ہو تو مقتضی کا نہ ہونا بعید از عقل ہے۔

بغوی نے لکھا ہے یہ سوال کا جواب ہے یہودیوں نے عار دلائی تھی اور کہا تھا تم ایمان لے آئے اس کی کیا وجہ تو انھوں نے مذکورہ بالا جواب دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب وہ لوگ اپنی قوم کے پاس مسلمان ہونے کے بعد لوٹ کر گئے تو انھوں نے ملامت کی اس وقت ان لوگوں نے مذکورہ جواب دیا لیکن جواب بالکل فصل و قطع کلام کو چاہتا ہے اس لئے اس پر حرف عطف نہیں لایا جا سکتا اور یہاں حرف عطف موجود ہے، سلئے کچھ تاویل کرنی ہوگی مثلاً کچھ کلام محذوف مان کر اس پر عطف قرار دیا جائے گا۔

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ

"سو اللہ ان کے اس قول کی جزا میں جنتیں عطا فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی (اور) ہمیشہ ان جنتوں میں رہیں گے" یعنی خلوص اعتقاد کے بعد جو انھوں نے اظہار ایمان کیا اس کے عوض اللہ ان کو جنت عطا فرمائے گا۔ خلوص اعتقاد کا ظہور ان کے رونے سے ہو رہا ہے کہ کلام حق کو سننے کے بعد وہ رونے لگے تھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ قول کا (حقیقی) معنی ہی یہ ہے کہ عقیدہ کے بعد قول ہو جیسے بولتے ہیں یہ فلاں شخص کا قول ہے یعنی پختہ خیال ہے۔

وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ "اور یہ (جنت) نیکوکاروں کی جزا ہے۔"

یعنی ان نیکوکاروں کی جزاء اعمال ہے جو حضور قلب اور انتہائی خشوع سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا تھا احسان (عبادت کی انتہائی خوبی) یہ ہے کہ تم اپنے رب کی عبادت اس طرح کرو گویا (وہ تمہارے سامنے ہے اور) تم اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر یہ نہ ہو تو پھر یہ یقین رکھو) کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے

قرآن مجید کا ضابطہ ہے کہ ترغیب کے بعد خوف بھی دلاتا ہے دونوں کو جوڑ کر بیان کرتا ہے اس لئے آئندہ آیت میں کافروں کی سزا کا ذکر کیا۔ اور چونکہ اہل ایمان کے ذکر میں قلبی تصدیق معرفت حق اور اقرار قولی کو بیان کیا تھا اس لئے (اس کے مقابل) انکار حق اور تکذیب کا ذکر کیا۔ اور فرمایا

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝ "اور جن لوگوں نے (اللہ اور اللہ کے پیام حق کو) نہ مانا (یعنی دل سے انکار کیا) اور (زبانوں سے) تکذیب کی وہی لوگ دوزخی ہیں"

ترمذی وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب میں گوشت کھا لیتا ہوں تو میری خواہش مردانہ میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اسلئے میں نے اپنے لئے گوشت حرام کر لیا ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ اے ایمان والو اللہ نے جو چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی ہیں ان میں سے خصوصیت کے ساتھ پسندیدہ مرغوب اشیا کو حرام نہ بناؤ۔ طیبت سے مراد ہیں پسندیدہ مزے دار چیزیں جو مرغوب طبع ہوں۔ ترتیب آیات میں ایک خاص خوبی ہے اول نصاریٰ کی تعریف فرمائی اور انکی رہبانیت کو قابل مدح صفت قرار دیا اور نفسانی جوش کو توڑنے کی ترغیب دی پھر اس کے بعد حد مقررہ سے آگے بڑھنے اور حلال کو حرام کی حدود میں داخل کر دینے کی ممانعت فرما دی وَلَا تَعْتَدُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ اور (حلال کو حرام بنا کر حدودِ مقررہ سے آگے نہ بڑھو اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا یا یہ مطلب ہے کہ حلال کی حد سے آگے بڑھ کر حرام کے دائرہ میں نہ داخل ہو (یعنی حرام کے مرتکب نہ ہو) اس وقت آیت میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنانے کی ممانعت اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی دعوت ہوگی۔ یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ پاکیزہ چیزوں کو استعمال کرنے میں اسراف (اعتدال سے زیادتی) اختیار نہ کرو۔ ابن جریر نے بسند عونی بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون اور بعض دوسرے صحابیوں نے عورتوں اور گوشت کو اپنے لئے حرام بنا لیا تھا اور چھریاں لے کر مردانہ آلات کو کاٹ ڈالنے کا محکم ارادہ کر لیا تھا تاکہ نفسانی خواہش کی جڑ ہی کٹ جائے اور عبادت کے لئے فراغتِ دل حاصل ہو جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر نے ایسا ہی قصہ مرسلاً عکرمہ، ابو قلابہ مجاہد، ابو مالک نخعی اور سدی وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ سدی کی روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ یہ صحابی دس تھے جن میں حضرت عثمانؓ بن مظعون اور حضرت علیؓ بن ابی طالب بھی شامل تھے۔ سدی کی روایت میں ان حضرات کی تعداد دس آئی ہے جن میں حضرت ابن مظعونؓ اور حضرت علی بن ابی طالب کا بھی ذکر ہے۔ عکرمہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے انہیں سے ابن مظعونؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، مقدادؓ بن اسود اور حذیفہؓ کے آزاد کردہ سالمؓ بھی تھے۔ مجاہد کی روایت میں صرف ابن مظعون اور عبداللہؓ بن عمروؓ (بن عاص) کی صراحت ہے۔

ابن عساکر نے تاریخ میں سدی صغیر کے سلسلے سے بروایت کلبی بحوالہ ابو صالح حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول صحابہؓ کی ایک جماعت کے متعلق ہوا تھا اس جماعت میں ابوبکرؓ عمرؓ علیؓ ابن مسعودؓ عثمان بن مظعون مقدادؓ بن اسود اور حذیفہؓ کے آزاد کردہ سالمؓ شامل تھے۔ سب نے باتفاق آرا طے کر لیا تھا کہ آلاتِ مردانگی قطع کر دینگے عورتوں سے کنارہ کش ہو جائینگے گوشت اور چکنائی نہیں کھائینگے کمبل کا لباس پہنینگے کھانا بقدر بقاء زندگی کھائینگے اور سادھوؤں کی طرح سیاحت میں بسر کرینگے۔

بغوی نے اہلِ تفسیر کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وعظ فرمایا اور قیامت کا تذکرہ کیا جس کو سن کر لوگوں کے دلوں میں رقت پیدا ہوئی اور رونے لگے اور حضرت

عثمانؓ بن مظعون کے مکان میں دس صحابی جمع ہوئے۔ عثمانؓ بن مظعون جمحی، ابوبکر صدیق، علیؓ بن ابی طالب، عبداللہؓ بن مسعود، عبداللہؓ بن عمرو، ابوذرؓ غفاری، ابوحذیفہؓ کے آزاد کردہ سالمؓ، مقدادؓ بن اسود، سلمانؓ فارسی، معقلؓ بن مقرن رضی اللہ عنہم مشورہ کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ سب کے سب تارک الدنیا ہو کر ٹاٹ کا لباس پہن لیں گے، آلات مردانگی کو قطع کرلیں گے۔ ہمیشہ روزے رکھینگے رات بھر نمازیں پڑھینگے بستر پر نہیں سوئیں گے گوشت اور چربی نہیں کھائیں گے عورتوں کے اور خوشبو کے پاس بھی نہیں جائیں گے اور سیاحت میں بسر کرینگے جونہی اس کی اطلاع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی حضور اقدس صلعم حضرت عثمانؓ بن مظعون کے مکان پر تشریف لے گئے عثمانؓ سے ملاقات نہیں ہوئی عثمانؓ کی بیوی خولا، ام حکیم بنت ابی امیہ موجود تھیں خولا عطر سا تھیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے دریافت کیا مجھے تمہارے شوہر کے متعلق جو اطلاع ملی ہے کیا وہ صحیح ہے خولا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھوٹ بولنا نہیں چاہتی تھیں اور نہ شوہر کا راز فاش کرنا مناسب سمجھتی تھیں اس لئے کہنے لگیں یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اگر عثمانؓ نے یہ بات آپ سے کہی ہے تو صحیح کہا ہے رسول اللہ صلعم واپس تشریف لے آئے۔

حضرت ابن مظعون جب گھر پہونچے تو بیوی نے اطلاع دی۔ فوراً عثمانؓ اور ان کے ساتھی حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے سرکار دوالا نے ارشاد فرمایا مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم لوگوں کا فلاں فلاں باتوں پر اتفاق ہوگیا ہے کیا یہ صحیح نہیں ہے۔ ابن مظعون نے کہا بے شک صحیح ہے۔ لیکن حضورؐ ہمارا مقصد صرف نیکی ہے حضورؐ نے فرمایا مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے پھر فرمایا تم پر کچھ تمہاری جانوں کا بھی حق ہے روزے رکھو اور ناغہ بھی کرو قیام (رات کی عبادت) کرو اور نیند بھی لو میں (رات کے کچھ حصہ میں) اٹھتا ہوں (یعنی نماز پڑھتا ہوں) اور (کچھ حصہ میں) سوتا بھی ہوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں گوشت اور چکنائی بھی کھاتا ہوں اور عورتوں سے قربت بھی کرتا ہوں جو میرے طریقہ سے اعراض کریگا وہ مجھ سے (متعلق) نہ ہوگا۔ پھر لوگوں کو جمع کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا اور فرمایا کیا وجہ کہ کچھ لوگوں نے عورتوں کو اور کھانے کو اور خوشبو کو اور نیند کو اور دنیوی خواہشات کو بالکل حرام قرار دے رکھا ہے میں تم کو سنیاسی اور سادھو بنجانے کا حکم نہیں دیتا میرے دین میں گوشت اور عورتوں کو ترک کردینے اور خانقاہ نشین بنجانے کا حکم نہیں ہے میری امت کی سیاحت روزہ اور انکی رہبانیت صرف جہاد ہے اللہ کی عبادت کرو کسی چیز کو اس کا ساجھی نہ قرار دو حج کرو عمرہ کرو نمازیں قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو رمضان کے روزے رکھو اور سیدھی چال چلو تمہارے امور درست ہوجائیں گے۔ تم سے پہلے والے لوگ شدت پسندی کی وجہ سے ہی تباہ ہوئے انھوں نے اپنے اوپر خود سختیاں عائد کیں تو اللہ نے بھی ان پر سختیاں کردیں گرجاؤں اور یہودی خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے لوگ انہی کے پس ماندہ (نشانات) ہیں۔ اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔

بغوی نے سعد بن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ بن مظعون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے خصی بننے کی اجازت دیدیجئے حضورؐ نے فرمایا جس نے دوسرے کو خصی کیا اور جو خصی بنا کوئی بھی ہم سے (متعلق) نہیں ہے میری امت کے لئے خصی ہونے کی جگہ روزے رکھنا ہے عثمانؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے سیاحت (یعنی کسی جگہ توطن پذیر نہ ہونے) کی اجازت دیدیجئے فرمایا میری امت کے لئے سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو راہب (سادھو) بننے کی اجازت دیدیجئے فرمایا میری امت کے لئے رہبانیت مسجدوں میں بیٹھنا اور نماز کا انتظار کرنا ہے۔

صحیحین (بخاری ومسلم) میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ تین شخص امہات المؤمنین کی خدمت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق دریافت کرنے حاضر ہوئے جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت (کی مقدار) بتائی گئی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھوں نے اس مقدار کو قلیل سمجھا اور کہنے لگے ہمارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا مقابلہ حضورؐ کے تو اگلے پچھلے قصور معاف کردیئے گئے تھے اس پر ایک شخص بولا میں تو ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کرونگا دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھونگا ناغہ نہیں کرونگا تیسرا بولا میں عورتوں سے کنارہ کش رہونگا کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ اتنے میں حضورؐ تشریف لے آئے اور فرمایا تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا تھا سن لو، خدا کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ کا خوف (دل میں) رکھتا ہوں اور اس کی خشیت رکھتا ہوں لیکن روزے بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کریگا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے۔

ابوداؤد نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے خود اپنے اوپر سختیاں نہ ڈالو ورنہ اللہ تم پر سختیاں ڈال دیگا جن لوگوں نے خود شدت پسندی کی اللہ نے بھی ان پر شدت ڈال دی یہ یہودی خانقاہوں اور عیسائی گرجاؤں والے ان ہی کے پس ماندہ (آثار) ہیں (اللہ فرماتا ہے) رہبانیت خود ان کی ایجاد کردہ تھی ہم نے ان پر رہبانیت فرض نہیں کی تھی۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کا بیان منقول ہے کہ (ایک بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی کام کیا اور لوگوں کو بھی اس کی اجازت (دیدی) لیکن کچھ لوگوں نے اس کام سے علیحدہ رہنا پسند کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچ گئی آپ نے (لوگوں کو جمع کرکے) ایک تقریر کی اور اللہ تعالیٰ کی حمد کے بعد فرمایا کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ اس کام سے بچتے ہیں جو میں خود کرتا ہوں خدا کی قسم میں ان سے زیادہ خدا کو جانتا بھی ہوں اور اللہ کا خوف بھی ان سے زیادہ رکھتا ہوں۔

ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے ایک مہمان کی ضیافت پر اپنے گھر والوں کو مامور کیا اور (کھانے کے وقت) خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے جب (رات کو) گھر پہنچے تو دیکھا کہ ان کے انتظار میں اہل خانہ نے مہمان کو کھانا نہیں کھلایا تھا بیوی سے بولے تم نے میری وجہ سے میرے مہمان کو بھی کھانے سے روکے رکھا۔ اب یہ کھانا مجھ پر حرام ہے بیوی نے کہا تو مجھ پر بھی حرام ہے۔ مہمان نے کہا تو میرے لئے بھی حرام ہے۔ حضرت عبداللہ نے جب یہ معاملہ دیکھا تو قسم توڑ کر کھانے میں ہاتھ ڈال دیا اور کہا کھاؤ بسم اللہ۔ پھر حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کر دیا اس پر آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۝ نازل ہوئی۔

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا۪ اور اللہ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال دل پسند چیزیں کھاؤ

عبداللہ بن مبارک نے کہا حلال وہ رزق ہے جو شرعی طریقوں سے حاصل کیا گیا ہو اور طیب وہ رزق ہے جو غذا بخش اور نمو آفریں ہو باقی غیر نباتی جامد چیزیں جیسے کیچڑ مٹی وغیرہ اور وہ چیزیں جو غذا بخش نہیں ہیں صرف دوا کے لئے تو ان کو کھانا جائز ہے اور بغیر دوا کے مکروہ ہے حَلٰلًا۔ كُلُوْا کا مفعول ہے اور مِمَّا رَزَقَكُمُ حال ہے جس کو حلالاً کے نکرہ ہونے کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے۔ اور مِمَّا میں من تبعیضیہ ہے مِمَّا میں اس امر کی صراحت ہے کہ کچھ رزق حلال ہوتا ہے اور کچھ حلال نہیں ہوتا۔ اہل حق کا یہی قول ہے

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ من ابتدائیہ ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مِمَّا مفعول ہو اور حَلٰلًا حال ہو۔ اور موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہو یا حلالاً کا موصوف محذوف ہو بہر حال ترکیب عبارت کچھ بھی قرار دی جائے اگر حرام کو رزق نہ کہا جائے (اور معتزلہ کے قول کو اختیار کیا جائے کہ حرام رزق نہیں ہوتا) تو پھر خصوصاً لفظ حلالاً کو ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرو یہ امر سابق کی تاکید ہے

الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۝ جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ اس فقرہ میں مزید تاکید ہے کیونکہ تمام اوامر ونواہی میں تقوی کو ملحوظ رکھنا تقاضائے ایمان ہے۔

بغوی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ شیرینی یا شہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرغوب خاطر تھا۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ مرغوب روٹی کا ثرید

اور ولیمے کا ثرید تھا رواہ ابوداؤد حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کھانا کھا کر شکر ادا کرنے والا صابر روزہ دار کی طرح ہے۔ رواہ الترمذی. ابن ماجہ اور دارمی نے یہ حدیث سنان بن سنہ کی روایت سے بیان کی ہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب آیت لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم ان قسموں کا کیا کریں جو حلال چیزوں کے سلسلے میں ہم کھا چکے ہیں۔ صحابہؓ نے مذکورۂ بالا (تین) امور کو ترک کرنے کے متعلق آپس میں بقسم معاہدہ کر لیا تھا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ج اللہ تم سے مواخذہ نہیں کرتا تمہاری قسموں میں لغو قسم پر بلکہ مواخذہ اس قسم پر کرتا ہے جو تم نے مستحکم کی ہو۔

اس آیت کی تفسیر اور قسموں کے اصناف و احکام کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے۔ مواخذہ سے مراد ہے آخرت کی گرفت اور ماعقدتم الایمان سے وہ قسمیں مراد ہیں جن کو مستحکم کرنے کا عزم کر لیا گیا ہو خواہ کسی فعل کو کرنے کی قسم ہو یا نہ کرنے کی اور دونوں صورتوں میں اللہ تعالے کا نام لیکر استحکام کیا گیا ہو۔ بہر حال قسم کا تعلق کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے سے ہوتا ہے۔ اس طرح کی قسم کو پورا کرنا واجب ہے اللہ نے فرمایا ہے یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ کا مطلب یہ ہے کہ پختہ قسموں کو اگر توڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری گرفت کریگا۔ یا یوں کہو کہ پختہ قسموں کو توڑنے پر تم سے مواخذہ کریگا (اول صورت میں شرط محذوف ہوگی اور دوسری صورت میں ماعقدتم سے پہلے مضاف محذوف ہوگا)

مسئلہ:۔ چاروں ائمہ اور جمہور علماء کے نزدیک انعقاد قسم کے لئے حرفِ قسم ضرور ہونا چاہیے خواہ ملفوظ کیا گیا ہو یا محذوف ہو پھر حرفِ قسم کا اللہ کے کسی نام کے ساتھ یا کسی ایسے لفظ کے ساتھ آنا بھی ضروری ہے۔ جو اللہ کی ذات پر دلالت کر رہا ہے جیسے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ قسم ہے دلوں کو پھیر دینے والے کی قسم ہے آسمان و زمین کے رب کی وغیرہ۔

بعض علماءِ احناف کا قول ہے کہ اگر ایسے وصفی نام لے کر قسم کھائی جائے جو اللہ کے لئے مخصوص ہیں تو

ؔ ابوالشیخ اور عبد بن حمید نے سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ اگر قسم میں حلال کو حرام کر لیا گیا تو یہ قسم لغو ہے اس کو توڑ کر کفارہ دینا لازم ہے اللہ اس پر مواخذہ نہیں کرے گا مواخذہ صرف ان قسموں پر ہو گا جن کا تعلق قصد و ارادہ سے ہوگا۔

(مؤلف)

قسم ہو جاتی ہے اور اگر ایسے وصفی صیغوں کا ذکر کیا جائے جن کا استعمال دوسروں کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے حلیم، علیم، قادر، وکیل، رحیم وغیرہ تو انعقادِ قسم نیت یا عرف یا قرینۂ حال پر موقوف ہے (بغیر نیت کے یا بغیر دلالت حال کے یا بغیر عرف کے قسم کا انعقاد نہ ہوگا) امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اللہ کی جن صفات کی عرفاً قسم کھائی جاتی ہے ان کی قسم کھانے سے انعقاد قسم ہو جاتا ہے جیسے اللہ کی عزت و جلال اور عظمت و بزرگی کی قسم لیکن جن صفات کی عرفاً قسم نہیں کھائی جاتی ان کو ذکر کرنے سے قسم نہیں ہوتی جیسے اللہ کے علم، ارادہ اور مشیت کی قسم۔

مشائخ عراق نے صراحت کی ہے کہ صفاتِ ذات کی قسم کھانے سے قسم کا انعقاد ہو جاتا ہے اور صفات فعل کی قسم کھانے سے انعقاد نہیں ہوتا ان مشائخ کے نزدیک صفات ذات سے مراد وہ صفات ہیں جن کی ضد اللہ میں موجود نہیں ہے جیسے قدرت و جلال، بزرگی، عظمت (کہ ان کی ضد یعنی عجز، ذلت، حقارت وغیرہ سے اللہ پاک ہے) اور صفات فعل سے مراد وہ اوصاف ہیں کہ ان کی ضد بھی اللہ میں موجود ہے جیسے رحمت غضب، خوشنودی اور ناراضی۔ رزق کی تنگی اور فراخی وغیرہ۔

مسئلہ۔ قرآن کی قسم تینوں اماموں کے نزدیک ہو جاتی ہے لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک عرف نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتی (شاید امام صاحب کے زمانہ میں قرآن کی قسم عرفاً نہیں کھائی جاتی ہوگی) ابن ہمام نے کہا ہے اب قرآن کی قسم عرفاً کھائی جاتی ہے لہٰذا امام صاحبؒ کے نزدیک قرآن کی قسم، قسم قرار دی جائیگی مصحف کی قسم کا حکم بھی قرآن کی قسم کی طرح ہے کیونکہ مصحف سے مراد بھی قرآن ہی ہے کاغذ مراد نہیں ہے ابن عبدالبر نے مسئلہ قسم میں صحابہؓ اور تابعین کے اقوال نقل کرکے صراحت کی ہے کہ سب کے نزدیک قرآن کی قسم کا کفارہ واجب ہے اس کے خلاف کسی کا قول قابل اعتبار نہیں۔

قرآن کی جھوٹی قسم کھانے کا کفارہ کتنا ہونا چاہئے اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایک کفارہ ہوگا۔ امام احمدؒ کے دو قول منقول ہیں ایک قول میں صرف ایک کفارہ ہونا منقول ہے اور دوسرے قول میں آیا ہے کہ ہر آیت کا ایک کفارہ ہوگا۔ اگر اللہ کے حق کی قسم کھائی تو امام صاحبؒ کے نزدیک قسم نہیں ہوگی، باقی تینوں اماموں کے نزدیک ہو جائیگی

اگر لعمر اللہ اور ایم اللہ کہا تو امام صاحبؒ کے نزدیک قسم ہو جائیگی قسم کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو امام احمدؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ بعض شوافع کا قول ہے کہ بغیر نیت کے ان الفاظ سے قسم نہیں ہوگی امام احمدؒ کا قول بھی دوسری روایت میں یہی آیا ہے۔

مسئلہ۔ اگر کعبہ یا نبی کی قسم کھائی تو امام احمدؒ کے علاوہ تینوں اماموں کے نزدیک قسم نہیں ہوگی

نہ کفارہ واجب ہوگا امام احمدؒ کا قوی روایت میں قول اس کے خلاف آیا ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ نبی کی قسم کھائی تو قسم ہو جائیگی۔

ہمارے قول کا ثبوت اس فرمانِ نبوی سے ہوتا ہے کہ قسم کھانا ہی ہو تو اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے (صحیحین) ابوداؤد نے حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ حضرت ابن مسعودؓ کا قول موقوفاً منقول ہے، اللہ کی جھوٹی قسم کھانا میرے نزدیک کسی اور کی سچی قسم کھانے سے بہتر ہے۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے یہ حکم اس صورت میں ہوگا جب نبیؐ کی قسم کھائی ہو لیکن اگر اس طرح کہا ہو کہ اگر میں نے یہ کام کیا ہو تو میں نبیؐ سے یا کعبہ سے بیزار ہوں یا کافر ہوں یا یہودی یا عیسائی ہوں تو لامحالہ اس کو قسم مانا جائیگا کیونکہ جب وقوع شرط کو کفر کی نشانی اس نے خود قرار دے دیا تو لامحالہ وقوع شرط سے باز رہنا واجب ہے لہٰذا اس کو قسم مانا جائیگا جیسے بعض دوسری صورتوں میں (حرف قسم یا شرط ذکر نہ کرنے کی صورت میں) بھی قسم قرار دیا جاتا ہے مثلاً کسی حلال چیز کو کسی نے اپنے لئے حرام بنا لیا تو یہ قسم ہو جائیگی۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک تحریم حلال قسم نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ (صلعم) نے حضرت ماریہ (رسول اللہ صلعم کی ایک مملوکہ) کو اور شہد پینے کو اپنے لئے حرام کر لیا تھا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ (کذا فی الصحیین) اس کی تفصیل سورۂ تحریم میں انشاء اللہ آئے گی۔

مسئلہ: اگر میں نے ایسا کیا ہو تو یہودی ہوں یا اسلام سے خارج ہوں یہ الفاظ یمین غموس کے ہیں (یعنی گذشتہ واقعہ کے متعلق دانستہ بالارادہ جھوٹی قسم ہے) اگر اس نے ماضی میں وہ فعل کر بھی لیا ہوگا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس قسم سے کافر نہیں ہو جائیگا کیونکہ مستقبل کے متعلق اگر یہی الفاظ استعمال کرے (اور یوں کہے اگر میں ایسا کروں تو اسلام سے خارج ہو جاؤں اور پھر وہ کام کر لے) تو کافر نہیں ہو جاتا ہے پس ماضی کو مستقبل پر قیاس کیا جائے گا۔

بعض لوگ کافر ہو جانے کے قائل ہیں کیونکہ اس نے دانستہ کفر کو اپنے اوپر لاگو کیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے صحیح یہ ہے کہ ایسا کہنے والا اگر اس قول کو صرف قسم جانتا ہے تو کافر نہ ہوگا اور اگر سمجھتا ہے کہ اس حلف سے وہ کافر ہو جائے گا۔ تو چونکہ حلف کھا کر اس نے خود کفر کو پسند کیا ہے اس لئے کافر ہو جائیگا حضرت بریدہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی نے کہا کہ میں اسلام سے الگ ہوں پس اگر وہ جھوٹا ہے (واقع میں مؤمن ہوتے ہوئے اس نے اپنے کو خارج از اسلام کہا) تو اپنے قول کے مطابق ہو جائیگا۔ اور سچا ہے تو اسلام کی طرف خالص طور پر نہیں لوٹے گا۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ)

مسئلہ ۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نام یا اس کی کسی صفت کے ذکر کے ساتھ بصیغۂ ماضی قسم کھائی مثلاً اقسمتُ باللہ یا حلفتُ باللہ یا شہدتُ باللہ یا عزمتُ باللہ کہا تو باتفاق علماء یہ قسم ہو گئی اور اگر بصیغۂ مضارع قسم کھائی مثلاً اقسم باللہ یا احلف باللہ یا اشہد باللہ یا اعزم باللہ کہا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مضارع کا معنی حال کا لیا جائیگا اور یہ قسم ہو جائے گی کیونکہ مضارع کا حال میں استعمال ہی حقیقی ہے استقبال کا معنی مراد لینا مجازی ہے جس کے لئے کوئی قرینہ ہونا ضروری ہے خواہ سین ہو یا سوف یا اور کچھ ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بغیر نیت کے قسم نہ ہو گی کیونکہ صیغۂ مضارع کا استقبالی معنی میں استعمال حقیقی ہے اور احتمال ہے کہ صیغۂ مضارع بول کر اس نے آئندہ قسم کھانے کا وعدہ کیا ہو اس صورت میں اُقسِمُ اور اشہدُ کا ترجمہ ہو گا میں قسم کھاؤنگا میں شہادت دوں گا کہ ایسا کروں گا)

مسئلہ ۔ اگر اللہ کا نام اور صفت ذکر نہیں کی بلکہ صرف اقسمتُ یا اُقسِمُ یا حلفتُ یا احلفُ کہا یعنی میں نے قسم کھالی ہے یا قسم کھاتا ہوں) تو امام اعظمؒ کے نزدیک یہ قسم ہو گی قسم کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور اگر اس لفظ کو بول کر اُس نے قسم کی نیت نہیں کی ہو تو قاضی اسکے قول کو تسلیم نہیں کریگا یعنی یہ بات نہ مانے گا کہ لفظ قسم و حلف سے میری مراد قسم نہیں تھی) ہاں اللہ کے ہاں وہ ماخوذ نہ ہو گا یعنی عدالت میں اس کو سچا نہیں قرار دیا جائیگا۔ عدالت میں اس کی زبان سے نکلے ہوئے لفظ قسم کو قسم ہی قرار دیا جائیگا البتہ دیانۃً وہ سچا ہو گا اور دیانت کا تعلق صرف اللہ سے براہ راست ہے (جو دلوں کے احوال کو جاننے والا ہے) امام زفرؒ کے اور ایک قول میں امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بھی اگر صرف لفظ قسم بول کر اس نے اللہ کی قسم مراد لی ہو گی تو قسم ہو جائیگی اور اللہ کی قسم کی نیت نہ کی ہو گی تو اسلامی قسم نہ ہو گی کیونکہ لفظ میں غیر شرعی قسم کا احتمال ہے (اور غیر شرعی قسم قسم نہیں ہوتی) امام شافعیؒ کے نزدیک صرف لفظ قسم کہنے سے قسم ہی نہیں ہوتی خواہ قسم کی نیت کر لی یا نہ کر لی ہو۔

ہم کہتے ہیں اللہ کی قسم ہی مسلمانوں کا دستور اور مشروع ہے اللہ کے سوا دوسرے کی قسم کھانا ممنوع ہے اس لئے نیت غیر مشروع نہ ہونے کی صورت میں مشروع ہی کی طرف کلام کو لوٹایا جائے گا اس کا ثبوت حدیث میں آیا ہے حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے خواب دیکھا اور رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے بیان کیا حضرت ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے اجازت دیجئے میں اس کی تعبیر دوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اجازت دے دی اور حضرت ابو بکرؓ نے تعبیر دی اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں نے صحیح تعبیر دی فرمایا (کچھ) صحیح دی اور (کچھ) غلط دی۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں قسم کھاتا ہوں کہ حضور (میری غلطی) مجھے بتا دیں گے۔ حضور صلعم نے فرمایا اس طرح قسم نہ کھاؤ امام احمدؒ کی روایت میں اس حدیث کے الفاظ اسی طرح

آئے ہیں لیکن صحیحین میں یہ الفاظ ہیں (حضرت ابوبکرؓ نے کہا) اللہ کی قسم آپ ضرور مجھے بتائیں گے کہ میں نے کیا غلطی کی ہے حضورؐ نے فرمایا قسم نہ کھاؤ۔ واللہ اعلم۔

فَكَفَّارَتُهٗ "تو اس کا اتار" یعنی قسم توڑنے کا کفارہ یا توڑنے کی صورت میں یمین منعقدہ کا کفارہ یعنی ایسا فعل جو قسم کے گناہ کو ساقط کردے اور اتار دے، اور چھپا دے (کفر کا لغوی معنی ہے چھپانا)

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ "دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے"۔ اطعام کھانے پر قادر بنا دینا خواہ اس طرح ہو کہ کسی کو کھانے کا مالک بنا دے یا اس طرح ہو کہ اس کو کھانے کی اجازت دیدے اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اگر صبح شام دو وقت پیٹ بھر کر کھلا دیا اور مالک نہیں بنایا (یعنی کھانا اس طرح نہ دیا کہ چاہے وہ گھر کو لیجائے اور چاہے خود وہیں کھالے) تو جائز ہے خواہ انھوں نے تھوڑا کھایا ہو یا بہت (یعنی مقدار طعام دینا شرط نہیں ہے پیٹ بھر کر کھلا دینا کافی ہے) کرخی نے حسن بن زیاد کی روایت سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کھانے کا مالک بنا دینا ضروری ہے (کہ چاہے وہ سب لیجائے چاہے کچھ کھائے کچھ لیجائے چاہے سب کھالے) کیونکہ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر میں بھی تملیک ہی شرط ہے (اور دونوں کی مقدار مقرر ہے جو مسکین کو دیدی جاتی ہے خواہ وہ کچھ بھی کرے لہٰذا کفارہ کی مقدار کا بھی مسکین کو مالک بنا دینا ضروری ہے وہ جیسا چاہے تصرف کرے) اس کے علاوہ مالک بنا دینے یعنی مسکین کو دیدینے سے اسکی ضرورتیں بھی زیادہ پوری ہو جاتی ہیں صرف کھانے کی اجازت دینے سے ضرورتوں کی تکمیل ممکن نہیں

ہم کہتے ہیں زکوٰۃ کے لئے تو لفظ ایتا آیا ہے اور صدقۂ فطر کے لئے بھی لفظ ادا استعمال کیا گیا ہے اور ایتا ہو یا ادا، دونوں کا حقیقی معنی مالک بنا دینا (ہر قسم کے تصرف کا کامل حق دے دینا) ہی ہے مگر اطعام کا حقیقی معنی کھانا دینا نہیں ہے بلکہ کھانے پر قادر بنا دینا ہے (یعنی کھانا کھلانا اطعام کا حقیقی مفہوم ہے)

ایک شبہ

اگر اطعام کا حقیقی مفہوم کھانے پر قادر بنا دینا (یعنی کھانا کھانے سے نہ روکنا) ہی ہے تو مالک بنا دینا (یعنی اس طرح دیدینا کہ وہ خود نہ کھائے بلکہ لیجائے اور اس کھانے کا جس طرح چاہے استعمال کرے) جائز نہ ہونا چاہئے کیونکہ (تملیک کا مفہوم مجازی ہوگا) اس صورت میں حقیقت و مجاز دونوں کا بیک وقت مراد ہونا لازم آئیگا۔

ازالہ: ہم کہتے ہیں تملیک کے اندر بھی کھانے کی اجازت اور عطاء قدرت موجود ہے یا یوں کہا جائے کہ تملیک کا جواز دلالت نص کے سبب سے ہے اور اباحت کا مفہوم حقیقی ہے اور دلالت نص حقیقت پر عمل کرنے

سے مانع نہیں ہوتی جیسے ماں باپ کو اُف کرنے کی ممانعت حقیقی ہے اور مارنے گالی دینے کی ممانعت بدلالت النص ہے اور مارنے گالی دینے کی ممانعت اُف کرنے کی ممانعت سے مانع نہیں، کیونکہ دونوں کی اصل غرض یہ کھانے کی ضرورت کو پورا کرنا اور تملیک سے ہر ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کھانے کی ضرورت کا اس میں شمول بدرجۂ اولیٰ ہے عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے کہ آیت فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ کی تشریح میں حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا مسکینوں کو صبح شام کا کھانا کھلا دے، روٹی گوشت ہو یا روٹی اور روغن زیتون یا روٹی اور گھی یا روٹی اور کھجوریں۔

مسئلہ :۔ کھانے والے مسکینوں میں اس بچہ کی گنتی نہ ہوگی جس کا دودھ حال میں چھڑایا گیا ہو کیونکہ وہ پورے طور پر (کھانا) نہیں کھا سکتا۔

مسئلہ :۔ اگر گیہوں کی روٹی نہ ہو تو سالن ہونا بھی ضروری ہے تاکہ پیٹ بھر کر پورے طور پر کھائی جا سکے گیہوں کی روٹی میں یہ شرط نہیں ہے بشرطیکہ کھانا کھلانے والا بغیر سالن کے گیہوں کی روٹی معمولاً کھاتا ہو۔

مسئلہ :۔ امام صاحب کے نزدیک ایک ہی مسکین کو دس دن تک کھانا دینا جائز ہے لیکن ایک دن میں ایک ہی شخص کو دس مرتبہ کھانا دینا جائز نہیں ہے بعض علماء نے لکھا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دن میں دس مرتبہ کھلانا کافی نہیں ہے لیکن ایک دن میں دس مرتبہ کھانا دینا (یعنی دس مرتبہ میں دس آدمیوں کی خوراک کا ایک شخص کو ایک ہی دن میں مالک بنا دینا) جائز ہے کیونکہ تملیک کی ضرورت ایک دن میں تو سو ہو سکتی ہے مگر کھانے کی ضرورت ایک دن میں دس بار نہیں ہوتی۔ اگر یکدم دس مسکینوں کا کھانا ایک مسکین کو دے دیا تو جائز نہیں یہ تمام اقوال امام صاحب کے ہیں۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا قول ہے کہ دس مساکین کا کھانا ایک مسکین کو کھلانا جائز ہے نہ دینا، نہ یک دم نہ دس مرتبہ میں نہ دس دن میں (کیونکہ آیت میں عشرۃ مساکین (دس مسکینوں) کی نص ہے اور ایک مسکین اگر بار بار حاجتمند ہوتا رہے تو دس مسکین نہیں ہو سکتا رہیگا ایک ہی مسکین) امام اعظمؒ نے فرمایا اصل مقصد ہی حاجت کو پورا کرنا، اور کھانے کی حاجت ہر روز نئی ہوتی ہے لہٰذا دوسرے روز بھی پہلے مسکین کو ہی دینا ایسا ہی ہے جیسے کسی دوسرے مسکین کو دینا (گویا حاجت کے تجدد سے امام صاحب کے نزدیک مساکین کا تعدد حکماً ہو جاتا ہے) اور ایک دن میں دس مرتبہ کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی (اس لئے مساکین کا تعدد حقیقی ہو گا نہ حکمی اسی وجہ سے یہ صورت ناجائز ہے) امام شافعیؒ نے فرمایا اگر ضرورت طعام پوری کرنے کو اصل علت قرار دیا جائیگا اور مذکورۂ بالا توجیہ کی جائیگی تو نص کا تقاضا پورا نہ ہوگا (لفظ عشرۃ مساکین بے معنی اور بے مقصد قرار پائے گا)

مسئلہ :۔ اگر دس مسکینوں کو کھانا دیا جائے تو ہر مسکین کے لئے اہل عراق کے نزدیک دو مُد (تقریباً

دو سیر یعنی آدھا صاع ہونا چاہئے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا قول بھی روایت میں یہی آیا ہے امام ابو حنیفہ نے فرمایا گندم کا نصف صاع اور جو یا چھواروں کا پورا صاع ہونا چاہئے شعبی نخعی، سعید بن جبیر مجاہد اور حکم کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک مُد سے مراد ہیں بغدادی دو رطل۔ امام احمد نے فرمایا گیہوں یا (گیہوں کا) آٹا ایک مُد اور جو یا چھوارے دو مد اور روٹی یعنی گیہوں کی روٹی دو رطل ہونی چاہئے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا مد سے مراد ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مُد جو ۱⅓ رطل کے برابر تھا اور جنس وہ ہونا چاہئے جس کو شہر میں اکثر لوگ کھاتے ہیں روٹی اور آٹا دینا صحیح نہیں ہے ثابت غلہ دینا چاہئے بغوی نے لکھا ہے۔ زید بن ثابت، ابن عباس، ابن عمر سعید بن المسیب، قاسم، سلیمان بن یسار، عطاء اور حسن کا بھی یہی قول ہے۔

تمام کفارات میں ائمہ اور صحابہؓ و تابعین کا اختلاف قسم کے کفارہ کی طرح ہے۔ امام صاحب کے نزدیک درہم و دینار کی شکل میں قیمتِ جنس لگانے کے بعد کفارہ ادا کرنا صحیح ہے دوسرے علماء کے نزدیک درست نہیں۔

کرخی نے حضرت عمرؓ کا قول بیان کیا ہے کہ چھواروں اور جو کا ایک صاع اور گیہوں کا آدھا صاع ہونا چاہئے کرخی نے اپنی اسناد سے یہ بھی بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا قسم کا کفارہ گیہوں کا نصف صاع ہے۔ یہی کرخی نے بیان کیا کہ مجاہد نے فرمایا قرآن میں جو کفارہ ہے اس کی مقدار فی مسکین نصف صاع گندم ہے۔

ابن جوزی نے التحقیق میں لکھا ہے کہ سلیمان بن یسار نے کہا میں نے لوگوں کو طعام مساکین میں ایک ایک مُد دیتے ہوئے پایا۔ دوسری روایت میں اتنا زائد آیا ہے کہ یہ مقدار کافی ہوتی تھی (یعنی کفارہ ادا کرنے کے لئے کافی سمجھی جاتی تھی)

کفارہ کے سلسلے میں حضرت ابو سلمہؓ کی روایت آئی ہے کہ سلیمانؓ بن صخر نے (جن کو سلمہؓ بن صخر کہا جاتا تھا) اپنی بیوی سے رمضان کے لئے ظہار کر لیا یعنی بیوی سے کہہ دیا کہ تو میرے لئے رمضان میں ایسی ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ لیکن آدھا رمضان گذرنے پر ہی رات کو قربت کر بیٹھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر گذارش واقعہ کر دی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بردہ آزاد کر دو۔ سلمہؓ نے عرض کیا بردہ تو مجھے میسر نہیں۔ فرمایا دو مہینے کے پیہم روزے رکھو عرض کیا اس کی بھی مجھ میں طاقت نہیں فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا دو۔ عرض کیا یہ بھی مجھے توفیق نہیں اس وقت حضور صلعم نے عروہ بن عمرو سے فرمایا اس کو ایک فرق دے دو فرق ایک پیمانہ ہوتا تھا جس کے اندر پندرہ سولہ صاع (غلہ) آتا تھا کہ ساٹھ مسکینوں کو یہ کھلا دے۔ رواہ الترمذی۔

ابو داؤد ابن ماجہ اور دارمی نے بھی راویٔ مذکور کی روایت میں سلمہ بن صخر کا بیان حسب روایت ترمذی نقل کیا ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرت سلمہؓ نے کہا میں عورتوں میں وہ چیز پاتا تھا جو دوسرے نہیں پاتے الخ امام شافعیؒ اور دوسرے فقہاء جو ہر مسکین کے لئے مذکورۂ حدیث مقدار (یعنی ربع صاع) کافی قرار دیتے ہیں حدیث سلمہؓ سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو طبرانی نے حضرت اوسؓ بن صامت کی روایت سے بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا، ساٹھ مسکینوں کو تیس صاع کھلا دیدے اس نے عرض کیا میرے پاس تو یہ نہیں ہاں اگر آپ مدد کردیں تو ایسا ہو سکتا ہے چنانچہ حضورؐ نے اسکو پندرہ صاع کی مدد دی اور باقی دوسروں نے اعانت کردی کہ تیس صاع ہوگئے انتہٰی میں کہتا ہوں غالباً وہ پندرہ صاع) گیہوں ہوں گے۔ ابو داؤد نے بطریق ابن اسحاق بروایت معمر بن عبداللہ بن حنظلہ از یوسفؒ بن عبداللہ بن سلام حدیث مذکور کی روایت ان الفاظ کے ساتھ کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا میں اس کی مدد ایک فرق چھواروں سے کردوں گا حضرت اوسؓ بن صامت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فرق سے میں مدد کردوں گا فرمایا اَحْسَنْتَ۔ راوی نے کہا فرق ساٹھ صاع کا تھا اور مکتل تیس صاع کا۔ ابن ہمام نے لکھا ہے۔ مؤخر الذکر قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اگر مکتل ساٹھ صاع کا ہوتا تو کفارہ کے لئے دوسرے فرق کی ضرورت ہی نہ تھی۔

ابو داؤد نے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن کی روایت سے بیان کیا ہے کہ فرق پندرہ صاع کا ایک زنبیل ہوتا تھا۔

ابو داؤد نے سلمہ بن صخر بیاضی کے قصہ میں بیان کیا ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق چھوارے دیدو اس شخص (یعنی سلمہ بن صخر) نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق بھیجا ہم دونوں رات کو بھوکے رہے ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا حضور صلعم نے فرمایا تو بنی زریق کی زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل کے پاس چلا جا وہ تجھے دے دیگا اس میں سے ایک وسق چھوارے تو ساٹھ مسکینوں کو دیدینا اور باقی تو اور تیرے بال بچے کھالیں۔ الحدیث اخرجہ احمد و ابو داؤد۔

مسئلہ:۔ بچہ کو کھانا کھلانا اور دے دینا دونوں جائز ہیں اور قبول بچہ کا ولی کرے گا۔ کیا ایسا بچہ جس نے ابھی کھانا نہ کھایا ہو اس قابل ہے کہ اس کو کفارہ کا کھانا دیا جائے۔ امام اعظمؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام احمد کے نزدیک غیر صحیح۔

مسئلہ:۔ امام اعظمؒ کے نزدیک ذمی کافر کو دینا جائز ہے کیونکہ نص (میں لفظ مساکین) مطلق ہے اور دوسری آیت میں اللہ نے خود فرمادیا ہے لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین الخ یعنی

جو کافر تم سے دین کے معاملہ میں نہ لڑے ہوں ان سے دنیوی معاملات میں حسن سلوک کرنے سے اللہ تم کو نہیں روکتا الخ جمہور کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ ذمی کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے اور زکوٰۃ لینے کا اہل کافر ذمی نہیں ہے یہ مسئلہ اجماعی ہے لہٰذا کفارہ کو بھی زکوٰۃ پر قیاس کیا جائیگا۔

مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ " اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو" بغوی نے لکھا ہے مراد یہ ہے کہ اپنے بال بچوں کی بہترین خوراک میں سے۔

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ درمیانی درجہ کی غذا ہو نہ اعلیٰ نہ ادنیٰ۔ بس جو دولت مند آدمی اپنے گھر والوں کو لذیذ کھانا کھلاتا ہو اس پر لازم ہے کہ مسکینوں کو بھی وہی کھلائے جو عموماً اپنے گھر والوں کو کھلاتا ہو آیت مذکورہ امام ابو حنیفہؒ کے قول کی تائید کر رہی ہے کہ فقیر کو کھانے کی اجازت دیدینا (یعنی بغیر مالک بنائے ہوئے صرف کھانے کی اجازت دے دینا) جائز ہے۔

عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے من اوسط ما تطعمون اھلیکم کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے اپنی تنگدستی اور فراخ دستی میں دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے نہ سب سے بڑھیا نہ بالکل گھٹیا۔ اھل کی جمع یا رونون کے ساتھ شاذ ہے کیونکہ لفظ اھل (زید کی طرح) علم نہیں ہے۔

اَوْ كِسْوَتُهُمْ "یا ان کا کپڑا" یا اس طرح ترجمہ کیا جائے یا اوسط درجہ کا ان کا لباس اول صورت میں اطعام پر عطف ہوگا اور دوسری صورت میں من اوسط کے محل پر۔

امام مالکؒ اور امام احمد کے نزدیک کم سے کم اتنا کپڑا ہونا چاہئے جس کو پہن کر نماز صحیح ہو جائے۔ ایک قول امام محمدؒ کا بھی یہی آیا ہے۔ اس صورت میں مرد کے لئے صرف پائجامہ یا تہبند یا (گھٹنوں سے نیچا) کرتہ کافی ہوگا اور عورت کے لئے دو کپڑے ضروری ہیں (لمبا) کرتہ اور اوڑھنی۔ امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کم سے کم اتنا کپڑا ہونا چاہئے جس سے بدن کا بیشتر حصہ چھپایا جا سکے اس لئے صرف پائجامہ کافی نہیں اگرچہ صرف پائجامہ سے نماز ہو جاتی ہے۔ کیونکہ صرف پائجامہ پہننے والے کو رواج میں برہنہ کہا جاتا ہے اور ضرورت ہے لباس پوش بنا دینے کی۔ اور عورت کے لئے ایک لمبا کرتہ بغیر اوڑھنی کے کافی ہے اگرچہ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے صحیح نہیں کیونکہ عرف میں ایسی عورت کو برہنہ نہیں کہتے لباس پوش کہتے ہیں۔ ابن مردویہ نے لکھا ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اوکسوتہم سے کیا مراد ہے فرمایا عبا (دلمبا ڈھیلا کرتہ) طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ ہر مسکین کے لئے ایک عبا (ہونا چاہیے)

(امام شافعیؒ کے نزدیک کسوتہم سے مراد ہے کم سے کم وہ کپڑا جس پر لفظ کسوت کا اطلاق ہوتا ہے اسلئے صرف عمامہ یا صرف پائجامہ یا صرف معمولی کرتہ جائز ہے۔ صرف ٹوپی کے متعلق شافعیہ کے دو قول آئے ہیں۔
اگر پانچ مسکینوں کو کھانا اور پانچ کو کپڑا دیا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک جائز ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ناکافی ہے۔

اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ یا بردہ آزاد کرنا۔ رقبۃ (گردن کو کہتے ہیں مراد ہے) انسان (مرد ہو یا عورت) امام اعظمؒ کے نزدیک قسم اور ظہار کے کفارہ میں کافر غلام یا باندی آزاد کرنا جائز ہے کیونکہ نص (میں رقبۃ کا لفظ مطلق ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک کافر کو آزاد کرنا کافی نہیں مؤمن ہونا ضروری ہے۔ کفارۂ قتل میں غلام باندی کا مؤمن ہونا ضروری ہے (کیونکہ وہاں مؤمن کی قید آیت میں موجود ہے) اسی پر قیاس کر کے اس جگہ بھی مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا ہم کہتے ہیں مطلق کو اطلاق پر اور مقید کو تقیید پر رکھا جائیگا کوئی وجہ نہیں کہ ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جائے۔

مسئلہ:۔ لفظ او کا تقاضا ہے کہ کفارہ کی تینوں قسموں میں سے کوئی ایک قسم واجب ہے اور تعیین کا اختیار کفارہ دینے والے کو ہے۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب آیت کفارہ نازل ہوئی تو حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا (تعیین کا) ہم کو اختیار ہے فرمایا تم با اختیار ہو چاہو کپڑا دو چاہو کھانا دو اور جس کو (اتنا) کچھ نہ ملے تو پیہم تین روزے ہیں۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ اب اگر کسی کو تینوں چیزوں میں سے کچھ میسر نہ آئے یعنی اتنی چیز اس کو نہ ملے کہ قرض ادا کرنے اور اپنے گھر والوں کے کھانے پہننے کے مصارف کے بعد مسکینوں کو کھانا یا کپڑا دے سکے یا بردہ آزاد کر سکے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اہل و عیال کی ضروری حاجات پوری کرنے کے بعد اگر صرف اتنا مال باقی ہو کہ کفارہ کی تینوں قسموں میں سے کوئی قسم ادا کر سکے اور ادائے کفارہ کے بعد مزید کچھ باقی نہ رہے تو ایسے شخص کو عاجز نہیں قرار دیا جائیگا حسن اور سعید بن جبیر کا یہی قول ہے۔ ابوالشیخ نے قتادہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جس شخص کے پاس پچاس درہم ہوں وہ صاحب توفیق ہے اس پر کفارہ کی ادائیگی لازم ہے پچاس درہم سے کم رکھنے والا صاحب توفیق نہیں اس کو (قسم کے کفارہ کے لئے) روزے رکھنے چاہییں۔ ابوالشیخؒ نے ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے کہ بیس درہم رکھنے والا صاحب توفیق ہے مساکین کو (بطور کفارہ) کھانا دینا اس پر واجب ہے۔

مسئلہ:۔ غلام کے لئے سوائے روزے رکھنے کے قسم کا کوئی کفارہ نہیں کیونکہ اس کا مال اپنا مال نہیں اس لئے نہ کھانا دے سکتا ہے نہ لباس نہ بردہ آزاد کر سکتا ہے۔ اگر آقا اپنے غلام کی قسم کے کفارہ میں کھانا دے گا یا لباس یا بردہ آزاد کرے گا تو کفارہ نہ ہوگا مکاتب اور مستسعیٰ

کا بھی یہی حکم ہے۔[1]

مسئلہ:۔ اگر غلام نے کفارہ کے روزے رکھنے شروع کئے اور روزے پورے ہونے سے پہلے اس کو آزاد کر دیا گیا خواہ ختم صوم سے ایک ساعت پہلے ہی آزادی ملی ہو اور مال بھی (بقدر کفارہ) ہاتھ آگیا ہو تو از سرِ نو کفارہ ادا کرنا ضروری ہے یہی حکم اس نادار آدمی کا ہے جو (ناداری کی وجہ سے) کفارہ کے روزے رکھ رہا ہو لیکن روزے پورے ہونے سے پہلے (بقدر کفارہ) مال اس کے ہاتھ آجائے تو از سرِ نو کفارہ ادا کریگا۔

مسئلہ:۔ ہمارے نزدیک ادائے کفارہ کا ارادہ کرنے کے وقت صاحب مال ہونا شرط ہے (قسم توڑنے کے وقت مالدار ہو یا نہو) کیونکہ روزہ بجائے مال کے مشروع کیا گیا ہے جیسے تیمم وضو کے قائم مقام ہے لہٰذا وقتِ ادا کا اعتبار ہے (وقتِ وجوب کا اعتبار نہیں) امام شافعیؒ کے نزدیک قسم توڑنے کے وقت مالدار ہونا چاہئے۔

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ تو (اس کا کفارہ) تین دن کے روزے رکھنے ہیں۔

مسئلہ:۔ امام مالک کے نزدیک مسلسل روزے رکھنے ضروری نہیں (بیچ میں ناغہ کر کے بھی روزہ رکھ سکتا ہے تین کی گنتی پوری کرے) کیونکہ نص (میں لفظ ثلٰثۃ ایام) میں کوئی قید نہیں البتہ پیہم بغیر ناغہ کئے روزے رکھنا مستحب ہے۔

امام شافعیؒ کے دو قول آئے ہیں جدید راجح قول یہی ہے کہ تسلسل صیام مستحب ہے واجب نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تسلسل واجب ہے امام شافعی کا بھی قول قدیم یہی ہے۔ کیونکہ قتل اور ظہار کے کفارہ میں تسلسل کی قید نص میں آئی ہے اس لئے اس مطلق میں بھی اسی شرط کو ضروری قرار دیا جائے گا امام شافعیؒ کے قول راجح کی دلیل یہ ہے کہ کفارۂ یمین میں دو قاعدوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔ ایک تو قتل اور ظہار کے کفارہ کے قاعدہ کو کہ وہاں تسلسل صیام منصوص ہے۔ دوسرا صوم تمتع کو کہ وہاں روزوں میں تفریق ضروری ہے (امام شافعی صوم تمتع کو حج میں دم جبر قرار دیتے ہیں) اول صورت کا تقاضا ہے کہ تسلسل ضروری قرار دیا جائے اور دوسری صورت کا تقاضا ہے کہ عدم تسلسل کو واجب کہا جائے اس لئے ہم نے اس جگہ مطلق کو مطلق ہی رہنے دیا نہ تسلسل کو واجب کہا نہ تفریق کو)

امام صاحب کے قول کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں ثلٰثۃ ایام کے بعد متتابعات کا لفظ

---

[1] اگر غلام کو اس شرط پر آزاد کرنے کا معاہدہ کر لیا کہ جس وقت تو اتنا روپیہ مجھے دے دیگا آزاد ہوجائے گا تو ایسے غلام کو مکاتب کہا جاتا ہے۔ اگر ایک غلام دو آدمیوں کا مشترکہ ہو۔ اور ایک آقا اپنا حصہ آزاد کر دے تو غلام پورا آزاد ہوجائیگا اور غلام سے کہا جائے گا کہ آزاد نہ کرنے والے آقا کے حصہ کی قیمت کچھ محنت مزدوری کر کے ادا کر دے ایسا غلام مستسعٰی کہلاتا ہے۔

آیا ہے اور یہ قرأت شہرت کے درجہ پر فائز ہے اور (قید) مشہور سے (متواتر) مطلق کو مقید کر دینا جائز ہے کیونکہ اس قید کا ورود حکم پر ہوگا سبب پر نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ امام اعظمؒ کے نزدیک کافر کی قسم کا انعقاد ہی نہیں ہوتا اسی لئے کفارہ بھی لازم نہیں باقی تینوں اماموں کے نزدیک کافر کی قسم منعقد ہو جاتی ہے اور قسم شکنی پر کفارہ لازم ہے۔ ہماری پہلی دلیل یہ ہے کہ کافر قسم کھانے کا اہل ہی نہیں ہے قسم کا انعقاد اللہ کے نام کی عظمت کی وجہ سے ہوتا ہے اور کافر کے نزدیک اللہ کے نام کی کوئی عظمت ہی نہیں۔ اس دلیل پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اگر کافر کسی دعویٰ کا منکر ہو تو اس سے باجماع علماء قسم لی جائیگی (معلوم ہوا کہ کافر کی قسم قابل انعقاد اور معتبر ہے)

دوسری دلیل یہ ہے کہ قسم کا کفارہ ایک طرح کی عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں میں کہتا ہوں اس دلیل کا اقتضاء تو یہ ہے کہ اگر کسی کافر نے قسم کھائی ہو پھر مسلمان ہو گیا ہو اور مسلمان ہونے کے بعد قسم شکنی کی ہو تو اس پر کفارہ لازم ہو جائے گا (کیونکہ اسلام کی حالت میں اس نے قسم شکنی کی ہے اور اس وقت وہ اہل کفارہ بھی ہے) واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ جب تم نے قسم کھائی ہو (اور قسم کے خلاف کیا ہو) تو یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔ قسم شکنی کی شرط اس لئے لگائی گئی کہ بغیر شکست قسم کے باجماع علماء (محض قسم کھانے سے) کفارہ واجب نہیں ہو جاتا۔

امام احمد و شافعی نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ قسم شکنی سے پہلے کفارہ ادا کر دینا جائز ہے ایک قول امام مالکؒ کا بھی اسی طرح منقول ہے، کیونکہ آیت میں کفارہ کی نسبت قسموں کی طرف کی گئی ہے قسم شکنی کی طرف نہیں کی گئی۔ اور اضافت اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ مضاف الیہ مضاف کا سبب ہوتا ہے خواہ مضاف مضاف الیہ کا کوئی شرعی حکم ہو یا حکم شرعی سے تعلق رکھنے والا کوئی امر ہو اور اس جگہ کفارہ (اگرچہ خود حکم شرعی نہیں مگر) وجوب سے تعلق رکھنے والا ہے اور وجوب حکم شرعی ہے اور جب یمین (قسم) کفارہ کا سبب قرار پائی تو قسم شکنی سے پہلے کفارہ کی ادائگی درست ہونی چاہیے کیونکہ شکست قسم تو شرط ہے (سبب نہیں ہے) اور سبب موجود ہونے کے بعد شرط پر تقدیم شرعاً جائز ہے (دیکھو اگر نصاب زکوٰۃ موجود ہو جو سبب وجوب زکوٰۃ ہے اور سال پورا نہ ہوا ہو جو شرط ہے) تو زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے یا اگر کسی نے کسی کو زخمی کر دیا اور مجروح ابھی مرا نہیں تو مرنے سے پہلے ادائے خوں بہا درست ہے۔

اس دلیل کی روشنی میں (قسم شکنی کا) کفارہ بصورت مالی ہو یا بصورت صوم دونوں کی تقدیم جائز ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک اور امام شافعیؒ کا قدیم قول یہی ہے امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ مالی کفارہ کی تقدیم جائز ہے اور قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کے روزے رکھنا درست نہیں۔ کیونکہ وجود سبب کے بعد وجوب پر ادا کی

تقدیم صرف مالی عبادات میں شرعاً موجود ہے (بدنی عبادات کے وجوب سے پہلے ادا کی اجازت کی کوئی نظیر نہیں ملتی) دیکھو وجوب سے پہلے نماز روزہ کی ادائیگی جائز نہیں۔

امام اعظمؒ کے نزدیک قسم شکنی سے پہلے کسی قسم کے کفارہ کی ادائیگی جائز نہیں۔ امام صاحبؒ کے نزدیک کفارہ کا سبب قسم شکنی نہیں قسم ہے اس لئے قسم شکنی سے پہلے ادا، کفارہ جائز نہیں۔ کیونکہ کفارہ کا قانون گناہ کو دور کرنے اور قصور کی معافی کے لئے بنایا گیا ہے اور گناہ سے پہلے گناہ دور کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ گناہ تو قسم شکنی سے پیدا ہوتا ہے۔ رہا قسم کا معاملہ تو وہ نہ کفارہ کا سبب ہے نہ شکست قسم کا بلکہ قسم تکمیل کرنے کے لئے ہوتی ہے کوئی امر سبب اسی چیز کا ہو سکتا ہے کہ (اگر علت موجبہ نہ ہو تو) کم سے کم (اس چیز تک پہنچانے والا ہو اور قسم کی حالت ایسی نہیں ہے جس چیز پر قسم کھائی جاتی ہے اس کے عدم سے قسم مانع ہوتی ہے پھر اس کے عدم تک مفضی کیسے ہو سکتی ہے۔ ہاں اتفاقاً کبھی قسم کے بعد قسم شکنی ہو جاتی ہے (اگرچہ قسم شکنی سے قسم مانع ہے لیکن شکست کی نہ قسم موجب ہے نہ علت مقتضیہ)

پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اضافت سبب ہی کی جانب ہو کبھی) اضافت شرط کی جانب بھی ہوتی ہے جیسے صدقۃ الفطر (میں فطر صوم صدقہ کے وجوب کی شرط ہے) اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قسم سبب ہے تب بھی قسم شکنی وجوب کفارہ کی شرط ہوگی، اور شرط سے پہلے کفارہ کا وجوب ہی نہ ہوگا، اب اگر قسم شکنی سے پہلے کفارہ دیا ہے تو نہ قسم شکنی سے پہلے ادائیگی ہوگی نہ قسم شکنی کے بعد۔ وجوب سے پہلے ادائیگی کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ رہی زکوٰۃ اور صدقۂ فطر کی قبل وجوب ادائیگی تو عقلی دلیل کا تقاضا تو یہی تھا کہ یہ بھی صحیح نہ ہو مگر قیاس کے خلاف ان دونوں کے جواز کے متعلق نص آگئی لہٰذا نص کا حکم اسی مسئلہ میں محدود رکھا جائیگا جس کے متعلق نص آئی ہے، خلاف قیاس نص پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ زکوٰۃ کے متعلق حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے زکوٰۃ ادا کرنے کا مسئلہ دریافت کیا جب کہ ادا کا وقت نہ آیا ہو حضورؐ نے ان کو اجازت دیدی۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ والدارمی۔ اور صدقۂ فطر کے متعلق بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صدقۂ فطر واجب قرار دیا۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ لوگ فطر سے ایک دو روز پہلے صدقۂ فطر دے دیا کرتے تھے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوگی بلکہ پہلے سے اجازت دے دی گئی ہوگی کیونکہ وجوب سے پہلے ادا خلاف عقل ہے (اس لئے صحابہؓ نے اپنی عقل سے خود ایسا نہیں کیا ہوگا، لامحالہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ضرور سنا ہوگا۔ کذا قال ابن ہمام۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ قسم کفارہ کا سبب ہے۔ اضافت کا یہی تقاضا ہے اور قسم کے سبب بننے کی شرط قسم شکنی ہے، اصول فقہ میں صراحت کر دی گئی ہے

کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ میں تعلیق بالشرط سبب سے مانع ہے حکم سے مانع نہیں۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک حکم سے مانع ہے۔ گویا یہ کلام طلاق کا سبب صرف اس وقت ہوگا جب عورت گھر میں داخل ہو جائے اور مانع زائل ہو جائے، داخلہ سے پہلے یہ کلام عورت کو داخل ہونے سے باز رکھنے کے لئے کہا گیا تھا، اسی طرح قسم باللہ اصل میں تو قسم کو پورا کرنے کا سبب تھی لیکن جب قسم پوری نہ کی گئی اور توڑ دی گئی تو یہی قسم کفارہ کا سبب ہو گئی پس شکست سے پہلے کفارہ دینا وجود سبب سے پہلے ادا ہو گیا۔ زکوٰۃ کی حالت اس سے جدا ہے۔ زکوٰۃ کا سبب ہے مال اور صدقۂ فطر کی حالت بھی الگ ہے صدقۂ فطر کا سبب ہے ذات اور شخص۔

قسم شکنی سے پہلے کفارہ دینے کے جواز میں مندرجۂ ذیل روایت بھی پیش کی گئی ہے عوفؒ بن مالک کے والد کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا ایک چچا کا بیٹا ہے میں اس کے پاس کچھ مانگنے جاتا ہوں تو وہ کچھ نہیں دیتا اور مجھ سے سلوکِ قرابت نہیں کرتا، پھر جب وہ حاجتمند ہوتا ہے تو میرے پاس مانگنے آتا ہے۔ میں نے قسم کھالی کہ اس کو کچھ نہیں دونگا اور نہ سلوکِ قرابت کرونگا آپ مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے جو میرے لئے بہتر ہو میں اپنی قسم کا کفارہ دیدونگا۔ رواہ النسائی وابن ماجۃ دوسری روایت اس طرح ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا چچا کا بیٹا میرے پاس آتا ہے اور میں قسم کھا چکا ہوں کہ اس کو کچھ نہیں دوں گا اور سلوکِ قرابت نہیں کروں گا فرمایا اپنی قسم کا کفارہ دیدو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم اگر میں کسی بات کی قسم کھالوں اور پھر اس سے بہتر کام مجھے دکھائی دے جائے تو انشاء اللہ ضرور قسم کا کفارہ دیدونگا اور اس بہتر کام کو کروں گا متفق علیہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تو قسم کھالے اور پھر اس سے بہتر کام تجھے نظر آجائے تو اپنی قسم کا کفارہ دیدے اور اس بہتر کام کو کرلے دوسری روایت اس طرح ہے۔ اس بہتر کام کو کرلے اور اپنی قسم کا کفارہ دیدے متفق علیہ

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی کسی بات کی قسم کھالے اور پھر اس سے بہتر بات اس کو نظر آجائے تو قسم کا کفارہ دیدے اور وہ کام کرلے۔ رواہ مسلم یہ تمام روایات دلالت کر رہی ہیں کہ قسم شکنی سے پہلے کفارہ دینا جائز ہے کیونکہ بعض روایات میں قسم کو توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنے کا ذکر کیا گیا۔ مگر یہ استدلال ہیچ ہے کیونکہ واو مطلق عطف کے لئے آتا ہے (عطف ترتیبی کے لئے نہیں آتا)، اس لئے قسم شکنی کا ذکر کفارہ سے پہلے ہو یا کفارہ کا ذکر قسم شکنی سے دونوں صورتوں میں ترتیب نہیں ثابت ہو سکتی۔

ایک شبہ

بعض روایات میں لفظ ثُمَّ آیا ہے (جو ترتیب اور تراخی کے لئے آتا ہے) ابوداؤد نے حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اپنی قسم کا کفارہ دیدے اس کے بعد وہی کام کر جو بہتر ہو۔

مستدرک میں حضرت عائشہؓ کا بیان منقول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قسم کھا لیتے تھے تو اس کو توڑتے نہ تھے یہاں تک کہ اللہ نے قسم کے کفارہ کا حکم نازل فرمایا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا اگر میں قسم کھاؤں گا اور اس سے بہتر عمل مجھے کوئی اور دکھائی دیگا، تو قسم کا کفارہ دیدونگا پھر وہی عمل کرونگا جو بہتر ہوگا۔

جواب

(ابوداؤد کی روایت شاذ ہے اور صحیحین میں حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ کی وہ روایت مذکور ہے جو ہم نے اوپر نقل کر دی ۔ اور حضرت عائشہؓ کی روایت جو مستدرک میں ہے وہ بھی شاذ ہے۔ بخاری کی روایت میں (ثُمَّ نہیں ہے بلکہ) واؤ کے ساتھ عطف ہے ثُمَّ والی روایت کے صحیحین اور سنن اور مسانید کی روایات خلاف ہیں (ان کے مقابلہ میں شاذ روایت ناقابل عمل ہے)

وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ اور اپنی قسموں کی حفاظت رکھو" بعض لوگوں نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہر بات میں قسمیں نہ کھایا کرو صحیح مطلب یہ ہے کہ قسموں کے خلاف کرنے سے آیت میں روکا گیا ہے یعنی قسموں کو نہ توڑو قسم کے مطابق عمل کرو اور قسم کو پورا کرو اس مطلب کی تائید آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ سے ہو رہی ہے۔

احکام قسم

جس چیز پر قسم کھائی ہو اگر وہ طاعت (یعنی نیکی) ہو تو پورا کرنا واجب ہے۔ لیکن قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا بھی جائز ہے یا نہیں امام اعظمؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک چونکہ قسم توڑنا اس آیت کے حکم کے خلاف ہے اس لئے قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا درست نہیں امام شافعیؒ نے فرمایا قسم کی خلاف ورزی نہ کرنا اولیٰ ہے لیکن اگر قسم توڑ دی تو کفارہ لازم ہو جائیگا، امام مالک کے دونوں قول آئے ہیں اول بھی اور دوسرا بھی اگر کسی امر مباح پر قسم کھائی جس کا نہ کرنا کرنے سے بہتر نہ ہو تو اس کا حکم بھی حکم مذکور کی طرح ہے۔

اگر کوئی گناہ کرنے پر قسم کھائے تو قسم توڑنا اور کفارہ دینا واجب ہے کیونکہ قسم توڑنے کا گناہ تو کفارہ دیکر دور ہو سکتا ہے اور اگر گناہ کر لیا تو اس کے آثار کی کوئی شکل نہیں۔

اگر امر مستحب کو ترک کرنے کی قسم کھالی تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا اولیٰ ہے اللہ نے فرمایا ہے لَا تَجْعَلُوا

اللّٰہَ عُرْضَۃً لِّاَیْمَانِکُمْ یعنی اپنی قسموں کو نیکیوں سے مانع اور رکاوٹ نہ بناؤ۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا تھا میں قسم کھا لیتا ہوں کہ بعض لوگوں کو کچھ نہیں دونگا پھر میری رائے دینے کی ہوجاتی ہے تو دے دیتا ہوں اور کفارہ میں) دس مسکینوں کو (ایک) ایک صاع جو یا چھوارے یا (آدھا) آدھا صاع گیہوں دیدیتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ قسم کھا کر کبھی اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے آخر جب آیتِ کفارہ نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا میں اللہ کی عطا کی ہوئی اجازت قبول کرتا ہوں۔ اب اگر کبھی قسم کھاؤنگا اور کوئی بات قسم کے خلاف مجھے بہتر نظر آئی تو وہ کرونگا جو بہتر ہوگا۔ رواہ ابن ابی شیبۃ وعبد الرزاق و البخاری وابن مردویہ۔

فصل

نذر (منت) ماننا

اگر کسی ایسی شرط سے مشروط کرکے نذر مانی جس کے ہوجانے کی دلی خواہش ہو تو باجماع علماء غیر مشروط نذر کی طرح پورا کرنا ضروری ہے مثلاً یوں کہا کہ اگر بیمار اچھا ہوگیا تو ایک روزہ رکھونگا (ظاہر ہے کہ بیمار کے شفا پانے کی تمنا موجود ہے، اس لئے اگر بیمار شفایاب ہوجائے گا تو ایک روزہ رکھنا واجب ہوگا) اور اگر ایسی شرط کے ساتھ مشروط کیا جس کے نہ ہونے کی خواہش ہے، مثلاً یوں کہا کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو مجھ پر حج لازم ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اس صورت میں بھی وقوعِ شرط کے بعد وفاء نذر واجب ہوگی۔ امام صاحب کا دوسرا قول جو صحیح ترین روایت سے ثابت ہے یہ ہے کہ (بغیر نذر پوری کئے) کفارہ ادا کرنا کافی ہے۔ امام محمدؒ اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے اس صورت میں نذر پوری کرنے یا کفارہ ادا کرے دونوں میں سے جو صورت چاہے اختیار کرے۔ دوسری روایت میں امام احمد کا قول آیا ہے کہ صرف کفارہ دینا ضروری ہے۔

امام شافعیؒ کا قول مؤخر الذکر دونوں روایات کی طرح ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا اگر مالی خیرات کرنے کی نذر مانی ہے تو ایک تہائی مال خیرات کرنا واجب ہے اور اگر مالی صدقہ کی نذر نہ ہو تو وفاء نذر ضروری ہے کیونکہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابولبابہؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا میری توبہ (کے تکمیلِ اجزاء) میں سے یہ بھی ہے کہ اپنی قوم کی جس بستی میں مجھ سے گناہ کا صدور ہوا ہے اس کو چھوڑ دوں اور اپنے (کل) مال سے کنارہ کش ہوجاؤں، میرا کل مال خیرات ہے۔ حضور صلعم نے فرمایا تیری طرف سے ایک تہائی مال (کی خیرات) کافی ہے۔ رہا کفارہ کا جواز تو اس کا ثبوت حضرت عقبہؓ بن عامر کی روایت سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ رواہ مسلم۔

حضرت عمرانؓ بن حصین کی روایت ہے کہ غضب کی حالت میں نذر نہیں۔ ایسی نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ رواہ احمد والنسائی۔

مسئلہ:۔ اگر ایسی نذر مانی جس کو پورا کرنا ممکن نہیں خواہ اس وجہ سے کہ اس کو پورا کرنے کی طاقت نہیں۔ جیسے پیادہ حج کرنے کی نذر یا ہمیشہ روزے رکھنے کی نذر۔ یا اس وجہ سے کہ نذر کو پورا کرنے سے گناہ لازم آتا ہے (جیسے اقرباء سے سلوک نہ کرنے کی نذر یا رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی نذر) تو قسم کے کفارہ کی طرح کفارہ ادا کردے کیونکہ نذر کا معنی ہے کسی بات کو اپنے اوپر فرض کر لینا اور کسی بات کو فرض کر لینے کا معنی ہے اس بات کی ضد کو اپنے لئے حرام کر لینا اور کسی چیز کو حرام کر لینا قسم ہے عربی میں نذر کے موقع پر جو لام لفظ اللہ پر آتا ہے (مثلاً لِلّٰہِ عَلَیَّ صَوْمٌ) تو وہ لام مفید قسم ہوتا ہے جیسے لعمرک میں لام قسمیہ ہے۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے لَا نَذْرَ فِیْ مَعْصِیَۃٍ گناہ کی نذر نذر نہیں اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ رواہ احمد و ابو داؤد والترمذی والنسائی۔ نسائی نے عمران بن حصین کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث لکھی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا جس نے نذرِ غیر معین مانی اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے گناہ کی نذر مانی اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسی نذر مانی جس کو پورا کرنے کی طاقت نہیں تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہے اور جس نے قابل برداشت نذر مانی۔ تو اس کو ضرور پورا کرے۔ رواہ ابو داؤد و ابن ماجۃ۔ بعض علماء نے اس کو حضرت ابنؓ عباسؓ کا قول قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مالکؓ کی روایت ہے کہ عقبہ بن عامر کی بہن نے برہنہ پا برہنہ سر ہونے کی حالت میں پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مانی تھی۔ عقبہؓ نے اس کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا۔ حضور صلعم نے فرمایا اسکو حکم دیدو کہ سر ڈھانک لے اور سوار ہو جائے اور تین روزے رکھ لے۔ رواہ اصحاب السنن الاربعۃ والدارمی۔

مسئلہ:۔ جس نے قسم کے ساتھ انشاء اللہ کہہ دیا تو قسم منعقد نہیں ہوگی۔ اگر قسم کے خلاف کریگا تو قسم شکنی نہ ہوگی۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جس نے قسم کھائی اور انشاء اللہ بھی کہہ دیا تو اس پر قسم شکنی عائد نہیں ہوتی۔ رواہ اصحاب السنن الاربعۃ والدارمی۔ ترمذی نے لکھا ہے کہ ایک جماعت نے اس کو حضرت ابنؓ عمرؓ کا قول قرار دیا ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ یونہی تمہارے لئے اللہ تعالیٰ اپنی آیات یعنی شریعت کے بیانات کھولتا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ تاکہ تم اس نعمتِ تعلیم کا شکر ادا کرو یا اُس نعمت کا شکر ادا کرو

کر واجب کو ادا کرنے اور فارغ الذمہ ہونے اور اللہ کی مرضی حاصل کرنے اور درجاتِ قرب پر فائز ہونے کی تم کو توفیق نصیب ہوئی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ؕ[1] اے اہلِ ایمان شراب اور جوا اور انصاب

[1] ترمذی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے دعا کی اے اللہ شراب کے متعلق ہمارے لئے کوئی تسکین بخش بیان نازل فرما اس پر سورۂ بقرہ والی آیت يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ الخ نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے پھر دعا کی اے اللہ شراب کے متعلق ہمارے لئے کوئی تسلی بخش حکم نازل فرما دے اس پر سورۃ النساء والی آیت يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کو بلا کر یہ آیت سنائی گئی۔ آپؓ نے پھر دعا کی الٰہی شراب کے متعلق کھول کر ہمارے لئے کوئی بیان شافی نازل فرما دے تو سورۃ المائدہ والی آیت إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ ...... فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ تک شراب اور قمار کے متعلق نازل ہوئی۔ اور حضرت عمرؓ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی۔ حضرت عمرؓ نے کہا ہم باز آئے، ہم باز آئے (یعنی شراب اور قمار سے باز آئے)۔

عبدالرحمٰنؓ بن حارث کا بیان ہے میں نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو فرماتے سنا شراب سے بچو، یہ تمام بری باتوں کی جڑ ہے پچھلے زمانہ میں ایک عابد تھا ایک بدچلن عورت اس پر شیفتہ ہو گئی جس نے عابد کو بلانے کے لئے اپنی باندی کو بھیجا باندی نے آکر عابد سے کہا ہم گواہی کے لئے آپ کو بلانے آئے ہیں۔ عابد باندی کے ساتھ چل دیا باندی ایک محل سرائے کے دروازے میں داخل ہوئی اور ایک دروازہ کے بعد دوسرے دروازے میں اور دوسرے کے بعد تیسرے میں داخل ہوتی چلی گئی جس دروازہ سے آگے بڑھتی تھی اس کو بند کرتی چلی جاتی تھی۔ آخر ایک گورے رنگ کی عورت کے سامنے پہنچ گئی عورت کے پاس ایک بچہ تھا اور شراب رکھی ہوئی تھی عابد سے کہنے لگی میں نے تم کو گواہی کے لئے نہیں بلوایا بلکہ تم کو تین کاموں میں سے ایک کام کرنا ہوگا یا تو مجھ سے قربت کرو یا شراب پیو یا اس بچہ کو قتل کر۔ عابد نے کہا جب کوئی صورت نجات کی نہیں تو مجھے شراب پلا دے عورت نے ایک جام پلا دیا عابد نے جام پی کر کہا اب ذرا توقف کر جب کچھ دیر میں نشہ چڑھا تو اس نے عورت سے قربت بھی کی اور بچہ کو بھی قتل کر دیا۔ لہٰذا تم لوگ شراب سے پرہیز رکھو بخدا ایمان اور شراب خواری کی عادت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ ایک کے آنے سے دوسرے کا نکل جانا ضروری ہے۔ رواہ النسائی۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں شرابیوں کو ہاتھوں، جوتوں اور لاٹھیوں سے پیٹا جاتا تھا حضور صلعم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شرابیوں کی سزا مقرر کرنی چاہی اور عہدِ رسالت کی سزا کو دیکھ کر چالیس کوڑوں کی سزا مقرر کی اور چالیس کوڑے مارنے لگے۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی چالیس کوڑے لگوائے ایک روز ایک ایسے آدمی کو پکڑ کر لایا گیا جس نے شراب پی تھی اور یہ شخص مہاجرین اولین میں سے تھا حضرت عمرؓ نے اسکو کوڑوں کی سزا دینے کا حکم دیا تو اس نے کہا آپ میرے کس طرح کوڑے مار سکتے ہیں میرا آپ کا فیصلہ کتاب اللہ سے ہونا چاہئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کوڑے نہ مارنے کا حکم کس کتاب میں لکھا ہے۔ مہاجر نے کہا اللہ فرماتا ہے لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا الخ (نیکوکار مومن تقویٰ اور ایمان کے بعد جو کچھ کھائیں کوئی گناہ نہیں) اور میں اس آیت کا مصداق ہوں۔ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ہم رکاب بدر، احد، خندق اور دوسرے جہادوں میں حاضر رہا حضرت عمرؓ نے فرمایا تم لوگ اس کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے میں نے کہا یہ آیات گذشتہ لوگوں کیلئے عذر بن سکتی ہیں کیونکہ شراب کی حرمت سے پہلے وہ اللہ سے جا ملے لیکن جو لوگ باقی رہ گئے ان کے لئے ان آیات کے اندر کوئی وجہ عذر نہیں کیونکہ اللہ فرماتا ہے انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس ...... الیٰ قولہ ...... ثم اتقوا و احسنوا۔ اب اللہ نے ان آیات میں شراب پینے کی ممانعت فرما دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تو آپ لوگوں کی کیا رائے ہے حضرت علیؓ نے فرمایا اسّی کوڑے مارے جائیں کیونکہ اس نے (باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۲ پر)

ازلام گندگی ہیں) خمر و میسر کی تفسیر اور حکم سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔

وَالْاَنْصَابُ اور پوجا کے بُت۔

وَالْاَزْلَامُ (اور جوئے کے تیر) ازلام کی تفسیر شروع سورت میں گذر چکی ہے۔

رِجْسٌ گندگی جس سے سلیم دانش اور صحیح طبیعتوں والے نفرت کرتے ہیں۔

مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ شیطانی عمل (کا نتیجہ) ہیں یعنی شیطان کے بہکاوے اور فریب کاری (کا نتیجہ) ہیں تو گویا شیطانی عمل ہیں۔

فَاجْتَنِبُوْهُ پس اس گندگی سے بچو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ تاکہ اس اجتناب کی وجہ سے تم کامیاب ہو جاؤ۔ اللہ نے بڑے پُر زور طریقہ سے اس آیت میں شراب اور جوئے کی ممانعت فرمائی ہے۔ جملہ کا آغاز لفظ انما سے کیا گیا (جو کلمۂ حصر ہے) انصاب وازلام کے ساتھ ملا کر خمر و میسر کا ذکر کیا۔ خمر و میسر کو گندگی فرمایا۔ عمل شیطانی قرار دیا گویا اس امر پر تنبیہ کی کہ یہ دونوں چیزیں خالص شر یا بیشتر شر ہیں۔ دونوں سے بالکل الگ رہنے کا حکم دیا۔ ان سے اجتناب کو امید گاہِ فلاح قرار دیا پھر آخر میں ان دینی اور دنیوی خرابیوں کا ذکر کیا جو شراب اور جوے سے وابستہ ہیں فرمایا۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض ڈلوا دے۔ جیسے اس انصاری نے کیا تھا جس نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی سے حضرت سعد بن وقاص کا سر زخمی کر دیا تھا، یہ قصہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔

قتادہ نے کہا بعض لوگ مال و عیال کو داؤ پر لگا دیتے تھے پھر ہار جاتے تھے تو پریشان و غمگین ہو کر جیتنے والوں پر غصہ کرتے (اور ان کے دشمن ہو جاتے) تھے۔ دوبارہ شراب و قمار اور ان کی خرابیوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے سے اس امر پر تنبیہ ہو رہی ہے کہ آیت میں انصاب وازلام کا ذکر تو ذیلی طور پر کر دیا گیا ہے اصل مقصد شراب اور جوئے کا بیان ہے انصاب وازلام کا ذیلی ذکر کر کے یہ بتانا غرض ہے کہ ان کی حرمت بھی شراب

(بقیہ حاشیہ ۱) شراب پی تو اس کو نشہ چڑھا اور نشہ چڑھا تو اس نے جھوٹ بکواس کی اور بکواس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے اللہ پر دروغ بندی کی اور دروغ بندی کرنے والے کی سزا اسی کوڑے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کے اسی کوڑے لگائے گئے۔ رواہ ابوالشیخ و ابن مردویہ والحاکم۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

وقمار کی طرح ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ شراب پینے والا بت پرست کی طرح ہے۔ رواہ البزار من حدیث عبد اللہ بن عمرو بن عاص۔ ابن ماجہ کی روایت میں شراب خوار کی جگہ، شراب کا دوامی خوگر کا لفظ آیا ہے۔ حارث کی روایت میں ہے، شرابخوار لات وعزّیٰ کے پجاری کی طرح ہے۔

وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ اور شراب وقمار میں مبتلا کر کے شیطان تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روکتا ہے جب آدمی شراب پینے اور جُوا کھیلنے میں منہمک ہوتا ہے تو شیطان اس کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیتا ہے اور نماز کو ابتر بنا دیتا ہے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے مہمانوں کا ایسا ہی واقعہ ہوا تھا سب نے شراب پی اور شراب پی کر نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور ایک شخص کو امام بنا لیا امام نے قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ پڑھ دیا۔ یہ قصہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے خصوصیت کے ساتھ صلوٰۃ کا ذکر نماز کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے کیا کیونکہ نماز ہی اہل ایمان کا شعار اور دین کا ستون ہے۔ نماز سے روکنے والا ایمان سے روکنے والے کی طرح ہے مؤمن وکافر میں ظاہری امتیاز پیدا کرنے والی نماز ہی ہے اللہ نے نماز کی تعبیر لفظ ایمان سے کی ہے فرمایا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيْمَانَكُمْ اللہ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو یعنی (حرمت شراب سے پہلے کی) نماز کو اکارت کر دے۔

حضرت جابر کی روایت ہے مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے کہ مؤمن بندے اور کافر کے درمیان ترکِ صلوٰۃ کا فرق ہے۔ حضرت عبد اللہ بن بریدہ کی روایت سے امام احمدؒ نے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں ہے جس نے نماز کو چھوڑا وہ کافر ہو گیا حضرت عبد اللہؓ بن عمرو کی روایت سے احمد نے بیان کیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے تذکرہ کے ذیل میں فرمایا جس نے اس کی پابندی کی تو قیامت کے دن نماز اس کے لئے نور اور برہان اور نجات بن جائیگی اور جس نے پابندی نہیں کی نہ اس کے لئے نور ہوگی نہ نجات اور قیامت کے دن وہ قارون، فرعون ہامان اور ابی بن خلف کا ساتھی ہوگا۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○ سو اب بھی باز آجاؤ گے؟ اس آیت میں بہت ہی بلیغ انداز میں بصورت استفہام باز رہنے پر ابھارا گیا ہے گویا یوں کہا گیا کہ مذکورہ بالا مفاسد خمر ومیسر سننے کے بعد کیا اب تم ان سے باز رہو گے یا سنی ان سنی کر دو گے اور باز نہ آؤ گے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ یعنی شراب جوا اور تمام ممنوعات سے پرہیز اور واجبات کی ادائیگی کے معاملہ میں اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کا حکم مانو

وَاحْذَرُوْا ۚ اور (خدا ورسول کی نافرمانی سے) ڈرو۔

فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ اب اگر تم نے (اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت سے) روگردانی کی۔
فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ○ تو سمجھ لو کہ ہمارے رسول پر صرف کھول کر پہنچانے کی ذمہ داری ہے (ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے) تمہاری نافرمانی سے ہمارے پیغمبر کا کچھ نقصان نہ ہوگا تم کو ہی ضرر پہنچے گا۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہر نشہ لانیوالی چیز حرام ہے جو بندہ دنیا میں اس کو پئے گا اللہ کا قطعی فیصلہ ہے کہ قیامت کے دن اس کو طینۃ الخبال پلائیگا تم جانتے بھی ہو طینۃ الخبال کیا چیز ہوگی، دوزخیوں کا پسینہ۔ رواہ البغوی حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جس نے دنیا میں شراب پی پھر توبہ نہیں کی (یونہی مرگیا) اللہ اس کو آخرت کی شراب سے محروم کردے گا۔ رواہ البغوی۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ کی لعنت شراب پر، شراب پینے والے پر، پلانے والے پر، بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، نچوڑنے والے پر، بنوانے والے اٹھانے والے پر، اور اس پر جس کے لئے اٹھا کر لیجائی جاتی ہو اور شراب کی قیمت کھانے والے پر۔ رواہ ابن ماجہ ابوداؤد کی روایت میں شراب کی قیمت کھانے والے کا ذکر نہیں ہے اس مبحث کی روایت حضرت انسؓ بن مالک سے بھی آئی ہے۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور حاکم نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اس مبحث کی احادیث بیان کی ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جس نے شراب پی اللہ اس کی چالیس صبح تک نماز قبول نہیں فرماتا اس کے بعد اگر وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ پھر دوبارہ اگر وہ شرابخواری کرتا ہے تو چالیس صبح (چالیس دن) تک نماز قبول نہیں فرماتا ہے اس کے بعد اگر توبہ کرلیتا ہے تو اللہ توبہ قبول فرمالیتا ہے پھر (تیسری بار) اگر لوٹ کر پہلی حرکت کرتا ہے تو چالیس دن کی نماز قبول نہیں فرماتا، لیکن اگر پھر توبہ کرلیتا ہے تو توبہ قبول فرمالیتا ہے چوتھی مرتبہ میں چالیس دن کی نماز قبول نہیں فرماتا اور اگر توبہ کرتا ہے تو توبہ بھی قبول نہیں کرتا اور نہر خبال (کا پانی) اس کو پلائیگا۔ رواہ الترمذی نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جنت میں نہیں جائیگا ماں باپ کا نافرمان، نہ جواری نہ دائمی شراب خوار۔ رواہ الدارمی حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اللہ نے مجھے جہان کے لئے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے میرے رب نے

مجھے ساز باجے، بت، صلیب اور امور جاہلیت کو مٹانے کا حکم دیا ہے اور میرے رب نے قسم کھا کر فرمایا ہے قسم ہے اپنی عزت کی کہ جو بندہ ایک گھونٹ شراب کا پئے گا میں اتنا ہی اس کو پیپ لہو پلاؤں گا اور جو بندہ میرے خوف سے شراب چھوڑ دیگا۔ میں اس کو قدس کے حوضوں سے (شربت) پلاؤنگا۔ رواہ احمد حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تین شخص ہیں جن پر اللہ نے جنت حرام کردی ہے۔ دائمی شراب خوار، ماں باپ کا نافرمان اور بھاڑو۔ رواہ احمد والنسائی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت میں آیا ہے دائمی شراب خوار اور رشتہ داری کاٹنے والا اور جادو کی تصدیق کرنے والا۔ رواہ احمد۔ سورۂ بقرہ میں امام احمد کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہم نے نقل کردی ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو لوگ شراب پیا کرتے تھے۔ الحدیث۔ اس حدیث کے آخر میں ہے پھر اس سے بھی زیادہ سخت آیت نازل ہوئی فرمایا یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ ...... فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تک یہ حکم سن کر صحابہؓ نے کہا۔ اے ہمارے رب ہم باز آئے۔ بعض لوگ کہنے لگے کہ کچھ لوگ شراب پیتے اور جوئے کی کمائی کھایا کرتے تھے، پھر وہ اللہ کی راہ میں مارے گئے یا اپنے بستر پر مرگئے (ان کا کیا ہوگا) اللہ نے تو شراب اور جوئے کو گندگی اور عملِ شیطان قرار دیا ہے۔ اس پر آیت لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ نازل ہوئی۔

نسائی اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ انصار کے دو قبیلوں کے معاملہ میں شراب کی حرمت ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے شراب پی تھی اور نشہ میں مست ہو کر آپس میں گتھم گتھا کی تھی جب نشہ اترا تو چہروں، سروں اور داڑھیوں کی حالت غیر دیکھ کر کہنے لگے یہ حرکت فلاں بھائی کی ہے اگر اس کو میرا پاس لحاظ ہوتا تو ایسی حرکت نہ کرتا۔ یہ انصاری سب بھائی بھائی تھے کسی کے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہ تھا لیکن اس شرابخواری سے ان کے دلوں میں کینے پڑ گئے اس پر آیت یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ نازل ہوئی۔ اس پر کچھ لوگ کہنے لگے یہ تو گندگی ہے مگر فلاں شخص کے پیٹ میں بھی جب کہ اُحد کی لڑائی میں وہ مارا گیا (اس کا کیا ہوگا) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے تو جو شراب انھوں نے (حرمت سے پہلے) پی لی اور جو جوئے کا مال (حرمت سے پہلے) کھالیا اس کا کوئی گناہ ان پر نہیں ہے۔

اِذَا مَا اتَّقَوْا جب کہ وہ شرک سے بچ گئے

وَّاٰمَنُوْا ...... اور انھوں نے اللہ کو مان لیا۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور (ایمان کے بعد) نیک کام کئے۔
ثُمَّ اتَّقَوْا پھر (شراب اور جوئے کی حرمت کے بعد دونوں سے) بچے رہے
وَّاٰمَنُوْا اور (دونوں کی حرمت کو) مان لیا۔
ثُمَّ اتَّقَوْا پھر (تمام ممنوعات سے) بچے رہے۔ یا اوّل بچنے سے مراد ہے شرک سے بچا رہنا اور دوسرے تقویٰ سے مراد ہے ممنوعات سے بچنا اور تیسرے تقویٰ سے مراد ہے شبہ کی چیزوں سے بچا رہنا۔
وَّاَحْسَنُوْا اور (لوگوں سے) بھلائی کی۔ یا یہ مراد ہے کہ انھوں نے اپنے اعمال خوبی سے ادا کئے رب کی عبادت کے وقت ایسا محسوس کرتے رہے کہ گویا اپنے رب کو دیکھ رہے ہیں[1]
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ع اور اللہ بھلائی کرنیوالوں کو پسند فرماتا ہے۔ ان کی پکڑ کسی بات پر نہیں کریگا۔ اس آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ جو مذکورہ صفات کا حامل ہوگا وہ محسن ہوگا اور جو محسن ہوجائے گا وہ اللہ کا محبوب ہوجائے گا۔

ماہ ذیقعدہ سنہ۶ھ میں حدیبیہ کے سال مسلمان عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تھے (اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہمرکاب مقام حدیبیہ کی طرف جارہے تھے، اسوقت آیت ذیل نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ اے ایمان والو! اللہ کچھ شکار (بھیج کر اس) سے تمہاری ضرور آزمائش کریگا۔ شیءٍ (میں تنوین تحقیر کے لئے ہے اس) سے مراد ہے حقیر چیز جو ایسی بڑی نہیں کہ پاؤں ڈگمگا جائیں نہ جان خرچ کرنے کا امتحان ہے نہ مال دینے کا۔ مِنَ الصَّيْدِ شیءٍ کی صفت ہے۔

تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیںگے۔ یہ جملہ شیءٍ کی دوسری صفت ہے (اس پیشین گوئی کے مطابق) جنگلی شکار لوگوں کے پڑاؤ اور فرودگاہوں کے اندر گھس آتا تھا اور اتنا قریب آجاتا تھا کہ لوگ اس کو ہاتھوں سے پکڑ سکتے تھے اور برچھے سے بھی شکار کرسکتے تھے[2]

---

[1] صحیح بخاری وغیرہ میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا احسان (عبادت کی خوبی) کیا ہے؟ حضور صلعم نے فرمایا اپنے رب کی اس طرح عبادت کرنا کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ ہو تو کم سے کم اتنا یقین رکھنا کہ وہ تمکو دیکھ رہا ہے۔ حضرت مفسرؒ کی آخری تفسیر کی بناء اسی حدیث پر ہے۔

[2] ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حبان کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول عمرۂ حدیبیہ میں ہوا جنگلی چوپائے اور پرندے اتنی کثرت سے لوگوں کی فرودگاہوں میں گھس آتے تھے جس کی نظیر کبھی پہلے دیکھنے میں نہیں آئی لیکن لوگ احرام باندھے ہوئے تھے اللہ نے ان کو شکار کرنے سے منع کردیا تھا اور امتحان لیا تھا کہ کون اندرونی طور پر اللہ کے حکم کی مخالفت سے ڈرتا ہے۔

لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ "تاکہ اللہ معلوم کرے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ لیعلم کا تعلق۔ لیبلو۔ سے ہے کیونکہ امتحان کی مراد یہی ہے کہ اللہ کے بن دیکھے عذاب سے ڈرنے والوں کو نہ ڈرنے والوں سے الگ کر دیا جائے۔ اس صورت میں علم سے مراد ہوگا۔ معلوم کا وقوع یا ظہور یا یعلم کا یہ مطلب ہے کہ وقوع خوف کے بعد اللہ ڈرنے والے کے خوف کو اسی طرح جان لے جس طرح وقوع سے پہلے جانتا تھا (کسی واقعہ کے ظہور سے پہلے بھی اللہ کو اس واقعہ کا پورا پورا علم ہوتا ہے اس علم کو اجمالی کہتے ہیں جو اللہ کی صفتِ کمالیہ اور قدیم ہے اور واقعہ کے ظہور و وجود کے بعد بھی اللہ کو اس واقعہ کا پورا علم ہو جاتا ہے یہ علم تفصیلی کہلاتا ہے اور یہ صفت کمالیہ نہیں ہے نہ یہ قدیم ہے بلکہ واقعہ کے ظہور پر موقوف ہے اور وجود واقعہ کے بعد ہوتا ہے آیت میں یہی علم مراد ہے حضرت مفسر کی تفسیر کا یہی مطلب ہے اللہ کے علم اجمالی پر عذاب و ثواب مرتب نہیں ہوتا ظہور واقعہ سے پہلے عذاب ظلم ہے ہاں علم تفصیلی چونکہ بعد از وجودِ فعل ہوتا ہے اس لئے ثواب و عذاب کا اسی پر مدار ہے) بالغیب کا مطلب دو طرح سے ہوتا ہے ایک یہ کہ بن دیکھے خدا سے کون ڈرتا ہے دوسرا یہ کہ عذاب کے سامنے آنے اور دیکھنے سے پہلے اس سے کون ڈرتا ہے۔

اللہ نے آئندہ امتحان کی پہلے سے اطلاع مؤمنوں کی اعانت کے طور پر دیدی تاکہ نافرمانی سے کامل طور پر بچے رہیں فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ اس (امتحان یا اطلاع) کے بعد جو شخص زیادتی کریگا یعنی شکار کریگا فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اس کو خصوصیت کے ساتھ دردناک عذاب ہوگا کیونکہ حقیر چیز سے جب وہ اپنے نفس کو نہ روک سکا اور اللہ کے حکم کا اس نے پاس لحاظ نہیں کیا تو ایسی چیزوں سے اپنے کو کیسے روک سکے گا جن کی طرف طبعی میلان بہت زیادہ ہوتا ہے بغوی نے لکھا ہے کہ (آیتِ مذکورہ کے نزول کے بعد) ایک شخص نے جس کو ابوالیسر کہا جاتا تھا (احرام کی حالت میں) ایک گورخر پر حملہ کر کے قتل کر دیا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ "اے مسلمانو! بحالتِ احرام شکار کو نہ مارو۔ یعنی اس حیوان کو قتل نہ کرو جو اصل خلقت کے لحاظ سے جنگلی اور محفوظ القتل ہو۔ خواہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو۔ کذا فی القاموس۔ امام ابوحنیفہؒ نے صید کی یہی تعریف کی ہے اور یہی مراد لی ہے۔ لیکن ان جانوروں کو حکم سے الگ قرار دیا ہے جن کے قتل کا جواز احادیث میں آگیا ہے یعنی سانپ، بچھو، چوہا، چیل، کوا، اور لاگو درندہ جو لاگو نہ ہو اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔ اسی بناء پر کٹنے کو خصوصاً کٹ کھنے کتے کو قتل کرنا جائز قرار دیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ہر کتا شکار ہے (یعنی اصل خلقت کے اعتبار سے جنگلی ہے)

کتے کا پالتو بنجانا عارضی ہے سکھانے سے پالتو بنجاتا ہے (کچھ لوگ کہتے ہیں کتا طبعاً جنگلی نہیں ہے اس لئے اسکو شکار نہیں قرار دیا جاسکتا۔

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا محرم کن جانوروں کو قتل کرسکتا ہے فرمایا ان (مندرجۂ ذیل) جانوروں کو (بحالتِ احرام) قتل کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے بچھو، چوہا، کوا، چیل، کٹ کھنا کتا۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں بھی انہی پانچ کا ذکر ہے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ کلب سے مراد درندہ ہے کلب کا اطلاق عام درندہ پر ہوتا ہے عتبہ بن ابی لہب کے قصہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دعا کی تھی الٰہی اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو (یعنی کسی درندہ کو) اس پر مسلط فرمادے (چنانچہ عتبہ کو شیر نے پھاڑ کھایا) اللہ نے فرمایا ہے من الجوارح مکلبین۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اگر لغۃً لفظ کلب کا اطلاق ہر درندہ پر تسلیم بھی کرلیا جائے تب بھی عرفاً اس لفظ کا غالب استعمال صرف کتے ہی کے لئے ہوتا ہے اور حدیثِ مذکورہ بالا (یعنی جس حدیث میں پانچ جانوروں کو قتل کرنے کی اجازت ہی) کو عرف عام پر محمول کرنا اولیٰ ہے (لہٰذا کلب سے مراد کتا ہی ہے ہر درندہ مراد نہیں ہے) ابوعوانہ نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے چھ جانوروں کا ذکر کیا ہے۔ سانپ کا ذکر مزید ہے۔ یہ روایت بطریق بخاری ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا محرم سانپ کو بچھو کو چوہے کو کٹ کھنے کتے کو چیل کو اور عادی درندہ کو قتل کرسکتا ہے کوے کو قتل نہ کرے کوئی اینٹ پتھر اس پر پھینک سکتا ہے۔ ترمذی نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے مگر اس روایت میں عادی درندہ کا ذکر نہیں ہے۔

حسن نے کہا جس کوے کو قتل کرنے کی ممانعت ہے اس سے مراد کھیتی کا کوا ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن المنذر نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں سات جانوروں کا ذکر ہے۔ پانچ وہی مشہور اور دو مزید یعنی بھیڑیا اور چیتا۔ لیکن ابن خزیمہ نے لکھا ہے کہ حدیث کا اصل لفظ کلبِ عقور ہے۔ راوی نے اس لفظ کی تشریح میں (اپنی طرف سے) بھیڑیا اور چیتا کہا ہے۔ سعیدؒ بن مسیب کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا محرم سانپ اور بھیڑیے کو قتل کردے۔ یہ روایت ابن ابی شیبہ اور سعید بن منصور اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مسلم نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے صرف چار کا ذکر کیا ہے مشہور پانچ میں سے بچھو کا ذکر ساقط کردیا ہے۔

ایک شبہ

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حدیثِ احاد سے حکمِ قرآن کی تخصیص جائز نہیں (یعنی اگر حکم قرآن عام ہوگا اور

حدیث نے اس میں کچھ تخصیص کی ہوگی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک تخصیص نہیں ہوگی ، پھر اس جگہ قرآن میں لفظ صید عام ہے حدیثِ احاد سے اس کی تخصیص کس طرح جائز ہوگئی ۔

جواب

اس حدیث کو تمام علمائے امت نے صحیح مانا اور قبول کیا ہے اس لئے اس کا مرتبہ حدیث مشہور کی طرح ہوگیا اور حدیثِ مشہور سے تخصیصِ قرآن جائز ہے ۔ یا یوں کہا جائے کہ باجماع صحابہؓ یہ بات تو ثابت ہے کہ بعض قسم کے شکار محرم قتل کرسکتا ہے گویا قرآن مجید کا لفظ صید عام ہے مگر مخصوص بالبعض اور اس بعض مخصوص کی تعیین احادیث سے ہوگئی ۔ امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک جس جانور کا گوشت کھانا حلال ہے اس کو محرم قتل نہیں کرسکتا اور جس جانور کا گوشت حلال نہیں اس کو قتل کرسکتا ہے ممانعت صرف ماکول اللحم صید کو قتل کرنے کی ہے ۔ کیونکہ احادیث میں کچھ جانوروں کی حکم حرمت سے تخصیص کی گئی ہے جن میں سے کچھ تو شکاری درندے ہیں کچھ ہلاک کردینے والے کیڑے مکوڑے ہیں کچھ ایسے پرندے ہیں جو درندے اور شکاری نہیں ہیں (جیسے چیل کوا) مگر گوشت ان کا بھی ناپاک (حرام) ہے ۔ اس پر غور کرنے سے ہم کو معلوم ہوا کہ خبیث اللحم ہونا جواز صید کی علت ہے لہٰذا تخصیص بالحدیث کرنے کے بعد ہم نے علت قیاسیہ نکال کر قیاس سے حکمِ جواز انہی جانوروں پر محدود کردیا جو خبیث اللحم ہیں (اور آیت کا حکم حرمت اس شکار پر محدود ہوگیا جو ماکول اللحم ہے)

میں کہتا ہوں خبث لحم کو جوازِ قتل کی علت قرار دینا ہی غلط ہے کیونکہ گوشت کی ناپاکی کی وجہ سے اباحتِ قتل کسی مصلحت پر مبنی نہیں ہوسکتی (گوشت کی ناپاکی یا پاکی محرم کے لئے شکار کا جواز یا عدم جواز نہیں پیدا کرسکتی) ، اس لئے قیاس ہی جائز نہیں ہے ۔

میرے نزدیک قابل فتوی وہ قول ہے جس کو صاحب بدائع نے اختیار کیا ہے کہ صحرائی جانور کچھ ماکول ہوتے ہیں (یہ تو سب صید ہیں ان کو بحالت احرام شکار کرنا حرام ہے) اور کچھ غیر ماکول ۔ غیر ماکول کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ انسان کو ابتدائی طور پر دکھ پہنچانے والے ہیں کچھ ایسے نہیں ہوتے ابتدائی دکھ پہنچانے والے غیر ماکول جانوروں کو قتل کرنا جائز ہے جواز صید کی علتِ مرجحہ ابتدائی اذیت رسانی ہے (یعنی جو جانور عموماً ابتدائی طور پر اذیت رساں ہوتے ہیں ان کو بحالت احرام قتل کرنا درست ہے) ایک روایت میں امام ابو یوسف کا بھی یہی قول آیا ہے کذا فی فتاوی قاضی خاں ۔

ایذا ، کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں (۱) بدن میں زہر پہنچانا جیسے بچھو کرتا ہے ، اس علت میں عقرب (بچھو) کے تحت تمام زہریلے جانور جو ڈنک مارتے اور ڈستے ہیں آگئے ۔ (۲) کترنا سوراخ کرنا ۔ جیسے چوہا کرتا

(۴) تفسیر مظہری اردو جلد

ہے چوہے کے تحت اس علت کی وجہ سے بنولا آگیا ہے (۳) جھپٹا مارنا جیسے کوا اور چیل جھپٹا مار کر لیجاتے ہیں اس علت کی وجہ سے شکرا باز، شاہین وغیرہ چیل کوے کے ذیل میں آگئے (۴) حملہ کر کے کاٹنا اس مناسبت سے کٹ کھنے کتے کے تحت ہر درندہ آگیا۔ پالتو بلا چونکہ جنگلی جانور نہیں ہے اس لئے امام صاحب کے نزدیک وہ صید میں داخل نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ پالتو بلا بھی اصلاً جنگلی جانور ہی ہے اس کا پالتو ہونا عارضی ہے۔ اسکے برخلاف وہ چوپائے ہیں جو خلقۃً تو پالتو ہیں لیکن کبھی بھاگ کر جنگلی بنجاتے ہیں (جیسے کوئی گائے بھینس گھوڑا بیل جنگلی بنجاتا ہے) اس کا شمار جنگلی جانوروں میں نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ:۔ شکاری کو اشارہ سے شکار بتانا یا ایسی حرکت کرنا جس سے شکاری شکار کو دیکھ لے باجماع علماء قتل کے حکم میں ہے شکار کا جانور جنگلی ہونے اور آنکھوں سے دور رہنے کی وجہ سے قتل ہونے سے محفوظ ہوتا ہے۔ لیکن اشارہ کرنے والے کے اشارہ کی وجہ سے اس کا امن سے رہنا ختم ہوجاتا ہے۔ اس لئے اشارہ بھی قتل کا حکم رکھتا ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے کہ سب صحابہؓ نے احرام باندھا ہوا تھا حضرت ابو قتادہؓ محرم نہ تھے، اثناء سفر میں لوگوں نے ایک گورخر دیکھا اور ابو قتادہ نے حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور ذبح کر کے اس کا گوشت لائے اور سب نے وہ گوشت کھایا اس حدیث کے آخر میں ہے کہ صحابہ جب رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے دریافت فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابو قتادہؓ کو حملہ کرنے کے لئے کہا تھا یا گورخر کی طرف اشارہ کیا تھا صحابہؓ نے عرض کیا جی نہیں فرمایا تو جو گوشت باقی رہ گیا ہے اس کو (بھی) کھا سکتے ہو۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے کے جواز کے لئے اشارہ نہ کرنے کی شرط لگائی (جس سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے شکار کی طرف اس طرح اشارہ کرنا کہ غیر محرم کو معلوم ہوجائے اور وہ شکار کرلے جائز نہیں ہے)

مسئلہ:۔ پرندہ کے انڈوں کا حکم بھی شکار کا ہے۔ داؤد ظاہری کے نزدیک انڈوں کو توڑنے کا کچھ ضمان نہیں۔ اب آگے حدیث اور اقوال صحابہؓ ذکر کرینگے جن سے ثابت ہورہا ہے کہ انڈوں کو توڑنے کا محرم پر ضمان ہے۔

مسئلہ:۔ محرم نے اگر شکار کیا یا ذبح کیا تو جمہور کے نزدیک وہ مردار ہے اس کا کھانا نہ احرام والے کو جائز ہے نہ غیر محرم کو۔

ثوریؒ اور ابو ثورؒ اور کچھ دوسرے علماء کے نزدیک اس کو کھانا جائز ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے چور کسی چوری کے جانور کو ذبح کردے، شافعیہ کا قول بھی یہی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ محرم کا ذبح کرنا ہی گناہ ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی قصداً ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لے لہٰذا محرم کا ذبیحہ ایسا ہی ہوگا جیسے غیر اللہ کے

نام کا ذبیحہ چور کی حالت اس سے غیر ہے چور اپنے لئے چوری کے جانور کو ذبح کرتا ہے۔ ذبح میں کوئی خرابی نہیں لیکن چونکہ اس جانور سے دوسرے شخص کے حق کا تعلق ہے اس لئے ذبیحہ صحیح ہونے کے باوجود حق غیر کا ضمان دینا پڑیگا۔ اور اس طرح حق غیر کی تلافی ہو جائے گی۔

مسئلہ:۔ اگر غیر محرم نے شکار کیا مگر محرم نے اسکو شکار کرنے کو کہا تھا یا اشارہ کیا تھا یا اپنی کسی حرکت سے رہنمائی کی تھی تو محرم کے لئے اس کا کھانا حرام ہے۔ حضرت ابوقتادہؓ والی حدیث ہم اوپر نقل کر چکے ہیں لیکن غیر محرم کے لئے اس کو کھانا جمہور کے نزدیک حلال ہے۔

وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ اور تم میں سے (یعنی احرام بند مسلمانوں میں سے) جس نے شکار کو قتل کر دیا۔

مُتَعَمِّدًا جان بوجھ کر۔ سعید بن جبیر، داؤد، ابو ثور اور ابو منذر شافعی کا قول ہے اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول آیا ہے کہ متعمدًا کی شرط اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اگر غلطی سے یا اپنے احرام کو بھول کر یا کسی کے جبر کرنے سے یا اسی قسم کے کسی اور عذر کی وجہ سے محرم نے شکار کو قتل کر دیا تو مندرجۂ آیت ضمان اس پر واجب نہ ہوگا۔ مجاہد اور حسن کا قول ہے کہ مندرجۂ آیت ضمان اس وقت واجب ہوگا جب قتل قصدًا جان بوجھ کر کیا ہو اور اپنے احرام کو بھولا ہوا ہو لیکن اگر احرام کی حالت بھی پیش نظر ہو اور جانتا ہو کہ میں محرم ہوں تو اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ ضمان ادا کرنے سے جرم کی تلافی نہیں ہوگی ایسے آدمی کا معاملہ اللہ کے سپرد رہیگا (خواہ وہ آخرت میں عذاب دے یا رحمت سے معاف فرمادے)۔

جمہور علماء اور چاروں امام قائل ہیں کہ مندرجۂ آیت پاداش بہرحال واجب ہے خواہ قصدًا قتل کیا ہو یا اپنے احرام کو بھول کر قتل کیا ہو یا غلطی سے مارا ہو یا حرمت نہ معلوم ہونے کی حالت میں شکار کیا ہو یا کسی کے اکراہ سے ایسا کیا ہو۔

زہری نے کہا قصدًا قتل کرنے والے پر پاداش کا وجوب قرآن سے ثابت ہے اور غلطی سے قتل کرنیوالے پر وجوب حدیث میں موجود ہے اور مفہوم مخالف حنفیہ کے نزدیک حجت نہیں ہے (یعنی متعمدًا کے لفظ سے یہ مفہوم اخذ کرنا کہ جس نے قصدًا نہ قتل کیا ہو اس پر پاداش واجب نہیں حنفیہ کے نزدیک ناقابل تسلیم ہے) اور جو لوگ مفہوم مخالف کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی مفہوم مخالف ایک ظنی دلیل ہے اور حدیث کی صراحت (خواہ دلیل ظنی کی حیثیت رکھتی ہو مگر) مفہوم مخالف کی ظنیت سے زیادہ قوی ہے (اس لئے حدیث میں جو غلطی سے قتل کرنے والے کے لئے پاداش کو واجب قرار دیا ہے اسی پر عمل کیا جائیگا) پھر اجماع تو سب سے قوی دلیل ہے (اور مخطی یا ناسی کے قتل کو موجب جزاء اجماع نے قرار دیا ہے) کیونکہ اجماع دلیل قطعی ہے (ظنی نہیں ہے)۔

ابن جوزی نے حضرت جابرؓ کی روایت کردہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بجو کو قتل کرنے کا مسئلہ دریافت کیا گیا۔ آپ نے فرمایا وہ شکار ہے اگر محرم بجو کو قتل کردے تو حضور صلعم نے اس کی پاداش میں ایک مینڈھے کی قربانی واجب قرار دی۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ جو لوگ حکم جزا کو مطلق قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک متعمدا کی قید (احترازی نہیں ہے بلکہ) آئندہ آیت وَمَنْ عَادَ فَيَنتَقِمُ اللهُ مِنْهُ کی تمہید ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص شکار کرنا چاہتا ہو اور کوئی محرم اس کو زبان سے یا ہاتھ کے اشارہ سے شکار بتادے اور وہ قتل کردے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بتانیوالے محرم پر پاداش عائد ہوگی امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک بتانیوالا گنا ہگار ہوگا پاداش اس پر عائد نہ ہوگی جیسے کوئی شخص کسی روزہ دار کو کسی عورت کی طرف زبان یا اشارہ سے رہنمائی کرے اور روزہ دار اس سے جاکر جماع کرے تو بتانیوالے پر کفارہ نہیں پڑیگا نہ روزہ دار کے جماع کرنے سے بتانیوالے کا روزہ ٹوٹے گا۔ ہاں بتانے والا گناہ گار ضرور ہوگا بتانا قتل نہیں ہے اور کفارہ قاتل پر عائد ہوتا ہے۔

ھم کہتے ہیں بتانا درحقیقت قتل ہی ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کو قتل کے مساوی قرار دیا ہے جیسا کہ ابوقتادہؓ والی حدیث سے ظاہر ہے پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر بتانیوالے پر پاداش عائد نہیں کی جائیگی تو بتانے کا گناہ بتانے والے پر باقی رہے گا۔ کیونکہ بتانا باجماع امت ممنوع ہے اور قتل کا گناہ کفارہ سے دور ہو جاتا ہے اس صورت میں قتل سے زیادہ بتانے کا گناہ قرار پائیگا (جو بداہت کے خلاف ہے)

ایک شبہ

اگر بتانا قتل کے مساوی ہے تو بتانے کے بعد بتانیوالے پر پاداش کا وجوب ہونا چاہئے خواہ بتانے کے بعد شکاری شکار کو قتل کرے یا نہ کرے۔

جواب

بتانا قتل کا سبب ہے جیسے تیر مارنا قتل کا سبب ہے لیکن صرف تیر مارنا موجب پاداش نہیں جب تک شکار مارا نہ جائے اسی طرح بتانے کے بعد اگر شکار قتل نہ کیا جائے تو موجب پاداش نہیں کیونکہ جب تک قتل نہ ہوگا نہ بتانے کو سبب قتل کہا جاسکتا ہے نہ تیر یا پتھر مارنے کو۔

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ تو اس پر پاداش واجب ہے برابر اس جانور کے جسکو اس نے قتل کیا ہے۔ جزاءٌ پر فا اس لئے لایا گیا کہ مبتدا معنی شرط کو شامل ہے یعنی اس پر پاداش واجب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک قربانی کا جانور قیمت میں شکار کے برابر ہونا چاہئے (یعنی مثل معنوی مراد ہے) کیونکہ مطلق مثل تو وہی ہوتا ہے جو صورت اور حقیقت دونوں میں مثل ہو یعنی قربانی کا جانور

شکار کا ہم نوع ہو اور یہ بالاجماع مراد نہیں ہے لامحالہ مثل معنوی ہی مراد ہوگا یعنی جو قیمت میں شکار کی برابر ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض قسم کے شکار کی تو بالاجماع قیمت ہی کا حساب لگانا ضروری ہے مثلاً اس جانور کا شکار کیا ہو جس کا اونٹ گائے بھینس بکری مینڈھے وغیرہ میں سے کوئی مثل نہ ہو یا کبوتر سے چھوٹا ہو مثلاً چڑیا ٹڈی وغیرہ ہو لہٰذا مثل معنوی مراد لینا ہی ضروری ہے ورنہ (اگر بعض اقسام میں مثل معنوی اور بعض اقسام میں مثل صوری مراد لیا جائیگا تو) ایک وقت میں ایک لفظ کا حقیقی اور مجازی دونوں معنی مراد لینا یا عمومِ مشترک مراد لینا لازم آئیگا (یعنی اگر لفظ مثل کو صوری اور معنوی مثلیت میں مشترک قرار دیا جائیگا اور اس لفظ کو ایک ایسے معنی کے لئے موضوع مانا جائیگا جو صوری و معنوی دونوں کے درمیان مشترک ہو اور دونوں معنی بیک وقت مراد لئے جائیںگے تو عموم اشتراک مراد لینا پڑیگا یا اگر مثل صوری کو حقیقی اور مثل معنوی کو مجازی معنی کہا جائیگا اور دونوں معنی بیک وقت مراد ہونگے تو حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم آئے گا اور احناف کے نزدیک دونوں ناجائز ہیں)

ایک بات یہ بھی ہے کہ شرع میں جہاں لفظ مثل بلا قید آیا ہے اس سے مراد یا نوعی مثل ہوتا ہے یا وہ چیز جو قیمت میں برابر ہو اللہ فرماتا ہے فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ اگر کسی نے تم پر زیادتی کی ہو تو جیسی اور جتنی زیادتی اس نے کی ہو اتنا اور ویسا ہی انتقام تم لے سکتے ہو۔ اب اگر ہلاک کردہ چیز کوئی مثلی ہے کہ اس کا نوعی مثل مل سکتا ہے تو ایسی جگہ مثل سے مراد نوعی مثل ہوگا اور نوعی مثل ممکن نہ ہو تو قیمت کے لحاظ سے مثل مراد ہوگا کیونکہ مثل کا لفظ مشترک معنوی ہے (یعنی اس کے معنی کے دو فرد ہیں نوعی اور قیمتی) اور چونکہ حیوانات میں اوصاف کے لحاظ سے تفاوت ہوتا ہی ہے خواہ ایک ہی نوع کے ہیں اس لئے بالاجماع کامل بہمہ جہت مساوات و مثلیت کا تو اعتبار ہی نہیں ہے بلکہ ایک نوع میں داخل ہونے کے باوجود قیمت کی مماثلت کا اعتبار ہے۔ پھر جہاں نوعی اشتراک بھی نہ ہو صرف ظاہری شکل کی مشابہت ہو۔ مثلاً شتر مرغ اور اونٹ کہ دونوں کی گردنیں اور ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں یا شکل میں بھی مشابہت نہ ہو مثلاً کبوتر کو شکار کرنے کے کفارہ میں بکری کی قربانی (حاصل یہ کہ صوری مشابہت کی کوئی ضرورت نہیں خواہ ظاہری شکل میں مشابہت ہو جائے یا نہ ہو جائے اور نوعی اشتراک ہو یا نہ ہو بہر حال قیمت میں مماثلت ہونی چاہیے)

امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے کہ مثل سے مراد ہے وہ پالتو چوپایہ (بکری بھیڑ گائے بھینس اونٹ) جو تخلیقی طور پر (اور جسمانیت میں) شکار کے مشابہ ہو رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا تھا بجو شکار ہے اور اس کو مارنے میں ایک بکری (کی قربانی) ہے۔ رواہ ابوداؤد بروایت عبداللہ۔ حاکم نے مستدرک میں اور امام احمد اور ابن حبان اور اصحاب سنن نے یہ حدیث حضرت جابرؓ کی روایت سے

نقل کی ہے۔ حاکم کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ بجو شکار ہے اگر احرام بند شخص نے اس کو مارا ہو تو اسکے شکار (کے کفارہ) میں ایک مینڈھا (یعنی اس) کی قربانی ہے حاکم نے اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے امام مالکؒ نے مؤطا میں نیز امام شافعی نے صحیح سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بجو کے شکار میں ایک مینڈھا اور ہرن کے شکار میں بکری (بطور کفارہ قربانی کرنے) کا فیصلہ کیا تھا۔

امام شافعی اور بیہقی نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے جنگلی چوہے کے شکار کے عوض بکری کا نر یا مادہ بچہ قربانی کرنے کا فیصلہ کیا بیہقی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حرم کا کبوتر شکار کرنے میں ایک بکری ہے اور دو انڈوں کو توڑنے میں ایک درہم اور شتر مرغ کے شکار میں ایک اونٹ ہے اور نیل گا میں پالتو گائے (یا بھینس) اور گورخر کے شکار میں ایک گائے (کی قربانی) ہے

ایک دلیل موالک اور شوافع کی یہ ہے کہ اللہ نے آگے من النعم فرمایا ہے۔ نعم سے مراد ہیں اونٹ یا گائے یا بکری۔ یہ مثل کی صفت ہے اور ظاہر ہے کہ قیمت چوپایہ نہیں ہوتی (اس لئے مثل سے مراد قیمت نہیں ہو سکتی) حنفیہ نے مالکؒ و شافعیؒ کے استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ مثلیت کے جاندار سے رسول اللہ کے فرمان اور صحابہؓ کے آثار میں بیان کئے گئے ہیں ان میں ظاہر شکل کی مشابہت کو دخل نہیں صرف قیمت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ رہا من النعم کے لفظ سے استدلال تو یہ بھی غلط ہے من النعم مثل کی صفت نہیں ہے بلکہ قتل کا مفعول محذوف ہے ضمیر مفعول سے من النعم حال ہے یعنی مقتول شکار اگر چوپایوں میں سے ہو مطلب یہ کہ اگر مقتول چوپایہ ہو تو اس کی مثل دینا واجب ہے لفظ نعم کا اطلاق جیسے پالتو چوپایوں پر ہوتا ہو اسی طرح جنگلی چوپایوں پر بھی ہوتا ہے۔ کذا قال ابو عبیدہؒ۔ صاحب قاموس نے بھی یہی لکھا ہے۔

حنفیہ کی اس تفسیر پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ کلام کا مقصود تو ہر شکار کی پاداش کا وجوب ہے خواہ شکار چوپایہ ہو یا پرندہ اگر ضمیر مفعول سے من النعم کو حال کہا جائیگا تو پھر پاداش کا وجوب چوپایہ کو شکار کرنے کے ساتھ مخصوص ہوگا اور یہ مقصود کے خلاف ہے۔

میرے نزدیک صحیح تفسیر یہی ہے کہ من النعم مثل کی صفت ہے اور مثل سے مراد وہ پالتو چوپایہ ہے جو قیمت میں شکار کی مثل ہو بعض اوصاف میں مماثلت مراد نہیں ہے۔ شکار کرنیوالا محرم اگر حرم کے کفارہ میں قربانی دے تو پالتو چوپایوں میں سے جس کی قیمت شکار کے برابر ہو یا شکار سے زائد ہو اس کی قربانی کرے گورخر نیل گائے اور ہر شکار جس کی قیمت بکری کی قیمت سے زائد ہو۔ گائے کی قربانی کرنا چاہئے خواہ شکار کی قیمت بکری سے تو زائد ہو مگر گائے کی قیمت سے کم ہو اور گائے میں کوئی شرط نہیں کہ بہت بڑھیا ہو یا گھٹیا ہو مگر اتنی گھٹیا بھی نہ ہو کہ اس کی قیمت شکار کی قیمت سے بھی کم ہو۔ اور اگر شکار کی قیمت گائے سے زائد ہو تو اونٹ کی قربانی کرنا چاہئے، خواہ

شکار کی قیمت گائے کی قیمت سے زائد ہونے کے باوجود اونٹ کی برابر ہو۔ اور اگر شکار اونٹ سے بھی زائد قیمتی ہو تو ایک اونٹ اور ایک بکری یا ایک گائے اور ایک بکری یا ایک اونٹ اور ایک گائے یا دو اونٹ یا دو گائے یا دو بکریاں بعوض شکار جتنا قیمتی ہو اسکی قیمت کا لحاظ کر کے قربانی کرے۔ شکار کی قیمت سے کم نہ ہونا چاہئے

اگر شکار کی قیمت اس بکری کی برابر ہو جس کی قربانی جائز ہے (یعنی ناک کان آنکھ ہاتھ پاؤں دُم سب سالم ہر طرح سے بے عیب اور شریعت کی قائم کردہ معیار عمر کے مطابق) تو ایسی ہی بکری کی قربانی دے جس کی قربانی جائز ہے۔

اگر شکار کی قیمت پوری بکری کی قیمت سے کم ہو مثلاً بجو جنگلی چوہا، ہرن، گرگٹ، گوہ، لومڑی وغیرہ تو بکری کے بچے مختلف عمر کے (جیسے شکار کی قیمت ہو) قربانی میں پیش کرے۔ لیکن بکری کے بچے ایسے ہوں کہ ان کی قیمت شکار کی قیمت سے کم نہ ہو۔

کبوتر اور کبوتر سے کم درجہ کے شکار کے عوض اگر قربانی دینا چاہے تو بکری کی قربانی دے مگر بکری ایسی ہو جس پر لفظ بکری کا اطلاق ہو سکتا ہو (یعنی نہ بے عیب کی شرط ہے نہ کسی عمر کی نہ تندرست کی) ہمارا یہ قول ہمارے نزدیک قابلِ فتویٰ ہے اور جمہور کے مسلک کے مطابق بھی ہے کیونکہ کفارہ کی قربانی میں جمہور کے نزدیک ایسا جانور ہونے کی شرط نہیں ہے کہ اس کی قربانی بھی جائز ہو۔ مگر امام صاحب کے نزدیک کفارہ کی قربانی ایسی ہونی چاہئے جس کی قربانی شرعاً درست ہو اس لئے جس شکار کی قیمت بکری سے کم ہو مثلاً بجو گرگٹ اس کے کفارہ کے لئے ایسی بکری ہونی ضروری ہے جس کی قربانی جائز ہو۔

امام مالکؒ کا قول ہے کہ شکار چھوٹا ہو یا بڑا صحیح سالم ہو یا عیب دار بہر حال کفارہ کی قربانی اس جانور کی دی صحیح ہوگی جس کی قربانی شرعاً درست ہے (یعنی مقرر کردہ معیار عمر کے مطابق تندرست بے عیب) امام اعظم اور امام مالک کے قول کی دلیل یہ ہے کہ (لفظ ہدی) مطلق ہے اور مطلق کا رجوع کامل کی طرف ہوتا ہے اور ہدی کامل) وہی ہے جس کی قربانی درست ہو اسی لئے ہدی تمتع میں اور حج کے دوران ان تمام جرائم کے کفارہ میں جن میں قربانی ضروری ہے صرف وہی قربانی دینا جائز ہے جس کی قربانی شرعاً درست ہو۔ ہماری (یعنی جمہور کی) دلیل یہ ہے کہ صحابہؓ نے بکری کا چھوٹا بچہ واجب قرار دیا ہے (اور چھوٹے بچے کی قربانی شرعاً درست نہیں ہے) پھر آیت میں لفظ ہدی مطلق نہیں ہو کہ فرد کامل کی طرف رجوع کیا جائے جیسا کہ ہدی تمتع وغیرہ میں ہوتا ہے بلکہ ہدی سے وہ ہدی مراد ہے جو مقتول چوپایہ کی مثل ہو خواہ صورت میں مماثلت ہو جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے یا قیمت میں برابری ہو جیسا کہ احناف کا قول ہے۔ لہٰذا قربانی کے قابل جانور ضروری قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔

ہم نے آیت کی جو تفسیر کی ہے اس سے صحابہؓ کے اقوال کا ٹکراؤ نہیں ہوتا صحابہؓ نے خرگوش کے معاوضہ میں بھیڑیے کو قرار دیا تھا اور بھیڑیے کی قیمت خرگوش کی قیمت کے برابر ہوتی ہے۔ اور چونکہ اونٹ اور گائے میں سب کے کم درجہ کی قربانی بکری ہے اور بکری (یعنی بکری) کی قیمت بھی کبوتر کی قیمت کے قریب ہے (یعنی گائے اور اونٹ کی قیمت کبوتر کی قیمت سے بہت زیادہ ہوتی ہے بکری کی قیمت اتنی زائد نہیں ہوتی) اس لئے کبوتر کے عوض بکری کی قربانی کو قرار دیا۔ رہا جسمانی مماثلت کا فقدان تو جسمانی مماثلت کی ضرورت پر کوئی دلیل نہیں

بیہقی نے عطاء خراسانی کی روایت سے جو حضرت عمرؓ حضرت عثمان حضرت علیؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کے اقوال بیان کئے ہیں کہ محرم اگر شتر مرغ کا شکار کرے تو کفارہ میں اونٹ کی قربانی دیجائے اور امام مالکؒ نے ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ کا قول بیان کیا کہ میرے باپ کا تحریری قول یہی ہے امام مالکؒ نے یہ بھی فرمایا میں برابر سنتا رہا ہوں کہ شتر مرغ کے عوض اونٹ کی قربانی ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ شتر مرغ کے عوض اونٹ کی تعیین صرف جسمانی مشابہت یعنی لمبی گردن اور لمبی ٹانگیں ہونے کی وجہ سے کی گئی قیمت کو اس تعیین میں کوئی دخل نہیں ہے۔

یہ آثار ضعف اور انقطاع سے خالی نہیں ہیں (اس لئے ناقابل استدلال ہیں) امام شافعیؒ نے کہا یہ روایات علماء حدیث کے نزدیک ثابت نہیں نہ قیاس اس کا شاہد ہے کہ ہم نعامہ کا عوض اونٹ کو قرار دیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض قسم کے شتر مرغ بعض زمانوں میں اونٹ کی برابر قیمت رکھتے ہوں اسی لئے بعض صحابہؓ نے شتر مرغ کا عوض اونٹ کو قرار دیا اور صحابہؓ کے بعد آنیوالے لوگوں نے خیال کر لیا کہ صحابی نے شتر مرغ کا عوض اونٹ کو صرف جسمانی مشابہت کی وجہ سے قرار دیا پھر تابعین کے اس خیال کی اتنی شہرت ہوئی کہ امام مالکؒ نے فرما دیا میں برابر سنتا رہا ہوں کہ شتر مرغ کے عوض اونٹ کی قربانی ہے۔

ایک شبہ

بیہقی نے عکرمہؒ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں نے بحالت احرام ایک خرگوش مار ڈالا آپ کا میرے متعلق کیا حکم ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا خرگوش چار ہاتھ پاؤں سے چلتا ہے اور بکری کا بچہ بھی چار ارکان سے چلتا ہے خرگوش جگالی کرتا ہے بکری کا بچہ بھی جگالی کرتا ہے خرگوش پتیاں کھاتا ہے بکری کا بچہ بھی سبزی کھاتا ہے لہٰذا خرگوش کے عوض تم بکری کے بچہ کی قربانی دو۔ یہ اثر صاف بتا رہا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ظاہری مشابہت کا اعتبار کیا۔ ابن ابی شیبہ نے عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک کبوتر اور دو کبوتر کے جوڑوں کو حجرہ کے اندر بند کر دیا بند کر کے عرفات اور منا کو چلا گیا واپس آیا تو دیکھا تینوں مر چکے ہیں وہ شخص حضرت ابن عمرؓ کی خدمت

میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا، آپ نے اس پر تین بکریوں کی قربانی لازم قرار دی اور آپ کے ساتھ ایک اور شخص نے بھی یہی فیصلہ کیا (کیونکہ قرآنی آیت میں مثلیت کی جانچ کے لئے دو صالح مسلمانوں کی رائے کو ضروری قرار دیا ہے)

ثوریؒ، ابن ابی شیبہؒ، شافعیؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث بھی اسی جیسی نقل کی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کبوتر کے عوض بکری کی قربانی کا وجوب قیمت کی یکسانی کے لحاظ سے نہیں ہے ورنہ دو چوزوں اور ایک کبوتر کے عوض ایک بکری بھی کافی تھی بلکہ اس سے زائد کبوتروں کے لئے ایک بکری کافی ہوجاتی۔

ہم کہتے ہیں بعض آثارِ صحابہؓ بے شک دلالت کر رہے ہیں کہ صورت وجسمانیت کا لحاظ رکھا گیا ہے لیکن یہ بات صحابہؓ کی رائے پر مبنی ہے کسی روایت (یعنی حدیث) پر اس کی بنا نہیں اور جب قرآنی آیت کی مخالفت ہو رہی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ بعض صحابہ کی رائے مانی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ اور یہ یقینی امر ہے کہ نہ اونٹ شتر مرغ کی مثل ہے نہ بکری کبوتر کی مثل، نہ جسمانی بناوٹ و صورت میں نہ حقیقت میں، اگر بعض اوصاف میں مشابہت بھی ہے تو وہ ایسی مشابہت ہے جو ناقابلِ اعتبار ہے نہ عرف میں اس کا اعتبار ہے نہ لغت میں ورنہ تمام حیوانات باہم مثل ہو جائیں گے کسی نہ کسی صفت میں تو ہر ایک کو دوسرے سے مشابہت ہوتی ہی ہے۔

يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں یعنی پاداش کا فیصلہ یا مثل ہونے کا فیصلہ دو معتبر مسلمان کر دیں۔ اکثر حنفیہ قائل ہیں کہ مثل ہونے کی جانچ کے لئے ایک شخص کا فیصلہ بھی کافی ہے۔ بکثرت صحابہؓ نے انفرادی فیصلے کئے ہیں یہ انفرادی فیصلے روایات میں آئے ہیں اگر دو کا اجتماعی فیصلہ ہو تو زیادہ اچھا ہے تاکہ غلطی سے بخوبی احتیاط ہو جائے۔

امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک فیصلہ کے لئے تعداد یعنی دو ہونا بھی ضروری ہے اور دونوں کا صالح ہونا بھی، فتویٰ بھی اسی پر ہونا چاہئے۔ حکم آیت کا بھی یہی تقاضا ہے اور عمل صحابہ بھی اسی کا شاہد ہے۔[۱]

---

[۱] میمون بن مہران کی روایت ہے کہ ایک بدو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں نے بحالت احرام ایک شکار مار دیا ہے کیا پاداش ادا کروں۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے دریافت کیا آپ کی کیا رائے ہے بدو بولا میں آپ کے پاس آیا ہوں آپ اللہ کے رسولؐ کے جانشین ہیں میں آپ سے پوچھتا ہوں اور آپ دوسروں سے پوچھتے ہیں حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کیا تم کو اللہ کے اس فرمان کا انکار ہے اللہ نے فرمایا ہے يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اس حکم کی تعمیل میں میں اپنے ساتھی سے مشورہ لے رہا ہوں جب دونوں کی رائے متفق ہو جائیگی تو ہم دونوں ہی تجھے حکم دیدینگے۔

ابو بکر مزنی کی روایت ہے کہ دو آدمی احرام بند تھے ایک نے ایک ہرن کو ہنکا دیا اور دوسرے نے قتل کر دیا پھر دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے ان کی رائے دریافت کی (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۵۸)

امام مالکؒ نے محمد بن سیرین کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہرن کو شکار کرنے کا کفارہ دریافت کیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے فرمایا آپ بھی آجائیے تاکہ ہم دونوں مل کر فیصلہ کریں چنانچہ دونوں نے مل کر بکرے کی قربانی دینے کا فیصلہ کیا۔ سائل نے کہا یہ امیرالمؤمنین ہیں کہ ایک ہرن کے شکار کا بھی خود فیصلہ نہیں کر سکتے کہ دوسرے کو فیصلہ کی شرکت کے لئے بلوایا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا قول سن پایا اور فرمایا کیا تو سورۂ المائدہ پڑھتا ہے اس شخص نے جواب دیا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تو کہدیتا کہ سورۂ مائدہ پڑھتا ہوں تو میں تجھے دکھ کی مار دیتا۔ اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے یحکم بہ ذوا عدل منکم۔

مسئلہ:۔ جو لوگ مثل جسمانی کے قائل ہیں ان میں خود اس کی تشریح میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ قائل ہیں۔ ہر زمانہ میں دو صالح مسلمان اس مثلیت کا نو بنو فیصلہ کریں گے (خواہ فیصلہ صحابہؓ کے فیصلہ کے خلاف ہو کیونکہ زمانہ کے اختلاف سے مثلیت میں اختلاف ہوتا رہے گا)

اکثر علماء قائل ہیں کہ سلف نے اگر کسی کو کسی کے مثل قرار دیدیا ہے تو وہ واجب التسلیم ہے اس کے خلاف (کسی زمانہ میں) حکم نہیں دیا جا سکتا اور اگر کسی کی مثلیت کا سلف نے کوئی فیصلہ نہ کیا ہو تو دو اہل الرائے از سر نو خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اور اگر مسئلہ اجتہادی ہو تو اس میں بھی اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ ثوری نے کہا جس مسئلہ میں سلف کا باہم اختلاف ہو اس کے متعلق ہر زمانہ میں دو اہل الرائے کا فیصلہ نافذ ہوگا (خواہ بعض اسلاف کے فیصلہ کے خلاف ہو)

قرآنی آیت مذکورۂ بالا تمام اقوال کی تردید کر رہی ہے کیونکہ اگر تخلیقی اور جسمانی مماثلت کا اعتبار کر لیا جائے تو ہر زمانہ میں جدید فیصلہ کا فائدہ ہی کیا ہے (مماثلت جسمانی ہر زمانہ میں قائم رہے گی کسی زمانہ کے اہل الرائے کی رائے مماثلتِ جسمانی کو بدل نہیں سکتی) رہا سلف کے فیصلہ کو (ہر زمانہ کے لئے) واجب التسلیم قرار دینا تو اس کی تردید خود آیت کر رہی ہے۔ دو عادل مسلمانوں کا فیصلہ ہر زمانہ میں جدا جدا ہونا چاہئے اگر ایک مرتبہ کا فیصلہ ہمیشہ کے لئے ہو سکتا تو تمام یا اکثر شکاروں کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود ہی قطعی فیصلہ فرما دیتے دو عادل مسلمانوں کے فیصلہ کی ضرورت ہی نہ ہوتی (اس سے معلوم ہوا کہ سلف کا فیصلہ خلف

(بقیہ حاشیہ صفحہ) حضرت عبدالرحمٰن نے کہا میری رائے میں بکری ہونی چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری بھی یہی رائے ہے پھر فرمایا دونوں بکری کی قربانی دو جب دونوں واپس لوٹے تو ایک نے دوسرے سے کہا امیرالمؤمنین کو جواب معلوم نہ تھا تب ہی تو اپنے ساتھی سے دریافت کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بات سن پائی فوراً واپس بلوایا اور کہنے والے کا استقبال دُرّہ کی ضرب سے کرتے ہوئے فرمایا، حالت احرام میں شکار بھی مارتے ہو اور شرعی فیصلہ سے آنکھیں بھی بند رکھتے ہو حق نے فرمایا ہے یحکم بہ ذوا عدل منکم اللہ نے فیصلہ کے لئے تنہا عمر کو پسند نہیں کیا اس لئے میں نے اپنے ساتھی سے مدد لی۔

کے لئے حجت نہیں بلکہ ہر زمانہ میں دو عادل مسلمان مستقل فیصلہ کرنے کا حق رکھتے ہیں) اس سے ثابت ہوا کہ آیت میں مثلیت سے بلحاظ قیمت مثلیت مراد ہے جس کے اندازہ کرنے کے لئے دو عادل مسلمانوں کی ضرورت ہے اور چونکہ زمان و مکان کے اختلاف سے قیمت کا اختلاف ہوتا رہتا ہے اس لئے ہر زمانہ اور ہر مقام میں دو صاحب رائے مسلمانوں کے فیصلہ کی احتیاج لازم ہے۔

هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ (خواہ وہ پاداش خاص چوپایوں میں سے ہو بشرطیکہ "نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے"۔ لفظ ھدیا حال ہے خواہ ضمیر جزا سے ہو یا جزاء سے یا ضمیر مثل سے۔ یا محل کے اعتبار سے مثل سے بدل ہے۔

امام شافعیؒ وغیرہ لفظ ھدیا سے اس امر پر استدلال کرتے ہیں کہ مثل سے مراد قیمت نہیں ہو سکتی کیوں کہ قیمت کعبہ کو بطور نیاز نہیں بھیجی جاتی۔

لیکن ہم نے تشریح کر دی ہے کہ مثل سے مراد وہ چوپایہ ہے جس کی قیمت شکار کے برابر ہو اور اس جانور کو بطور نیاز کعبہ کو بھیجا جائے اس تشریح پر امام شافعی کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام اعظمؒ کے مسلک سے مراد قیمت ہی ہو اور لفظ هَدْيًا حال مقدر ہو یعنی وہ قیمت جو ھدی بنجانے والی ہو، مطلب یہ کہ اس قیمت سے کوئی جانور خرید کر بھیجا جائے تو (گویا) قیمت ہی ھدی ہو جائیگی

ایک سوال :۔ امام اعظمؒ کی تاویل پر بے وجہ بعض الفاظ محذوف ماننا پڑتے ہیں یعنی مثلاً صاشۃ اھدیا کہنا پڑے گا۔

جواب :۔ بے ضرورت نہیں بلکہ بضرورت مذکورہ۔ پھر امام شافعی کے قول پر بھی تو بعض الفاظ کو محذوف ماننا پڑتا ہے کیونکہ جس وقت دو عادل مسلمان مثلیت کا فیصلہ کرینگے اس وقت تو وہ جانور کعبہ کو پہنچا ہوا نہ ہوگا بلکہ آئندہ پہونچنے والا ہو گا اس لئے وقتِ حکم میں نہیں بلکہ حکم و فیصلہ کے بعد اس جانور کو بطور نیاز کعبہ کو بھیجا جائیگا۔ بہر حال دونوں اماموں کی تشریح پر تقدیر لفظی ضروری ہے صرف محل تقدیری کا اختلاف ہے۔

مسئلہ :۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جانور مکہ سے باہر خرید کر بھیجا جائے یا مکہ کے اندر ہی خرید کر قربانی کرنا کافی ہے۔ چونکہ بالغ الکعبۃ میں لفظی اضافت ہے اس لئے ظاہر لفظ کا اعتبار کر کے امام مالکؒ نے اول قول کو پسند کیا ہے اور باہر سے بھیجنے کو واجب قرار دیا ہے لیکن جمہور کا قول ہے کہ باہر سے بھیجنا ضروری نہیں بالغ الکعبۃ کا یہ مطلب ہے کہ قربانی کے لئے حرم شرط ہے، حرم سے باہر قربانی نہ ہونی چاہئے یہ مطلب نہیں کہ باہر سے خرید کر ہی بھیجی جائے۔ اسی پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ حج الوداع کے قصہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، جب مکہ میں تشریف لائے تو لوگوں سے فرمایا جس نے قربانی بھیجدی

ہو وہ حج پورا کرنے سے پہلے باندھا ہوا احرام نہ کھولے اور جس نے قربانی نہ بھیجی ہو وہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر کے بال کتروا کر احرام کھول دے پھر حج کا احرام باندھے اور قربانی کرے اور جس کو قربانی کا جانور نہ ملے وہ روزے رکھے۔ اس حدیث میں صاف صراحت ہے کہ بعض صحابیوں نے باہر سے قربانی کا جانور نہیں بھیجا تھا بلکہ مکہ میں خریدا تھا اور جن لوگوں کو مکہ میں قربانی کا جانور نہیں ملا تھا انھوں نے روزے رکھے تھے دیکھو مکہ کے اندر خریدے ہوئے قربانی کے جانور کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اس حدیث میں ھدی فرمایا اور صراحت فرما دی ثُمَّ لِيُهِلَّ بِالْحَجِّ وَلْيُهْدِ. اللہ نے بھی تمتع کے سلسلہ میں فرمایا ہے فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (اس آیت میں ہر قربانی کے جانور کو ھدی فرمایا ہے خواہ اس کو باہر سے نہ بھیجا گیا ہو)

امام مالکؒ نے خواہ مخواہ ایک شرط لگائی ہے کہ اگر قربانی کا جانور مکہ میں خریدا ہو تو واجب ہے کہ اس کو بوقت ارادۂ حج عرفہ کو لیجائے (اور وہاں سے بھیجے) امام مالک کے اس قول کی کوئی دلیل نہیں۔

مسئلہ: کیا قربانی کے جانور کا گوشت صرف مکہ کے فقراء کو تقسیم کر دیا جائے جمہور کے نزدیک ایسا کرنا واجب ہے کیونکہ کعبہ تک پہنچنے کی شرط بتا رہی ہے کہ حرم کے مسکینوں کو ہی تقسیم کرنا واجب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ عموم جواز کے قائل ہیں حرم کے فقراء ہوں یا بیرون حرم کے سب کو تقسیم کرنا جائز ہے۔ آیت میں مساکین حرم کی کوئی تخصیص نہیں صرف حرم کے اندر ذبح کرنے کی شرط ہے اگر بیرون حرم ذبح کرے گا تو کافی نہ ہوگا اور ذبح کے لئے مکان کی خصوصیت خلافِ قیاس ہے (لیکن آیت میں آگئی ہے لہٰذا ذبح سے آگے بڑھ کر تقسیم تک یہ حکم متجاوز نہ ہوگا جتنا آیت میں آیا ہے اسی حد پر حکم محدود رکھا جائیگا) اور گوشت کی تقسیم بہر حال ایسی عبادت ہے جو موافقِ عقل ہے (اس سے فقراء کی پرورش ہوتی ہے جو عقلاً مستحسن ہے)

اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اس آیت میں لفظ اَوْ بتا رہا ہے کہ قصور کرنے والے کو اختیار ہے قربانی کرے یا بطور کفارہ مسکینوں کو کھانا دیدے یا روزے رکھے۔ شعبی اور نخعی نے کہا کہ شکار کرنے کا عوض اسی ترتیب سے ادا کیا جائیگا جس ترتیب سے آیت میں آیا ہے (اول قربانی قربانی کا جانور نہ ملے تو طعام مساکین اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو روزے) لیکن آیت میں لفظ اَوْ ہمارے قول کی تائید اور شعبی کے قول کی تردید کر رہا ہے [1]۔

---

[1] شکار کرنے کی سزا کو ہلکا کرنے کے لئے اللہ نے مجرم کو تینوں باتوں میں سے کسی ایک کو پسند کر لینے کا اختیار دیا جیسے قسم کے کفارہ میں اختیار دیا ہے یہ قول امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا ہے امام محمد اور امام شافعی قائل ہیں کہ مجرم کو بطور خود تینوں امور میں سے ایک امر کو پسند کر لینے کا اختیار نہیں ہے بلکہ ان دونوں مسلمانوں کو جو مثلیت کی جانچ کرنے والے ہوں یہ حق ہے کہ تینوں امور میں کسی ایک امر کی مجرم کے لئے تعیین کر دیں مگر آیت میں اس قول کی کوئی دلیل نہیں بلکہ آیت کا مفہوم تو یہ ہے کہ مثل سے مراد قیمت ہے اور قیمت کا اندازہ دو عادل مسلمانوں کی رائے پر موقوف ہے اور جب وہ قیمت کا اندازہ کر دیں تو اب مجرم کو اختیار ہے کہ تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو پسند کر لے اس قیمت سے قربانی کا جانور خرید کر کعبہ کو بھیجدے یا کھانا خرید کر مساکین کو دیدے یا ہر مسکین کے کھانے کے عوض ایک روزہ رکھے (باقی حاشیہ صفحہ ۶۱)

مسئلہ :- یہ امر اجماعی ہے کہ کھانا قیمت کے مطابق دیا جائیگا اگر شکار کی مثل کوئی چوپایہ نہ ہوگا تو شکار کی قیمت لگا کر اس قیمت کا کھانا دیا جائیگا اور اگر شکار مثلی ہوگا تو شکار کی مثل جس چوپایہ کو قرار دیا گیا ہوگا اس چوپایہ کی قیمت لگا کر اس کا غلہ خرید کر دیا جائیگا اس وقت شکار کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں شکار کی قیمت واجب نہیں ہے بلکہ شکار کی مثل چوپایہ واجب ہے کھانا دینا تو چوپایہ کے قائم مقام ہے۔ یہ قول جمہور کا ہے۔ اس قول پر کبوتر کے شکار کے عوض اگر کھانا دینا ہو تو کبوتر کی قیمت کا نہیں، بلکہ ایک بکری کی قیمت لگا کر اسکا کھانا دینا ہوگا کیونکہ اصل میں وجوب نظیر کا ہے (لہٰذا نظیر کی قیمت کا کھانا دینا ہوگا) امام اعظمؒ کے نزدیک شکار کی قیمت لگا کر اس کا کھانا دینا ہوگا (مثلی اور غیر مثلی میں کوئی فرق نہیں ہے) کیونکہ (نظیر واجب نہیں بلکہ) شکار کی قیمت واجب ہے شکار کی مثل کسی چوپایہ کی قربانی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس چوپایہ کی قیمت شکار کی قیمت کے برابر ہو اس کی قربانی دی جائے اگر قربانی کی قیمت زائد ہو تو اس زیادتی کا وجوب (شرعاً) نہیں ہے بلکہ (تطوعاً اور خود) تو دیا ہے یا یوں کہو کہ اگر قربانی کرنا چاہتا ہو اور قربانی کی قیمت زائد ہو تو چونکہ قربانی کے ٹکڑے نہیں کئے جا سکتے (کہ آدھے جانور کی قربانی کر سکے) اس لئے ضرورۃً پوری قربانی دینی ہوگی لیکن اگر قربانی کرنا نہ چاہے اور کھانا دینا چاہے تو کوئی ضرورت نہیں کہ پوری قربانی کی قیمت کا کھانا کھلائے نہ اس کا التزام اس نے خود کیا ہے (بلکہ قربانی کی قیمت میں سے اتنے حصہ کا کھانا دیگا جتنا حصہ شکار کی قیمت کے برابر ہو) لہٰذا بکری کی قیمت نہیں لگائی جائیگی، کبوتر کی قیمت لگائی جائیگی ضمان و تاوان اسی چیز کا دینا ہوگا جس کو تلف کیا ہے تلافی کے لئے دوسری چیز کی قیمت لگا کر تلف شدہ کے تاوان میں دینے کا کوئی معنی نہیں۔

رہا یہ خیال کہ درحقیقت مثلی شکار میں واجب نظیر ہے یہ خیال ہی غلط ہے دیکھو اگر کبوتر کے شکار کے عوض اونٹ کی قربانی کردیگا تو کافی ہوگا اگر نظیر واجب ہوتی تو بکری کے علاوہ دوسرے بڑے جانور کی قربانی تاوان جرم کے لئے کافی نہ ہوتی۔ مزید یہ کہ نظیر کا وجوب عینی تو اسی وقت ممکن ہوگا جب شعبی اور نخعی کی طرح تینوں امور میں ترتیب کو واجب قرار دیا جائے اول قربانی اور قربانی ممکن نہ ہو تو مساکین کو کھانا دینا اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو روزے رکھنا گویا نمبر دوم نمبر اول کی اور نمبر سوئم نمبر دوم کی قضاء غیر معقول ہے، مگر ہمارے نزدیک تو ترتیب واجب ہی نہیں ہے بلکہ مجرم کو کسی ایک سزا کو پسند کرنے کا اختیار ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ بغیر کسی شرعی دلیل کے ایک قسم کی سزا کو دوسری قسم کی سزا میں دخیل قرار دیا جائے۔

ایک شبہ

اگر ایک نوع کی سزا دوسری نوع کی سزا میں دخیل نہیں ہو سکتی تو مسکینوں کی تعداد کے برابر روزوں کی

(بقیہ حاشیہ صفہ) وہ صاحب الرائے مسلمانوں کو ان تینوں میں سے کسی ایک کی تعیین کا حق نہیں ہے یہ حق تو صرف اللہ کو ہے وہ حاکم مطلق ہے اسی نے تینوں صورتیں بیان فرما کر مجرم کو سہولت عطا فرمائی ہے اور یہ اس کی رحمت ہے۔ ۱۲

تعداد کیوں واجب ہے۔

جواب

مسکینوں کی تعداد کا دخل روزوں کے وجوب میں تو اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا یا اس (کھانے) کے مساوی روزے" فراء نے کہا جو مثل ہم جنس بھی ہو وہ عِدل بکسر عین ہے اور جو مثل غیر جنسی ہو وہ عدل بالفتح ہے۔

مسئلہ۔ فی مسکین کتنا کھانا دیا جائے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فی مسکین ایک مد طعام (تقریباً ایک سیر) دیا جائے کفارۂ صوم، کفارۂ ظہار اور کفارۂ یمین میں بھی امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک فی مسکین گیہوں آدھا صاع (تقریباً دو سیر) اور جَو یا چھوارے ایک صاع دیئے جائیں۔ صدقہ فطر کی مقدار بھی امام صاحب کے نزدیک یہی ہے اور تمام کفارات میں یہی مقدار واجب ہے۔

اولیٰ یہ ہے کہ شہر میں عام طور سے جو غلہ کھایا جاتا ہو اس کا آدھا صاع فی مسکین دیا جائے کیونکہ تمام جنایات میں کھانا دینے کی مقدار یہی بالاجماع مقرر ہے اگر حج میں کوئی معذور بحالت احرام سر منڈا دے تو یہی مقدار واجب ہے۔ سورۂ بقرہ میں حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت کعب کو (سر منڈانے کے کفارہ میں) ایک فرق غلہ چھ مسکینوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا (صدقہ فطر پر تاوانِ شکار کو محمول کرنے سے اس حدیث پر محمول کرنا اولیٰ ہے کیونکہ صدقہ فطر کسی جنایت وجرم کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا اور شکار کی جنایت اور معذور کی جنایت دونوں ہم جنس ہیں (اگرچہ نوع جنایت میں فرق ہے)

جمہور کے نزدیک جس طرح قربانی کے گوشت کے مستحق صرف مساکین حرم ہیں اسی طرح کھانا بھی صرف فقراء حرم ہی کو دیا جائیگا امام صاحب کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے (قربانی کے گوشت کی طرح کھانے کے لئے بھی مساکینِ حرم کی تخصیص نہیں ہے)

مسئلہ۔ اگر شکار کی قیمت میں ایک مسکین کے لائق پورا کھانا نہ مل سکے یا اتنا کھانا ملے جو ایک مسکین یا چند مساکین کو بمقدار مقرر دینے کے بعد کچھ بچ رہے مگر بچا ہوا کھانا ایک مسکین کے لائق پورے طور پر نہ ہو (مثلاً آدھا سیر بچ رہے) تو جتنا باقی رہا ہو اتنا ہی کسی ایک مسکین کو دے دیا جائے اپنی طرف سے بڑھا کر پوری مقدار کر دینا ضروری نہیں ہے اور اگر بچا ہوا کھانا دینے کے بجائے روزہ رکھے تو ایک روزہ رکھے روزے کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے یہ مسئلہ اجماعی ہے، اور اگر قربانی دیگا تو کسی قسم کی اور کسی عمر کی بکری ہو قربانی میں دی جا سکتی ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ایسی بکری کی قربانی کافی ہوگی جس کی قربانی شرعاً ضروری قرار دی گئی ہے (یعنی بے عیب سالم الاعضاء، اور عمر مقرر کے مطابق ہو ہر بکری کی قربانی کافی نہ ہوگی)

لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ (ہم نے یہ سزا یا کفارہ اس لئے واجب کیا) کہ مجرم اپنے کئے کی سزا چکھے۔ وبالِ امر کئے کا بوجھ۔ فعل کا برا نتیجہ۔ وبل کا لغوی معنی ہے ثقل طعام وبیل، ثقیل کھانا آیت اَخَذْنَاهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا میں وَبِيْلًا کا معنی سخت ثقیل اسی لغوی مناسبت کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ جو کچھ پیچھے ہوگیا اللہ نے اس کو تو معاف کر دیا۔ یعنی محرم نے بحالت احرام جو شکار اسلام سے پہلے یا حکم حرمت نازل ہونے سے پہلے کر لیا یا جو شکار اس مرتبہ کر لیا اللہ نے اس کو تو معاف کر دیا۔

وَمَنْ عَادَ لیکن اس بار کے بعد جو شخص دوبارہ ایسا کرے گا۔

فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۚ تو اللہ اس کو سزا دے گا۔ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ جزاء نہیں ہے کیونکہ فعل مضارع اگر جزاء واقع ہوتا ہے تو اس پر فاء نہیں آتی۔ بلکہ یہ خبر ہے اور ھُوَ مبتدا محذوف ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی محرم شکار کر لیتا تو آپ اس سے پوچھتے کیا تو نے اس سے پہلے کبھی عالتِ احرام میں شکار کیا ہے (یا یہ پہلا جرم ہے) اگر وہ کہتا یہ پہلا جرم ہے تو آپ اس کو (قربانی کرنے یا کھانا دینے یا روزے رکھنے کا) حکم دیدیتے اور اگر وہ کہتا پہلے بھی مجھ سے ایسا جرم ہوا ہے تو آپ کوئی حکم نہ دیتے اور ظاہر آیت کے مطابق فرماتے اللہ تجھ سے انتقام لے گا، پھر اس کی پشت اور سینہ پر دو رسل ضرب رسید کرتے۔ کذا قال البغوی۔

میں کہتا ہوں آیت کی تفسیر اس طرح کرنی اولیٰ ہے کہ جو کچھ گزر چکا اس کو تو اللہ نے معاف کر دیا یعنی جس شخص نے اس کا تاوان (بصورت قربانی یا بصورت طعام یا بصورت صیام) ادا کر دیا ہو اللہ نے اس کو معاف کر دیا لیکن جو شخص دوبارہ ایسی حرکت کریگا اللہ اس سے انتقام لیگا یعنی مندرجۂ بالا سزا اس پر عائد کریگا اور اگر وہ تاوان ادا نہ کریگا تو قیامت کے دن اس کو عذاب دیگا۔

وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۞ یعنی جو شخص اللہ کی نافرمانی پر جما رہیگا اللہ اس کو عذاب دینے والا اور انتقام لینے والا ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ تمہارے لئے سمندر سے شکار کرنا حلال کر دیا گیا ہے۔

وَطَعَامُهُ اور اس کی غذا (حلال کر دی گئی ہے) طعامہ کی ضمیر یا صید کی طرف راجع ہے یعنی شکار سے بنا ہوا کھانا یا البحر کی طرف راجع ہے یعنی سمندر سے حاصل کیا ہوا کھانا۔ [1]

---

[1] حضرت انس شاہد اوی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا صید البحر وہ (خوردنی) اشیاء ہیں جو سمندر کے اندر موجود ہوں اور طعام سے مراد وہ (خوردنی) اشیاء ہیں جن کو سمندر نے اگل کر باہر پھینک دیا ہو۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بعض علماء کا قول ہے کہ صید البحر سے مراد وہ آبی حیوان ہے جو پانی سے باہر زندہ نہیں رہتا۔ اور طعام البحر سے مراد ہے سمندری کھانا۔ امام مالکؒ نے ہر سمندری جانور کے کھانے کے جواز پر اسی سے استدلال کیا ہے مسئلہ کی پوری تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا صید البحر وہ ہے جس کو سمندر سے شکار کیا جائے اور طعام البحر وہ ہے جس کو سمندر خود باہر پھینک دیتا ہے حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ طعام البحر وہ ہے جس کو پانی مردہ حالت میں کنارہ پر پھینک دیتا ہے۔ سعید بن جبیر سعید بن مسیبؒ، عکرمہ قتادہ نخعی اور مجاہد نے کہا صید البحر وہ ہے جو تازہ پکڑا گیا ہو اور طعام البحر وہ ہے جس کو نمک لگا دیا گیا ہو۔

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ (مذکورۂ بالا صید البحر کو حلال کیا گیا ہے) تمہارے یعنی اہل اقامت کے اور مسافروں کے فائدہ کے لئے اہل اقامت تازہ تازہ پکڑ کر کھاتے ہیں اور مسافر اس کے ٹکڑے کر کے توشۂ سفر کے طور پر لیجاتے ہیں۔

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۚ اور جب تک تم احرام بند ہو خشکی کا شکار کرنا تم پر حرام کر دیا گیا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک آیت کا مطلب اس طرح ہے کہ خشکی کا شکار (کھانا) محرم کے لئے مطلقاً حرام کر دیا گیا ہے خواہ غیر محرم نے اس کو شکار کیا ہو اور محرم نے حکم نہ دیا ہو، نہ مدد کی ہو نہ اشارہ کیا ہو بلکہ محرم کے لئے شکار بھی نہ کیا گیا ہو بہرحال محرم کے لئے حرام ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے۔ طاؤسؒ اور سفیانؒ ثوری کا بھی قول ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابوا یا ودان میں فروکش تھے صعب بن جثامہ لیثی نے حضورؐ کے لئے گورخر کا گوشت بطور ہدیہ بھیجا۔ آپ نے واپس کر دیا اور صعب کے چہرہ پر کچھ رنج کے آثار دیکھ کر فرمایا ہم نے کسی اور بات کی وجہ سے واپس نہیں کیا ہے، بات صرف یہ ہے کہ ہم احرام بند ہیں (متفق علیہ) نسائی کی روایت میں (اتنا زائد) آیا ہے کہ ہم شکار نہیں کھائینگے۔ سعید نے ابن عباس کا قول اتنا مزید بیان کیا ہے کہ ہم اگر احرام بند نہ ہوتے تو قبول کر لیتے۔

اس کے جواب میں امام بخاریؒ کی وہ صراحت نقل کی ہے جس میں آیا ہے کہ گورخر زندہ تھا اور زندہ شکار کو ذبح کرنا محرم کے لئے جائز نہیں۔ اہل روایت نے امام مالکؒ سے بھی یہی تاویل نقل کی ہے مگر یہ توجیہ درست

(بقیہ حاشیہ ۳۲) حارث بن نوفلؒ راوی ہیں کہ دوران حج میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس شکار کا گوشت پیش کیا گیا جس کو غیر محرم نے شکار کیا تھا۔ آپ نے اس میں سے کھا لیا مگر حضرت علیؓ نے نہیں کھایا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا بخدا ہم نے یہ خود شکار کیا نہ حکم دیا نہ اشارہ کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا

حسنؒ راوی ہیں کہ اگر محرم کے لئے شکار نہ کیا گیا ہو بلکہ غیر محرم نے کسی دوسرے غیر محرم کے لئے شکار کیا ہو تو ایسے شکار کے گوشت کو حضرت عمر بن خطاب محرم کے لئے بھی حلال جانتے تھے لیکن حضرت علیؓ مکروہ قرار دیتے تھے۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔

نہیں ہے کیونکہ اسحاق نے مسند میں اپنی سند سے بروایت موسیٰ از محمد بن عمرو بن علقمہ از زہری بیان کیا ہے کہ گورخر کا گوشت پیش کیا تھا (اور گوشت زندہ کا نہیں ہو سکتا) طبرانی نے زہری کی روایت سے لکھا ہے کہ گورخر کی ٹانگ پیش کی تھی مسلم کی روایت میں ہے کہ گورخر کا سُرین تھا جس سے خون ٹپک رہا تھا مسلم کی دوسری روایت میں سُرین کی جگہ ٹانگ کا لفظ آیا ہے مسلم کی تیسری روایت میں سعید کی روایت دو طرح سے آئی ہے ایک میں گورخر کا لفظ آیا ہے اور دوسری میں گورخر کا پہلو۔ بہرحال تمام روایات میں اس امر پر اتفاق ہے کہ وہ شکار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا۔ ہاں وہب اور بیہقی نے عمرو بن امیہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جحفہ میں فروکش ہوئے کہ ایک گورخر کا سرین پیش کیا گیا آپ نے اس میں سے خود بھی کھایا اور لوگوں نے بھی کھایا اس روایت کی سند حسن ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ دونوں قصوں کا تعلق جدا جدا دو واقعوں سے تھا صحیحین میں جو واقعہ منقول ہے وہ ابوا یا ودان کا ہے اور وہب کے بیان کئے ہوئے قصہ کا تعلق جحفہ سے ہے جحفہ اور ابوا کا فاصلہ ۲۰ میل ہے اور جحفہ سے ودان آٹھ میل پر ہے۔

اسی موضوع کی ایک حدیث حضرت علیؓ کی روایت سے بھی آئی ہے حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کیا تم واقف ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کسی شکار کا ایک عضو بطور ہدیہ پیش کیا گیا آپ نے قبول نہیں کیا اور فرمایا میں احرام بندھا ہوں حضرت علیؓ نے یہ خطاب قبیلہ اشجع کے ایک شخص سے کہا تھا اور اس کو قسم دی تھی۔ اس شخص نے جواب میں کہا جی ہاں۔ رواہ ابوداؤد والطحاوی۔ مسلمؒ نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

لیکن قرنِ اول کے بعد مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہو گیا تھا کہ اگر غیر محرم اپنے لئے شکار کرے تو محرم کے لئے اس کا کھانا حلال ہے صحیح احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی ایسے شکار کا گوشت کھایا اور صحابہؓ کو بھی کھانے کی اجازت دی۔ حضرت ابوقتادہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس (شکار) کا جو گوشت بچ گیا ہو وہ تم (لوگ) کھالو بعض صحیح روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے خود بھی اس کو کھایا۔ صعبؓ بن جثامہ کی بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے خود بھی اس میں سے کھایا۔

مسلم نے نقل کیا ہے کہ معاذ بن عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی کے باپ (عبدالرحمٰن) نے بیان کیا کہ ہم احرام کی حالت میں حضرت طلحہؓ بن عبداللہؓ کے ساتھ تھے حضرت طلحہؓ کو ایک پرندہ (یعنی شکار کیا ہوا) ہدیہ میں پیش کیا گیا آپ اس وقت سو رہے تھے ہم میں سے بعض آدمیوں نے تو اس کو کھالیا اور بعض نے کھانے۔ بچنے

رکھا (ظلو بیدار ہوئے) تو آپ نے کھانے والوں کی موافقت کی اور فرمایا ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم رکابی میں شکار کھایا تھا۔

عمرو بن سلمہ ضمیری نے بہزی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ جانے کے ارادہ سے احرام بند برآمد ہوئے۔ روحا کے مقام میں پہنچے تو ایک زخمی گورخر نظر پڑا جو ذبح کیا ہوا تھا رسول اللہ نے فرمایا اس کو رہنے دو ممکن ہے اس کو شکار کرنیوالا آجائے کچھ دیر کے بعد بہزی آگئے۔ بہزی نے اس کا شکار کیا تھا۔ بہزی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو اختیار ہے جیسا چاہیں اس میں تصرف کریں حضور صلعم نے حضرت ابو بکرؓ کو حکم دیا کہ اس کو تقسیم کردو حسب الحکم حضرت ابو بکرؓ نے قافلہ والوں کو اس کا گوشت بانٹ دیا۔ رواہ مالک واصحاب السنن۔ ابن خزیمہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

تقریر سابق سے ظاہر ہو گیا کہ آیت میں صید سے مراد ہے شکار کرنا۔

مسئلہ:۔ اگر غیر محرم۔ محرم کے لئے شکار کرے تو کیا حکم ہے ؟ امام اعظمؒ کے نزدیک غیر محرم کا شکار کیا ہوا سب کیلئے جائز ہے یہانتک کہ وہ محرم بھی اس کو کھا سکتا ہے جسکے لئے شکار کیا گیا ہو امام مالکؒ کے نزدیک اگر محرم کیلئے غیر محرم نے شکار کیا تو کسی کے لئے حلال نہیں یہانتک کہ غیر محرم بھی اسکو نہیں کھا سکتا۔ امام شافعیؒ و امام احمدؒ کا قول ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کیلئے شکار کیا خواہ احرام باندھنے کے بعد کیا یا احرام باندھنے سے پہلے بہر حال محرم کے لئے اسکو کھانا درست نہیں۔ البتہ غیر محرم اس کو کھا سکتا ہے اور وہ محرم بھی کھا سکتا ہے جس کی نیت سے شکار نہ کیا گیا ہو حضرت عثمانؓ کا قول بھی یہی بیان کیا گیا ہے۔ امام مالکؒ نے مؤطا میں حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن عامر نے فرمایا میں نے مقام العرج میں حضرت عثمان بن عفان کو دیکھا گرمی کا زمانہ تھا آپ احرام بند تھے اور چہرہ کو چادر سے ڈھانکے ہوئے تھے کچھ دیر کے بعد شکار کا گوشت پیش کیا گیا آپ نے ساتھیوں سے فرمایا تم لوگ کھاؤ، عرض کیا گیا کیا آپ نہیں کھائیں گے۔ فرمایا میری حالت تمہاری طرح نہیں ہے میرے لئے شکار کیا گیا ہے (اس لئے میرے لئے حلال نہیں)

(مذکورۂ بالا) بعض روایات میں آیا ہے کہ غیر محرم کا شکار کیا ہوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھایا اور بعض روایات میں آیا ہے کہ نہیں کھایا بلکہ لوٹا دیا۔ تینوں اماموں نے ان دونوں روایتوں کو تطبیق دینے کے لئے یہ توجیہ کی کہ حضور صلعم نے وہ گوشت تو کھا لیا جو غیر محرم نے اپنے لئے شکار کیا تھا اور اس شکار کا گوشت نہیں کھایا جو حضور صلعم کے لئے یا کسی دوسرے محرم کے لئے شکار کیا گیا تھا۔

ہم کہتے ہیں کسی حدیث میں اس تفصیل کا کہیں پتہ نہیں (لہٰذا یہ تفصیل خود ساختہ ہے) ہمارے نزدیک دونوں روایتوں میں تطبیق دینے کی بہترین توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ اگر غیر محرم نے شکار کیا ہو تو اس کا

کھانا محرم اور غیر محرم ، سب کے لئے جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ محرم اس کو نہ کھائے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھا کر جواز کا اظہار فرما دیا اور نہ کھا کر تنبیہ فرما دی کہ نہ کھانا مستحب ہے ۔

ایک سوال

اگر احادیث میں باہم تعارض ہو اور ایک حدیث کو (روایۃً) دوسری پر ترجیح نہ ہو تو قیاس کا تقاضا ہی کہ تحریم پر احتیاطاً عمل کیا جائے

جواب :۔ ہم کہتے ہیں بیشک یہ ضابطہ ہے لیکن ہم نے اس جگہ اس قول کو اختیار نہیں کیا تاکہ اجماع کی مخالفت لازم نہ آئے کیونکہ بعض قسم کے شکار محرم کے لئے باجماعِ علماء حلال ہیں محرم کے لئے اگر شکار کیا جائے تو تینوں اماموں کے نزدیک وہ حرام ہے حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خشکی کا شکار تمہارے لئے حلال ہے جب کہ تم احرام بند ہو بشرطیکہ تم نے خود شکار نہ کیا ہو اور نہ تمہارے لئے شکار کیا گیا ہو، اخرجہ الترمذی والنسائی وابن خزیمہ واحمد۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو شکار محرم نے خود کیا ہو یا کسی غیر محرم نے اس کے لئے کیا ہو، دونوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برابر قرار دیا اس سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے جو شکار کیا گیا ہو اس کا حکم بھی اسی شکار کی طرح ہے جو محرم نے خود کیا ہو اور محرم کا خود کیا ہوا شکار تو سب کے لئے حرام ہے لہٰذا جو شکار محرم کے لئے اس کے احرام بند ہونے کی حالت میں دوسروں نے کیا ہو وہ بھی مردار کی طرح سب لوگوں کے لئے حرام ہے ۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا احاد کی احاد پر ترجیح جا سکتی ہے کہ محرم کے لئے خود اسی کا کیا ہوا شکار یا اس کے لئے غیر محرم کا کیا ہوا شکار حرام ہو ۔ لیکن اگر کسی غیر محرم نے یا کسی دوسرے محرم نے شکار کیا ہو یا غیر محرم کے لئے شکار کیا گیا ہو یا کسی دوسرے محرم کے لئے شکار کیا گیا ہو تو ان تمام مسائل کا حکم حدیث کے اندر مذکور نہیں ہے باہر سے معلوم ہوتا ہے ۔

ہم کہتے ہیں یہ حدیث اس قابل ہی نہیں ہے کہ اس کو دلیل میں پیش کیا جا سکے کیونکہ اس کی روایت کا مدار عمرو بن ابی عمرو پر ہے ۔ امام احمد کی روایت میں عمرو از مرد انصاری از جابرؓ کا سلسلہ ہے اور ترمذی وغیرہ کی روایت میں عمرو از مطلب از جابرؓ آیا ہے گویا امام احمد کی روایت میں عمرو کا راوی ایک نامعلوم انصاری ہے اور ترمذی کی روایت میں عمرو کا راوی مطلب ہے اور ترمذی نے خود صراحت کی ہے کہ حضرت جابرؓ سے مطلب کا سماع ثابت نہیں ۔ پھر عمرو بن ابی عمرو جو مطلب کا آزاد کردہ غلام تھا ثقہ نہیں ہے یحیٰی بن معین نے کہا ہے کہ اس کی حدیث ناقابل دلیل ہے نیز یحیٰی اور ابوداؤد دونوں نے اس کے متعلق صراحت کی ہے کہ یہ قوی نہیں ہے البتہ امام احمد نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے ۔

پھر استدلال مذکور استدلال بالمفہوم ہے اور استدلال بالمفہوم ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔

حضرت ابو قتادہؓ کی حدیث کو بھی اس امر کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے کہ اگر غیر محرم، محرم کے لئے شکار کرے تو جس کے لئے شکار کیا گیا ہو اس کے لئے کھانا جائز نہیں ہے۔ ابو قتادہؓ کا بیان ہے کہ حدیبیہ کے زمانہ میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب نکلا میرے ساتھی احرام بندھے تھے مگر میں نے احرام نہیں باندھا تھا مجھے ایک گورخر نظر آیا اور حملہ کرکے میں نے اس کا شکار کرلیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کا تذکرہ کردیا اور یہ بھی عرض کردیا کہ میں نے احرام نہیں باندھا تھا غیر محرم ہونے کی حالت میں حضور صلعم کے لئے میں نے یہ شکار کیا ہے حضور صلعم نے صحابہؓ کو کھانے کا حکم دے دیا یعنی غیر محرم صحابہؓ کو کھانے کی اجازت دیدی (حسب اجازت صحابہؓ نے کھایا مگر حضورؐ نے نہیں کھایا کیونکہ میں نے حضور صلعم کو اطلاع دیدی کہ آپؐ کے لئے میں نے یہ شکار کیا ہے۔ اخرجہ اسحاق وابن خزیمۃ والدارقطنی

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ ابن خزیمۃ اور ابو بکر نیشاپوری اور دارقطنی سب نے بالاتفاق صراحت کی ہے کہ صرف معمر نے اس روایت میں یہ الفاظ زیادہ بیان کئے ہیں کہ آپ کے لئے میں نے یہ شکار کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس میں سے نہیں کھایا۔ معمر کے علاوہ یہ الفاظ کسی نے نقل نہیں کئے شاید یہ معمر کے واہمہ کی ایجاد ہے۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ معمر بن راشد کے (نقل احادیث میں) کچھ اوہام (خود ساختہ ذہول) ہیں۔

میں کہتا ہوں تمام صحیح روایات میں باتفاق آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس شکار کا گوشت کھایا تھا۔ پھر معمر والی روایت تو امام مالکؒ کے مسلک کے خلاف جارہی ہے اس میں صراحت ہے کہ حضور صلعم نے صحابہؓ کو کھانے کا حکم دیا اور انھوں نے کھایا اس سے معلوم ہوا کہ اگر محرم کے لئے شکار کیا گیا ہو تو دوسرے سب لوگوں کے لئے وہ شکار حلال ہے حالانکہ امام مالکؒ سب لوگوں کے لئے اسکو حرام کہتے ہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ اور اس اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ اور اللہ نے کعبہ کو جو ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے۔

کعبہ مربع ہے اس لئے اس کو کعبہ کہا جاتا ہے ہر مربع گھر کو عرب کعبہ کہتے ہیں۔ مقاتل نے کہا کعبہ دوسرے مکانوں سے منفرد ہے اس لئے اس کو کعبہ کہا جاتا ہے بعض کے نزدیک اونچا ہونے کی وجہ سے کعبہ کو کعبہ کہا جاتا ہے۔ کعبہ کا لغوی معنی ہے ابھرنا اور بلند ہونا پاؤں کے ٹخنے کو اسی لئے کعب کہا جاتا ہے جو لڑکی بالغ

سے نے کے قریب ہو اور اس کے پستان اٹھ آئے ہوں اس کے لئے عرب کہتے ہیں تکعبت۔ البیت الحرام یعنی اللہ نے اس کو حرم بنایا اور اس کی حرمت کی عظمت ظاہر فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا آسمان و زمین کی پیدائش کے دن ہی اللہ نے کعبہ کو حرم بنادیا تھا۔ قیاماً یعنی لوگوں کے دین اور دنیا کی درستگی کا ذریعہ دین کی درستی کا ذریعہ ہونا تو ظاہر ہے کہ اس کا حج کیا جاتا ہے اور دوسرے شعائر کی ادائگی اس کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور دنیوی درستی کا ذریعہ ہونا اس لئے ہے کہ حرم کے اندر لوٹ کھسوٹ قتل و غارت کی ممانعت کردی گئی ہے اور یہاں پہنچ کر لوگوں کا مال جان محفوظ ہو جاتا تھا۔

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ اور حرمت والے مہینوں کو اللہ نے لوگوں کے دین دنیا کی درستگی کا ذریعہ بنایا الشھر سے مراد ہے جنس شہر (یعنی واحد مراد نہیں ہے) حرمت والے چار ماہ ہیں رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ محرم۔ اللہ نے ان چاروں مہینوں کو لوگوں کے لئے پرامن رہنے کے مہینے بنادیا ان مہینوں میں (عرب) لڑنے مرنے کٹنے لٹنے سے محفوظ رہتے تھے۔

وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ۚ اور نیاز کے جانوروں کو اور قلائد کو اللہ نے باعث امن بنایا ھدی و قلائد کی تفسیر اسی سورت کے شروع میں گذر چکی۔

ذٰلِكَ یہ یعنی باعث درستی بنانا۔ یا احرام وغیرہ کی حرمت کا حکم دینا۔ زجاج نے کہا ذٰلِكَ سے اشارہ ان غیبی اطلاعات اور پیشین گوئیوں کی جانب ہے جن کا کچھ بیان اسی سورت میں کردیا گیا ہے مثلاً فرمایا ہے سماعون للکذب سماعون لقوم اخرین یا جیسے ان کی تحریف کتب کی اطلاع دی گئی ہے۔

لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ اس لئے ہے تاکہ تم کو معلوم ہوجائے کہ اللہ ان تمام چیزوں سے واقف ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں۔ ضرر واقع ہونے سے پہلے ایسے احکام جاری کرنا کہ آنیوالا ضرر دفع ہو جائے اور منافع حاصل ہو جائیں بتاتا ہے کہ شارع کا علم کامل اور اس کا حکم پرحکمت ہے، اسی طرح غیب کی خبریں دینے سے خبر دینے والے کے علم کی ہمہ گیری معلوم ہوتی ہے۔

وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر شئی سے بخوبی واقف ہے۔ یہ خاص کے بعد عام کا ذکر اور اطلاق کے بعد مبالغہ ہے۔

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے اور یہ بھی جان لو کہ اللہ بڑا معاف کرنیوالا مہربان (بھی) ہے۔ اس آیت میں ثواب کا وعدہ اور عذاب کی دھمکی ہے جو اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرے اور خلاف ورزی پر جما رہے اسکے

لئے عذاب کی دھمکی ہے اور جو احکام کی پابندی کرے اور خلاف ورزی سے باز رہے اس کے لئے ثواب کا وعدہ ہے۔
ابو الشیخ نے بروایت حسن بیان کیا کہ وفات کے قریب حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا کہ اللہ نے نرمی کی آیت سختی کی آیت کے ساتھ اور سختی کی آیت نرمی کی آیت کے ساتھ ذکر فرمائی تاکہ مومن کے دل میں رغبت بھی پیدا ہو اور خوف بھی۔ اللہ سے تمنا رِ باطل نہ کرنے لگے اور خود اپنے کو تباہی میں نہ ڈالے۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۚ پیغمبر کی ذمہ داری صرف (اللہ کا پیام) پہنچانے کی ہے۔ اور وہ اپنا فرض تبلیغ ادا کر چکے اور تمہارے خلاف حجت تمام ہو گئی اب تعمیل میں کوتاہی کرنے کا تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو حکم دیا گیا ہے اس پر پابند ہونے کی اس آیت میں پُرزور تاکید ہے۔

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۝ تم لوگ جو کچھ ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو اللہ سب بخوبی واقف ہے خواہ تصدیق ہو یا تکذیب عمل ہو یا ارادہ۔

اصبہانی نے ترغیب میں نیز واحدی نے حضرت جابر کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شراب کی حرمت کا ذکر کیا۔ یہ سن کر ایک اعرابی نے عرض کیا میری تو یہی تجارت تھی، اسی سے میں نے مال کمایا ہے اگر اسی مال میں سے میں کچھ اللہ کی اطاعت میں صرف کروں تو کیا مجھے (آخرت میں) کچھ فائدہ ہو گا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اللہ صرف پاک (کمائی) کو قبول فرماتا ہے اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قول کی تائید میں آیتِ ذیل نازل ہوئی۔[1]

قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ ناپاک اور پاک برابر نہیں۔ الفاظ کا عموم دلالت کر رہا ہے کہ اللہ کے نزدیک بُرا اچھا برابر نہیں خواہ برے اور کھرے آدمی ہوں یا اعمال۔ اس فقرہ میں اچھے عمل اور حلال مال کی ترغیب دی گئی ہے۔

وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ اگرچہ ناپاک کی کثرت تمہارا دل لبھائے۔ اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی بے دلی کے زیادہ عمل سے بہتر ہوتا ہے اور تھوڑا حلال مال راہ خدا میں خرچ کرنا، زیادہ حرام مال خرچ کرنے سے افضل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

---

[1] ابن ابی حاتم نے یعقوب اسکندرانی کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کو کسی گورنر نے تحریر بھیجی کہ لگان کی آمدنی ٹوٹ گئی حضرت عمر بن عبد العزیز نے جواب میں لکھا۔ اللہ فرماتا ہے ناپاک اور پاک برابر نہیں خواہ ناپاک کی کثرت تمہارے دل کو لبھا رہی ہو۔ اگر انصاف، بھلائی اور اصلاح میں تم اس درجہ پہنچ سکو جس پر تمہارا سابق ظلم اگناہ، اور اللہ کی نافرمانی میں پہنچ گیا تھا تو ایسا کرو۔ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

جس نے چھوارے کا ایک ٹکڑا پاک کمائی کا (خیرات کیا اور اللہ پاک (مال) کو ہی قبول کرتا ہے تو اللہ اپنے دائیں ہاتھ سے اس کو لیتا ہے اور اس کو بڑھاتا چلا جاتا ہے جیسے تم لوگ اپنے بکری کے بچہ (پر ہاتھ پھیر کر اس) کو بڑھاتے ہو یہاں تک کہ وہ چھوارے کا ٹکڑا پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ متفق علیہ۔ اور مخلص نیکوکار (خواہ تھوڑے ہوں) زمین بھر بدکاروں سے اللہ کے نزدیک بہتر ہیں۔

حضرت سہل بن سعد راوی ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گذرا حضور کے پاس اس وقت ایک آدمی اور بیٹھا ہوا تھا، آپ نے اس سے فرمایا اس (گذرنے والے) آدمی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے اس شخص نے جواب دیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ شخص شریف لوگوں میں سے ہے اس قابل ہے کہ اگر کہیں اپنے نکاح کا پیام بھیجے تو اس کا پیام قبول کر لیا جائے اور اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش مانی جائے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کلام سن کر خاموش رہے اتنے میں ایک اور آدمی ادھر سے گذرا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ صحابی نے عرض کیا حضور! یہ تو ایک غریب مسلمان ہے بس اس قابل ہے کہ اگر کہیں نکاح کی درخواست بھیجے تو قبول نہ کی جائے اور سفارش کرے تو اس کی سفارش مانی نہ جائے اور اگر کچھ کہے تو اس کی بات سنی نہ جائے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ شخص اس جیسے زمین بھر لوگوں سے بہتر ہے۔ متفق علیہ۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ "پس اللہ سے تقویٰ رکھو"۔ تاکہ اللہ کے نزدیک تمہارا شمار پاک لوگوں میں ہو جائے اور پاک عمل و مال کو خواہ کتنا ہی تھوڑا ہو ناپاک کے مقابلہ میں (خواہ کتنا ہی زائد ہو) اختیار کرو۔

بغوی نے لکھا ہے فاتقوا اللہ کا مطلب (اس جگہ) یہ ہے کہ حاجیوں (کے جان مال) سے کچھ تعرض نہ کرو خواہ وہ حاجی مشرک ہی ہوں (فتح مکہ سے پہلے مشرک بھی کعبہ کا حج کرنے آتے تھے) شریح کا قصہ شروع سورت میں گذر چکا ہے۔

يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ اے دانشمندو! یعنی اے صحیح عقل والو۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اس امید پر کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ یعنی تقویٰ کی وجہ سے کامیاب ہونے کی امید کرتے ہوئے (اللہ کا تو کوئی فعل امید کے زیر اثر نہیں ہو سکتا کیونکہ امید غیر یقینی حالت میں ہوتی ہے اور اللہ کا کوئی عمل قطعی اور یقینی نتیجہ سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لئے قرآن مجید میں جہاں لفظ لعل آیا ہے اس سے پیدا ہونے والی امید کا رجوع اللہ کی طرف نہیں ہوتا بلکہ بندہ کی طرف ہوتا ہے اسی لئے مفسر رحمۃ اللہ نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا کہ اللہ سے تقویٰ رکھو یہ امید رکھتے ہوئے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے)

احمد اور ترمذی اور حاکم نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور ابن جریر نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوامامہؓ

اور حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب آیت وللہ علی الناس حج البیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کیا ہر سال (حج فرض ہے) حضورؐ خاموش رہے صحابہؓ نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہر سال، فرمایا۔ نہیں، اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہوجاتا دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تم کو اندیشہ نہ ہوا کہ (شاید) میں ہاں کہہ دوں اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (ہر سال) حج واجب ہوجاتا اور ہر سال واجب ہوجاتا تو پھر تم سے اس کی ادائیگی ہو نہ سکتی اگر میں تم کو چھوڑے رکھوں تو تم بھی مجھے (بغیر سوال کئے) چھوڑے رکھو تم سے پہلے کے لوگ زیادہ پوچھ پاچھ اور انبیاء سے زیادہ سوالات کرنے سے ہی برباد ہوئے اگر میں تم کو کسی بات کا حکم دوں تو تم سے جہاں تک ہوسکے اس کی تعمیل کرو اور جب کسی بات کی ممانعت کردوں تو اس سے باز رہو، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اے ایمان والو ایسی فضول باتیں مت پوچھو۔ یعنی ایسی باتیں مت پوچھا کرو جن کا کرنا تم پر دشوار ہو جیسے ہر سال حج کرنے کا سوال حج کے متعلق سوال کرنے والے حضرت عکاشہ بن محصن تھے ابن جریر نے حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے حوالہ سے یہی لکھا ہے۔

خلیل، سیبویہ اور جمہور اہل بصرہ کے نزدیک لفظ اشیاء اسم جمع ہے یعنی لفظاً مفرد اور معنی جمع ہے اس لفظ کی اصل شَیْئَاءُ تھی بروزن فَعْلَاءُ جیسے حمراء دونوں ہمزوں کے درمیان الف تھا اور چونکہ دوسری ہمزہ تانیث کی ہے اس لئے یہ لفظ غیر منصرف ہے۔ دو ہمزوں کا اجتماع چونکہ ثقیل تھا اسلئے اول ہمزہ کو (جو لام کلمہ کی جگہ پر تھی)، اس کی جگہ سے ہٹا کر شروع میں لے آئے اب اس کا وزن لفعاء ہوگیا بعض اشیاء کی اصل اَشْیِئَاءُ بروزن اَفْعِلَاءُ تھی یہ شئ کی جمع ہے شَیٌٔ اصل میں شَیِّئٌ تھی یا شَیِیْئٌ بروزن صدیق تھی۔ بعض لوگوں نے کہا جس طرح ابیات بیت کی جمع ہے اسی طرح اشیاء بروزن افعال شَیْئٌ کی جمع ہے اور شیئ بغیر کسی تعلیل کے اپنی اصل پر ہے۔ چونکہ غیر منصرف ہونے کے دو سبب اس میں موجود نہیں ہیں اس لئے اس لفظ کا عدم انصراف شاذ ہے۔

اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ کہ اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تم کو ناگوار گذریں یعنی اگر تم کو ان باتوں کے کرنے کا حکم دے دیا جائے تو تم پر دشواری آپڑے۔

وَاِنْ تَسْـٴَـلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ اور قرآن اترنے کے زمانہ میں تم ایسی باتیں دریافت کرو تو تم سے ظاہر کردی جائیں یعنی رسول کی زندگی میں اگر تم ایسی باتیں پوچھو تو احتمال ہے کہ ظاہر کردی جائیں اور تم کو ان سخت احکام کی تعمیل پر مامور کردیا جائے دونوں شرطیہ جملے یعنی ان تبد لکم

اور اِنْ تُسْئَلُوْا اشیاء کی صفت ہیں۔ مطلب یہ کہ ایسی باتیں نہ پوچھو کہ تمہارے پوچھنے کے بعد یہ دو نتیجے برآمد ہونے کا احتمال ہو۔

مسئلہ:۔ امر کا صیغہ بغیر قید کے احناف کے نزدیک نہ تکرار عمل کا موجب ہے نہ تکرار کا احتمال رکھتا ہے (یعنی بغیر قید کے امر کا صیغہ ہو تو صرف ایک مرتبہ تعمیل حکم کو چاہتا ہے دوبارہ تعمیل کا مقتضی نہیں اگر ایک مرتبہ امر کے مطابق عمل کر لیا جائے تو وجوب ساقط ہو جاتا ہے بلکہ دوبارہ وجوب عمل کا احتمال بھی نہیں ہوتا) پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد لو قلت نعم لوجبت اور آیت اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ کا مطلب یہ ہو کہ حج کا وجوب (جو عمر بھر میں ایک بار تھا اور دوسرے احکام کا وجوب جن کی ادائیگی عمر بھر میں ایک دفعہ کافی تھی) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نعم فرمانے اور تمہارے سوال کی وجہ سے احکام کے بوضاحت بیان کے بعد منسوخ ہو جاتا گویا امر مطلق منسوخ ہو جاتا، اور رسول اللہ کا فرمان مذکور اور آیت مندرجہ امر مطلق کی ناسخ ہو جاتی آیت مذکورہ کو امر مطلق کا بیان نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ اگر اس کو بیان کہا جائے گا تو ظاہر ہے کہ قبل از سوال بیان نہ ہو گا بلکہ سوال کے بعد ہو گا حالانکہ بیان کی ضرورت سوال سے پہلے بھی تھی اور وقت ضرورت سے بیان کا تأخر جائز نہیں۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ بیان اجدید نزول حکم پر موقوف نہیں بلکہ (عقل غور اور تلاش لغت سے بھی ہو جاتا ہے دمگر نسخ بغیر حکم جدید کے نہیں ہوتا) اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ مجمل یا مشکل یا خفی کے متعلق سوال کرنے میں کوئی ہرج نہیں (نہ اس کی ممانعت آیت سے مستفاد ہے) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے عاجز کی شفا پوچھ لینا ہے۔ درحقیقت ممانعت ایسے حکم کو دریافت کرنے کی ہے جو (مثبت منفی کسی طور پر) شریعت میں نہیں آیا (اور خواہ مخواہ سوال کرنے کا یہ نتیجہ نکلے کہ حکم نازل ہو جائے) جیسے ہر سال حج کرنے کے متعلق سوال یا بنی اسرائیل کو جو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا اس کے رنگ کے متعلق سوال۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ایسی چیزیں جن کو کرنے کا حکم دینے سے اللہ نے درگذر کی ہو یہ بھی ترجمہ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ تم سوال کر چکے اللہ نے اس کو تو معاف کر دیا آئندہ پھر ایسا نہ کرنا۔ اس صورت میں یہ جملہ استینافیہ ہو گا (یعنی ترکیب لفظی کے اعتبار سے کلام سابق سے مربوط نہ ہو گا)

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ○ اور اللہ بڑی مغفرت اور بڑے حلم والا ہے یعنی معاف کر دیتا ہے اگر تمہاری طرف سے قصور یا زیادتی ہو جائے تو فوراً سزا نہیں دیتا۔

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ تم سے پہلے بھی کچھ لوگوں نے ایسے سوال کیے تھے[1] سالہا کی

---

[1] حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں اسی طرح آیا ہے قد سالہا قوم بینت لہم فاصبحوا بہا کافرین۔ اخرجہ ابن جریر وابن منذر و الی حاتم منہ ان سے حفظ ہو۔

ضمیر اشیاء کی طرف راجع ہے اور عَنْ محذوف ہے (یعنی ان چیزوں کے متعلق سوال کئے تھے) یا ھا ضمیر مسئلہ کی طرف راجع ہے جس پر لفظ لا تسألوا دلالت کر رہا ہے (اس وقت عَنْ کو محذوف قرار دینے کی ضرورت نہ ہوگی) بیضاوی نے من قبلکم کا تعلق سألہا سے قرار دیا ہے قومٌ کی صفت نہیں قرار دیا (ہمارا ترجمہ بھی اس کے موافق ہے) کیونکہ ظرفِ زمان نہ صفت ہو سکتا ہے نہ حال نہ خبر لیکن یہ استدلال قابلِ اعتراض ہے ظرف کی اسناد ایسی چیز کی طرف درست ہے جس کے اندر اس چیز کا وقوع متعین نہیں جیسے الھلال یوم الجمعۃ ہلال کا ظہور یوم جمعہ میں متعین نہیں اس لئے اس مثال میں تعیین کو ظاہر کرنے کے لئے یوم جمعہ کی اسناد وقوعِ ہلال کی طرف کی گئی

بنی اسرائیل کو جب گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو انھوں نے گائے کی کیفیت اور رنگ دریافت کرنا شروع کیا۔ ثمود نے حضرت صالح سے (پہاڑ سے) اونٹنی برآمد کرنے کی درخواست کی تھی اور کچھ لوگوں نے حضرت عیسیٰ سے درخواست کی کہ خوان آسمان سے اتر کر آئے۔ حضرت موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل نے پیغمبر وقت سے سوال کیا کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کرو جس کے جھنڈے کے نیچے رہ کر ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝ پھر اس سوال کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے کیونکہ سوال کے بعد جو ان کو حکم دیا گیا اس کی انھوں نے اطاعت نہیں کی۔

ابو ثعلبہ خشنی نے فرمایا اللہ نے کچھ فرائض مقرر کر دیئے ہیں تم (سوال کر کے) ان سے آگے نہ بڑھو کچھ باتوں کی ممانعت کر دی ہے اس کی (خلاف ورزی کر کے) پردہ دری نہ کرو۔ کچھ حد بندی کر دی ہے ان حدود سے تجاوز نہ کرو کچھ چیزوں (کے ظاہر کرنے) سے بغیر نسیان کے اس نے درگزر کی ہے تم ان کو (سوال کر کر کے) نہ اکھاڑو۔ بخاری نے بحوالہ قتادہؒ حضرت انس بن مالکؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کچھ سوالات کئے اور اتنے مبالغہ کے ساتھ کئے کہ آپ غضب ناک ہو گئے اور ممبر پر تشریف لیجا کر فرمایا آج جس چیز کے متعلق تم سوال کرو گے

(بقیہ حاشیہ ص۳۰) لہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک حالت میں باہر تشریف لائے غصہ سے چہرۂ مبارک سرخ ہو رہا تھا پھر جا کر ممبر پر تشریف فرما ہو گئے اس وقت ایک آدمی نے کھڑے ہو کر پوچھا میرے باپ دادا کہاں ہیں حضورؐ نے ارشاد فرمایا دوزخ میں پھر دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور عرض کیا میرا باپ کون ہے فرمایا تیرا باپ فلاں شخص ہے حضرت عمرؓ بن خطاب نے (ناراضگی کی یہ کیفیت دیکھی تو) کھڑے ہو کر عرض کیا ہم اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر محمدؐ کے نبی ہونے پر اور قرآن کے دستور ہونے پر راضی ہیں یا رسول اللہ ہمارا دورِ جاہلیت و شرک ابھی گزرا ہے اور اسلام میں ابھی داخل ہوئے ہیں اس لئے ہماری گستاخی قابل معافی ہے اور اللہ ہی خوب واقف ہے کہ ہمارے باپ دادا کون تھے (اور کہاں ہیں) یہ سن کر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا غصہ فرو ہوا اور آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ الخ نازل ہوئی۔

(از مفسر رحمہ اللہ)

ہیں اس کا جواب کھول کر دیدوں گا (پوچھو کیا پوچھتے ہو) یہ سن کر میں دائیں بائیں دیکھنے لگا میں نے دیکھا کہ ہر شخص کپڑے میں سر لپیٹے رو رہا ہے ایک آدمی تھا جو اپنا نسب غیر باپ سے جوڑتا تھا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے فرمایا حذافہ۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے عرض کیا ہم اللہ کے رب ہونے سے اسلام کے دین ہونے سے اور محمدؐ کے رسول ہونے سے راضی ہیں اور فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آج کی طرح کوئی دن کبھی میں نے نہیں دیکھا خیر میں نہ شر میں میرے سامنے جنت اور دوزخ کی تصویر لائی گئی (یعنی میری نظر کے سامنے دونوں کو لایا گیا) یہاں تک کہ دیوار سے پرے میں نے دونوں کو دیکھ لیا۔ قتادہؒ اس حدیث کو بیان کرتے وقت آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ الخ کا ذکر کر رہے تھے۔

یونس نے بروایت زہری عبیداللہ بن عبداللہ کا قول نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن حذافہ کی ماں نے عبداللہ سے کہا میں نے تجھ سے زیادہ ماں کا نافرمان بیٹا کوئی نہیں سنا تجھے کچھ اندیشہ نہ ہوا کہ اگر دور جاہلیت کی عورتوں کی طرح تیری ماں سے کوئی نازیبا حرکت سرزد ہو گئی تو لوگوں کی آنکھوں کے سامنے تو اس کو رسوا کرنے لگا۔ عبداللہ نے کہا خدا کی قسم اگر وہ حبشی غلام سے میرا جوڑ ملاتے تو میں اسی سے اپنے کو ملا دیتا

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم دور جاہلیت سے ابھی نکلے ہیں آپ ہم سے درگذر فرمائیے اللہ آپ سے درگذر فرمائے گا یہ سن کر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ فرو ہوا۔

بخاری نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بطور استہزا سوال کر رہے تھے ایک کہہ رہا تھا میرا باپ کون ہے دوسرا کہہ رہا ہے میری اونٹنی گم ہو گئی ہے بتائیے میری اونٹنی کہاں ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے دونوں واقعات ہو سکتے ہیں اور دونوں کے متعلق آیت کا نزول ہو سکتا ہے مگر حضرت ابن عباسؓ کی روایت کی سند تمام روایات سے زیادہ صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں اگر آیت کا نزول حج کے سوال کے متعلق قرار دیا جائے تو سیاق قرآنی کے زیادہ مناسب ہے لیکن اگر آیت کے نزول کا تعلق باپ کا نام دریافت کرنے سے جوڑا جائے تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ایسی چیزیں دریافت نہ کرو کہ اگر تم پر ان کا اظہار کر دیا جائے تو تم کو برا لگے یعنی اگر تمہارا صحیح نسب ظاہر کر دیا جائے اور غیر باپ کا نام بتا دیا جائے تو تمہاری رسوائی ہو اور تم کو دکھ پہنچے مجاہد نے کہا اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب لوگوں نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کا حکم دریافت کیا تھا دیکھو متصل آیت میں انہی کا حکم بیان فرمایا ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّ لَا وَصِیْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ اللہ نے بحیرہ

و مشروع کیا ہے نہ سائبہ کو نہ وصیلہ کو نہ حامی کو۔ یعنی اللہ نے ان کی اجازت نہیں دی نہ ان کا حکم جاری کیا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو اونٹنی پانچ مرتبہ بیاہ چکتی تھی اس کا کان چیر کر آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اس پر بوجھ لادا جاتا تھا نہ کوئی اس پر سوار ہوتا تھا نہ اس کا اون کاٹا جاتا تھا، نہ کسی پانی اور چراگاہ سے اس کو روکا جاتا تھا۔ اگر پانچویں گیاب میں نر بچہ پیدا ہوتا تھا تو بچہ کو ذبح کر کے مرد عورتیں سب مل کر کھا سکتے اور اگر بچہ مادہ ہوتا تو اس کا بھی کان چیر دیتے تھے ایسی سانڈھنی کو بحیرہ کہا جاتا تھا۔

ابو عبیدہ نے کہا منت پر چھوڑے ہوئے سانڈھ اونٹ کو سائبہ کہا جاتا تھا اگر کسی بیمار کی صحت یا مسافر کی واپسی کے لئے منت مانی جاتی تھی تو مراد پوری ہونے پر اونٹ کو سانڈھ بنا کر چھوڑ دیا جاتا تھا اور کسی چراگاہ یا چشمہ سے اس کو نہیں روکا جاتا تھا نہ اس پر کوئی سوار ہوتا تھا گویا بحیرہ کی طرح اس کو بھی سانڈھ بنا دیا جاتا تھا۔ سائبہ نر بھی ہوتا اور مادہ بھی۔

بعض اہل لغت نے لکھا ہے کہ اگر کسی اونٹنی کے بارہ جھول تک مادہ بچہ پیدا ہوتا رہتا تھا تو اس کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اس پر کوئی سوار ہوتا تھا نہ اس کا اون کاٹا جاتا تھا اور سوائے مہمان کے نہ اس کا دودھ کوئی پی سکتا تھا۔ اس کے بعد (تیرھویں گیاب میں) جو بچہ پیدا ہوتا اس کو کان چیر کر ماں کے ساتھ آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اور جو سلوک ماں کے ساتھ کیا جاتا وہی بچہ کے ساتھ کیا جاتا تھا ایسی ماں کو سائبہ اور ایسے بچہ کو بحیرہ کہتے تھے۔

علقمہ نے کہا غلام کو (ہر چیز سے) آزاد قرار دیا جاتا تھا نہ اس کا حق ولاء مانا جاتا تھا نہ خون بہا نہ میراث (اس کے خلاف) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ حق ولاء اس شخص کے لئے ہے جس نے آزاد کیا ہو۔ سائبہ بروزن فاعلہ بمعنی مفعول ہے یعنی آزاد کردہ جیسے عیشۃ راضیۃ میں راضیہ بمعنی مرضیۃ ہے یعنی پسندیدہ یا پسند کردہ۔ اگر کوئی بکری سات بار بیاہ چکتی اور ساتواں بچہ نر ہوتا تو اس کو ذبح کرتے اور مرد عورتیں سب کھا سکتے تھے اور اگر ساتواں بچہ مادہ ہوتا تو اس کو ذبح نہ کرتے، بلکہ بکریوں میں چھوڑ دیتے تھے اور اگر ساتویں بیاہت میں نر مادہ دونوں پیدا ہوتے تو مادہ کے ساتھ نر کو چھوڑ دیتے اور ذبح نہ کرتے تھے اور کہتے تھے۔ اس مادہ نے نر کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ایسے مادہ کو وصیلہ کہا جاتا تھا اس مادہ کا دودھ عورتوں کے لئے حرام قرار دیا جاتا تھا اگر دونوں میں سے کوئی مر جاتا تو پھر مرد اور عورتیں سب اسکو کھا سکتے تھے۔

اگر کسی نر اونٹ کے تخم سے دس بچے پیدا ہو چکتے تو کہتے اب اس کی پشت (سوار ہونے اور بار اٹھانے سے) محفوظ ہو گئی اس کے بعد اس پر کوئی سوار نہ ہوتا نہ اس پر بوجھ لادا جاتا نہ کسی چراگاہ اور چشمہ سے اسکو روکا جاتا اسکو حامی کہا جاتا تھا اگر حامی مر جاتا تو مرد اور عورتیں سب اس کو کھا سکتے تھے۔

بخاری نے سعید بن مسیب کا قول نقل کیا ہے کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس کا دودھ بتوں کے لئے مخصوص مانا جاتا تھا کوئی اس کو دوہتا نہ تھا۔ اور سائبہ وہ سانڈنی ہوتی تھی جو دیوتاؤں کے نام پر آزاد چھوڑ دی جاتی تھی، کوئی اس پر سوار نہ ہوتا تھا۔ اور وصیلہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس کے پہلے بیاہنت میں نر اور دوسرے گابھ میں مادہ پیدا ہوتی تھی اگر مادہ کے بعد تیسری مرتبہ میں بھی مادہ بچہ پیدا ہوتا تو بتوں کے نام پر اس کو آزاد چھوڑ دیتے تھے اس کو وصیلہ کہتے تھے۔ حام وہ اونٹ ہوتا تھا جو محدود معین عدد میں جب جفتی کر چکتا اور اس کی نسل سے مقررہ عدد میں بچے پیدا ہو چکتے تو اس کو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے پھر اس پر کسی قسم کا بوجھ نہیں لادا جاتا تھا اس کو حام کہتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے دیکھا کہ عمرو بن عامر خزاعی دوزخ کے اندر اپنی انتڑیاں گھسیٹے پھر رہا تھا اسی نے سب سے پہلے سائبہ بنانے کی رسم قائم کی۔

بغوی نے محمد بن اسحاق کی روایت سے حضرت ابوہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکثم بن جون خزاعی سے فرمایا اکثم میں نے دیکھا کہ عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف اپنی انتڑیاں دوزخ کے اندر کھینچے پھر رہا ہے میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی کسی کا اتنا ہم شکل ہو جتنا تو عمرو سے اور عمرو تجھ سے مشابہ تھا۔ عمرو بن لحی نے ہی سب سے پہلے دین اسمٰعیلی کو بگاڑا۔ استھان قائم کئے بحیرہ اور سائبہ بنانے کی رسم ایجاد کی۔ وصیلہ کو وصیلہ اور حامی کو حامی بنانے کی بنیاد ڈالی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنتوں کی بدبو سے دوزخیوں کو بھی اذیت ہو رہی تھی اکثم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا اس کا ہم شکل ہونے سے مجھے کچھ ضرر پہونچے گا۔ فرمایا نہیں۔ تو یقیناً مومن ہے اور وہ کافر تھا۔

وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ لیکن یہ کافر اللہ پر دروغ بندی کرتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو یہ باتیں کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ اور ان میں سے اکثر جانتے بھی نہیں ہیں کہ حلال اور حرام قرار دینے کی وجہ کیا ہے بلکہ اپنے جاہل بزرگوں کی تقلید کرتے ہیں۔ آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بعض لوگ اپنے طریق کی غلطی کو جانتے ہیں مگر سرداری کی محبت اور باپ دادا کی تقلید ان کو اقرار حق سے روکتی ہے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (حلت وحرمت کے متعلق) اللہ نے جو حکم نازل کیا اور رسول نے جو کچھ فرمایا اس کی طرف آؤ (اس کو مانو اور عمل کرو)

قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ تو کہتے ہیں جس طریقہ پر ہم نے اپنے باپ دادا کو

پایا ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے یہ کافروں کی کوتاہ فہمی کا اظہار ہے اور اس امر کی صراحت ہے کہ سوائے باپ دادا کی تقلید کے ان کے پاس اور کوئی دلیل نہیں ہے۔

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ○ کیا اس حالت میں بھی تقلید اسلاف ان کے لئے کافی ہوگی جبکہ ان کے باپ دادا کچھ (صحیح) علم نہیں رکھتے تھے اور نہ ہدایت یافتہ تھے۔ اَوَ میں واو حالیہ ہے اور ہمزہ انکاریہ۔ یعنی کیا باپ دادا کی جہالت اور گمراہی کی تقلید بھی ان کے لئے کافی ہو سکتی ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ تقلید تو صرف ہدایت یافتہ علماء ہی کی مناسب ہے (نادان گمراہوں کی پیروی جہالت اور گمراہی ہے)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ اے ایمان والو! اپنی فکر رکھو۔ یعنی اپنی اصلاح کو لازم قرار دو۔

لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ جب تم راہِ راست پر قائم رہو گے تو جو گمراہ ہے وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیگا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آیت کا نزول اس وقت ہوا تھا جب مسلمان کافروں کی حالت پر افسوس کرتے اور ان کے مسلمان ہوجانے کی تمنا کرتے تھے۔ احمد اور طبرانی نے حضرت ابو عامر اشعری کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی تشریح دریافت کی (کہ مَنْ ضَلَّ سے کون لوگ مراد ہیں) فرمایا کافر جو گمراہ ہیں تم کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے جب کہ تم راہِ راست پر ہو گے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا من ضل سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں یعنی اے مسلمانو! اگر تم راہِ راست پر قائم رہو گے تو اہلِ کتاب تم کو ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ لہٰذا تم ان سے جزیہ لو اور ان کو چھوڑ دو۔

بعض علماء کا بیان ہے کہ (دورِ صحابہ میں) جب بعض لوگ مسلمان ہوتے تھے تو (بھائی بندوں کی طرف سے) ان سے کہا جاتا تھا تو نے اپنے باپ کو بیوقوف سمجھ رکھا ہے (اس کی تفصیل حمزہ کے آزاد کردہ غلام حضرت عمر نے بیان کی ہے جس کو ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ آیت یاایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم کی وجہ نزول یہ تھی کہ بعض لوگ جب مسلمان ہوجاتے اور ان کے باپ یا بھائی کافر ہوتے تو جب ایمان کی چاشنی اس مسلمان کے

---

[1] حمزہ کے آزاد کردہ غلام عمر کی روایت سے ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ آیت یاایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم کی وجہ نزول یہ ہے کہ بعض لوگ خود تو مسلمان ہو جاتے تھے مگر ان کے باپ بھائی کافر رہتے تھے ایسے مسلمانوں کو جب ایمان کی چاشنی مل گئی تو انھوں نے باپ دادا بھائیوں کو بھی اسلام کی دعوت دی لیکن انھوں نے جواب دیا ہم کو باپ دادا کا طریقہ کافی ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

دل نشین ہو سکتی تھی اس لئے وہ اپنے باپ اور بھائی کو بھی مسلمان ہو جانے کی دعوت دیتا تھا جواب میں وہ لوگ کہتے تھے باپ دادا کا طریقہ ہمارے لئے کافی ہے۔ اس پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔

آیت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ بھلائی کا حکم اور برائی سے باز داشت ترک کر دو اور تبلیغ کو ختم کر دو کیونکہ بقدر طاقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر خود اہتدار کے ذیل میں داخل ہے حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا تھا لوگو! تم آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ پڑھتے ہو اور اس کا مطلب غلط سمجھتے ہو میں نے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے لوگ اگر برائی کو دیکھ کر اس کو نہ بدلیں گے یعنی بدلنے کی کوشش نہیں کرینگے تو ہو سکتا ہے کہ اللہ سب کو عذاب میں عموماً مبتلا کر دے۔ رواہ ابن ماجہ والترمذی ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے اگر لوگ ظالم کو (ظلم کرتے) دیکھیں اور اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو ممکن ہے اللہ سب کو عموماً عذاب میں مبتلا کر دے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے جن لوگوں کے اندر گناہ کئے جائیں اور لوگ ان کو بدل سکتے ہوں لیکن (باوجود قدرت کے) نہ بدلیں تو ہو سکتا ہے کہ اللہ عموماً سب پر عذاب لے آئے۔ دوسری روایت میں آیا ہے جس قوم میں گناہ کئے جاتے ہوں اور گناہ نہ کرنے والے کرنے والوں سے زیادہ ہوں الخ تیسری روایت میں آیا ہے لوگ بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے باز داشت کریں ورنہ شریر لوگوں کو اللہ تم پر مسلط کر دے گا پھر وہ تم کو بدترین عذاب کی تکلیفیں دینگے اس وقت تم میں کے نیک لوگ بھی اگر تمہارے لئے دعا کرینگے تو ان کی دعا قبول نہ ہوگی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو جب تک تمہاری بات مانی جائے اگر تمہاری بات لوٹا دی جائے تو پھر (تنہا) اپنی (اصلاح کی) فکر کرو۔ قرآن میں کچھ آیات ایسی نازل ہوئیں جن کا مصداق نزول سے پہلے ہی گزر چکا کچھ آیات ایسی نازل ہوئیں جن کا مصداق رسول کے زمانہ میں موجود ہوگیا کچھ آیات کا مصداق رسول اللہ کے تھوڑے زمانہ بعد واقع ہوگیا۔ کچھ آیات کا مصداق اس کے کچھ بعد آجائیگا کچھ آیات کا مصداق آخر زمانہ میں واقع ہوگا اور کچھ آیات کا مصداق جن میں حساب جنت اور دوزخ کا ذکر ہے قیامت کے دن آئے گا پس جب تک تمہارے دل اور خواہشات متحد ہوں اور فرقہ بند ہو کر آپس میں گتھم گتھا نہ ہو جاؤ اور ایک دوسرے پر حملہ آور نہ ہو اس وقت تک بھلائی کی تبلیغ اور برائی سے باز داشت کرو اور جب دلوں میں اور خیالات میں پھوٹ پڑ جائے اور فرقہ بند ہو کر آپس میں گتھم گتھا ہو جاؤ اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے لگو اس وقت ہر شخص کو صرف اپنی (اصلاح کی) فکر کرنی چاہئے ایسے وقت میں اس آیت کا مصداق متحقق ہوگا۔

عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ اور بیہقی نے شعب الایمان میں بحوالۂ ابو العالیہ مذکورہ بالا بیان

کی نسبت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف کی ہے۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ثعلبہ خشنی کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابو ثعلبہؓ نے کہا خدا کی قسم میں نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تھا حضورؐ نے فرمایا اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امر و نہی ترک کر کے بیٹھ رہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ بھلائی پر چلو اور بدی سے باہم روکتے رہو اور خود بھی باز رہو لیکن جب دیکھو کہ لوگ ہوا و ہوس کے بندے ہو گئے ہیں خواہشات کے پیچھے پڑے ہیں۔ دنیا کو دین پر ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص خود رائے ہو گیا ہے اپنے خیال میں مست ہے اور تم کو بھی کچھ کرنا ہی ہو (کچھ کرنے پر تم مجبور ہو) تو ایسے وقت میں صرف اپنے نفس (کی اصلاح) کی فکر کرو اور عوام کی فکر چھوڑ دو۔ یہ امر یقینی ہے کہ تمہارے آگے کچھ مصائب کا زمانہ آئیگا۔ ان شدائد میں صبر رکھنا اتنا مشکل ہوگا جیسے انگاروں کو مٹھی میں دبانا اس وقت نیک عمل کرنے کا ثواب ان پچاس آدمیوں کے برابر ہوگا جنھوں نے تمہاری جیسی نیکی کی ہو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا اس شخص کا اجر ان میں سے ہی پچاس آدمیوں کے برابر ہوگا فرمایا تمہارے پچاس آدمیوں کے برابر۔

بعض اہل روایت کا قول ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول اہل بدعت کے حق میں ہوا تھا ابو جعفر رازی نے ذکر کیا ہے کہ صفوان بن محرز کے پاس ایک بدعتی جوان آیا اور اپنی کسی بات کا ذکر کرنے لگا صفوان نے کہا میں تم کو کلام اللہ کی ایک خاص آیت بتاتا ہوں جس میں اللہ نے اپنے اولیاء کا مخصوص طور پر ذکر کیا ہے فرمایا ہے یٰایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا تم سب کی (یعنی گمراہ اور ہدایت یافتہ لوگوں کی) اللہ ہی کی طرف واپسی ہے۔

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ پھر وہی تم کو ان اعمال کی اطلاع دیگا جو تم کرتے رہے تھے یعنی ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دیگا کسی کو دوسرے کے قصور پر نہیں پکڑیگا۔ اس فقرہ میں گمراہ اور ہدایت یافتہ دونوں گروہوں کے لئے وعدہ اور وعید ہے۔ بغوی نے ذکر کیا ہے اور بخاری ابو داؤد اور ترمذی نے بھی بغوی کے بیان کی طرح حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ تمیم داری اور عدی بن بدا تجارت کے لئے شام کو گئے اس زمانہ میں یہ دونوں عیسائی تھے ان کے ساتھ عمرو بن عاص کے آزاد کردہ غلام بدیل بھی تھے۔ بدیل مسلمان تھے شام پہنچکر بدیل بیمار ہو گئے (موت کا یقین ہو گیا تو) اپنے موجودہ سامان کی ایک فہرست لکھ کر سامان میں ہی ڈالدی اور ساتھیوں کو اطلاع نہیں دی بلکہ دونوں ساتھیوں کو وصیت کردی کہ میرا سامان میرے گھر پہنچا دینا پھر مر گئے دونوں ساتھیوں نے سامان کی تلاشی لی تو سامان

میں چاندی کا ایک برتن ملا جس کا وزن تین سو مثقال تھا اور اس پر سنہری کام کیا ہوا تھا دونوں نے وہ برتن لیکر چھپا لیا اور اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر جب مدینہ لوٹے تو بدیل کے گھر والوں کو بدیل کا سامان پہونچا دیا بدیل کے گھر والوں نے سامان کی جانچ کی تو اس کے اندر موجودات کی ایک فہرست لکھی ہوئی ملی انھوں نے تمیم اور عدی سے آکر پوچھا کیا ہمارے آدمی نے اپنے سامان میں سے کوئی چیز فروخت کی تھی دونوں نے نفی میں جواب دیا۔ گھر والوں نے پوچھا تو کیا اس نے کوئی تجارت کی تھی دونوں نے جواب دیا نہیں۔ گھر والوں نے کہا تو کیا اس کی بیماری اتنی لمبی ہو گئی تھی کہ اس کو کوئی چیز خرچ کرنی پڑی تھی دونوں نے کہا نہیں اس وقت گھر والوں نے کہا ہمیں سامان میں ایک تحریر ملی ہے جس میں پورے سامان کی فہرست ہے مگر سامان میں چاندی کا ایک پیالہ سونے کے ملمع والا جس کا وزن تین سو مثقال تھا موجود نہیں ہے دونوں نے جواب دیا ہمیں معلوم نہیں ہم سے اس نے کہا تھا کہ سامان تمہارے پاس پہنچا دیں ہم نے پہنچا دیا ہم کو برتن کا کچھ علم نہیں غرض انھوں نے انکار کر دیا اور معاملہ کی رپورٹ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ اے مسلمانو! تمہارے آپس میں دو آدمیوں کا وصی ہونا مناسب ہے جب کہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے وصیت کے وقت۔ شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ مبتدا ہے اور اثنان خبر۔ اثنان سے پہلے لفظ شہادت محذوف ہے۔ الفاظ کے اعتبار سے جملہ خبریہ ہے لیکن معنی امر کے ہیں مطلب یہ ہے کہ وصیت کے وقت دو آدمی موجود ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اثنان شہادۃ (مصدر) کا فاعل ہو اور شہادۃ مبتدا ہو اور اس کی خبر اس سے پہلے محذوف ہو یعنی جس چیز کی وصیت مرنے والے نے کی ہے اس پر دو آدمیوں کی شہادت ہو۔ شہادت سے مراد ہے گواہ بنانا یعنی دو آدمیوں کو بلا لینا تاکہ وصیت ان سے کہہ دے۔ قصہ کی رفتار اسی مفہوم پر دلالت کر رہی ہے جیسے دوسری آیت میں آیا ہے ولیشہد عذابہما طائفۃ من المؤمنین۔

دو کی قید احتیاطی ہے (ضروری اور لازم نہیں) ورنہ باجماع علماء وصیت کے وقت ایک وصی ہونا بھی کافی ہے إِذَا حَضَرَ شہادت کا ظرف زمان ہے یعنی جب موت کا وقت آجائے مطلب یہ کہ جب موت کی علامات نمودار ہو جائیں حِينَ الْوَصِيَّةِ حضر کا ظرف ہے یا اذا حضر سے بدل ہے بدل قرار دینے سے اس طرف اشارہ ہو جائیگا کہ موت کے وقت وصیت کو حقیر سمجھ کر ترک نہ کر دیا جائے موت آنے کا وقت لازمی وصیت کا وقت ہے (بدل اصل مقصود ہوتا ہے اور مبدل منہ اس کی تمہید ہوتا ہے (حضرت مفسر نے اسی ضابطہ کی طرف ایماء کیا ہے)

ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ جو تم میں سے ہوں اور نیک آدمی ہوں۔ تم میں سے یعنی مسلمانوں

میں سے۔ کیونکہ نیک مسلمان ہی امانتدار بنائے جانے کا زیادہ اہل ہے۔

اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِکُمْ یا غیر مسلموں میں سے کوئی دوسرے دو آدمی ہوں

اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃُ الْمَوْتِ ؕ اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو اور تم پر موت کا حادثہ آپڑے۔ پھر تم نے ان کو وصی بنایا ہو اور ان کو اپنا مال دے دیا ہو اور بعض وارث ان پر خیانت کا شبہ کریں اور وہ دونوں خیانت کے منکر ہوں۔ یہ تمام امور محذوف ہیں قصہ بدیل ان کے حذف پر دلالت کر رہا ہے۔

تَحْبِسُوْنَهُمَا تم خیانت کا انکار کرنے والے دونوں وصیوں کو روکے رکھو یہ لفظ اثنان کی بھی صفت ہو سکتا ہے اور آخران کی بھی یعنی وصیت کے وقت جو دونوں شخص موجود تھے ان میں سے ہر ایک کو روک رکھو

مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ نماز کے بعد یعنی عصر کی نماز کے بعد کیونکہ یہی وقت لوگوں کے بھی زیادہ اجتماع کا ہے اور شب و روز کے ملائکہ کے ملنے کا بھی بعض کے نزدیک عام نماز مراد ہے۔

فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ ○ اگر تم کو شبہ ہو تو نماز کے بعد دونوں میں سے ہر ایک کو روک رکھو) پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں (اور کہیں) کہ اس قسم کے عوض ہم کوئی دنیوی نفع لینا نہیں چاہتے اگرچہ کوئی قرابت دار ہی ہو اور اللہ کی بات کو ہم پوشیدہ نہیں رکھیں گے ورنہ اس حالت میں سخت گناہگار ہونگے۔

یعنی اگر کسی وارث کو شبہ ہو اور وہ دونوں وصیوں کو خائن قرار دے اور وصی خیانت کا انکار کریں تو حاکم وصیوں سے قسم لے اور دونوں وصی قسم کھائیں لیکن اگر وارثوں کو خیانت کا شبہ نہ ہو تو وصیوں کو قسم دینے کی ضرورت نہیں۔

اِنِ ارْتَبْتُمْ کی شرط بطور جملہ معترضہ ہے قسم کا جواب لَا نَشْتَرِیْ ہے لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ یعنی ہم قسم یا اللہ کے عوض نہیں لیں گے۔ ثمنا یعنی دنیوی مال مراد یہ ہے کہ ہم لالچ میں آکر جھوٹی قسم نہیں کھاتے۔ ولو کان ذا قربی سے یہ مراد ہے کہ وصی خواہ میت کا قرابتدار ہی ہو اور وارث اس پر خیانت کا شبہ کریں تو اس سے بھی قسم لی جائیگی قسم لینے کا حکم صرف اجنبی اور غیر کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ شہادۃ اللہ یعنی وہ شہادت جس کو ادا کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ شہادت سے مراد ہے حق کو ظاہر کرنا اور سچ سچ کہنا خواہ اپنی ذات کے خلاف پڑے۔ اِنَّاۤ اِذًا یعنی اگر ہم حق پوشی کرینگے تو اس حالت میں ہم پکے گناہگار ہونگے۔

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے عصر کی نماز کے بعد تمیم اور عدی کو بلوا کر منبر کے پاس اس طرح قسم لی کہ قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ ہم نے اس چیز میں کوئی خیانت

نہیں کی جو بدیل نے ہم کو دیا تھا دونوں نے یہ قسم کھائی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کردیا پھر ایک طویل مدت کے بعد وہ برتن ان دونوں کے پاس پایا گیا۔ سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ وہ برتن مکہ میں ملا اور جن لوگوں کے پاس ملا تھا انھوں نے کہا کہ تمیم و عدی سے یہ خریدا ہے یہ خبر بنی سہم کو پہنچی تو وہ تمیم و عدی کے پاس گئے۔ تمیم و عدی نے کہا ہم نے یہ برتن بدیل سے خرید لیا تھا بنی سہم نے کہا تم نے تو پہلے یہ کہا تھا کہ بدیل نے کوئی چیز نہیں فروخت کی کہنے لگے فروخت کرنے کا کوئی ثبوت تو ہمارے پاس تھا نہیں اس لئے ہم نے پسند نہیں کیا کہ اس کے موجود ہونے کا تم سے اقرار کریں پوشیدہ رکھنے کی یہی وجہ ہوئی بنی سہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مرافعہ کیا تو آیت ذیل نازل ہوئی۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا پھر اگر اطلاع ملے کہ وصی گناہ کے مستوجب ہوئے ہیں یعنی انھوں نے اپنی خیانت کی وجہ سے ایسا فعل کیا ہے جو موجب گناہ ہے مطلب یہ کہ الزام خیانت کو اپنے اوپر سے دفع کرنے کے لئے انھوں نے جھوٹی قسمیں کھائی ہوں یا خریدنے کا دعویٰ کیا ہو یا ایسی ہی کوئی اور حرکت کی ہو۔ عثر کا اصل معنی ہے کسی چیز پر گر پڑنا۔ یہاں مراد ہے اطلاع ملنا۔

فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا تو دونوں وصیوں کے مقام پر (قسم کھانے کے لئے) دو آدمی دوسرے کھڑے ہوں۔

وارثوں میں سے دو (مدعی) شخصوں کو شاہد اس لئے قرار دیا کہ انھوں نے اپنے حق کا دعویٰ کیا ہے اور شریعت نے بھی ان کے حق کو تسلیم کیا ہے اور وہ دونوں سابق شاہدوں (وصیوں) کے گناہ کو ظاہر کر رہے ہیں تو گویا وصیوں کے گناہ کی شہادت دے رہے ہیں میت کے اقربا میں دو گواہوں کی شرط صرف اس وجہ سے لگائی گئی کہ مذکورۂ بالا واقعہ میں ایسا ہی تھا ورنہ اگر میت کا وارث ایک ہوگا تو اسی سے قسم لی جائیگی یا اگر دو سے زائد وارث ہونگے تو سب سے قسم لیجائیگی (گویا دو ہونے کی شرط اس وقت ضروری ہے جب وارث صرف دو ہوں ورنہ ضروری نہیں ایک بھی قسم کھانیوالا ہو سکتا ہے اور دو سے زائد بھی) کیونکہ وصی میت سے خریدنے یا کسی اور طرح سے نزاعی چیز کے مالک ہونیکے مدعی ہوتے ہیں اور وارث انکے دعوے کا انکار کرتے ہیں اور وصیوں کے پاس گواہ نہیں ہوتے لہٰذا مدعیٰ علیہ پر قسم عائد ہوگی۔

مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ ان وارثوں میں سے جن کے اندر سے قریب ترین رشتہ رکھنے والے دو آدمی مستحق ہوئے ہیں یعنی وارثوں میں سے جو دو شخص میت سے قریب ترین رشتہ رکھنے کی وجہ سے اس امر کے مستحق ہوں کہ تمام وارث اپنے اندر سے انتخاب کر کے ان کو ادائے شہادت کے لئے مقرر کردیں اور ان کے ذریعہ سے وصیوں کی دروغ بیانی ظاہر کردیں۔ اس مطلب پر علیہم کی ضمیر وارثوں کی طرف

راجع ہوگی اور اس کا تعلق استحق سے ہوگا اور الْاَوْلَیٰنِ اِسْتَحَقَّ کا فاعل قرار پائیگا

بعض قراءتوں میں اُسْتُحِقَّ فعل مجہول آیا ہے اس صورت میں علیہم کا معنی ہوگا یعنی ان کے معاملہ میں ان کے سبب سے جیسے علیٰ مُلْکِ سلیمان کا معنی فی ملک سلیمان ہے۔ مطلب یہ کہ جن کے معاملہ کی وجہ سے دونوں قسم کھانے والے گناہ کے مستوجب ہوئے۔ اَلْاَوْلَیٰنِ اٰخَرٰنِ کی صفت ہے کیونکہ اخران اگرچہ نکرہ اور الاولیان معرفہ ہے لیکن اخران کی صفت من الذین ہے اور نکرہ موصوفہ معرفہ کا حکم رکھتا ہے یا الاولیان اخران یا یقومان کی ضمیر سے بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ہما الاولیان۔

الاولیان سے مراد ایسے قریبی رشتہ دار جن سے زیادہ میت کا کوئی قرابت دار نہو۔

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ پھر یہ دونوں رشتہ دار اللہ کی قسم کھائیں کہ بالیقین ہماری یہ قسم ان دونوں (وصیوں) کی قسم سے زیادہ راست ہے اور ہم نے ذرا تجاوز نہیں کیا ہم اس حالت میں سخت ظالم ہونگے۔ یعنی وصیوں کی خیانت ظاہر کرنے اور دعوئے خرید کی تردید کرنے کے لئے وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ان وصیوں کی قسم سے ہماری قسم زیادہ قابلِ قبول ہے اور قسم کھانے میں ہم حق سے تجاوز نہیں کر رہے ہیں اگر ہم حق سے ہٹیں گے تو بیجا حرکت کے مرتکب ہونگے حق کی جگہ باطل کو اختیار کرنے والے ہو جائیں گے۔ آیت میں شہادت سے مراد ہے قسم جیسے دوسری آیت میں آیا ہے فشہادۃ احدہم اربع شہادات باللہ انہ لمن الصدقین۔ بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بدیل سہمی کے قریب ترین اقرباء میں سے دو آدمیوں نے کھڑے ہو کر قسم کھائی۔ ترمذی کی روایت ہے کہ عمروؓ بن عاص اور ان کے ساتھ ایک دوسرے آدمی نے کھڑے ہو کر قسم کھائی تھی بغوی نے دوسرے آدمی کا نام مطلب بن وداعہ سہمی ذکر کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ عصر کے بعد ان دونوں نے قسم کھائی۔ شاید ان دونوں نے اس بات کی قسم کھائی ہوگی کہ ہم کو بدیل کا وصیوں کے ہاتھ برتن فروخت کرنا معلوم نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے تمیم داری کا ایک بیان ترمذی نے نقل کیا ہے لیکن دوسرے اہل حدیث نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ تمیم داری نے کہا میں اور عدی بن بدا عیسائی تھے اور شام کو آجایا کرتے تھے چنانچہ ہم دونوں تجارت کی غرض سے شام کو گئے ہوئے تھے وہاں ہمارے پاس بنی سہم کا ایک آزاد کردہ غلام جس کا نام بدیل بن ابی مریم تھا کچھ تجارت کا مال لیکر پہنچا اس کے پاس چاندی کا ایک پیالہ بھی تھا اتفاقاً وہاں وہ بیمار ہو گیا اور اس نے ہم کو وصیت کی کہ اس کا متروکہ سامان اس کے گھر والوں کو پہنچا دیں یہ وصیت کر کے وہ مر گیا اور ہم دونوں نے وہ پیالہ لے کر ہزار درہم کو فروخت کر کے قیمت تقسیم کر لی پھر جب بدیل کے گھر والوں کے پاس پہنچے تو بدیل کا جو سامان ہمارے پاس تھا ہم نے وہ انکو دیدیا

سامان میں پیالہ ان کو نہیں ملا تو ہم سے پوچھا ہم نے کہا اس کے علاوہ تو بدیل نے ہم کو کوئی اور چیز دی نہیں۔ کچھ مدت کے بعد جب میں مسلمان ہوگیا اور مجھے اس گناہ کا احساس ہوا تو میں بدیل کے رشتہ داروں کے پاس گیا اور اظہارِ واقعہ کے بعد پانچ سو درہم ان کو دیدیئے اور کہہ دیا کہ اتنے ہی میرے ساتھی کے پاس ہیں لوگ اس کو لے کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں پہنچے حضورؐ نے ان سے گواہ طلب کئے ان کو گواہ نہ ملے تو حضور صلعم نے حکم دیا کہ عدی سے قسم لے لیں عدی نے قسم کھالی اس پر آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ ..... سے ..... اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ تک نازل ہوئی تو عمروؓ بن العاص اور ان کے ساتھ ایک اور آدمی نے کھڑے ہو کر قسم کھالی اور عدی بن بدا سے پانچ سو درہم کھلوا لئے گئے۔

ذٰلِكَ۔ یہ۔ یعنی وارثوں کے شبہ کی صورت میں وصیوں سے قسم لینا اور وصی خریدنے کا دعویٰ کریں تو وارثوں کو قسم کھلوانا۔

اَدْنٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ یَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ

قریب ترین ذریعہ ہے اس امر کا کہ وہ (وصی) واقعہ کو ٹھیک طور پر ظاہر کریں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان سے قسمیں لینے کے بعد بھی قسمیں لوٹائی جائیں گی

یاتوا کی ضمیر وصیوں کی طرف راجع ہے اور شہادت سے مراد ہے اظہارِ حق اور میت کی کی ہوئی وصیت کا بیان علی وجھھا سے مراد یہ ہے کہ جیسی وصیت تھی بغیر خیانت کے ویسا ہی ظاہر کردیں یخافوا کا عطف یاتوا پر ہے۔ تُرَدَّ اَیْمَانٌ کا یہ مطلب ہے کہ وصیوں کے انکار کے بعد پھر وارثوں سے قسم لیجائیگی۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرو اس جملہ کا عطف محذوف جملہ پر ہے یعنی اللہ کے احکام کی پابندی کرو اور اللہ سے ڈرو۔

وَاسْمَعُوْا ؕ اور (اللہ نے تم کو جو حکم دیا ہے اس کو گوشِ قبول سے) سنو

وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۠ (اگر تم اللہ سے نہیں ڈرو گے اور اس کا حکم نہیں سنو گے تو اللہ کے دائرۂ طاعت سے خارج ہو جاؤ گے) اور دائرہ طاعت سے خارج ہونے والے لوگوں کو اللہ ہدایت نہیں فرماتا یعنی (دنیا میں) کسی دلیل کی ہدایت نہیں کرتا یا (آخرت میں) جنت کا راستہ نہیں بتائے گا۔

ہماری اس تشریح پر آیاتِ مذکورہ کی شانِ نزول سے مطابقت ہو جائے گی اور کسی جملہ کو منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ وارثوں کے دعوے کا اگر وصی انکار کرے تو اس پر قسم کا عائد ہونا اور وصی اگر مالِ خیانت کو میت سے خرید لینے وغیرہ کا دعویٰ کرے اور وارث منکر ہوں تو وارثوں پر

قسم کا عائد ہونا غیر منسوخ اور محکم حکم ہے اور علماء کے نزدیک یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ سورۂ مائدہ کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔

لیکن حسن، زہری اور عکرمہ نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ میت مرنے کے وقت اگر کسی کے متعلق کچھ وصیت کرنی چاہے تو دو آدمیوں کو گواہ بنالے تاکہ موصی لہٗ کے لئے وہ حاکم کے سامنے جا کر شہادت دے سکیں بظاہر آیت لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى اسی مطلب پر دلالت کر رہی ہے مقصد یہ ہے کہ گواہ کہیں کہ موصیٰ لہٗ اگرچہ ہمارا قرابت دار ہے مگر ہم کسی لالچ میں اگر زیادہ مال کی وصیت کی شہادت نہیں دینگے اس صورت میں ذوا عدل منکم او اخران من غیرکم کا مطلب یہ ہوگا کہ دو گواہ وصیت کرنے والے کے قبیلہ کے ہوں یا کسی اور قبیلہ خاندان کے۔

مسئلہ:۔ کسی معاملہ میں مسلمان کے خلاف کافر کی شہادت قابلِ قبول نہیں۔ یہ مسئلہ مسلّم لیکن اکثر اہلِ تفسیر یہاں تک کہ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو موسیٰ اشعری، سعید بن مسیب ابراہیم نخعی سعید بن جبیر مجاہد اور عبیدہ نے آیت کی تفسیر میں منکم سے مراد مسلمانوں میں سے اور من غیرکم سے مراد کافروں میں سے ہونیکی صراحت کی ہے۔ اس تفسیر پر لازم آتا ہے کہ مسلمان پر کافر کی شہادت قابلِ قبول ہو لہٰذا نخعی اور علماء کی ایک جماعت نے تو اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے اور بیان کیا ہے کہ ابتدائی دور میں یہ حکم تھا مسلمان پر کافر کی شہادت مان لینے کا جواز تھا لیکن پھر یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اب مسلمان پر کافر کی شہادت ناقابل سماعت ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ آیت محکم ہے اگر مسلمان نہ ملیں تو کافروں کو شاہد بنانا درست ہے۔ قاضی شریح نے کہا سفر کی حالت میں اگر وصیت پر گواہ بنانے کے لئے مسلمان نہ ملیں تو کافروں کو گواہ بنایا جاسکتا ہے مگر یہ حکم صرف وصیت کا گواہ بنانے کا ہے وصیت کے علاوہ اور کسی مسئلہ کا گواہ کافروں کو نہیں بنایا جاسکتا۔

شعبی نے بیان کیا کہ دقوقا میں ایک مسلمان کا وقتِ وفات آپہنچا اور اس نے کچھ وصیت کرنی چاہی مگر کوئی مسلمان گواہ ملا نہیں آخر اس نے اہلِ کتاب میں سے دو آدمیوں کو وصیت کا گواہ بنا دیا اور دونوں شخص اس کا متروکہ سامان لیکر کوفہ میں پہنچے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کی خدمت میں حاضر ہو کر سامان پیش کر دیا اور وصیت کی اطلاع دیدی۔ اشعری نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے بعد یہ واقعہ کوئی اور پیش نہیں آیا۔ پھر آپ نے دونوں سے قسم لی اور ان کی شہادت کے مطابق حکم نافذ کر دیا۔

میں کہتا ہوں اگر آیت کو محکم مانا جائے تو اگر کسی وجہ سے غیر مسلم گواہوں کے بیان میں کوئی جھوٹ محسوس ہو تو وارثوں سے قسم لی جائے (کہ یہ غیر مسلم گواہ غلط کہتے ہیں)

یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ جس روز اللہ پیغمبروں کو جمع کریگا یعنی قیامت کے دن۔ یوم یجمع کا تعلق یا تو لایہدی سے ہے یعنی جس روز اللہ پیغمبروں کو جمع کریگا اس روز کافروں کو جنت کا راستہ نہیں دکھائیگا یا اتقوا کے مفعول سے بدل ہے یا اسمعوا کا مفعول ہے اور مضاف محذوف ہے یعنی روزِ قیامت کی خبر سنو یا فعلِ محذوف کا مفعول ہے یعنی یاد کرو۔ اور ڈرو روزِ قیامت سے۔

فَیَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ ؕ پھر فرمائیگا تم کو (امت کی طرف سے) کیا جواب دیا گیا۔ ماذا اجبتم کا مفعول مطلق ہے (یعنی کس قسم کا تم کو جواب دیا گیا) قوم کو سرزنش کرنے کے لئے انبیاء سے یہ سوال کیا جائے گا جیسے دوسری آیت میں ہے اذا الموؤدۃ سئلت ہ بای ذنب قتلت کہ زندہ در گور کی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائیگا کہ کس قصور پر تجھے قتل کیا گیا (یہ سوال بھی قاتل کو سرزنش کرنے کے لئے کیا جائیگا)

قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا ؕ پیغمبر عرض کرینگے ہم کو اس کا کچھ علم نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ حسنؒ، مجاہد اور سدی نے کہا قیامت کی ہولناکیاں اور لرزہ انگیزیاں دلوں کو ان کی جگہ سے ہلا دینگی اور پیغمبر گھبرا جائیں گے۔ گھبراہٹ میں کوئی جواب نہ بن پڑیگا اور عرض کرینگے ہم کو کچھ علم نہیں پھر جب ہوش حواس کچھ ٹھکانے آئینگے تو اپنی اپنی امتوں کے متعلق شہادت دینگے۔ ابن جریج نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر عرض کرینگے ہم کو معلوم نہیں کہ امت والوں کا مآلِ کار کیا رہا ہمارے بعد انھوں نے (دین میں) کیا کیا نئی باتیں ملادیں اور دلوں کے اندر کیا کیا خیالات چھپائے رکھے۔

اِنَّکَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ۞ بس تو ہی ڈھکی چھپی باتوں کو بخوبی جاننے والا ہے ہم جس سے لاعلم ہیں اس سے تو واقف ہے اور ہم کو تو صرف اپنے سامنے کی باتوں سے واقفیت ہے۔ ابوبکرؒ اور حمزہؒ نے قرآن میں ہر جگہ غیوب بکسر غین پڑھا ہے باقی قراء کے نزدیک غیوب بضمِ غین ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا (قیامت کے دن) حوض پر میرے پاس کچھ لوگ آرہے ہونگے کہ میں ان کو پہچان لونگا لیکن ان کو میرے پاس پہونچنے سے پہلے ہی روک لیا جائیگا میں کہوں گا یہ تو میرے پیارے صحابی ہیں یہ تو میرے پیارے ساتھی ہیں جواب ملے گا تم کو علم نہیں کہ انھوں نے تمہارے بعد کیا کیا نئی باتیں دین میں نکال رکھی تھیں۔ رواہ البخاری وغیرہ۔ اسی کے ہم معنی وہ آیت ہے جس میں حضرت عیسیٰ کے قول کی نقل کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے کنت شہیدا ما دمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہم کو کوئی علم نہیں صرف اتنا علم ہے جس سے تو ہم سے زیادہ واقف ہے۔ بعض علماء نے کہا مطلب یہ ہے کہ تیرے علم کے

مقابلہ میں ہم کو کوئی علم نہیں۔ بعض نے کہا مطلب یہ ہے جس امر کو تو ہم سے زیادہ جانتا ہے اس کو ہم سے دریافت کرنے کی کیا حکمت ہے اس کا ہم کو علم نہیں۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ جب اللہ نے فرمایا۔ یہ یوم یجمع سے بدل ہے یعنی اس روز پیغمبروں سے جواب طلبی کرکے کافروں کو سرزنش کی جائیگی۔ اور پیغمبروں کے ہاتھ پر جو معجزات ظاہر کئے گئے تھے جن کو بعض لوگوں نے جادو قرار دیا تھا اور علامت نبوت ماننے سے انکار کر دیا تھا اور بعض نے نشانِ الوہیت سمجھ کر پیغمبروں کو معبود بنا رکھا تھا ان معجزات کو شمار کرکے کافروں کو توبیخ کی جائیگی۔

یا اِذْ قَالَ مفعول ہے اور اس کا فعل محذوف ہے یعنی یاد کرو

يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اے عیسیٰ بن مریم اپنے اس احسان کو یاد کر جو تیرے اوپر اور تیری ماں پر تھا۔ نعمت کا لفظ اگرچہ مفرد ہے لیکن معنی جمع کے ہیں کیونکہ اس سے مراد اسم جنس ہے۔

والدہ سے مراد مریمؑ ہیں جن کو اللہ نے پاک کر دیا تھا اور سارے جہان کی عورتوں پر ان کو فضیلت دی تھی۔ حسن نے کہا نعمت کو یاد کرنے سے مراد ہے شکر کرنا۔

اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ جب روح القدس کے ذریعہ سے میں نے تجھے طاقت عطا کی تھی۔ اِذْ اَيَّدْتُّ نعمتی کا مفعول فیہ ہے یا حال ہے۔ روح القدس سے مراد ہے جبرئیلؑ یا وہ کلام جو لوگوں کو ابدی زندگی عطا فرمانے والا اور دلوں کو گناہوں سے پاک کرنے والا تھا۔ روح القدس پاکی پیدا کرنیوالا کلام اور وہ کلام جس سے مردے زندہ ہو جاتے تھے۔

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ کہ تو گہوارے میں ہونے کی حالت اور ادھیڑ عمر ہونے کی حالت میں (برابر ایک ہی طرح کا) کلام لوگوں سے کرتا تھا یعنی بچپن اور شیر خوارگی کی عمر میں بھی تیرا کلام ویسا ہی پُر حکمت اور عاقلانہ ہوتا تھا جیسا متوسط عمر کا کلام اس آیت سے لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان سے اتریں گے کیونکہ جس وقت ان کو اٹھایا گیا اس وقت ان کی عمر متوسطہ نہ تھی (غالباً ۳۳ برس تھی) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے تیس سال کی عمر میں عیسیٰؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا تیس ماہ آپ نے رسالت کی حالت میں گزارے پھر اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔

بعض افاضل کا قول ہے کہ آیت سے بچپن اور متوسط عمر کے کلام کا ایک جیسا ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ کہلاً کے لفظ کو تشبیہ بلیغ قرار دیا جائے یعنی حضرت عیسیٰؑ بچپن میں اسی طرح لوگوں سے کلام کرتے تھے جیسا اس عمر میں کرتے تھے جبکہ وہ ادھیڑ عمر والے کی طرح ہو گئے تھے (یعنی ۳۲ یا ۳۳ برس

کے اس مطلب پر آیت سے نزول عیسیٰ پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ اور جب میں نے تجھے سکھائیں کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور توریت اور انجیل، اذ ایدتک پر اس کا عطف ہے۔

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ اور جب تو پرندہ کی شکل ایسی شکل گارے کی بناتا تھا۔

بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ میرے حکم سے پھر اس پر پھونک مارتا تھا اور وہ میرے حکم سے زندہ پرندہ بنجاتا تھا۔

وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ اور میرے حکم سے مادرزاد اندھے کو اور برص کے بیمار کو اچھا کردیتا تھا۔

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ اور یاد کے قابل ہے وہ وقت جب میرے حکم سے تو مردوں کو (زندہ کرکے قبروں کے اندر سے) باہر نکال کھڑا کرتا تھا۔

وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تیرے قتل سے باز رکھا، اور پھیر دیا۔ اس جملہ کا عطف اِذْ عَلَّمْتُكَ پر ہے۔ بنی اسرائیل سے مراد ہیں وہ یہودی جنھوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ جب تو ان کے پاس معجزات (مذکورۂ بالا) لے کر پہنچا تھا۔ یہ کففت کا مفعول فیہ ہے (یعنی بنی اسرائیل کو قتل کرنے سے اللہ نے اس وقت باز رکھا تھا جب تونے انکے سامنے معجزات ظاہر کئے تھے)

فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اور ان میں کے کافروں نے کہا تھا کہ یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

حمزہ اور کسائی نے اس جگہ اور سورۂ ہود اور الصف میں الاساحر پڑھا ہے اس قرأت پر یہاں حضرت عیسیٰ کی طرف اور سورۂ ہود میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ ہوجائیگا۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا۔ اس کا عطف اذ کففت پر ہے وحی کرنے سے اس جگہ مراد ہے دل میں ڈالنا۔ عبد بن حمید نے قتادہ کا اور ابوالشیخ نے سدی کا یہی قول بیان کیا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک وحی سے مراد ہے حضرت عیسیٰ کی زبانی حکم بھیجنا۔

اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔ اَنْ مصدریہ ہے یا اوحیت کی تفسیر ہے۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا تو انھوں نے کہا ہم ایمان لائے۔

وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ○ اور اے عیسیٰ، آپ گواہ رہیں کہ ہم مخلص ہیں۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ بن مریم کیا آپ کا رب مان لیگا۔ یہ مفعول فیہ ہے اذکرُ محذوف کا یا قالوا کا۔ استطاعت کا معنی (یہاں) اطاعت ہے (مان لینا درخواست کے مطابق کر دینا) جیسے استجاب بمعنی اجاب کے آیا ہے۔ (فَاسْتَجَابَ لَهُمُ اللّٰہُ نے قبول کر لیا) ابن ابی حاتم نے عامر شعبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے ہل یستطیع ربُّکَ کی تلاوت فرمانے کے بعد (اس کی تشریح میں) ہل یطیع ربک فرمایا تھا۔

آثار میں آتا ہے من اطاع اللّٰہ اطاعہ۔ جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے اللہ اس کی درخواست مان لیتا ہے۔ کسائی کی قرأت میں ھل تستطیع ربّکَ آیا ہے یہ عیسیٰؑ کو خطاب ہے اور ربک مفعول ہے یعنی اے عیسیٰ کیا آپ اپنے رب سے یہ درخواست کر دیں گے اور آپ کے لئے یہ دعا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی، اور آپ کا رب آپ کی یہ درخواست قبول کر لیگا۔ حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ کی بھی یہی قرأت ہے اور حاکم نے حضرت معاذ بن جبل کی بھی یہی قرأت نقل کی ہے، اس قرأت سے بھی تفسیر مندرجۂ بالا کی تائید ہوتی ہے (کہ یستطیع بمعنی یطیع کے ہے)

حضرت عائشہؓ نے فرمایا حواری اللہ (کے مرتبہ) سے خوب واقف تھے یستطیع (ربک) ان تدعوہ (کیا آپ کا رب طاقت رکھتا ہے کہ آپ اس سے دعا کریں اور وہ دعا پوری کر سکے) کہنے سے بہت بعید تھے۔ رواہ ابن ابی شیبہ و ابو الشیخ وغیرہما حضرت عائشہؓ کی قرأت میں تستطیع ربک آیا ہے یستطیع ربک نہیں آیا یعنی استطاعت کا مخاطب حضرت عیسیٰؑ ہیں استطاعت کا فاعل اللہ نہیں ہے اس لئے آپ نے اس قرأت کی تغلیط کی جس میں یستطیع آیا ہے اور استطاعت کا فاعل اللہ کو قرار دیا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ اس جگہ استطاعت سے مراد ہے حکمت و ارادہ کا تقاضا ہو سکنا۔ قدرت رکھنے کا مفہوم مراد نہیں ہے اللہ کی قدرت میں تو حواریوں کو شک نہیں تھا مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ کی حکمت و ارادہ بھی ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں کہ آسمان سے خوان نازل فرما دے) جیسے کوئی شخص اپنے ساتھی سے کہے کیا آپ میرے ساتھ اٹھ کر بازار کو جا سکتے ہیں (اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ آپ میں اٹھ کر جانے کی طاقت بھی ہے یا نہیں بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ اٹھ کر چلنے کو مناسب سمجھتے ہیں یا نہیں)

بعض علماء نے کہا کلام کا وہی مطلب ہے جو ظاہرِ الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی ایمان تھا، اس وقت تک ان کے دلوں میں معرفت کا استحکام نہیں ہوا تھا جاہلیت اور کفر کا زمانہ ماضیِ قریب میں ہی ختم ہوا تھا اسی لئے حضرت عیسیٰؑ نے ان کے قول کو بڑی گستاخی قرار دیتے ہوئے

فرمایا اتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین۔ یعنی اگر مومن ہو تو اللہ کی قدرت میں شک نہ کرو۔

اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ ط کہ آسمان سے ہمارے لئے ایک خوان اتارے مائدہ وہ خوان جس پر کھانا چنا ہوا ہو۔ مائدہ بروزن فاعلہ مَادَ یَمِیْدُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے مَیْدٌ دینا اور کھانا کھلانا گویا خوان بھی کھانا دینے والا ہوتا ہے اس لئے اس کو مائدہ کہا جاتا ہے مجازاً کھانا جو خوان پر ہوتا ہے اسکو بھی مائدہ کہہ لیا جاتا ہے۔ جیسے بہنے کی نسبت نہر کی طرف مجازاً کی جاتی ہے۔ اہل کوفہ نے کہا کہ مید کا معنی حرکت کرنا، ہلنا) کھانیوالوں کی وجہ سے مائدہ حرکت میں آجاتا ہے اسلئے اس کو مائدہ کہا جاتا ہے۔ اہل بصرہ کے نزدیک مائدہ (اسم فاعل) ممیدۃ (اسم مفعول) کے معنی میں ہے یعنی کھانیوالوں کی وجہ سے حرکت پانیوالا۔

قَالَ اتَّقُوا اللّٰہَ عیسیٰ نے کہا اللہ سے ڈرو۔ یعنی ایسے سوال کرنے سے خدا کا خوف کرو کہ پچھلی طرح گذشتہ امتوں نے بھی نہیں کئے۔ حضرت عیسیٰ نے بنی اسرائیل کو طلب معجزات سے منع کر دیا۔

اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ اگر تم ایماندار ہو۔ کیونکہ اہل ایمان کے لئے معجزات کی طلب جائز نہیں یا یہ مطلب ہو کہ اگر اللہ کی قدرت کی ہمہ گیری اور میری نبوت پر تمہارا ایمان ہے تو اللہ سے ڈرو اور اس کی قدرت میں شک نہ کرو۔ یا یہ مطلب ہو کہ اگر ایمان کے دعوے میں تم سچے ہو تو ایسے سوالات کرنے سے بچو۔

ابن ابی حاتم نے اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور ابو الشیخ نے العظمۃ میں اور ابوبکر شافعی نے الغیلانیات میں حضرت سلمان فارسی کی روایت سے لکھا ہے کہ جب حواریوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم سے نزول مائدہ کی درخواست کی تو آپ کو سخت ناگوار ہوا اور آپ نے فرمایا اللہ نے زمین میں جو کچھ عطا فرمادیا ہے اسی پر قناعت کرو۔ مائدہ کی درخواست نہ کرو کیونکہ مائدہ اگر نازل ہو گیا تو اللہ کی طرف سے وہ ایک نشان ہوگا اور ثمود نے جب اپنے پیغمبر سے نشانی طلب کی تھی تو وہ تباہ ہو گئی اور اسی نشانی سے ان کی جانچ کی گئی (جس کی وجہ سے ان پر عذاب آگیا) بنی اسرائیل نے آپ کی فہمائش نہ مانی اس لئے

قَالُوْا کہنے لگے ہم نے مائدہ کی درخواست صرف اس لئے کی ہے کہ

نُرِیْدُ اَنْ نَّاْکُلَ مِنْہَا ہم اس میں سے کھائیں

وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو۔ دلیل سے تو قدرت کی ہمہ گیری کو مانتے ہی ہیں مشاہدہ دلیل کے ساتھ مل جائیگا تو علم شہودی ہو کر اطمینان پیدا ہو جائیگا

وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا اور ہم جان لیں کہ (نبوت کے دعوے میں) آپ سچے ہیں یعنی ہمارا ایمان اور نبوت پر یقین بڑھ جائے

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ ۳۰ روزے رکھو ۳۰ روزے رکھنے کے بعد اللہ سے جو کچھ مانگو گے ملیگا حسب الحکم انھوں نے ۳۰ روزے رکھے اور پھر نزول مائدہ کی درخواست کی اور کہا ہم یقین رکھتے ہیں کہ آپ نے ہم سے یہ بات سچ فرمائی کہ ۳۰ روزے رکھنے کے بعد اللہ ہماری دعا قبول فرمائیگا۔

وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ اور ہم اس پر شہادت دینے والوں میں سے ہوجائیں یعنی ایمان بالغیب تو ہم کو حاصل ہی ہے نزولِ مائدہ کے بعد اللہ کی وحدانیت و قدرت اور آپ کی نبوت کا ایمان شہودی ہم کو حاصل ہو جائیگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم جب بنی اسرائیل کے پاس لوٹ کر جائیں گے تو جاکر اس کی شہادت دے سکیں گے۔

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے غسل کر کے کمبل کا لباس پہن کر دو رکعت نماز پڑھی اور سر جھکا کر آنکھیں بند کر کے رونے لگے۔

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ پھر عرض کیا اے اللہ اے ہمارے رب۔ رَبَّنَا مکرر ندا ہے۔ اللّٰھم کی صفت نہیں ہے نہ بدل ہے کیونکہ اللّٰھم نہ موصوف ہوتا ہے نہ مبدل منہ علامہ تفتازانی نے اس کی صراحت کی ہے۔

اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرمادے۔

تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا جو ہمارے لئے ایک خوشی کی بات ہوجائے۔

لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا یعنی ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے۔ سدی نے کہا یعنی ہمارے زمانہ والوں کے لئے اور آئندہ لوگوں کے لئے خوشی کا دن ہوجائے ہم اس کو تہوار کا دن بنالیں جو خوشی غم کے بعد آئے اس کو سرور کہتے ہیں بعض لوگوں نے کہا عید خوشی کے دن کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں آدمی رنج سے خوشی کی طرف لوٹتا ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ وہ اتوار کا دن تھا اسی لئے عیسائیوں نے اتوار کا دن تہوار کا دن مقرر کر رکھا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا عید کا معنی ہی عائدہ یعنی اللہ کی طرف سے حجت اور برہان

لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا۔ لنا سے بدل ہے اول سے مراد ہیں اہل زمانہ اور آخرنا سے مراد ہیں مستقبل میں آنیوالے لوگ جو مذہب عیسوی پر ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (عیدًا لاولنا وآخرنا سے یہ مراد ہے کہ) اس میں سے جس طرح پہلے لوگ کھائیں اسی طرح آخری لوگ بھی کھائیں (یعنی خوان با برکت ہو جو سب کے لئے کافی ہو اور اول سے آخر تک سب لوگ اس میں سے کھائیں)

بظاہر لنا، کان کی پہلی اور عیدًا دوسری خبر ہے اور لاولنا وآخرنا عیدًا کی صفت ہے۔

وَاٰيَةً مِّنْكَ ج اور تیری طرف سے ایک نشان ہوجائے یعنی ایسی دلیل ہوجائے جو تیری قدرت

کی ہمہ گیری اور میری نبوت کی صداقت پر دلالت کرے۔ لفظ منک۔ آیتہ کی صفت ہے اور آیۃ کا عطف عیدًا پر ہے۔

وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○ اور ہم کو عطا فرما تو بہترین عطا فرمانے والا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ اللہ نے فرمایا میں اس کو تم پر (بار بار) ضرور اتاروں گا۔

منزل باب تفعیل کا اسم فاعل ہے اور باب تفعیل کثرت اور تواترِ فعل پر دلالت کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ تمہاری درخواست کو منظور فرما کر میں متواتر طور پر کتنے ہی مرتبہ خوان نازل کروں گا۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا پھر تم میں سے جو حق شناسی نہ کرے گا۔ اس کو ایسی سزا دوں گا۔

لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ کہ ویسی سزا دنیا میں کسی کو نہیں دوں گا۔

عذابًا بمعنی تعذیب ہے یعنی عذاب دینا یہ مفعول مطلق ہے یا مجازًا مفعول بہ ہے یا عذاب سے مراد ہے سزا کا طریقہ اور عذاب کا ڈھنگ یعنی اور ایسی سخت سزا دوں گا کہ کسی کو نہ دوں گا۔ العلمین سے مراد ہیں عذاب پانے والے کافروں کے ہم عصر۔ یا آئندہ ہر زمانہ والے کیونکہ نزولِ مائدہ کے بعد جن لوگوں نے کفر کیا اللہ نے ان کو سور اور بندر بنا دیا اور آئندہ کسی اور پر ایسا عذاب نہیں آیا۔

حضرت سلمان فارسی کی مذکورۂ بالا احادیث کا تتمہ:۔ جب حضرت عیسیٰ نے دعا کی تو ایک سرخ رنگ کا خوان لوگوں کی نظروں کے سامنے اوپر سے اترنے لگا ابر کا ایک ٹکڑا خوان سے اوپر تھا اور ایک نیچے۔ خوان آکر لوگوں کے سامنے گر پڑا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت عیسیٰؑ رونے لگے اور عرض کیا اے اللہ مجھے شکر گزاروں میں سے کر دے اور اس کو رحمت بنا دے عذاب نہ بنانا۔ یہودی بھی ایسی چیز اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جس کی نظیر انھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی اور خوان میں سے نکلتی ہوئی ایسی خوشبو محسوس کر رہے تھے جس کی مثل کبھی کوئی خوشبو نہیں پائی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تم میں سے جو سب سے زیادہ نیک اعمال ہو وہ کھڑا ہو اور بسم اللہ کہہ کے اس کا سرپوش کھولے حواریوں کے سردار شمعون صفار نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ آپ ہی اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کھڑے ہوئے اور وضو کر کے ایک لمبی نماز پڑھی اور خوب روئے پھر بسم اللہ کر کے سرپوش ہٹایا اور فرمایا بسم اللہ خیر الرازقین۔ خوان میں ایک بریاں مچھلی تھی جس پر نہ کوئی سنا تھا نہ کانٹا مچھلی سے روغن بہہ رہا تھا، اس کے سر کی طرف نمک رکھا تھا اور دم کے پاس سرکہ، اور چاروں طرف زنگار رنگ کی ترکاریاں رکھی تھیں لیکن گندنا نہ تھا پانچ روٹیاں بھی تھیں ایک پر زیتون دوسری پر شہد تیسری پر گھی چوتھی پر پنیر اور پانچویں پر گوشت کے ٹکڑے رکھے تھے۔ شمعون نے عرض کیا یا روح اللہ!

کیا یہ دنیوی کھانا ہے یا اخروی فرمایا تمہارے سامنے جو کھانا ہے وہ نہ دنیوی کھانے کی نوع کا ہے نہ آخرت کے کھانے کی قسم کا بلکہ اللہ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کو تیار کیا ہے) تم نے مانگا تھا اب اس کو کھاؤ اللہ تمہاری مدد کریگا اور اپنے فضل سے تم کو مزید عطا فرمائیگا حواریوں نے عرض کیا یا روح اللہ آپ ہی سب سے پہلے کھانا شروع کیجئے۔ فرمایا میں اس کو کھانے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جس نے اس کی درخواست کی تھی وہی کھائے یہ سن کر حواریوں کو کھانے سے ڈر لگا (اس لئے کھانے پر ہاتھ نہیں ڈالا) حضرت عیسیٰ نے کھانے کے لئے فاقہ زدہ فقیروں بیماروں کوڑھ اور برص والوں اور لنگڑے لُنجے اپاہجوں کو بلوایا اور فرمایا اللہ کا بھیجا ہوا رزق کھاؤ یہ تمہارے لئے مبارک ہے اور دوسروں کے لئے مصیبت۔ چنانچہ سب نے کھایا ایک ہزار تین سو نادار بیمار اپاہج اور دکھی مردوں اور عورتوں نے شکم سیر ہو کر کھایا لیکن مچھلی اترنے کے وقت جیسی تھی ویسی ہی رہی اس کے بعد خوان اٹھ گیا اور لوگوں کی نظروں کے سامنے اوپر چڑھتا چلا گیا آخر نگاہ سے غائب ہو گیا جس بیمار اور اپاہج نے اس میں سے کھایا وہ تندرست ہو گیا اور جس فقیر نے کھایا غنی ہو گیا۔ یہ دیکھ کر نہ کھانے والوں کو پشیمانی ہوئی خوان اترنے کا یہ سلسلہ چالیس روز تک چاشت کے وقت قائم رہا مالدار نادار بڑے چھوٹے مرد عورت سب ہی خوان کے نزول کے وقت جمع ہو جاتے تو خوان سب کی نظروں کے سامنے رکھا ہوتا اور لوگ کھاتے جب سب کھا کر لوٹ جاتے تو خوان سب کی نظروں کے سامنے اٹھ جاتا اور چڑھتا جاتا آخر نظروں سے چھپ جاتا (یہ بھی کہا جاتا ہے کہ) ثمود کی اونٹنی کی طرح خوان ایک دن بیچ آتا، ایک دن ناغہ ایک دن آمد پھر اللہ نے حضرت عیسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ میں اپنا خوان اور رزق صرف فقراء کے لئے مقرر کرتا ہوں مالداروں کے لئے (اس میں) کچھ نہیں ہے یہ حکم مالداروں کو بہت کھلا کہ خود بھی شک میں پڑ گئے اور دوسروں کے دلوں میں بھی شک پیدا کرنے لگے اور کہنے لگے دیکھو تو کیا یہ خوان واقعی آسمان سے اترتا ہے (اگر ایسا ہے تو اس میں ناداروں اور مالداروں کی تفریق کیوں ہے) اللہ نے عیسیٰ کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا میں نے شرط لگا دی تھی کہ خوان نازل ہونے کے بعد جو کفر کریگا میں اس کو ایسا عذاب دونگا کہ سارے جہان میں کسی کو نہ دوں گا (اب انہوں نے کفر کیا ہے اسلئے عذاب کے مستحق ہو گئے)

حضرت عیسیٰ نے عرض کیا اگر تو ان کو عذاب دیگا تو یہ تیرے بندے ہیں (تجھے عذاب دینے کا حق ہے) اور اگر معاف کر دے تو یقیناً بلاشبہ تو ہی غالب اور دانا ہے (مغفرت کر سکتا ہے اور مغفرت کی مصلحت سے بھی واقف ہی) الغرض ان میں سے ۳۳۳ آدمیوں کی صورتیں مسخ کر دی گئیں۔ رات کو بیویوں کے ساتھ (بھلے چنگے) سوئے اور صبح کو سوروں کی شکل میں اٹھے اور راستوں اور کوڑا گھروں میں مارے مارے پھرنے اور کوڑے کے اندر گندگی کھانے لگے لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو گھبرا کر حضرت عیسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور روئے۔ سوروں نے حضرت

عیسیٰ کو دیکھا تو آپ کے گرداگرد گھومنے اور رونے لگے حضرت عیسیٰ ان کے نام لے کر پکارتے تھے اور وہ سروں سے اشارہ کرتے اور روتے تھے بات نہیں کر سکتے تھے اس حالت میں تین روز زندہ رہے پھر سب مر گئے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ خلاس بن عمرو نے حضرت عمار بن یاسر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوان اترا تو اس میں گوشت اور روٹی تھی اور بنی اسرائیل سے کہہ دیا گیا تھا کہ یہ مائدہ تمہارے لئے قائم رہیگا جب تک تم اس میں خیانت نہ کرو گے اور چھپا کر نہ رکھو گے لیکن وہ دن بھی نہیں گذرا کہ انھوں نے خیانت کی اور (کچھ جنس) چھپا کر رکھ لی۔ آخر بندروں اور سوروں جیسی شکل ان کی کر دی گئی۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا تیس روزے رکھو پھر جو کچھ چاہو اللہ سے مانگو وہ تم کو عنایت فرمائیگا۔ حسب الحکم لوگوں نے روزے رکھے اور روزوں سے فراغت کے بعد عرض کیا اگر ہم کسی کا کام کرتے ہیں اور کام پورا کر دیتے ہیں تو وہ ہم کو کھانا دیتا ہے (اب اللہ کے لئے ہم نے روزے رکھے ہیں اور اللہ سے کھانا مانگتے ہیں) چنانچہ انھوں نے خوان اترنے کی درخواست کی، (دعا قبول ہوئی) ملائکہ ایک خوان اٹھائے ہوئے آئے خوان پر سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں لوگوں کے سامنے لاکر اس کو رکھدیا۔ اول سے آخر تک سب لوگوں نے اس کو کھایا (اور جس طرح کھانا شروع کرنے کے وقت وہ تھا ویسا ہی آخر آدمی کے کھانے کے بعد رہا)

کعب احبار نے کہا مائدہ سرنگوں اترا تھا آسمان و زمین کے درمیان ملائکہ اس کو اڑا کر لا رہے تھے گوشت کے علاوہ اس میں ہر چیز تھی۔ قتادہ نے کہا اس میں جنت کے پھل تھے عطیہ عوفی نے کہا آسمان سے اتر کر ایک مچھلی آئی تھی جس میں ہر چیز کا مزہ تھا کلبی نے کہا اس میں چاول کی روٹی تھی سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ خوان میں سوائے گوشت اور روٹی کے ہر چیز تھی۔ وہب بن منبہ نے کہا اللہ نے جو کی چند چھوٹی روٹیاں اور مچھلیاں اتاری تھیں کچھ لوگ کھا کر جاتے اور دوسرے آکر کھاتے تھے یہاں تک کہ سب نے کھا لیا اور کھانا پھر بھی بچ رہا۔ کلبی اور مقاتل نے کہا اللہ نے روٹیاں مچھلیاں اور قلیے اتارے تھے۔ لوگوں کی تعداد پانچ ہزار سے اوپر تھی۔ سب نے کھایا اور لوٹ کر اپنی اپنی بستیوں میں جا کر جب اس کا تذکرہ کیا تو جو لوگ نہیں آئے تھے وہ ہنس دیئے اور کہنے لگے تمہاری نظر بندی کر دی گئی تھی اللہ کو جس کی بھلائی مقصود تھی وہ تو ایمان پر قائم رہا اور جس کی خرابی اللہ کو منظور تھی وہ کفر کی طرف لوٹ گیا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کو سوروں کی شکل پر کر دیا۔ مسخ شدہ لوگوں میں کوئی بچہ یا عورت نہ تھی (سب مرد تھے) تین روز تک اسی حالت میں رہ کر سب مر گئے نہ کچھ کھایا نہ پیا نہ ان کی نسل ہوئی ہر مسخ شدہ شخص کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ جہاں کہیں بنی اسرائیل ہوتے تھے خوان وہیں صبح شام من و سلویٰ کی طرح اترتا تھا۔ نزولِ مائدہ کے

متعلق اکثر علماء کے یہ مختلف اقوال تھے جو ذکر کر دیئے گئے۔ مجاہد اور حسن نزولِ مائدہ کی نفی کے قائل تھے ان کا خیال تھا کہ جب ان کو تنبیہ کی گئی کہ نزولِ مائدہ کے بعد اگر کفر کرو گے تو سنگین ترین عذاب میں مبتلا کر دیئے جاؤ گے تو بنی اسرائیل کو اندیشہ ہو گیا کہ کہیں کوئی کفر کرنے لگے (اور عذاب سب پر پڑے) اس لئے انہوں نے معافی طلب کی اور عرض کیا ہم مائدہ کے طلب گار نہیں۔ واپسی درخواست کے بعد مائدہ نازل نہیں ہوا۔ رہ گیا لفظ انی منزلھا جو نازل ہونے پر دلالت کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تنبیہ کے بعد بھی اگر تم نزولِ مائدہ کے طلبگار رہو گے تو اللہ ضرور نازل فرما دیگا۔ صحیح قول وہی ہے جو اکثر علماء کا مختار ہے کہ مائدہ نازل ہوا کیونکہ اللہ نے پہلے سے خبر دیدی تھی کہ میں ضرور نازل کرونگا اور اللہ کی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔ پھر نزولِ مائدہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث صحابہ کے آثار اور تابعین کے اقوال بکثرت آئے ہیں جن کو معنوی طور پر یہ متواتر کہہ سکتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ اور جب اللہ نے فرمایا۔ یا۔ فرمائیگا۔ سدی نے کہا جب اللہ نے عیسیٰ کو آسمان کی طرف اٹھایا اس وقت یہ بات فرمائی تھی، کیونکہ قَالَ ماضی کا صیغہ ہے اور لفظ اذ کی وضع بھی ماضی ہی کے لئے ہے (اس قول پر اول ترجمہ صحیح ہوگا) باقی اہلِ تفسیر کا قول ہے کہ اللہ یہ بات قیامت کے دن فرمائیگا (اس تشریح پر دوسرا ترجمہ صحیح ہوگا جمہور کا ترجمہ یہی ہے) اس کلام کی غرض کافروں کو تنبیہ و سرزنش کرنا ہے۔ دیکھو اللہ نے فرمایا یوم یجمع اللّٰہ الرسل۔ دوسری آیت میں آیا ہے ھٰذا یوم ینفع الصادقین صدقھم۔ ان دونوں آیتوں میں روزِ قیامت مراد ہے رہا اذ کا ماضی کے لئے وضع ہونا اور صیغۂ ماضی کا ذکر ہونا تو اگر مستقبل میں آنے والا واقعہ یقینی ہو تو اس کے لئے ماضی کا صیغہ استعمال کر لیا جاتا ہے گویا آئندہ اس واقعہ کا ہونا اتنا یقینی ہے کہ وہ ہو چکا۔ اسی کی طرح (مستقبل کے لئے ماضی کا استعمال) آیت ولو تری اذ فزعوا میں استعمال کیا گیا ہے۔

يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے ہی لوگوں سے کہا تھا (اس آیت میں خطاب حضرت عیسیٰ کو ہے لیکن) سرزنش کافروں کو ہے مسند الیہ (انتَ) مسند (قلت) پر مقدم لانے کی غرض ہے فعل کی نسبت کو عیسیٰ کی طرف محکم بنانا (کیونکہ اس طرزِ کلام میں نسبت کی تکرار ہو جاتی ہے ایک تو قلت کے اندر خود ہی انتَ فاعل موجود ہے پھر قلت کا ربط انتَ سے دوبارہ ہے) بات یہ تھی کہ قولِ شرک کی نسبت عیسیٰ کی طرف بہت ہی بعید تھی اس لئے قوت کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔

اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو مریم کی جگہ امی کا لفظ اس امر پر سرزنش کر رہا ہے کہ تو پیدا شدہ ہے اور مریم تیری والدہ ہے پھر الوہیت کے دعوے کا کیا جواز ہو سکتا ہے اللہ کو تو توالد اور تماثل سے پاک ہونا چاہئے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ اللہ کے علاوہ۔ یہ الٰھین کی صفت ہے یعنی اللہ کے علاوہ دو معبود یا اتخذوا کے فاعل یا مفعول سے حال ہے۔ لفظ دون مغایرت پر دلالت کرتا ہے اس لفظ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ دوسروں کی عبادت کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا عبادت نہ کرنے کی طرح ہے جو شخص اللہ کی عبادت کے ساتھ عیسیٰؑ اور مریمؑ کی بھی عبادت کرتا ہے وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتا۔ دون کا معنی کم بھی ہو سکتا ہے یعنی مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ مگر اللہ کی معبودیت سے کم درجہ کا۔ اس مطلب کی وجہ یہ ہے کہ عیسائی عیسیٰؑ اور مریمؑ کو مستقل معبود تو جانتے نہیں ہیں بلکہ ان کی پرستش کو عبادتِ الٰہی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

ابو روق نے کہا عیسیٰؑ یہ کلام سن کر لرز جائیں گے ان کا جوڑ جوڑ کانپ جائیگا اور ہر بُن مُو سے خون پھوٹ نکلیگا پھر

قَالَ سُبْحٰنَكَ عرض کریں گے تو پاک ہے یعنی میں تیری پاکی کا اعتراف کرتا ہوں ہر طرح کے شرک سے یا میں تیرے پاک ہونے کا اقرار کرتا ہوں کہ تو حقیقت واقعہ جاننے کے لئے سوال اور جواب کا ضرورتمند ہو (حقیقت سے تو خود ہی واقف ہے تجھے مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں)

مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ۔ میرے لئے سزاوار نہ تھا کہ جس چیز کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا وہ بات کہتا۔

اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۔ اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو تجھے اس کا علم ضرور ہوتا یعنی مجھے عذر پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو تجھے علم ہوتا اور تو واقف ہے کہ میں نے یہ بات نہیں کہی۔

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ جو میرے نفس میں ہو اسکو تو جانتا ہے اور جو تیری ذات میں ہے اس کو میں نہیں جانتا یعنی میرے دل میں جو مخفی خیالات ہیں انسے تو واقف ہے اور تیری پوشیدہ معلومات سے میں ناواقف ہوں۔ فِیْ نَفْسِكَ میں نفس سے ذات مراد ہے پہلے لفظ نفس کی مناسبت کی وجہ سے دوسری جگہ بھی لفظ نفس ہی استعمال کیا۔

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۔ بلاشبہ تو ڈھکی چھپی باتوں سے بخوبی واقف ہے۔ غیوب بکسر غین یا بضم غین ہے یہ اختلاف قرأت اوپر گذر چکا ہے۔ اَنْتَ سے اِنَّ کے اسم (یعنی كَ) کی تاکید ہو رہی ہے اس جملے سے مذکورہ بالا دونوں جملوں کی تاکید ہو رہی ہے لفظاً بھی اور معنیً بھی۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ میں نے ان سے نہیں کہی مگر وہی بات جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ مَا اَمَرْتَ کے بجائے مَا قُلْتَ کہنے میں یہ نکتہ ہے کہ حکم دینا در حقیقت رب کا کام ہے اور حضرت عیسیٰؑ ربوبیت کی آمیزش اور شائبہ سے بھی اپنے کو الگ رکھنا چاہتے تھے۔

حضرت عیسیٰ نے پہلے نفی شرک کی تمہید قائم کی اس کے بعد آئندہ فقرہ میں پیام توحید اور نفی شرک کی صراحت کردی۔

أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ کہ اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب (یعنی کسی کو (عبادت میں) اللہ کا شریک نہ بناؤ کیونکہ وہی میرا بھی خالق ہے جو تمہارا خالق ہے (اور میں تمہارا خالق نہیں)

یہ فقرہ۔ بہ۔ کی ضمیر کا عطف بیان یا بدل ہے بدل میں یہ ضروری نہیں کہ مبدل منہ کو بالکل ساقط کردینا جائز ہو اس لئے موصول کا بقاء بغیر ضمیر کے لازم نہیں آتا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پورا فقرہ مفعول ہو اور فعل محذوف ہو یا مبتدا محذوف ہو اور یہ فقرہ خبر ہو لیکن ما امرتنی سے اس کو بدل قرار دینا جائز نہیں کیونکہ اَنْ مصدری ہے اور مصدر قول کا مقولہ نہیں ہوسکتا۔

اَنْ کو مفسرہ قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ امر کا فاعل اللہ ہے (اور اللہ اعبدوا اللہ ربی نہیں فرما سکتا وہ خود رب ہے اس کا رب کوئی اور نہیں) پھر قول کی تفسیر اَنْ سے ہو بھی نہیں سکتی، ہاں اگر قول کو بمعنی امر قرار دیا جائے تو ممکن ہے۔ گویا کلام کا مفہوم اس طرح ہوگا۔ میں نے ان کو حکم نہیں دیا مگر وہی جو تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ نے اپنی طرف سے اپنے امر کی تفسیر کردی کہ میں نے ان کو یہ حکم دیا تھا، کہ اللہ کی عبادت کرو۔

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا اور میں ان کا نگراں (اور ان کے احوال کا مشاہدہ کرتا) رہا ان کے کفر و ایمان کی دیکھ بھال کرتا رہا حق کی طرف بلاتا رہا اور باطل قول و عقیدہ سے روکتا رہا۔

مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ جب تک میں ان کے اندر رہا۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي پھر جب تو نے مجھے لے لیا۔ اور اپنی طرف اٹھالیا۔ توفی کا معنی ہے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔ موت بھی توفی کی ایک قسم ہے اللہ نے فرمایا ہے اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا اللہ ہی پورا پورا قبضہ میں لے لیتا ہے جانوں کو ان کے مرنے کے وقت اور (کچھ) جانوں کو ان کے سونے کے وقت (یعنی توفی کا استعمال صرف موت کے لئے ہی نہیں ہوتا بلکہ موت وفات کی ایک قسم ہے ورنہ سونے کے وقت ارواح کو اللہ جو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اس پر بھی آیت مذکورہ میں لفظ توفی کا اطلاق آیا ہے)

كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ تو ہی ان کا نگراں رہا یعنی ان کے اعمال و اقوال کا محافظ و نگراں تھا بس جس کو تو نے بچانا چاہا اس کو دلائل، انبیاء اور آسمانی کتابوں کے ذریعے سے ہدایت الطاف دی اور توفیق دیدی

وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ اور تو ہر چیز سے پورا باخبر ہے میرے اور ان کے اقوال و اعمال تیرے سامنے ہیں۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ج اگر تو ان کو عذاب دے (تو بجا نہیں) وہ تیرے بندے ہیں، مالک حقیقی جیسا چاہے، اپنی ملک میں تصرف کر سکتا ہے اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا پھر انھوں نے تیرے علاوہ دوسروں کی پوجا کی باوجودیکہ تو نے ان کو پیدا کیا اور دوسروں کے گن گائے حالانکہ تو نے ان کو پرورش کیا اور نعمت عطا فرمائی۔ (اس صورت میں تو سزا دینا خلاف عدل ہو ہی نہیں سکتا) [1]

وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ اور اگر تو ان کو معاف کر دیگا تو بے شک تو ہی غالب و حکمت والا ہے یعنی تو ہی غالب قوت والا اور عذاب ثواب پر قادر ہے۔ تیری طرف سے معافی کسی کمزوری کی بناء پر نہیں ہوگی کہ اس کو عیب قرار دیا جا سکے۔ حاصل مطلب یہ کہ اگر تو عذاب دے تو یہ انصاف ہوگا اور معاف کر دے تو تیری مہربانی ہوگی۔

ایک شبہ

عذاب اور مغفرت ہر ایک کو ان (شرطیہ) کے ساتھ ذکر کرنا بتا رہا ہے کہ دونوں کا امکان ہے حالانکہ مشرک کی مغفرت نہ ہونے کی صراحت آیت میں آچکی ہے۔

ازالہ:۔ مشرک کی مغفرت اگرچہ فی نفسہ ممکن ہے لیکن اللہ نے چونکہ عدم مغفرت کی صراحت کر دی ہے اس لئے ناممکن ہو گئی گویا عدم امکان اللہ کے قول کی وجہ سے ہو گیا مگر اس سے مغفرت کا فی ذاتہ استحالہ تو ثابت نہیں ہوتا۔ نہ اس میں کافروں کے لئے مغفرت کی دعا ہے اسی لئے العزیز الحکیم فرمایا الغفور

---

[1] ابن مردویہ کی روایت ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے ماں باپ قربان رات آپ نے نماز کے اندر قیام کی حالت میں قرآن کی ایک آیت دبار بار (اتنی) پڑھی کہ اگر ہم میں سے کوئی ایسا کرتا تو ہم اس پر غصہ کرتے فرمایا میں نے اپنی امت کے لئے دعا کی تھی راوی نے پوچھا پھر کیا جواب ملا فرمایا مجھے ایسا جواب ملا کہ اگر اس کی اطلاع لوگوں کو ہو جائے تو بہت لوگ نماز چھوڑ دیں۔ راوی نے عرض کیا کیا میں اس کی بشارت لوگوں کو نہ دیدوں فرمایا کیوں نہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر یہ پیام آپ لوگوں کو بھیج دیں گے تو وہ عبادت کو چھوڑ کر اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے یہ سن کر حضورؐ نے آواز دے کر راوی کو واپس بلا لیا اور یہ آیت ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم تلاوت فرمائی اسی کو نماز میں بار بار تلاوت فرماتے تھے مسلم اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

الرحیم نہیں فرمایا بلکہ تمام امور کو اللہ کے سپرد کرنا اور ہر چیز کو اللہ کے ارادہ اور حکمت سے وابستہ قرار دینا مقصود ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت ان تغفر لہم فانہم عبادک وان تعذبہم فانک انت العزیز الحکیم ہے، گویا آپ نے العزیز الحکیم کے ساتھ تعذب پڑھا ہے تغفر نہیں پڑھا اسی لئے بعض علماء نے کہا کہ آیت میں (بر قرأت مشہورہ بمعنی کے لحاظ سے) تقدیم و تاخیر ہے (یعنی تغفر سے عبادک کا اور تعذب سے العزیز الحکیم کا معنوی ربط ہے مطلب اس طرح ہو کہ تو غالب و حکیم ہے اس لئے تو عذاب دے سکتا ہے اور وہ تیرے بندے ہیں اس لئے ان کو معاف کر سکتا ہے۔

لیکن ہم بتا چکے ہیں کہ مشہور قرأت ہی (معنوی لحاظ سے) زیادہ مناسب ہے۔

حضرت عبد اللہؓ بن عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم کی یہ دعا جو اللہ نے نقل فرمائی ہے تلاوت فرمائی۔ رب انہن اضللن کثیرا من الناس فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم اور حضرت عیسیٰ کا یہ قول جو اللہ نے نقل فرمایا ہے تلاوت فرمایا ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم پھر دعا کی الٰہی میری امت (کو بخشدے) میری امت (کو بخشدے) اور رونے لگے اللہ نے فرمایا جبرئیل محمدؐ سے جا کر دریافت کرو (اگرچہ) تیرا رب بخوبی واقف ہے کہ رونے کی کیا وجہ ہے۔ جبرئیلؑ نے آکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ دعا بتا دی جو عرض کی تھی اللہ نے حکم دیا جبرئیلؑ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جا کر کہدے کہ ہم تیری امت کے سلسلہ میں تجھے خوش کر دینگے ناراض نہیں کرینگے۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ط اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جسمیں سچوں کو ان کی سچائی فائدہ رساں ہوگی یوم یا منصوب ہے خواہ اس کو قال کا مفعول فیہ قرار دیا جائے یعنی عیسیٰ کا یہ کلام قیامت کے دن ہوگا خواہ ہذا کو مبتدا اور اس کی خبر کو محذوف قرار دیا جائے یعنی عیسیٰ نے جو کچھ کہا وہ حق ہے اللہ یہ بات قیامت کے دن فرمائیگا اس صورت میں حضرت عیسیٰ کے قول کی تصدیق اور امت عیسیٰ کے لئے مزید سرزنش ہوگی۔ خواہ یوں کہا جائے کہ ہذا مبتدا ہے اور یوم حقیقت میں خبر مرفوع تھا مگر چونکہ اس کی اضافت مبنی کی طرف ہے اس لئے فتح پر مبنی ہوگیا۔ اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یوم کی اضافت تو صیغہ مضارع کی طرف ہے اور مضارع معرب ہے مگر حقیقت میں یہ شبہ غلط ہے کیونکہ یوم کی اضافت تو پورے جملہ کی طرف ہے اور جملہ مبنی ہوتا ہے۔ جمہور نے یومُ کو خبر ہونے کی بنیاد پر مرفوع بصورت مضموم پڑھا ہے یعنی بغیر تنوین کے۔

حضرت عیسیٰ کے قول سے بظاہر یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ کافروں کے لئے حضرت دعاء مغفرت کر رہے ہیں اس خیال کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ آج سچوں کی سچائی فائدہ رساں ہوگی کاذب کافروں کے لئے کوئی فائدہ نہیں ان کی مغفرت نہ ہوگی۔

یہ بھی ممکن ہے کہ عیسیٰ کے قول سے بظاہر جو خوف مترشح ہو رہا ہے اس کو دور کرنے کے لئے فرمایا ہو کہ آج سچوں کو ان کی سچائی فائدہ پہنچائیگی (اور تم سچے ہو تم کو کوئی خوف نہ کرنا چاہئے) مطلب یہ کہ دنیا میں جو لوگ اعتقاد اور قول و عمل کے لحاظ سے سچے تھے آخرت میں ان کی سچائی مفید ہوگی اور جو دنیا میں جھوٹے تھے وہ آخرت میں سچ بولیں اور لم نك من المصلين ولم نك نطعم المسكين کہیں اور شیطان اقرار کرے کہ ان اللہ وعدکم وعد الحق ووعدتکم الخ یا آخرت میں بھی جھوٹ بولیں اور کہیں واللہ ربنا ما کنا مشرکین بہرحال کوئی بات مفید نہ ہوگی ان کے منہ پر مہر کردی جائیگی اور ہاتھ پاؤں شہادت دینگے جس سے انکی رسوائی اور رسوائی ہوگی بعض اہل تفسیر کے نزدیک صادقین سے مراد انبیاء ہیں۔ کلبی نے کہا مومنوں کو ان کا ایمان فائدہ پہنچائیگا (یعنی صادقین سے مراد مؤمن ہیں) عطاء کے نزدیک یوم ینفع سے اسی دنیا کا دن مراد ہے کیونکہ آخرت تو دار الجزاء ہے دار العمل نہیں ہے۔

لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ ان کی سچائی ان کو جنتیں دلوائیگی جن کے (درختوں اور محلات کے) نیچے نہریں بہتی ہونگی ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ نفع اور ثواب کا بیان ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۚ اللہ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے خوش کیونکہ محبت دونوں جانب سے ہوگی۔ صوفیہ نے یہی تشریح کی ہے لیکن عام اہل تفسیر نے توضیح مطلب اس طرح کی ہے کہ اللہ ان کی مخلصانہ کوشش کو پسند فرمائیگا یہ اللہ کی رضامندی ہوگی اور اللہ کی طرف سے عطا کئے ہوئے کامل ثواب سے اہل جنت خوش ہونگے یہ ان کی رضامندی ہوگی یعنی ایک طرف سے سعی مشکور ہوگی اور دوسری طرف سے جزاء موفور۔

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ یہی بڑے درجہ کی کامیابی ہے۔ کیونکہ یہ کامیابی لازوال ہے اور دنیوی کامیابی فنا پذیر ہے۔ اس سے آگے آیات میں اللہ نے اپنی ذات کی عظمت کا اظہار اور عیسائیوں کے عقیدہ کا ابطال فرمایا ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ اللہ ہی کی ہے حکومت آسمانوں کی اور زمینوں اور ان چیزوں کی جو ان کے اندر ہیں۔ مَا کا لفظ بے عقل مخلوق کے لئے مستعمل

ہیں اور من کا لفظ باعقل کے لئے اور استعمال میں باعقل کو بے عقل پر تغلیب دیدی جاتی ہے لیکن ما فیہن میں بے عقل کے ذیل میں باعقل کو داخل کر دیا گیا ہے اور وہ لفظ استعمال کیا گیا ہے جو بے عقل کے لئے مخصوص ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ممکنات باعقل ہیں وہ بھی ذاتی امکان علمی قصور اور نقصان ارادہ کے اعتبار سے بے عقلوں کے ہم جنس ہیں بلکہ ممکن کی تمام صفات کاملہ کا وجود عدم کی طرح ہے اللہ نے فرمایا ہے انک میت وانہم میتون یعنی تم سب ذاتی اعتبار سے معدوم ہو (یعنی معدوم الاصل ہو اگرچہ موجود بالاعتبار ہو) اسی مضمون پر تنبیہ کرنے کے لئے بجائے من کے لفظ ما ذکر کیا۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ما کا اطلاق تمام اجناس پر ہوتا ہے (باعقل ہوں یا بے عقل) اور یہاں عموم مخلوق ہی مراد ہے۔

وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ نہ دینا۔ دینا موجود کرنا معدوم کرنا سب کا اس کو اختیار ہے۔　　ع ۱۶

سورۂ مائدہ کی تفسیر ۱۶ ذیقعدہ ۱۱۹۸ھ کو ختم ہوئی

اور اس کا ترجمہ

یکم ربیع الاول ۱۳۸۳ھ کو پایۂ تکمیل کو پہنچا

فالشکر اللہ من قبل ومن بعد



ضمیمہ جلد الثانی ۱۳۸۳ھ۔

سورت الانعام مکی ہے

اس میں ایک سو پینتالیس یا ایک سو چھیالیس آیات اور ۲۰ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ہر طرح کی ستائش ہے اللہ کے لئے۔ یہ (لفظ کے اعتبار سے) جملہ خبریہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں لیکن اس سے بندوں کو تعلیم دینا مقصود ہے کہ وہ اللہ کی حمد کریں اور در پردہ اس بات کی بھی تلقین ہے کہ اللہ کو بندوں کی ستائش کی ضرورت نہیں کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ کرے بہر حال اس کے لئے واقع میں حمد و ستائش ہے۔

الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ جس نے آسمانوں کو اور زمین کو اندازہ کے مطابق بنایا اور بغیر سابق مثال کے پیدا کیا۔ اللہ کے وصف خالقیت کا ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے محمود ہونے کے لئے کسی مزید استدلال کی ضرورت نہیں آسمان و زمین کی تخلیق خود ثبوتِ حمد کے لئے کافی ہے، مخلوقات میں سے آسمان و زمین کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ اس لئے کیا کہ تمام مخلوقات میں سب سے بڑے یہی نظر آرہے ہیں انہی کے اندر لوگوں کے لئے ہزاروں درس عبرت ہیں اور انہی سے (بظاہر) لوگوں کے مفاد وابستہ ہیں پھر شب و روز کا حدوث و زوال ہر شخص دیکھ رہا ہے (اور کسی چیز کا حدوث بغیر محدث کے نہیں ہو سکتا) اسی لئے بعض نادان آسمانوں کو قدیم بالزمان کہتے ہیں۔ سموٰت کا ذکر بصیغۂ جمع اور ارض بصیغۂ مفرد ذکر کرنے سے اس امر پر تنبیہ ہے کہ آسمانوں کی ماہیتیں اور اشکال باہم مختلف ہیں اور زمین (باوجودیکہ اس کے طبقات متعدد ہیں) پھر بھی ایک ہی ماہیت اور ایک ہی شکل رکھتی ہے۔

کعب احبار کا قول ہے کہ توریت کی سب سے پہلی یہی آیت ہے اور سب سے آخری آیت قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا الخ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے آغازِ تخلیق کا ذکر بھی حمد سے کیا اور فرمایا اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اور انسانوں کے خاتمہ کا ذکر بھی حمد کے ساتھ کیا اور فرمایا وَقُضِیَ بَیۡنَہُمۡ

بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ اور پیدا کیا تاریکیوں کو اور نور کو۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ جَعَلَ کا معنی ہے خلق بیضاوی نے لکھا ہے دونوں میں فرق ہے خلق کا معنی ہے اندازہ کرنا اور جعل کے معنی کے اندر تضمین کا مفہوم ہے یعنی ایک چیز دوسری چیز کے ضمن میں کر دینا خواہ اس طرح کہ ایک چیز دوسری چیز سے موجود کر دی جائے یا اس طور پر کہ ایک شے کو بدل کر دوسری چیز بنا دیا جائے (جیسے جعل الخاتم من فضۃ انگوٹھی چاندی سے بنادی۔ اور جعل النور ظلمۃ روشنی کو تاریکی میں تبدیل کر دیا) خلاصہ یہ کہ جعل کے مفہوم کے اندر دو چیزوں کا اعتبار ضروری ہے اسی لئے نور ظلمت کو عدم سے خارج کر کے وجود میں لانے کے لئے لفظ جعل ذکر کیا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ نور و ظلمت بجائے خود کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتے گویا اس سے فرقہ ثنویہ کے عقیدہ کی تردید ہو جائیگی (جو کہتے ہیں کہ نور سراسر خیر ہے اور ظلمت سراسر شر یعنی خیر کی طاقت کا نام نور ہے اور شر کی طاقت کا نام ظلمت اور یہ دونوں طاقتیں بجائے خود مستقل اور قائم بذاتہ ہیں)

میں کہتا ہوں کہ ظلمت باوجودیکہ عدمی چیز ہے اور عدم (محض) سے جعل کا تعلق نہیں ہو سکتا لیکن اس آیت میں ظلمات کو بھی مجعول قرار دیا ہے کیونکہ ظلمت (معدوم محض نہیں ہے بلکہ اس) کا انتزاع ایسے محل سے ہوتا ہے جو مخلوق ہے ظلمت و نور بجائے خود قائم بذاتہ نہیں ہیں۔ اور چونکہ وہ اجسام جو حامل ظلمت اور تاریک ہیں بکثرت ہیں اس لئے ظلمات کو بصیغہ جمع ذکر کیا اور اجسام نورانیہ کم ہیں اس لئے صرف نور بصیغہ واحد ذکر فرمایا گویا نور کی نسبت ظلمت سے ایسی ہے جیسے واحد کی نسبت متعدد سے۔

حسنؒ بصری کے نزدیک ظلمات سے مراد کفر اور نور سے مراد ایمان ہے اس قول پر ظلمات کو بصیغۂ جمع اور نور کو بصیغۂ مفرد لانے کی وجہ یہ ہے کہ کفر کے طریقے بکثرت ہیں اور ایمان کا صرف ایک راستہ ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمارے سامنے ایک (سیدھی) لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے پھر اس لکیر کے دائیں بائیں مختلف لکیریں کھینچیں اور فرمایا ان راستوں میں سے ہر راستہ پر شیطان موجود ہے جو لوگوں کو اپنی طرف بلا رہا ہے اس کے بعد حضور صلعم نے آیت ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ تلاوت فرمائی۔ رواہ احمد والنسائی والدارمی۔

ظلمت کا وجود چونکہ نور سے پہلے ہوتا ہے (عدم وجود سے مقدم ہے) اس لئے ظلمات کا ذکر نور سے پہلے کیا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور کا ایک حصہ ڈالا بس جس پر نور کا کوئی حصہ پڑ گیا وہ ہدایت یاب ہو گیا جس پر نہ پڑا وہ گمراہ ہو گیا اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ اللہ کے علم کے مطابق (لکھ کر) قلم خشک ہو گیا رواہ احمد والترمذی

ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ○ پھر جو لوگ کفر کرتے ہیں وہ (عبادت و تعظیم اور عطاء و انعام کی نسبت میں) دوسروں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔

اس جملہ کا عطف یا تو الحمد للہ پر ہے اس وقت یعدلون کا مطلب یہ ہوگا کہ باوجودیکہ سارے جہان کو پیدا اللہ نے کیا اور بندوں پر یہ اسی کا انعام ہے لیکن کافر اس کی نعمت کا انکار کرتے ہیں (دوسروں کو اس انعام دہی میں شریک سمجھتے ہیں) یا خلق پر عطف ہے یعنی اللہ نے تو تمام جہان پیدا کیا جس کی تخلیق پر سوائے اللہ کے کسی کو قدرت نہیں پھر کافر ایسی مخلوق کو اس کے برابر قرار دیتے ہیں جس کو تخلیق کائنات پر قدرت نہیں۔

لفظ ثُمَّ اس جگہ تراخی کے لئے نہیں ہے بلکہ تعجب کے اظہار کے لئے ہے کہ اس وضاحت کے بعد پھر کافروں کا شرک نہایت عجیب اور بعید (از عقل) ہے۔

بربھم کا تعلق کفروا سے ہے اور یعدلون کا صلہ محذوف ہے یعنی اللہ کا انکار کرتے اور اس سے عدول کرتے ہیں (اس وقت یعدلون کا ترجمہ ہوگا لوٹتے ہیں یعنی اللہ سے لوٹتے ہیں) یا بربھم کا تعلق یعدلون سے ہے یعنی بتوں کو اللہ کے برابر قرار دیتے ہیں۔ نضر بن شمیل نے اس صورت میں بھی یعدلون کو عدول سے مشتق قرار دیا ہے اور انحراف و اعراض کے معنی بتائے ہیں اور لکھا ہے کہ بربھم میں با بمعنی عن (سے) ہے یعنی اپنے رب سے انحراف کرتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ اللہ وہی ہے جس نے تم کو (یعنی تمہارے باپ آدم کو ابتداء میں) گارے سے بنایا۔ یا کُم سے پہلے اَب کا لفظ محذوف ہے۔ تمہارے باپ آدم کو گارے سے بنایا (اس صورت میں مجاز فی الحذف ہوگا)

سدی نے کہا کہ اللہ نے جبرئیلؑ کو زمین پر کچھ مٹی لانے کے لئے بھیجا۔ زمین نے جبرئیلؑ سے کہا میں اللہ کی پناہ چاہتی ہوں اس بات سے کہ تو میرا کچھ حصہ کم کر دے (یعنی میرے بدن کا کچھ حصہ مجھ سے جدا کرے) جبرئیلؑ نے یہ سن کر کچھ نہیں لیا اور لوٹ کر عرض کیا اے مالک زمین نے مجھ سے تیری پناہ مانگی (تھی اس لئے میں خالی لوٹ آیا) پھر اللہ نے میکائیل کو بھیجا زمین نے ان سے بھی اللہ کی پناہ مانگی، میکائیل بھی لوٹ گئے آخر اللہ نے ملک الموت کو بھیجا، زمین نے ان سے بھی اللہ کی پناہ مانگی۔ ملک الموت نے کہا میں اللہ کی نافرمانی کرنے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ بغرض ملک الموت نے (کل) روئے زمین سے مٹی (تھوڑی تھوڑی) لی۔ سرخ سیاہ سفید ہر طرح کی مٹی مخلوط کی۔ اسی وجہ سے آدمیوں کے رنگ جدا جدا ہوئے پھر اس مٹی کو میٹھے نمکین اور تلخ پانی سے گوندھا اسی وجہ سے انسانوں کے اخلاق مختلف ہو گئے پھر اللہ نے فرمایا جبرئیل اور میکائیل نے زمین پر رحم کیا

ایسا نہیں کیا لہٰذا جو مخلوق میں اسی مٹی سے بناؤں گا اس کی روحیں تیرے ہی ہاتھ میں دوں گا۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ اللہ نے آدم کی تخلیق خاک سے اس طرح کی کہ خاک کا گارا بنایا پھر (کچھ مدت) اسے چھوڑے رکھا یہاں تک کہ گارا سڑ کر لیسدار کیچڑ بن گیا پھر اس کا پتلا بنایا اور پتلے کی صورت بنائی پھر اتنی مدت اسے چھوڑے رکھا کہ وہ ٹھیکرے کی طرح (خشک ہو کر) کھن کھن بولنے لگا پھر اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔ کذا قال البغوی۔

حضرت ابو موسیٰؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ اللہ نے تمام زمین سے ایک مٹھی (مٹی) لیکر آدمؑ کی تخلیق کی اسی لئے زمین کے مطابق آدمی سرخ سفید سیاہ اور مخلوط رنگ کے اور نرم خو۔ درشت مزاج۔ بدخصائل اور پاکیزہ اخلاق والے ہو گئے۔ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے آدم کو جابیہ کی مٹی سے بنایا اور جنت کے پانی سے اس کو گوندھا (معلوم نہیں جابیہ سے کیا مراد ہے ممکن ہے نشیبی گڑھے مراد ہوں جہاں پانی جمع ہو جاتا ہے اور دلدل بنجاتی ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ دلدل اور سڑی ہوئی لیسدار مٹی سے جنت کے پانی سے گوندھ کر آدم کا پتلا بنایا) رواہ الحکیم وابن عدی بسند حسن۔

ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلًا ؕ پھر ایک وقت معین کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب جسمانی ساخت کی تکمیل ہو جاتی ہے تو فرشتہ اس کی میعاد زندگی لکھتا ہے لفظ ثُمَّ اور جملہ فعلیہ اسی پر دلالت کر رہا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کا مادۂ تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک بصورت نطفہ جمع رکھا جاتا ہے پھر اتنی ہی مدت بستگی کی صورت میں رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت بوٹی کی شکل میں رہتا ہے پھر اللہ اس کے پاس چار باتوں کا حکم دے کر فرشتہ کو بھیجتا ہے فرشتہ اس کے (اچھے برے) عمل میعاد زندگی رزق اور بدبخت نیک بخت ہونا لکھتا ہے پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے پس قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ (ساری عمر) جنت والوں کے سے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف آدھے گز کا فاصلہ رہجاتا ہے کہ کتاب کا لکھا آگے آتا ہے اور وہ دوزخیوں جیسا عمل کرتے ہیں اور دوزخ میں چلے جاتے ہیں۔ اور کچھ لوگ (ساری عمر) دوزخیوں کے سے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہجاتا ہے کہ (اللہ کی) تحریر سامنے آتی ہے اور وہ جنت والوں جیسے عمل کرتے ہیں اور جنت میں چلے جاتے ہیں متفق علیہ

وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ اور دوسرا معین وقت خاص اللہ ہی کے پاس ہے یعنی میعاد مقرر و معین اللہ کے علم قدیم میں موجود ہے جس میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا اللہ کے علاوہ اور کسی کو اس میں دخل نہیں ہے

جملۂ اسمیہ دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے چونکہ اللہ کے علم کے اندر میعاد کا مقرر ہونا ناقابلِ تغیر ہے اس لئے جملۂ اسمیہ استعمال کیا۔ اجلٌ کی تنوین عظمت کا اظہار کر رہی ہے اسی لئے اس جملہ کو بغیر عطف کے ذکر کیا اور چونکہ اجلٌ کی صفت مسمًّی مذکور ہے اس لئے خبر (عندہٗ) کو مقدم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

حسن قتادہ اور ضحاک نے کہا پہلی اجل سے مراد ہے پوری مدت زندگی پیدائش سے موت تک، اور دوسری اجل سے مراد ہے موت سے حشر تک پوری برزخی مدت۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول روایت میں آیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہر شخص کی دو اجلیں ہیں۔ ایک پیدائش سے موت تک۔ دوسری موت سے حشر تک۔ اگر آدمی نیک پرہیزگار اور کنبہ پرور ہوتا ہے تو برزخی اجل کا کچھ حصہ لے کر میعادِ عمر میں بڑھا دیا جاتا ہے اور اگر بدکار رشتہ کو منقطع کرنے والا ہوتا ہے تو مدتِ زندگی کا کچھ حصہ لے کر اجلِ برزخی میں بڑھا دیا جاتا ہے۔

مجاہدؒ اور سعید بن جبیرؒ نے کہا اول اجل دنیا (کی زندگی) کی مدت ہے اور دوسری اجل آخرت کی مدت۔ عطیہ نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ ثم قضی اجلاً میں اجل سے مراد نیند ہے جس میں اللہ روح کو قبض کر لیتا ہے اور بیداری کی حالت میں واپس کر دیتا ہے اور اجل مسمًّی عندہٗ سے مراد ہے اجلِ موت (یعنی مدت زندگی کا خاتمہ)

ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ○ پھر بھی تم شک میں پڑے ہو۔ تمترون۔ مِریۃٌ سے ماخوذ ہے مِریۃ کا معنی ہے شک یا مِراءٌ سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ ہے جھگڑا کرنا۔ یعنی اللہ کی قضاو قدر میں یا مرنے کے بعد جی اٹھنے میں تم شک یا جھگڑا کرتے ہو ثُمَّ کا لفظ اظہارِ تعجب کے لئے ہے یعنی تعجب ہے کہ تم شک اور جھگڑا کرتے ہو باوجودیکہ یہ بات واضح ہو چکی کہ تمہارے تمام اصول کا خالق اور مدت مقررہ تک زندہ رکھنے والا اللہ ہی ہے پس جس طرح اس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا اسی طرح دوبارہ بھی زندہ کر کے اٹھا سکتا ہے اس کے حکم اور علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا چھ شخص ہیں جن پر میں نے اور اللہ نے اور ہر مستجاب الدعوات پیغمبر نے لعنت کی ہے (۱) اللہ کی کتاب میں (لفظی یا معنوی) زیادتی کرنے والا (۲) تقدیرِ خداوندی کی تکذیب کرنے والا (۳) زبردستی تسلط جمانیوالا تاکہ جس کو اللہ نے ذلیل قرار دیا ہے اس کو عزت دار بنائے اور جس کو اللہ نے عزت دار بنایا ہے اس کی ذلت کرے (۴) اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال سمجھنے والا (۵) اللہ کی حلال قرار دی ہوئی چیز کو حرام بنانے والا (۶) اور میرے طریقہ کو ترک کرنے والا۔ رواہ البیہقی فی المدخل ورزین فی کتابہ۔

میں کتابوں اللہ کی کتاب میں زیادتی کرنے والے رافضی ہیں جو قرآن کے تیس پاروں میں دس پاروں کی زیادتی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عثمانؓ نے قرآن کے دس پارے ساقط کر دیئے تھے۔ ان کا خیال یہ بھی ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کی برابر تھی۔ اور رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد کے قتل کو حلال سمجھنے والے خارجی ہیں اور تقدیر خداوندی کی تکذیب کرنے والے معتزلہ ہیں انہی کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔ اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال سمجھنے والا فرقہ مرجئہ ہے جو انسان کو محض مجبور قرار دیتا ہے اور زبردستی تسلط جمانیوالے ظالم بادشاہ ہیں اور سنت رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ترک کرنے والے تمام بدعتی اور فاسق ہیں۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ط اور وہی ہے معبود برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ ھُوَ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور لفظ اللہ (جو اس جگہ مذکور ہے) ھُوَ کی خبر ہے یا بدل ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قل ھو اللہ احد کی طرح ھُوَ ضمیر شان ہو اور اللہ مبتدا ہو اور فی السموات خبر ہو) اگر اللہ کو صیغۂ مشتق کہا جائے تو اس کا ترجمہ ہوگا معبود برحق اور فی السموات کا اس سے تعلق ہوگا یعنی اللہ آسمانوں میں اور زمین میں معبود برحق ہے۔ اور اگر اللہ کو علم کہا جائے تو بتاویل مشتق قرار دیکر یوں ترجمہ کیا جائیگا کہ اللہ ہی آسمانوں میں اور زمین میں اللہ ہے یعنی اس نام سے معروف ہے اور اسی نام سے اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

یا فی السموات ظرف مستقر ہے اور محذوف کے متعلق ہے اور مجازاً خبر ہے یعنی اللہ اسمانوں میں اور زمین میں موجود ہے۔ اس پر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ کیا آسمان و زمین اللہ کے مکان اور محل ہیں لیکن جب اس کو مجاز پر محمول کیا جائے تو کوئی شبہ نہیں رہے گا۔ کیونکہ (آسمان زمین اور) ساری کائنات اللہ کی صفات کا مظہر ہیں (پس موجود ہونے سے مراد ہوگا ظاہر ہونا پر تو انداز ہونا)

بیضاوی نے یہ تاویل کی ہے کہ اللہ کو آسمان و زمین کا چونکہ کامل علم ہے اس لئے مجازاً کہا جا سکتا ہے کہ اللہ ان میں موجود ہے۔

يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وہ تمہارے پوشیدہ اور ظاہر احوال کو جانتا ہے۔ یعنی جو باتیں تم دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہو ان کو بھی جانتا ہے اور جو ظاہر کرتے ہو ان سے بھی واقف ہے۔ یہ دوسری خبر ہے یا پہلی ہی خبر ہے اور فی السموات والارض یعلم سے متعلق ہے۔ کیونکہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے معلومات واقع ہیں۔

وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝ اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو ان کو بھی جانتا ہے۔ یعنی اعضاء جسم سے تم جو نیکی بدی کرتے ہو اس کو اللہ جانتا ہے اور اس کا بدلہ (اچھا برا) تم کو دیگا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ

دل اور اعضاء کے اعمال چھپ کر یا ظاہر طور پر تم کرتے ہو ان کو بھی اللہ جانتا ہے اور جو کام ابھی نہیں کئے آئندہ کروگے اللہ ان سے بھی واقف ہے۔ ماضی حال اور مستقبل کو جاننا اللہ کے معلومات کی خصوصیت ہے)۔

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ○ اور ان کے پاس کوئی بھی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر وہ اس سے روگردانی کیا ہی کرتے ہیں۔ مِن آیۃٍ میں مِن تعمیم کے لئے ہے اور زائد ہے۔ آیات رب سے مراد معجزات ہیں جیسے چاند کا پھٹنا کنکریوں کا بولنا وغیرہ اور عطاء کے نزدیک قرآن کی آیات مراد ہیں اور مِن آیۃٍ میں مِن تبعیضیہ ہے۔

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۚ سو انھوں نے حق کو بھی جھوٹا قرار دیا جب حق انکے پاس آگیا۔ حق سے مراد ہے قرآن یا رسول اللہ کی ذات مبارک۔ فَقَدْ میں فاء تفریع کے لئے ہے یعنی جب انھوں نے تمام معجزات کا انکار کر دیا تو قرآن کا بھی انکار کر دیا یہ بھی ایک معجزہ ہی ہے۔ یا فاء سببی ہے یعنی جب انھوں نے قرآن کی تکذیب کی جو لفظاً اور معنی ہر زمانہ میں واضح ترین معجزہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جن کا وجود بجائے خود معجزہ ہے ایک شخص جو امی پیدا ہوا اور اس نے نہ کسی سے کچھ پڑھا نہ لکھا پھر ایسے شخص سے علم کے چشمے اور حکمت کے دریا بہ نکلے جس کی تائید سابق آسمانی کتابوں سے ہو رہی ہے اور اس کی نبوت کا اقرار بڑے بڑے یہودی اور عیسائی علماء و مشائخ کر چکے ہیں لیکن انھوں نے اس کی نبوت کا بھی اقرار نہیں کیا تو پھر دوسرے متفرق معجزات سے روگردانی کیوں نہیں کرینگے۔

فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ○ سو آئندہ ان کو اس چیز کی خبریں ملجائیں گی جس کا یہ مذاق اڑاتے تھے یعنی قیامت کے دن یا اسلام کے ظہور و عروج کے زمانہ میں مطلب یہ کہ اپنے عمل کی برائی اس وقت ان پر ظاہر ہوجائیگی۔ جب قیامت کے دن یا دنیا میں ہی ان پر عذاب آئیگا۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ کیا (وہ ان سفر میں شام کے راستہ) میں انھوں نے نہیں دیکھا کہ کتنی کثرت سے جماعتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں۔ کَمْ خبریہ ہے یعنی کثیر اور مِن قبلہم میں مِن زائد ہے۔ قرن ہم عصر جماعت اس کی جمع قرون ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیر القرون قرنی یعنی تمام جماعتوں میں بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے ہم عصر ہیں۔ یا قرن کے معنی ہیں زمانہ کا ایک حصہ۔ چالیس ۴۰ سال کا یا دس سال کا یا بیس سال کا یا تیس یا پچاس یا ساٹھ یا ستر یا اسی یا سو یا ایک سو بیس برس کا یہ مختلف اقوال آئے ہیں صحیح ترین قول یہ ہے کہ قرن صدی کو کہتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن بشر مازنی سے فرمایا تھا تم ایک قرن جیو گے چنانچہ ان کی عمر سو برس ہوئی۔ ذکرہ البغوی نہایہ الجزری میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا تو ایک قرن جیتا رہے چنانچہ اسکی

عمر سو برس کی ہوئی۔ اگر قرن کا معنی آیت میں زمانہ کا لیا جائے تو زمانہ کو ہلاک کرنے سے) مراد اہلِ زمانہ کو ہلاک کرنا ہوگا۔

مَكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ جن کو زمین پر ہم نے اتنی قوت دی تھی یعنی ان کو جماؤ دیا تھا اور طاقت سامان اور تعداد عطا کی تھی

مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ کہ تم کو اتنی قوت نہیں دی۔ مالم نمکن میں ما یا مکنا کا مفعولِ دوم ہے کیونکہ مکنا کے اندر اعطینا کا معنی ہے یا مصدری ہے شیئاً کے معنی میں۔

حضرت ابن عباسؓ نے (اس طرح تفسیری مطلب) بیان کیا کہ ہم نے ان کی عمر میں اتنی ڈھیل دی کہ اتنی ڈھیل تمہاری عمروں میں نہیں دی جیسے قوم نوح قوم عاد قوم ثمود وغیرہ۔ آیت میں (لکم) خطاب ہے لیکن اس سے اوپر (قبلہم۔ یاتیہم۔ الم یروا وغیرہ) غائب کی ضمیریں ہیں اور یہ غیبوبت سے خطاب کی جانب انتقال ہے (جو مستحسن ہے) علماءِ بصرہ نے کہا اوپر اہلِ مکہ کے متعلق غائب کی ضمیر استعمال کی اور فرمایا الم یروا لیکن اہلِ مکہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھی بھی شامل تھے (جو حاضر تھے) اس لئے خطاب کی طرف انتقال کیا

وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں۔ السماء سے مراد ہے بارش۔ مدرار بروزنِ مفعال۔ مادہ دَرٌّ۔ درٌّ کا معنی دودھ۔ دودھ عرب کے لئے بہت بڑھیا چیز ہے اس لئے بڑے فائدے اور کثیر بھلائی کو در کہا جاتا ہے (گویا مدرار کا ترجمہ ہوا بہت مفید، ضرورت کے وقت بہت کار آمد) حضرت ابن عباسؓ نے اس کا ترجمہ کیا، پیہم مسلسل۔

وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں یعنی ان کے مکانوں کے نیچے ہم نے نہریں جاری کر دی تھیں اس لئے پھلدار درختوں اور بہتی نہروں کے اندر وہ بڑے مزے اور عیش سے رہتے تھے۔

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ پھر ان کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے ان کو تباہ کر دیا یعنی جب ہدایت کرنے کے لئے ان کے پاس انبیاء پہنچے اور انھوں نے انبیاء کو جھوٹا قرار دیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا اس وقت ان کی دنیوی طاقت اور خوش عیشی کچھ کام نہ آئی پس یہ کافر جب محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کا انکار کرتے ہیں تو دنیوی ساز و سامان ان کو تباہی سے کس طرح بچا سکتا ہے۔

وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ○ اور ان کے بعد ہم نے دوسری قومیں پیدا کیں (اور تباہ شدہ لوگوں کی جگہ ان کو قائم کیا) پس جس طرح گذشتہ زمانہ میں پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں کو تباہ کر کے دوسری قوموں کو انکا جانشین بنایا اسی طرح اے اہلِ مکہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم کو بھی ہم تباہ

کردیں گے (اور تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئیں گے)

کلبی اور مقاتل کا بیان ہے کہ نضر بن حارث عبداللہ بن ابی امیہ اور نوفل بن خویلد نے کہا محمد ہم ہرگز تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ کی طرف سے (ہماری نظروں کے سامنے) تم ایک کتاب نہ لاؤ جس کے ساتھ چار فرشتے ہوں اور وہ شہادت دیں کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے آئی ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ اور اگر کسی کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر ہم تم پر نازل کردیں جس کو اپنے ہاتھوں سے یہ لوگ چھو رہے ہوں۔

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ تب بھی کافر (محض ضد او عناد سے) کہیں گے کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے۔ اپنے ہاتھ سے چھونے کے بعد فریب دہی اور فریب خوردگی کی گنجائش نہیں رہتی کیونکہ جن چیزوں کو ہاتھ سے چھو لیا جائے ان کو جادو کی کارفرمائی نہیں کہہ سکتے اور اس کو نظربندی کہہ کر ساقط الاعتبار قرار دینا ممکن نہیں مگر کافر اس کو بھی جادو ہی کہیں گے اور ایمان نہیں لائیں گے اللہ کے علم ازلی میں پہلے سے موجود ہے کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۔ انھوں نے کہا کہ محمد پر فرشتہ نازل کیوں نہیں کیا گیا یعنی فرشتے کو کیوں نہیں اتار اگیا جو اس کی نبوت کی شہادت دے اور ہم کو بتائے کہ یہ پیغمبر ہے اس آیت کا مضمون وہی ہے جو آیت لولا انزل الیہ ملک فیکون معہ نذیرا کا ہے۔

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِىَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ○ اور اگر ہم اس کے ساتھ فرشتہ کو (شاہد بنا کر) اتار دیں تو کام ہی تمام کردیا جائیگا اس کے بعد ان کو مہلت نہیں دی جائیگی کام تمام کردینے سے مراد ہے درخواست نزول کرنے والوں کو تباہ کردینا کیونکہ ماضی میں اللہ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ طلب معجزات کرنیوالوں کو ظہور معجزات کے بعد ہلاک کردیا گیا مجاہد نے کہا کام تمام ہونے سے مراد ہے قیامت بپا ہوجانا ضحاک نے کہا اگر فرشتہ اصلی شکل میں ان کے سامنے آجاتا تو ہیبت کے مارے سب مرجاتے۔

لفظ ثم (تراخی کے لئے یہاں نہیں ہے بلکہ) فرق مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کام کا فیصلہ ہوجانا اور مہلت نہ پانا دونوں میں بڑا فرق ہے نفس عذاب سے عذاب کا ناگہاں آجانا زیادہ سخت ہوتا ہے

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا اور اگر ہم اس (شاہد) کو فرشتہ بناتے یا رسول کو فرشتہ بناتے یعنی اگر فرشتہ کو رسول کا ہمراہی (اور شاہد) بناتے یا یہ مطلب کہ کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے۔ کافروں کی درخواست دونوں طرح کی تھی کبھی تو وہ کہتے لولا انزل الیہ ملک فیکون معہ نذیرا اور کبھی کہتے لو شاء ربنا لانزل

ملائکہ (اس لئے آیت مذکورہ کا دونوں طرح ترجمہ اور مطلب صحیح ہے)

لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا تو ہم اس کو مرد بناتے یعنی مرد کی شکل دیکر بھیجتے۔ جیسے حضرت جبرئیل حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے سامنے آتے تھے بات یہ ہے کہ فرشتوں کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنا عام بشری قوت سے باہر ہے البتہ بعض مخصوص انبیاء نے قوت قدسیہ کا حامل ہونے کی وجہ سے ملائکہ کو اصلی صورت میں کبھی دیکھا تھا ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پیغمبر خالق و مخلوق کے درمیان ایک برزخی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس میں طرفین سے مناسبت ہوتی ہے خالق کے ساتھ ارتباط رکھنے کی وجہ سے وہ ان تمام فیوض کو قبول کرتا ہے جو عالم بالا سے جاری ہوتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ مناسبت رکھنے کی وجہ سے وہ باری تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ فیوض سے مخلوق کو سرفراز کرتا ہے اگر طرفین کے ساتھ مناسبت نہ ہو تو فیضان روحانی کو حاصل کرنا اور مخلوق کو اس سے بہرہ اندوز کرنا ممکن نہیں انبیاء ہوں یا ملائکہ دونوں کا باطنی لگاؤ خالق سے ہوتا ہے ان کا مبدأ تعین ذات باری کا کوئی خصوصی وصف ہوتا ہے باقی مخلوق کا مبدأ تعین کوئی صفت نہیں بلکہ صفت کا پرتو اور عکس ہوتا ہے[1] اس لئے ضروری ہے کہ رسول کو مخلوق سے کلی (نوعی اور مادی) مناسبت بھی ہو (پس اگر ملائکہ کو انسانوں کے پاس پیام پہنچانے کے لئے بھیجا جاتا تو کم سے کم ان رسولوں کا آدمی کی شکل پر ہونا ضروری تھا اور ایسی حالت میں ان کی شناخت ناممکن حتی معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ واقع میں وہ ملائکہ انسانی نسل کی پیداوار ہیں اور انسانوں سے نوعی اشتراک رکھتے ہیں یا ملائکہ بشکل بشری ہیں اور انسانوں کے بھیس میں آئے ہوئے ہیں)

پیغمبر فرشتوں کو انسانی شکل میں بھیجنا اس لئے بھی ضروری ہوتا کہ انسان ایمان بالغیب کا مکلف ہے اس ماموریت کا تقاضا ہے کہ فرشتوں کو (پیغمبر بنا کر بھیجنے کے باوجود) مشتبہ اور پردہ کے اندر رکھا جائے (تاکہ غیبی حقیقت غائب ہی رہے) اسی لئے آگے فرمایا ہے۔

---

[1] نبوت اور ملکیت کو ایک آئینہ کہا جا سکتا ہے جس کا رخ پورے مقابلہ کے ساتھ نہیں بلکہ کچھ ترچھے طور پر آفتاب الوہیت کی طرف ہوتا ہے اور بغیر کسی وساطت کے آفتاب الوہیت کی کوئی شعاع جلالی یا جمالی اس آئینہ پر پڑتی ہے مبدأ تعین ہونے کا یہی معنی ہے۔ پھر آئینہ کا رخ چونکہ ترچھا ہوتا ہے اس لئے آئینہ نبوت و رسالت پر پڑنے والی کوئی شعاع پلٹ کر اس جگہ چمکنے لگتی ہے جہاں براہ راست وہ شعاع کسی آڑ میں ہونے کی وجہ سے نہیں پہنچ سکتی گویا آفتاب الوہیت کی شعاع براہ راست آئینہ پر پڑتی ہے اور آئینہ کو روشن کر دیتی ہے پھر آئینہ سے الٹ کر دالان کرہ یا کسی اور مسقف جگہ پر پہونچتی ہے اور آئینہ نبوت پر پڑنے والی شعاع کے عکس سے وہ اندرونی جگہ بھی چمکنے لگتی ہے یہی معنی ہیں اس قول کے کہ باقی مخلوق کا مبدأ تعین صفت کا سایہ ہے۔

(مؤلف)

وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ ○ اور ہمارے اس فعل سے ان کے لئے وہی اشکال پیدا ہوتا جو اشکال اب کر رہے ہیں یعنی فرشتوں کی حالت کو ہم اشتباہ میں ہی رکھتے لوگوں کو معلوم بھی نہ ہوتا کہ یہ فرشتے ہیں بلکہ وہ یہی کہتے کہ یہ بھی دوسروں کی طرح انسان ہیں جس طرح اب انبیاء کے کھلے معجزات دیکھنے کے بعد بھی رسالت و نبوت میں اشتباہی کیفیت انھوں نے خود اپنے اوپر طاری کر رکھی ہے۔ کافر حضور اقدس (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے استہزاء کرتے تھے جس سے آپ کو دکھ پہونچتا تھا آئندہ آیت آپ کی تسلی کے لئے نازل ہوئی۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ اور آپ سے پہلے پیغمبروں سے بھی استہزاء کیا گیا ہے جس طرح آپ سے استہزاء کیا جاتا ہے اس لئے آپ اس کی پروا نہ کریں۔

فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ○ پھر اسی (عذاب) نے ان مذاق بنانے والوں کو گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ سو ان استہزاء کرنیوالوں کو بھی وہی عذاب گھیرے گا جس سے یہ استہزاء کرتے ہیں۔ ضحاک نے حاق کا ترجمہ کیا ہے گھیر لیا۔ قاموس میں بھی یہی ہے لیکن ربیع بن انس اور عطاء نے علی الترتیب اس کا ترجمہ کیا ہے نَزَلَ اور حَلَّ یعنی نازل ہوا اور اترا۔

مَا کانوا میں مَا موصولہ ہے یا مصدریہ۔ بہر حال اس سے پہلے لفظ عذاب یا وبال محذوف ہے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ (اے محمدؐ) آپ کہہ دیجئے کہ زمین کی سیر کرو۔ خواہ جسمانی سفر کے ذریعہ سے ہو یا عقل و دانش اور عبرت اندوز سوچ بچار کی سیر ہو۔

ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ○ پھر (پیغمبروں کو) جھوٹا قرار دینے والوں کے انجام کی کیفیت دیکھو۔ یعنی دیکھو کہ ان کا انجام کار کیا ہوا اور کفر و تکذیب کے نتیجہ میں انکی کیسی تباہی ہو گئی۔

ایک شبہ

دوسری آیت ہے قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین اور اس آیت میں ہے ثم انظروا فاء صرف تعقیب کے لئے آتی ہے (یعنی فاء کے بعد جو مضمون ہوتا ہے وہ فاء سے پہلے والے مضمون کے بعد بغیر کسی توقف کے واقع ہوتا ہے) اور ثمّ تراخی کے لئے آتا ہے (یعنی ثمّ کے بعد والا مضمون پہلے والے مضمون سے کچھ مدت اور وقفہ کے بعد واقع ہوتا ہے اب سوال یہ ہے کہ سیر ارض کے بعد فوراً انجام نظر کے سامنے آنا ضروری ہے یا کچھ مدت کے بعد دونوں مضمونوں میں مطابقت کس طرح ممکن ہے

ازالہ:۔ سیر کوئی لمحاتی اور آنی چیز نہیں بلکہ اس کے لئے ممتد وقت اور مسافت کی ضرورت ہے ابتداء سیر اور انتہاء سیر کے درمیان کافی وقت ہوتا ہے اہل تکذیب کا کچھ انجام بد تو ابتداء سیر کے بعد ہی

نظر کے سامنے آسکتا ہے اور ان کے ویران شہروں اور تباہ شدہ بستیوں کا پورا عبرت آفریں معائنہ انتہاءِ سیر کے بعد ہوتا ہے اول صورت کے لحاظ سے فاء کا استعمال کیا اور دوسری صورت کے لحاظ سے ثمّ کو ذکر کیا

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس آیت اور آیت سیروا فی الارض فانظروا میں فرق یہ ہے کہ فانظروا والی آیت میں تو سیر کا حکم صرف نظر کے لئے دیا گیا ہے اور اس آیت میں ایسا نہیں ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تجارت وغیرہ کے لئے سفر کرنا مباح ہے اور تباہ شدہ لوگوں کے آثار دیکھنا واجب ہے (یعنی تجارت وغیرہ کے لئے جاؤ تو لازم ہے کہ نافرمانوں کی ویران بستیاں اور ان کا انجام بد دیکھو) صاحب مدارک نے بھی یہی لکھا ہے بلکہ اتنا زائد لکھا ہے کہ اس آیت میں (سیر کا حکم بطور اباحت کے ہے اور ہلاک شدہ لوگوں کے آثار دیکھنے کا حکم وجوبی ہے اور دونوں حکموں کے درمیان) ثمّ کو کیا ہے کیونکہ اباحت و ایجاب میں کامل بعد ہے (اور ثمّ اس بعد پر دلالت کر رہا ہے)

میں کہتا ہوں ان دونوں بزرگوں کے قول کا سنگِ بنیاد یہ ہے کہ فاء کو سببیہ مانا گیا ہے اور سببیت کا تقاضا یہ ہے کہ سیر واقع میں نظر کا سبب ہو (یعنی سیر کے بعد نظر حاصل ہوتی ہی ہے) خواہ نظر مقصود اصلی ہو یا نہ ہو اب دونوں آیتوں کا مقصد یہ نکلا کہ دونوں چیزیں مطلوب ہیں مطلق سیر اور تباہ شدہ لوگوں کے انجام کا معائنہ مگر اس آیت میں چونکہ ثمّ ہے اس لئے سیر کا سبب نظر ہونا معلوم نہیں ہوتا اور دوسری آیت میں فاء ہے اس لئے سیر کا سببِ نظر ہونا ضروری ہے اور دونوں آیتوں کا سیاق چاہتا ہے کہ امر کا اصل مقصد تو نظرِ انجام ہے اور سیر چونکہ نظر کا ذریعہ ہے اس لئے اس کا بھی حکم دے دیا گیا ہے اور چونکہ بالذات مقصود اور وسیلہ مطلوب میں بہت زیادہ بعد ہے (مقصد اور ذریعۂ مقصد دو الگ الگ چیزیں ہیں) اس لئے لفظ ثمّ استعمال کیا گیا اب دونوں آیتوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے اس امر کی ضرورت نہیں رہتی کہ فانظروا والی آیت میں آغازِ سیر اور ثمّ انظروا والی آیت میں انتہاءِ سیر مراد لی جائے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ پوچھئے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ کس کا (بنایا ہوا اور قائم کیا ہوا) ہے مَا کا لفظ عام ہے اصحابِ عقل (جن و انس و ملائک) اور بے عقل (باقی ساری کائنات) سب کو شامل ہے۔

قُلْ لِّلّٰهِ ؕ (چونکہ اس کا جواب اختلافی نہیں ہو سکتا اور کوئی یہ جواب نہیں دے سکتا کہ یہ کائنات اللہ کے سوا کسی اور کی ہے اس لئے) آپ ہی کہہ دیجئے کہ سب کچھ اللہ کا ہے۔

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ اس نے اپنے اوپر رحمت کا ذمہ لے رکھا ہے یعنی اس نے رحمت کرنے کا ذمہ لے رکھا اور محکم ترین وعدہ کر لیا ہے جس کی خلاف ورزی ناممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا فیصلہ کر لیا تو ایک تحریر لکھ کر اپنے پاس عرش کے اوپر رکھ چھوڑی جس میں لکھا ہے یقیناً میری رحمت میرے غضب پر غالب ہوگی۔ دوسری روایت میں ہے کہ میری رحمت میرے غضب سے آگے بڑھ گئی۔ رواہ البغوی من حدیث ابی ہریرہؓ

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے ایک اس نے نیچے اتار کر جن و بشر اور چوپایوں اور کیڑوں مکوڑوں کو تقسیم کی ہے اسی کی وجہ سے وہ باہم محبت و رحمت کرتے ہیں وحشی جانور اسی کے سبب اپنے بچوں سے پیار کرتے ہیں۔ ننانوے رحمتیں اس نے اپنے لئے رکھ چھوڑی ہیں جن سے قیامت کے دن اپنے بندوں کو سرفراز فرمائیگا۔ رواہ مسلم

میں کہتا ہوں غالباً سو کی تعیین عددی نہیں بلکہ بطور تمثیل اظہار کثرت مراد ہے کیونکہ بندوں کے پاس جو کچھ ہے (رحمت ہو یا کچھ اور سب) فنا ہونے والا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ لازوال ہے ممکنات کی تمام صفات محدود ہیں اور اللہ کی صفات لامتناہی۔ رحمت کا جو حصہ اللہ نے اتارا اور بندوں کے دلوں میں ڈالا ہے وہ اللہ کی رحمت کا ایک ادنیٰ پرتو ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی حاضر کئے گئے ان میں ایک عورت بھی تھی جس کے پستان دودھ سے بھرے ہوئے تھے جب قیدیوں میں ایک بچہ پر اس کی نظر پڑی تو دوڑ کر عورت نے بچہ کو پکڑ کر سینہ سے چمٹا لیا اور اس کو دودھ پلایا۔ حضورؐ نے فرمایا دیکھو کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں پھینک سکتی ہے ہم نے عرض کیا نہیں وہ ایسا کر ہی نہیں سکتی۔ فرمایا جس قدر یہ عورت اپنے بچہ پر مہربان ہے اس سے زیادہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

اللہ کی دنیوی رحمت دنیوی نعمتوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے (جیسے جسمانی صحت و حسن، مال و دولت کی کثرت اولاد کی فراوانی عیش و راحت، حکومت و عزت۔ اس میں مسلم و کافر سب شریک ہیں) اور رحمت اخروی سے نعمت آخرت وابستہ ہے جیسے پیغمبروں کی بعثت آسمانی کتابوں کا نزول (باطنی و ظاہری نفسی و آفاقی) دلائل توحید کا قیام اور موت اور مرنے کے بعد دوبارہ زندگی جس کے نتیجہ میں جنت اور اللہ کا دیدار حاصل ہوگا یہ سب آخرت سے تعلق رکھنے والی رحمت ہے (جو مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے) اور یہی اصل مقصود ہے احادیث مندرجہ بالا اسی پر دلالت کر رہی ہیں اور آئندہ آیت بھی یہی بتا رہی ہے۔

لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ط اللہ تم کو (یعنی تمہارے اجزاء کو) قیامت کے دن ضرور جمع کر کے اٹھائے گا۔ اس جگہ الیٰ بمعنی فی ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ اللہ قبروں کے اندر تم سب کو قیامت تک جمع رکھیگا (یہ تو آیت کا اصل مطلب ہے

جو صراحۃً معلوم ہو رہا ہے لیکن) اس سے ذیلی طور پر یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تم کو اٹھائیگا اور تم قبروں سے الگ الگ نکالے جاؤ گے تاکہ اپنی اپنی زندگی کا کیا دھرا دیکھ سکو (اور پھر اسکا بدلہ تمکو دیا جائے)

اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اصل مقصد آخرت کی رحمت ہے۔ چونکہ کافر بڑی قوت کے ساتھ پر زور طور پر دوسری زندگی اور قیامت کے دن اٹھائے جانے کے منکر تھے اس لئے سب سے پہلے تکذیب کرنیوالوں کے انجام بد کا معائنہ کرنے کا حکم دیا پھر ہمہ گیر قدرت کا اظہار لمن مافی السموات والارض کہہ کر فرمایا پھر کتب علی نفسہ الرحمۃ سے دوبارہ جی اٹھنے کی حکمت بیان فرمائی پھر لیجمعنکم میں لام تاکید کے ساتھ بعث و حشر کی صراحت کی پھر آئندہ آیت میں وجود قیامت کو ناقابلِ شک قرار دیا اور فرمایا

لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اس میں کوئی شک نہیں۔ یعنی جسم کے منتشر اجزاء کا دوبارہ جمع کیا جانا یا روزِ قیامت کا آنا ناقابلِ شک ہے۔

اور چونکہ الرحمۃ کا لفظ عام تھا جس سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید اللہ کی اخروی نعمت سے کفار بھی بہرہ مند ہو سکیں گے اور یہ شبہ تھا غلط اس لئے آئندہ آیت میں کافروں کی آخرت میں محرومی ظاہر کی اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ محرومی خود کافروں کی آوردہ ہوگی اور فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کر دیا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

یعنی خرک کر چکا ہے جنوں نے اپنے کو ضائع کر دیا وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ انھوں نے اصل پونجی ہی کھو دی فطرتِ سلیم اور صحیح دانش ضائع کر دی اور اللہ کی رحمت کا جو حصہ ان کو مل رہا تھا اس کو فوت کر دیا اور اس کے عوض عذاب خرید لیا۔

فھم لا یومنون کی فا و بتا رہی ہے کہ اللہ کے علم میں جو کافروں کا خسران ہے (یعنی اللہ پہلے سے جانتا ہے کہ یہ لوگ خاسر رہیں گے) وہی ان کے ایمان نہ لانے کا سبب ہے۔

الذین خسروا سے پہلے واؤ عاطفہ کا ذکر ہونا چاہئے تھا تاکہ لا ریب فیہ پر عطف ہو جاتا مگر لاریب فیہ کہنے کے بعد ایک سوال کیا جا سکتا تھا کہ روزِ قیامت ناقابلِ شک ہے تو کافروں کو اس میں شک کیوں ہے اس کا جواب دینے کے لئے فرمایا کہ درحقیقت ان کا خسران عدم ایمان کا سبب ہے (چونکہ انکو خاسر رہنا ضروری ہے اس لئے روزِ قیامت پر ان کا ایمان نہیں) یہ بھی ممکن ہے کہ الذین کو فعل ذم محذوف کا مفعول قرار دیا جائے (اور یہ جملہ فعلیہ ہو جائے)

حضرت ابو امامہؓ کی روایت کردہ حدیث بھی اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ اللہ کی رحمت عام ہے

اور کافروں کی محرومی کا سبب ان کا خسران ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے ہر ایک جنت میں جائیگا۔ سوائے اس شخص کے جو اللہ سے ایسا بھاگے جیسے وحشی اونٹ اپنے گھر والوں سے بھاگتا ہے۔ (رواہ الطبرانی والحاکم بسند صحیح)

وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ط اور اسی کا ہے وہ سب کچھ جو رات اور دن (کے دور) میں رہتا ہے۔ سَکَنَ سکنیٰ سے مشتق ہے اس کے بعد ظرف مکان آتا ہے جس سے پہلے فی ہوتا ہے (جیسے فی البیت فی المسجد وغیرہ) لیکن اس جگہ زمان (اللیل والنہار) کا ذکر بطور اتساع کیا (گویا زمان کو مکان کا قائم مقام قرار دیا اور یہ ظاہر کیا کہ مکان کی طرح زمان بھی قابل سکونت چیز ہے) دوسری آیت میں سکنتم فی مساکن الذین ظلموا انفسہم آیا ہے (اور فی کے بعد مکان کا ذکر ہے) یہاں مَا سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن پر روز و شب کا دور ہوتا ہے۔ یا لفظ سکن سکون سے ماخوذ ہے مراد یہ ہے کہ اللہ ہی کا ہے جو دن رات کے چکر میں ساکن رہتا یا حرکت کرتا ہے متحرک کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ متحرک کی ضد یعنی ساکن کا ذکر کر دیا (ایک ضد کے ذکر پر اکتفا کر لیا جاتا ہے مگر مراد دونوں ہوتے ہیں) جیسے سرابیل تقیکم الحر یعنی کرتے جو تمکو گرمی سردی سے محفوظ رکھتے ہیں۔

وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ اور وہی سننے والا ہے (مشرکوں کے اقوال کو) اور جاننے والا ہے (انکے احوال کو) اس آیت میں مشرکوں کو وعید ہے (کہ تمہارا کوئی قول و فعل ہم سے مخفی نہیں ہم ضرور سزا دینگے)

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا آپ کہہ دیں کہ اللہ کے علاوہ کیا کسی دوسرے کو میں مددگار معبود قرار دوں۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز بنانے کا انکار ہے محض ولی بنانے کا انکار نہیں ہے اسی لئے ہمزہ کے بعد اتخذ سے پہلے مفعول کو ذکر کیا ہے۔

فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ اللہ تو ایسا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا خالق و موجد ہے فاطر کی اضافت معنویہ ہے (یعنی آسمان و زمین فاطر کا مفعول ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔

وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ط اور وہی کھانے کو دیتا ہے اس کو کوئی کھانا نہیں دیتا طعام سے مراد ہے رزق (کھانا کپڑا اور تمام چیزیں) کھانے کا ضرورتمند انسان زیادہ ہوتا ہے اس لئے طعام کا ذکر کیا۔ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلعم کو باپ دادا کا دین اختیار کرنے کی ترغیب دی تو آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ آپ کہہ دیں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے اسلام قبول کروں۔ رسول اللہ صلعم تمام امت سے پہلے اسلام پر مامور ہوئے تھے۔

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ، تم مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا

رقیل محذوف ہے اور لنکونن اس کا مقولہ ہے۔ یا اس کا عطف قل پر ہے ہم نے اول شق کے مطابق ترجمہ کیا ہے)

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ آپ کہدیجئے مجھے بڑے دن یعنی روز قیامت کے عذاب کا خوف ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں گا۔ یعنی اسکے سوا کسی اور کی عبادت کرونگا تو قیامت کے دن وہ مجھے عذاب دیگا۔

پُرزور طرزِ کلام کے ساتھ کافروں کے خیال کا استیصال کردیا اور در پردہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کردیا کہ کفر و نافرمانی کی وجہ سے تم لوگ عذاب کے مستحق ہو تم کو ضرور عذاب ہوگا۔ عَذَابَ یَوْمٍ اَخَافُ کا مفعول ہے اور اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ کی جزاء نہیں ہے بلکہ جزاء محذوف ہے یعنی اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَّبَنِیْ چونکہ جملہ جزاء محذوف پر دلالت کر رہا ہے اسلئے اسکے ذکر کی ضرورت نہیں۔

مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ جس شخص سے اس روز عذاب ہٹا دیا جائیگا تو یہ اس پر اللہ کی رحمت ہی ہوگی کہ محض اپنی مہربانی سے اس کو عذاب سے بچالیگا، ورنہ عذاب سے محفوظ رہنے والے کا اللہ پر کوئی واجب الاداء حق نہیں ہوگا۔ یَوْمَئِذٍ فتح پر مبنی ہے۔ عاصم اور یعقوب کی قرأت میں یَصْرِفْ ہے اس کا فاعل اللہ ہے اور عذاب مفعول محذوف ہے۔ مشہور قرأت یُصْرَفْ ہے جس کا فاعل عذاب ہے۔

وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ۝ اور یہی کھلی کامیابی ہے۔ قاموس میں ہے کہ فوز کا معنی ہے نجات کامیابی۔ ہلاکت۔ ہلاکت تو بہر حال مراد نہیں ہے سیاقِ کلام کے خلاف ہے اور نجات بھی مراد نہیں ہے کیونکہ عذاب کا ہٹنا خود ہی نجات ہے (تو یہ معنی ہو جائیگا کہ نجات نجات ہے اور یہ مطلب غیر مفید ہے) لامحالہ کامیابی مراد ہے اس تقریر سے واضح ہو رہا ہے کہ عذاب دور ہونے کے لئے جنت میں داخل ہونا لازم ہے (درمیان میں کوئی اور درجہ نہیں کہ عذاب بھی دور کر دیا جائے اور پھر جنت میں بھی داخلہ نہ ہو) اس سے معتزلہ کے قول کی غلطی ظاہر ہو رہی ہے جو عذاب اور جنت کے درمیان تیسرے درجہ کے قائل ہیں۔

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ اور اگر تجھ کو اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ضُرٌّ بمعنی شدت جیسے مفلسی، بیماری، عذاب فلا کاشف سے یہ مراد ہے کہ اس کو دور کرنے پر کوئی قادر نہ ہوگا (یعنی اللہ کی بھیجی ہوئی تکلیف کو سوائے اسکے کوئی دوسرا دور نہیں کر سکتا) ورنہ خدا کی کمزوری لازم آئے گی اور کمزوری الوہیت اور واجب الوجود ہونے کے منافی ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اور اگر تجھ کو اللہ کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ خیر۔ بھلائی خواہ عافیت ہو صحت ہو دولت ہو یا کچھ اور یعنی اللہ کے قابو میں سب کچھ ہے پس خیر کو قائم و باقی رکھنا اور زائل و دور کرنا بھی اسی کی قدرت میں ہے کوئی اور خدا کی عطا کی ہوئی خیر کو زائل نہیں کر سکتا۔

بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کسریٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خچر بطور ہدیہ بھیجا تھا آپ بالوں کی رسی کی لگام دیکر اس پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بیٹھا لیا پھر مجھے لے کر روانہ ہو گئے کچھ دیر چلنے کے بعد میری طرف کو رخ موڑ کر فرمایا لڑکے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضر ہوں فرمایا اللہ (کے احکام) کی نگہداشت کر اللہ تیری حفاظت رکھے گا اللہ (کے اوامر و نواہی) کی نگہداشت کر تو اس کو اپنے سامنے پائیگا تو عیش و آرام کے وقت اللہ کو پہچان دکھ اور سختی کے وقت خدا تجھ سے انجان نہ ہوگا کچھ مانگے تو اللہ سے مانگ اگر مدد طلب کرے تو اللہ سے طلب کر جو کچھ ہونے والا ہے قلم اس پر چل چکا ہے فیصلۂ خداوندی کے خلاف اگر ساری مخلوق تجھے فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے تو فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور اللہ کی تحریر کے خلاف اگر تجھے ضرر پہنچانا چاہے گی تو ضرر نہیں پہنچا سکیگی۔ اگر تجھ سے ہو سکے تو یقین کے ساتھ (مصائب پر) صابر رہ کر عمل کر اگر عمل نہ کر سکتا ہو تو صبر کر ناگوار امور پر صبر رکھنے میں بڑی بہتری ہے۔ یہ بھی جان رکھ کہ صبر کے ساتھ مدد ہوتی ہے اور سختی کے ساتھ کشائش اور دشواری کے ساتھ آسانی۔ احمد اور ترمذی نے یہ حدیث نقل کی ہے ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے لیکن ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ اگر تجھ سے ہو سکے تو یقین کے ساتھ صابر رہ کر عمل کر الخ (یعنی ترمذی کی روایت مختصر ہے)

وَهُوَ الْقَاهِرُ اور وہی غالب ہے۔ قہر اس غلبہ کو کہتے ہیں جس میں مغلوب کا عاجز ہونا بھی بجھ میں آتا ہو اور قدرت کا معنی ہے قادر کے ارادہ کے خلاف ارادہ کرنیوالے کو اس کے مقصد سے روک دینا۔ قدرت کے مفہوم سے قہر کے معنی میں کچھ بیشی ہے (کیونکہ قدرت کے مفہوم سے مقدور کا عجز ظاہر نہیں ہوتا اور قہر کے مفہوم میں مقہور کا عجز لازم ہے)

فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وہی اپنے بندوں سے بالا ہے۔ یہ دوسری خبر ہے (اول خبر القاہر ہے) لفظ فوق سے قاہر اور برتر ہونے کی تصویر کشی ہو رہی ہے۔

وَهُوَ الْحَكِيْمُ اور وہی حکمت والا ہے۔ اپنے حکم کی حکمت سے واقف ہے

الْخَبِيْرُ ۝ (ہر چیز سے) باخبر ہے کوئی شے اس سے مخفی نہیں۔

کلبی نے بیان کیا ہے کہ کچھ مکہ والے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، کیا کوئی شخص ایسا ہے جو تمہارے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہو ہمیں تو کوئی ایسا آدمی ملا نہیں جو تمہاری تصدیق کرتا ہو۔ ہم نے یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی تمہارے متعلق دریافت کیا سب نے جواب دیا کہ ان کے ہاں تمہارا کوئی ذکر نہیں ہے (یعنی ان کی کتابوں میں تمہارا کوئی تذکرہ نہیں آیا) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ آپ کہئے کہ سب سے بڑھ کر چیز گواہی دینے کے لیے کون ہے۔ ہر موجود کو شَیْءٌ کہتے ہیں پوری تشریح سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے۔ یہاں شَیْءٌ سے مراد ہے شاہد (گواہ) اکبر سے مراد ہے عظمت والا۔ مطلب یہ کہ اللہ کی شہادت سے بڑی کس شاہد کی شہادت ہے۔ اب اگر وہ جواب دیں تو خیر ورنہ

قُلِ اللّٰهُ آپ خود ہی کہہ دیں کہ سب سے بڑا شاہد اللہ ہے۔ اللہ مبتدا ہے اور قرینہ کی وجہ سے خبر کو حذف کر دیا گیا ہے۔

شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ قف وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے شَهِیْدٌ خبر ہے هُوَ مبتدا محذوف ہے۔ یا اللہ مبتدا ہے اور شہید خبر اور پورا جملہ قل کا مفعول کیونکہ اللہ جب گواہ ہے تو یہی سب سے بڑا شاہد ہوگا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ شَیْءٌ سے مراد مشہود ہو یعنی جس چیز کی گواہی دی جائے اور شہادت سے مراد ہو گواہی دیا جانا (یعنی مشہودیت۔ مصدر بمعنی للمجہول) آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ میری رسالت یا عدم رسالت سے بڑھ کر کس مسئلہ کی گواہی ہو سکتی ہے اور میری رسالت کا شاہد اللہ ہے اور جس چیز کا گواہ اللہ ہو اس سے بڑھ کر مشہود کون ہو سکتا ہے پس میری رسالت سب سے بڑھ کر مشہود ہے اس تفسیر پر کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ اللہ کی شہادت وہ معجزات ہیں جو رسول اللہ کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے اللہ نے عطا فرمائے، اور چونکہ تمام معجزات سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے اس لئے فرمایا

وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اور قرآن خود معجزہ ہے جو اللہ کی گزشتہ کتابوں کے مطابق مبدء اور معاد کے احوال بیان کرتا ہے۔

لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ تاکہ اس کے ذریعہ سے میں تم کو اور ان تمام لوگوں کو جن کو قرآن پہنچ جائے ڈراؤں۔ یعنی اگر تم ایمان نہ لاؤ تو اس قرآن کے ذریعہ سے اللہ کے عذاب سے ڈراؤں۔ کُم کا خطاب اہل مکہ کو ہے اور من بلغ کا عطف کم پر ہے اور اس سے مراد وہ سب جن و انس ہیں جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے یا آئندہ قیامت تک آنے والے ہیں (پیغمبر کا فرض ہے فرماں برداروں کو خوشخبری دینا

اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرانا لیکن) یہاں صرف ڈرانے کا ذکر کیا (بشارت کا ذکر نہیں کیا) کیونکہ حال و مقال کا قرینہ بشارت پر دلالت نہیں کر رہا ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ انذار کی اہمیت (تبلیغ کے موقع پر) زیادہ ہے (اگر انذار مفید نہ ہوگا تو بشارت بدرجۂ اولیٰ غیر مفید ہوگی کیونکہ) حصولِ منفعت سے دفعِ مضرت کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری جانب سے دلوگوں تک) پہنچادو خواہ ایک ہی آیت ہو۔ اور بنی اسرائیل کے (بیان کردہ اقوال) بیان کردیا کرو اس میں کوئی (تم پر) تنگی نہیں (بشرطیکہ احادیث کے خلاف نہ ہوں) اور جس نے قصداً مجھ پر دروغ بندی کی اسکو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالینا چاہئے۔ متفق علیہ۔

اس حدیث میں بنی اسرائیل سے مراد وہ بنی اسرائیل ہیں جو سچے دل سے مسلمان ہوگئے تھے ورنہ جھوٹے کافروں کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں حضرت سمرہ بن جندبؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری جانب سے کوئی حدیث یہ جانتے ہوئے بیان کی کہ وہ جھوٹ ہے (میرا کلام نہیں ہے) تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ہے (رواہ مسلم)

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ اس بندے کو سرسبز کرے جو میری بات سن کر یاد رکھے اور سمجھے اور پھر (دوسروں تک) پہنچادے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کسی سمجھ کی بات ایسے لوگوں تک پہنچادیتے ہیں جو پہنچانے والے سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں۔ تین باتوں میں مسلمان کا دل کھوٹ دیا بخل انہیں کرتا۔ خلوص کے ساتھ اللہ کے لئے عمل کرنا مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا اور اہل اسلام کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا کوئی شبہ نہیں کہ ان کی دعوت پیچھے والوں کو محیط ہوگی۔ رواہ الشافعی والبیہقی فی المدخل۔ احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے یہ حدیث حضرت زید بن ثابت کی روایت سے بیان کی ہے مگر ترمذی اور ابوداؤد کی روایت میں تین باتوں کا ذکر نہیں ہے۔ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے جس کو قرآن پہنچ گیا۔ اس نے گویا رسول اللہ کی زیارت کرلی اور آپ سے قرآن سن لیا۔

أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ ۚ (اے اہل مکہ) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہیں (جو اللہ کے ساتھ اسکے خصوصی صفات میں شریک ہیں یہ استفہام اظہارِ تعجب اور تقریر مع الانکار کے لئے ہے یعنی تعجب ہے اور بعید از عقل ہے کہ تم شرک کے قائل ہو باوجودیکہ تمام عقلی و نقلی دلائل توحید کو ثابت کر رہے ہیں۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ اہل مکہ نے توحید پر شہادت طلب کی تھی اس صورت میں آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ اللہ توحید کا شاہد ہے اور

توحید کی شہادت یہ ہے کہ اس نے دلائل قائم کیں اور قرآن نازل فرمایا جو سراسر معجزہ ہے اور اللہ کی یہ شہادت سب سے بڑی شہادت ہے اب تعجب ہے کہ تم شرک کے قائل ہو۔ میں کہتا ہوں شاید انھوں نے توحید و رسالت دونوں کی شہادت طلب کی ہو مگر کلبی نے شانِ نزول کے بیان میں صرف شہادتِ رسالت کی طلب کا تذکرہ کیا کیونکہ شہادت رسالت کیلئے شہادت توحید لازم ہے اور شہادت توحید کیلئے شہادت رسالت لازم نہیں :

قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ج آپ کہدیجئے کہ جس بات کے تم قائل ہو میں اس کی شہادت نہیں دیتا

قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ آپ کہدیجئے کہ اللہ ہی معبود یکتا ہے۔ یعنی معبودیت، وجوبِ وجود۔ خلاقیت۔ رزاقیت اور تمام صفات کمالیہ میں اکیلا ہے اس کی کسی خصوصیت میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ ہر طرح کی (جسمانی یا حقیقی) ترکیب و تعدد جسمانیت مکان اور ترکیب و تعدد کے دوسرے لوازم سے پاک ہے۔ ہماری اس تشریح کے بعد یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ الٰہ واحد کا اللہ کے لئے ثبوت افادیت سے خالی ہے اللہ تو خود ہی جزئی حقیقی ہے اور جزئی حقیقی میں کثرت کا احتمال ہوتا ہی نہیں ہے پھر اس کو الٰہٌ واحدٌ کہنے سے کیا فائدہ۔ اس شبہ کا ازالہ ہماری تشریح سے ہو گیا کہ الٰہٌ یعنی معبود ہے (اور احتمال ہو سکتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی معبود ہو اس لئے واحد کہہ کر اس احتمال کو دور کر دیا بس اللہ جزئی حقیقی ہے اس کی ذات و شخصیت میں کوئی اس کا شریک نہیں نہ اس کے خصوصی اوصاف میں کسی کی شرکت ہے)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ (اِنَّمَا کلمۂ حصر نہ ہو بلکہ اس) میں مَا موصولہ ہو اور ھُوَ ضمیر اسی موصول کی طرف راجع ہو اور ھُوَ اِلٰہٌ پورا جملہ صلہ ہو اور واحدٌ مَا موصولہ کی خبر ہو مطلب اس طرح ہو گا کہ وہ جو معبود ہے وہ واحد ہے کیونکہ وہ واجب الوجود اور حامل صفات کمالیہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ خلاصہ یہ کہ جس شرک کے تم قائل ہو میں اس کا قائل نہیں بلکہ میں توحید کی شہادت دیتا ہوں

وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اور میں تمہارے شرک سے قطعاً بیزار ہوں (مِمَّا میں اگر مَا موصولہ ہو تو) مَا سے مراد ہوں گے بت یعنی جن بتوں کو استحقاقِ معبودیت میں تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو۔ میں ان سے بیزار ہوں یا (اگر مَا کو مصدریہ قرار دیا جائے تو) مَا تشرکون سے مراد ہو گا شرک یعنی میں تمہارے شرک کرنے سے بیزار ہوں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے یعنی توریت وانجیل۔

يَعْرِفُوْنَهٗ وہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پہچانتے ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ رسول کا جو حلیہ اور اوصاف و اخلاق ان کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں وہ بعینہٖ محمد کے ہیں۔

كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ جس طرح (دوسرے بچوں میں سے) اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔
اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ جن لوگوں نے رسول اللہ کے صفات مندرجہ توریت وانجیل چھپانے کی وجہ سے اپنے کو ضائع کرلیا ہے (یعنی اللہ نے اپنے علم قدیم میں انکی نامرادی کا اندازہ کرلیا ہے) وہ ایمان نہیں لائیںگے۔ یعنی دلوں سے یقین کرنے کے باوجود محض عناد ظلم اور غرور و انانیت کی وجہ سے محمدؐ کی نبوت کو نہیں مانیں گے۔

مکہ والوں نے کہا تھا کہ تمہاری نبوت کا کون شاہد ہے ہم نے تو یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی پوچھا تھا انھوں نے جواب دیا کہ تمہارا ذکر ان کی کتابوں میں نہیں ہے اس قول کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے محمدؐ کی رسالت کی تکذیب کی۔ انھوں نے اپنے کو ضائع کردیا کہ بصورت ایمان جو مقامات و مراتب ان کے لئے جنت کے اندر مقرر تھے ان کو کھودیا اور دوزخ کے ٹھکانوں کو پسند کرلیا۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے دو مقام ہیں ایک جنت میں ایک دوزخ میں۔ پس جو شخص مرکر دوزخ میں چلا جاتا ہے اس کے جنت والے مکان کے وارث اہل جنت ہوجاتے ہیں یہی مطلب ہے آیت اولٰئک ہم الوارثون کا۔ بغوی نے لکھا ہے قیامت کا دن ہوگا تو اللہ مومنوں کو دوزخیوں کے جنت والے مکان اور دوزخیوں کو مومنوں کے دوزخ والے مکان دیدیگا۔ اور یہی نامرادی ہے میں کہتا ہوں رفتار کلام اس طرح ہونی چاہیے تھی کہ جو لوگ ایمان نہیں لائیں گے وہ اپنے کو ضائع کریںگے مگر کلام میں قوت پیدا کرنے کے لئے طرز بیان کو الٹ دیا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اور جس نے اللہ پر دروغبافی کی اس سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا۔ یعنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور باوجودیکہ اس کے پاس اللہ نے وحی نہیں بھیجی مگر وہ وحی کا مدعی بن بیٹھا۔

اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ یا اللہ کی آیات کی اس نے تکذیب کی۔ یعنی قرآن میں اللہ نے جو آیات نازل فرمائی ہیں اور معجزات جو توحید پر دلالت کرتے ہیں اور رسول کی صداقت ان سے ثابت ہوتی ہے ان کو نہیں مانا استفہام انکاری ہے یعنی ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی نا انصاف نہیں (ظالم کا ترجمہ بیجا حرکت کرنیوالا بھی ہے اس لئے اظلم کا ترجمہ سب سے بڑا بیجا حرکت کرنے والا بھی ہوسکتا ہے۔ مترجم)

اس تشریح کی بنا پر آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھوٹ سے پاک ہونے اور کافروں کے ظالم ترین ہونے پر تنبیہ ہوگی)

لیکن آیت کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کافروں سے بڑھ کر کون بے انصاف ہوگا جو اللہ

پر دروغ بندی کرتے ہیں اور اللہ کی شان میں ایسی باتیں کہتے ہیں جو اس کے لئے نازیبا ہیں کوئی اس کا ساجھی قرار دیتا ہے اور کوئی اس کو باپ کہتا ہے اور کوئی پتھروں کو بارگاہِ خداوندی میں اپنا سفارشی قرار دیتا ہے یا اللہ کی آیات کو جھوٹ جانتا ہے۔ اس صورت میں بجائے اَوْ کے واوٗ عاطفہ ہونا چاہئے تھا کیونکہ مکہ والے ان تمام افکار و اقوالِ شنیعہ کا مجموعہ تھے لیکن اَوْ لانے سے اس امر پر تنبیہ ہو جائیگی کہ ان دونوں اقوال میں سے ہر ایک کامل طور پر اظلم بنانے کے لئے کافی ہے پھر ان کے اندر تو دونوں چیزیں ہیں افترا بندی بھی اور تکذیبِ آیات بھی اس لئے ان کا اظلم ہونا تو بدرجۂ اولیٰ یقینی ہے۔

اَوْ ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ افترا بندی اور تکذیبِ آیات دو جرم ایسے ہیں جو باہم ضد ہیں اور دونوں کو یکجا جمع نہ ہونا چاہئے مگر ان کافروں کی حماقت اس درجہ تک پہنچ چکی ہے کہ دونوں متضاد حماقتیں ان کے اندر موجود ہیں۔

اللہ پر افترا بندی اور اس امر کا دعویٰ کرنا کہ اللہ نے فلاں کام کو حلال اور فلاں کام کو حرام بنایا ہے اور اس کی بیوی بھی ہے اور اولاد بھی اور وہ بتوں کی شفاعت قبول کرے گا۔ اس قسم کی خرافات کا تقاضا ہے کہ وہ رسالت کے قائل ہیں اور ان باتوں کو رسالت کے ذریعہ سے آیا ہوا مانتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ وہ آیات و معجزات کی تکذیب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آدمی کو کس طرح پیغمبر بنایا جا سکتا ہے پیغمبر تو فرشتہ ہونا چاہئے اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ کسی انسان کی رسالت کے قائل نہیں۔ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف ہیں مگر احمق کافر دونوں کے قائل ہیں۔

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ ظالم قطعاً فلاح یاب نہیں ہونگے۔ اور جو سب سے بڑا ظالم ہو اس کا تو ٹھکانا ہی کیا۔ اِنَّهٗ میں ضمیر شان ہے [1]

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا اور جس روز ہم ان سب کو جمع کرینگے۔ یعنی کافروں کو اور ان کے معبودوں کو (بتوں وغیرہ کو)۔ یوم مفعول فیہ ہے اس کا فعل محذوف ہے یعنی یاد کرو اس دن کو جب ایسا ایسا ہوگا۔

یا یوں کہا جائے کہ کوئی معین فعل ذکر نہ کرنیکی وجہ یہ ہے کہ روزِ قیامت کے تمام خطرات اور شدائد و مصائب کی طرف ذہن کا انتقال ہو جائے (اور ہر قسم کی ہیبت ناکیاں نظر کے سامنے آجائیں اگر کوئی معین فعل ذکر کیا جاتا تو صرف اسی فعل کا تصور ہوتا اور دوسرے شدائد کی طرف ذہن کا انتقال نہ ہوتا) گویا یوں فرمایا کہ جس روز ہم سب کو جمع کرینگے اس روز سب پر ایسی دہشت طاری ہو جائیگی کہ ناقابلِ بیان ہے الفاظ کی حدود کے اندر نہیں آسکتی سورج قریب آجائے گا پسینہ کی لگام لگ جائیگی

---

[1] شعر:۔ وائے بر قومے کہ بُت را سجدہ بے حجت کنند بار سل گویند اِئْتُوْنَا بسلطانٍ مبین۔

یعنی منہ تک لوگ پسینہ میں غرق ہو نگے پسینہ بہ کر ستر ہاتھ زمین میں گھس جائیگا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ صحیح احادیث میں آیا ہے۔

ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا پھر (سرزنش کرنے کے لئے) ہم مشرکوں سے کہینگے۔ نقول کا عطف نحشر پر ہے۔ ثم کا لفظ بتا رہا ہے کہ حشر کے بعد مدت تک لوگ سوال کے منتظر رہیں گے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم کو اللہ پچاس ہزار برس تک جمع کر رکھیگا جیسے تیردان کے اندر تیر اکٹھے کئے جاتے ہیں (اس مدت میں) تمہاری طرف نظر بھی نہیں کریگا۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور بیہقی نے بھی حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا قیامت کے دن تاریکی میں ہزار برس تک تم کو روک رکھا جائیگا کہ بات بھی نہ کر سکوگے۔ رواہ البیہقی عن ابن عمرؓ۔

أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ○ تمہارے وہ شرکا جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے کہاں گئے۔ شرکا، سے مراد ہیں وہ معبود جن کو مشرک اللہ کے ساتھ عبادت میں شریک قرار دیتے تھے۔ تزعمون کا مطلب یہ ہے کہ تم استحقاق معبودیت میں شریک قرار دیتے تھے یا ان کو بارگاہ خداوندی میں اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ پھر ان کے شرک کا انجام اور کچھ نہ ہوگا۔ لفظ ثم بتا رہا ہے کہ مدت تک تامل کرنے کے بعد وہ جواب دینگے۔ فتنہ سے مراد کفر ہے یعنی انجام کفر یہ ہوگا کہ طویل تامل و ندامت کے بعد وہ کہیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ نے فتنہ کا ترجمہ عذر کیا ہے ان کا عذر ان کے لئے فتنہ ہوگا کیونکہ وہ معذرت کو رہائی اور بچاؤ کا ذریعہ سمجھ رہے ہونگے حالانکہ اس جواب سے ان کی رہائی نہ ہوسکیگی۔ فتنت الذهب میں نے سونے کو میل کچیل سے الگ کردیا۔ عربی کا محاورہ ہے۔ یا فتنہ سے مراد ہے جواب۔ جواب چونکہ جھوٹا ہوگا اس لئے اسکو فتنہ فرمایا۔ بعض علماء نے فتنہ کا ترجمہ تجربہ کیا ہے چونکہ سوال انکے اندرونی خیال کو ظاہر کرنے کا ایک تجربہ ہوگا اس لئے جواب کو تجربہ فرمایا۔ زجاج نے کہا یہ لفظ اس جگہ ایک لطیف معنی کی طرف اشارہ کر رہا ہے بعض محب محبوب پر شیفتہ فریفتہ ہوتے ہیں لیکن جب اس شیفتگی اور عشق میں ان پر مصائب آتے ہیں تو وہ محبوب سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ان سے کہا جاتا ہے تمہارا عشق بس یہ ہوا کہ دکھ پڑا تو عشق کو بھول گئے) قیامت کے دن بتوں کی محبت سے بھی کافر اسی طرح بیزار ہو جائیں گے۔ میں کہتا ہوں بتوں کی محبت ہی کیا اسلاف کی تقلید سے بھی اظہار نفرت کرینگے۔

إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ○ سوائے اس کے کہ وہ کہینگے اللہ کی قسم

جو ہمارا رب ہے ہم تو مشرک نہیں تھے۔

ایک آیت میں آیا ہے ولا یکتمون اللّٰہ حدیثاً اللہ سے وہ کوئی بات نہیں چھپائیں گے اور اس آیت میں ہے واللّٰہ ربنا ما کنا مشرکین۔ دونوں آیات کا مضمون باہم مخالف ہو جسب روایت بخاری حضرت ابن عباسؓ نے (اس تضاد کو دور کرنے کے لئے) فرمایا قیامت کے دن جب کفار دیکھیں گے کہ اللہ مسلمانوں کے گناہ تو معاف فرما رہا ہے اور شرک کو معاف نہیں فرماتا تو وہ مشرک ہونے سے انکار کر دینگے اور کہینگے واللہ ہم مشرک نہیں تھے اس وقت اللہ ان کے منہ پر مہر لگا دیگا اور ان کے ہاتھ پاؤں انکے اعمال کی شہادت دیں گے ایسی حالت میں ان کو تمنا ہوگی کاش ہم زمین کا پیوند ہو جاتے خاک کے ساتھ خاک بنجاتے اس وقت وہ اللہ سے کوئی بات نہیں چھپا سکینگے (حضرت ابن عباسؓ کی توضیح کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائی حالت میں وہ شرک کا انکار کرینگے اور جب دست و پا کی شہادت کے بعد حقیقت کھل جائے گی تو پھر کوئی بات چھپا نہ سکیں گے)

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ (اے مخاطب) ذرا دیکھ تو انھوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولا۔ کذبوا کی ضمیر فاعل سے کیف حال ہے۔ چونکہ استفہام صدارت کو چاہتا ہو اس لئے کیف کو پہلے ذکر کیا۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ اور جو کچھ دروغ بندیاں کرتے تھے وہ ان سے غائب ہوگئیں دروغ بندی سے مراد ہے بعض احکام کو خود حرام حلال بنانا اور اللہ کی طرف ان کی حرمت و حلت کی نسبت کرنا اور بتوں کو اپنا سفارشی قرار دینا۔

کلبی نے بیان کیا ایک بار ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف، ابی بن خلف اور حارث بن عامر جمع ہو کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن سننے لگے۔ ساتھیوں نے نضر سے کہا ابو قتیلہ محمد کیا کہہ رہا ہے۔ نضر نے کہا مجھے تو معلوم نہیں کیا کہہ رہا ہے زبان ہلا رہا ہے اور پرانے لوگوں کی کچھ داستانیں اسی طرح کہہ رہا ہے جس طرح گذشتہ اقوام کے قصے میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ نضر اقوام پارینہ کے قصے اور افسانے بہت زیادہ بیان کیا کرتا تھا۔ ابوسفیان بولا میرے خیال میں تو بعض باتیں سچ کہتا ہے ابوجہل بولا ہرگز نہیں، تم ایسا اقرار نہ کرو بعض روایات میں آیا ہے کہ ابوجہل نے کہا اس سے تو ہمارے لئے موت آسان ہو اس پر اللہ نے آیات ذیل نازل فرمائیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ اور ان میں سے بعض لوگ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یعنی جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو کان لگا کر سنتے ہیں۔

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ اور ہم نے ان کے دلوں پر اس کو سمجھنے

سے حجاب ڈال رکھے ہیں۔ اَکِنَّۃً کنان کی جمع ہے اور کنان کا معنی ہے پردہ۔ یعنی ان کے دلوں پر حجاب ڈال دیئے ہیں تاکہ قرآن کو نہ سمجھیں۔

وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۔ اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے وقر کا معنی گرانی گوش اور ٹھوس پن۔

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۔ اور اگر وہ تمام دلائل کو دیکھ لیں۔ تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں۔ دلائل سے مراد ہیں معجزات اللہ نے ان کی آنکھوں پر پردے اور دلوں پر حجاب ڈال دیئے ہیں انہی حجابات کی وجہ سے وہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) سے دشمنی اور تقلید اسلاف پر کمربستہ ہو گئے ہیں نتیجہ یہ کہ نہ اچھے کو اچھا جانتے ہیں نہ برے کو برا۔

حَتّٰىٓ اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ یہاں تک کہ یہ لوگ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے (خواہ مخواہ) جھگڑتے ہیں۔

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ یہ کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو سوائے پہلوں کی بے سند داستانوں کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ حَتّٰی عاطفہ ہے جو جملہ پر داخل ہوتا ہے اور لایؤمنوا پر اس کا عطف ہے اور اذا ظرفیہ ہے جسکے اندر شرط کا معنی ہے اور شرط کی جزا یجادلونک ہے اور یقول یجادلونک کی تفسیر ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ جاءوا کے فاعل سے یجادلونک حال ہے اور شرط کی جزا یقول ہے مطلب یہ ہے کہ ان کی بے ایمانی اور تکذیب حق جھگڑے کی حد تک پہنچ چکی ہے اور یہ نوبت آگئی ہے کہ قرآن کو پہلوں کی خرافات کہنے لگے اور صرف جھگڑے کے لئے آنے لگے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حتّٰی حرف جر ہو اور اذا محل جر میں لایؤمنون سے متعلق۔ کیونکہ جمہور اہل نحو کے خلاف سیبویہ کے نزدیک اذا کا شرطیہ ہونا درست ہے۔ اس صورت میں یجادلونک حال ہوگا اور یقول اسکی تشریح وہ آپ سے جھگڑتے ہیں یعنی کافر کہتے ہیں۔

قاموس میں ہے سطر کا معنی ہے ایک لائن قطار، درختوں کی ہو یا تحریر کی یا کتاب کی یا کسی اور چیز کی۔ اس کی جمع سطور اسطر اور اسطار ہے اور جمع الجمع اساطیر ہے اور اساطیر الاحادیث وہ باتیں ہیں جو بے تکی ہوں ان کے اندر ایک نظم نہ ہو۔ بیضاوی نے اساطیر کا ترجمہ اباطیل کیا ہے (بیہودہ بے حقیقت باتیں) میں کہتا ہوں اساطیر کے حقیقی معنی کے لئے باطل اور خرافات ہونا لازم ہے اسلاف کے متعلق قصوں کی کتابوں میں بیشتر خرافات ہی درج ہیں واقعات سابقہ کی صحیح اطلاع نہیں نہ نقل میں احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور روایات کے اختلاف کی وجہ سے قصوں کا ایک نظم

بھی نہیں ہے۔ لیکن لفظ اساطیر کا استعمال باطل جھوٹی اور بیہودہ باتوں کے لئے اتنا کثیر ہوگیا کہ گویا اساطیر کا حقیقی معنی ہی اباطیل کا ذب ہوگیا۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ اور یہ لوگ قرآن سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی دور رہتے ہیں۔ یہ ترجمہ محمد بن حنفیہ اور قتادہ کے قول کے مطابق کیا گیا ہے دونوں بزرگوں کے نزدیک اس آیت کا نزول مکہ کے ان کافروں کے حق میں ہوا تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور قرآن سے دوسروں کو روکتے تھے اور خود بھی دور دور رہتے تھے لیکن حضرت ابن عباسؓ کے قول پر آیت کا نزول ابوطالبؓ کے حق میں ہوا جو مشرکوں کو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف دینے سے روکتے تھے لیکن رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو دین و قرآن لے کر آئے تھے اس کو نہیں مانتے تھے خود اس سے دور رہتے تھے۔ کذا اخرج الحاکم وغیرہ اس صورت میں جمع کی ضمیر ابوطالبؓ اور ان کے رفقاء کی طرف راجع ہوگی۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن ابی ہلال کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آیت کا نزول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچیروں کے حق میں ہوا جن کی تعداد دس تھی علی الاعلان تو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی تھے لیکن اندرونی طور پر رسول اللہ کے سخت مخالف تھے رسول اللہ کو ایذا دینے سے لوگوں کو تو روکتے تھے لیکن اتباع رسولؐ سے خود دور رہتے تھے بغوی نے لکھا ہے مشرکوں کے کچھ سردار ابوطالب کے پاس جمع ہوئے اور درخواست کی کہ محمد (صلعم) کو ہمارے سپرد کر دیجئے اور اسکے عوض ہمارے کسی حسین ترین جوان کو لے لیجئے۔ ابوطالبؓ نے جواب دیا تم نے یہ انصاف کی بات نہیں کہی میں تو اپنا بچہ تم کو دیدوں کہ تم اسکو قتل کردو اور تمہارے بچہ کی میں پرورش کروں۔

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوطالبؓ کو اسلام کی دعوت دی ابوطالبؓ نے کہا اگر قریش کے عار دلانے کا مجھے اندیشہ نہ ہوتا تو میں (مسلمان ہوکر) تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ پھر بھی جب تک زندہ ہوں دشمنوں کو تمہاری طرف سے دفع کرتا رہونگا۔ ابوطالب نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کے سلسلے میں یہ شعر کہے ہیں۔

میرے قبر میں دفن ہونے تک یہ لوگ اپنے جتھوں کے ساتھ بھی آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے آپ علی الاعلان اپنا کام کریں آپ کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہوسکتی اور اپنے کام سے آپ خوش اور خنک چشم رہیں آپ نے مجھے دعوت دی ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ سچے اور امین ہیں اور ایسا دین پیش کر رہے ہیں جو سب لوگوں کے مذاہب سے اچھا ہے مگر مجھے ملامت کا اندیشہ ہے اگر لوگوں کے ملامت کرنے اور عار دلانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو آپ مجھے علی الاعلان بسہولت قبول کرنے والا پاتے۔

وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ اور وہ محض اپنے آپ کو تباہ

کر رہے ہیں اور (اس بات کو) نہیں سمجھتے۔ کہ اس فعل سے خود انہی کو نقصان پہنچیگا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کچھ ضرر نہ ہوگا۔

وَلَوْ تَرٰى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ اور اگر آپ (کافروں کی) وہ حالت دیکھیں جب ان کو دوزخ پر روکا جائیگا تو عجیب دہشت ناک حالت دیکھیں گے یعنی جب دوزخ کے معاینہ یا اس میں داخل کرنے کے لئے کافروں کو روکا جائیگا تو وہ منظر عجیب ہولناک ہوگا۔

فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○

اور وہ کہیں گے کاش ہم کو (دنیا کی طرف جو دار العمل ہے) لوٹا دیا جائے اس صورت میں ہم اپنے رب کی آیات کی تکذیب نہ کرینگے اور مومنوں میں سے ہو جائیں گے۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ بلکہ (وجہ یہ ہے کہ جس چیز کو پہلے چھپایا کرتے تھے وہ ان کے سامنے آگئی (ہوگی)

تمنا سے سمجھا جاتا تھا کہ عذاب دیکھنے کے وقت کافروں کے دلوں میں ایمان کا پختہ ارادہ پیدا ہو جائیگا لفظ بل سے اس کی نفی فرمادی اور بطور اعتراض فرمایا کہ یہ بات نہیں بلکہ (پچھلا کیا دھرا اور سینوں میں چھپایا ہوا) ان کے سامنے آگیا ہوگا اس سے تنگ آکر ایسا کلمہ زبان سے نکال دینگے۔ من قبل سے مراد ہے دنیا میں۔ اور کانوا یخفون سے مراد ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ خصوصی اوصاف جو اہل کتاب جانتے تھے اور ان صفات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر یقین کے ساتھ پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے تھے مگر حضور صلعم کے اوصاف کو چھپاتے تھے۔ یا من قبل سے مراد ہے آخرت کا گذرا ہوا وقت جس میں کافر اپنے مشرک ہونے کو چھپائیں گے اور کہینگے واللہ ربنا ما کنا مشرکین۔ نضر بن شمیل نے کہا بدالہم کا معنی ہے بدا عنہم یعنی وہ بات جس کو وہ چھپاتے تھے خود ان سے ظاہر ہو جائیگی۔ مبرد نے ما کانوا یخفون کو مبتدا شرطی اور بدالہم کو خبر جزائی قرار دیا ہے۔

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ اور (عذاب جہنم کے معاینہ کے بعد بالفرض) اگر (دوبارہ) ان کو بھیج دیا جائے تب بھی وہی (کفر و معصیت) دوبارہ کرینگے جس سے ان کو منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ کے اسم وصفی مضلّ (گمراہ کرنے والا) کا پرتو ان کافروں کا مبدءِ تعین ہے اب اگر کافروں کو ایمان کی حقانیت اور کفر کے بطلان کا کتنا ہی یقین ہو مگر (اپنے مبدء تعین کے خلاف نہیں جا سکتے اور) ایمان نہیں لا سکتے جیسے یہودی رسول اللہ کو اپنی اولاد کی طرح بلاشبہ پہچاننے کے باوجود نہیں مانتے تھے اور آپ سے بغض رکھتے تھے اور محض مجرمانہ عناد کی وجہ سے یقین قلبی رکھنے کے باوجود آپ کا انکار کرتے تھے۔

وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ اور بلاشک وشبہ وہ جھوٹے ہونگے یعنی تکذیب نہ کرنے اور ایمان لانے کا جو وعدہ کرینگے وہ جھوٹا ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جھوٹ بولنے کے وہ عادی ہیں (اس وقت بھی حسب عادت جھوٹ بولیں گے)

طبرانی نے الاوسط میں لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا میں نے سنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) فرما رہے تھے (کافروں کو دوزخ میں بھیجنے کے) تین عذر قیامت کے دن اللہ آدم کے سامنے بیان فرمائیگا۔ ارشاد فرمائے گا۔ آدم میں کافروں کو رحمت سے دور کرچکا ہوں اور اس کا وعدہ کرچکا ہوں اور جھوٹ بولنے اور وعدہ خلافی کرنے سے مجھے نفرت ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو آج تیری تمام اولاد پر میں رحمت کردیتا کسی کو دوزخ میں نہ بھیجتا۔ مگر میری یہ بات پوری ہوکر رہیگی کہ اگر میرے پیغمبروں کی تکذیب کی گئی اور میری نافرمانی کی گئی تو جہنم کو جنات اور انسانوں سے سب سے بھردوں گا۔ اے آدم میں کسی کو دوزخ میں داخل نہیں کروں گا نہ کسی کو عذاب دونگا سوائے ان لوگوں کے جنکے متعلق مجھے اپنے علم سے معلوم ہے کہ اگر ان کو دنیا میں دوبارہ بھیجدیا گیا تب بھی یہ اسی شر کی طرف رجوع کرینگے جو ان کے اندر ہے شر سے نہیں لوٹینگے اے آدم میں اپنے اور تیری اولاد کے درمیان تجھے ہی فیصلہ کن (پنچ) بناتا ہوں اعمال کی وزن کشی کے وقت میزان کے پاس جاکر تو خود کھڑا ہو جا جس کا خیر کا پلڑا شر کے پلڑے سے ذرہ برابر بھی جھکتا ہوا ہو اسکے لئے جنت ہے (میں نے یہ باتیں تجھسے اس لئے کہی ہیں) تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ میں صرف ظالم کو دوزخ میں داخل کرونگا۔

وَقَالُوْۤا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ○ اور وہ کہتے ہیں کہ جینا اور کہیں نہیں یہی فی الحال کا جینا ہے اور ہم زندہ نہ کئے جائیں گے ھی ضمیر حیات کی طرف راجع ہے۔ دنیا ادنیٰ کا مؤنث ہے اس کا مادہ دنو ہے اور دنو کا معنی ہے قرب۔ قالوا کا عطف لعادوا پر ہے یعنی اگر بالفرض ان کو دنیا میں لوٹا کر بھیجدیا جائے تو ممنوعات کا ارتکاب کرینگے اور یہ بات کہیں گے۔ یا لکاذبون پر عطف ہے یعنی یہ کاذب ہیں اور انھوں نے دنیا میں یہ بات کہی تھی۔ یا نھوا پر عطف ہے یعنی اگر دنیا میں لوٹا دیا جائے تو دوبارہ انہی امور کا ارتکاب کرینگے جن کی ممانعت کردی گئی اور اسی بات کی طرف لوٹیں گے۔ یا نیا جملہ ہے (واو استینافیہ ہے) اور دنیا میں کافروں کا جو قول ہے اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ بس یہی دنیوی زندگی ہے اسکے علاوہ دوسری زندگی نہ ہوگی (ہم نے ترجمہ اسی مطلب کے مطابق کیا ہے)

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اور اگر (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ دیکھیں اس حالت کو جب ان کو ان کے مالک کے سامنے۔ سوال اور سرزنش کے لئے روکا جائیگا (تو آپ کے سامنے عجیب منظر آجائیگا) رب کے سامنے کھڑے کئے جانے سے مراد مجازی معنی ہے یعنی سوال اور سرزنش کے لئے روکا جائیگا۔ علی ربہم کا معنی

فیصلہ، رب اور جزا، رب بھی کہا گیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس وقت کامل طور پر وہ خدا کو پہچان لیں گے۔

قَالَ وہ یعنی اللہ کہے گا یا باجازت الٰہی دوزخ کے کارندے کہیں گے گویا ایک محذوف سوال کا یہ جواب ہے کلام مذکور سن کر کوئی شخص پوچھ سکتا تھا کہ مذکورۂ بالا کلام کا ان کو جواب کیا ملیگا تو جواب دیا گیا اللہ فرمائیگا۔

اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ کیا یہ یعنی قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنا اور اس کے ثواب و عذاب حساب و کتاب حق نہیں ہیں (کیا اب بھی اس میں کچھ شبہ ہے) یہ سوال محض سرزنش کرنے اور تکذیب پر عار دلانے کے لئے ہوگا (طلب فہم اور دریافت خبر کے لئے نہ ہوگا)

قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ وہ کہیں گے بیشک و شبہ (حق ہے) اپنے مالک کی قسم چونکہ واقعات بالکل سامنے ہونگے اور شرک و تکذیب سے وہ برات ظاہر کرنی چاہیں گے اس لئے اپنے اقرار کو قسم سے مؤکد کریں گے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ گفتگو قیامت کے ایک موقف پر ہوگی اور قیامت کے مختلف موقف ہونگے کسی موقف پر کافر انکار کریں گے اور کسی پر اقرار۔

قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۟ (اللہ یا فرشتہ) کہے گا تو اپنے گذشتہ کفر کے (سبب یا کفر کے) عوض اب عذاب کا مزہ چکھو۔ بما میں با سببیہ ہے یا عوض کے لئے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ بے شک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی پیشی کو جھوٹ مانا۔ لقاء اللہ سے مراد ہے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا کیونکہ دوسری زندگی ہی دیدار الٰہی تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کافر نامراد رہیں گے کیونکہ وہ قیامت اور جنت دوزخ کا انکار کرتے ہیں جس کی وجہ سے لازوال راحت سے محروم ہونا اور دوامی دردناک عذاب میں مبتلا ہونا یقینی ہے۔

معتزلہ بھی چونکہ اللہ کے دیدار اور مغفرت و شفاعت کے منکر ہیں اس لئے ان کو دیدار و مغفرت اور شفاعت سے محرومی ہوگی اس لئے وہ بھی نامراد رہیں گے۔ اللہ نے فرمایا ہے (حدیث قدسی ہے) میرے متعلق میرا بندہ جیسا گمان رکھتا ہے میں اسی کے گمان کے پاس (یعنی اسکے مطابق) ہونگا۔ متفق علیہ۔

طبرانی اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ وائلہ کی روایت سے ابراہیم صائغ کا قول نقل کیا ہے ابراہیم نے کہا دیدار الٰہی کے عوض اگر مجھے آدھی جنت مل جائے تو مجھے پسند نہیں پھر ابراہیم نے آیات ذیل تلاوت کیں کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون ثم انہم لصالوا الجحیم ثم یقال ھذا الذی کنتم بہ تکذبون پھر فرمایا لو نہ اسے اشارہ دیدار کی طرف ہے (یہ اول ما لس دیدہ)

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ یہاں تک کہ جب وہ مقررہ گھڑی ان پر آپہونچیگی۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ حتّٰی کا تعلق کذبوا سے ہے (یعنی جن لوگوں نے آخری گھڑی تک تکذیب کی وہ نامراد رہے) خسروا سے نہیں ہے کیونکہ کافروں کے نامراد رہنے کی تو کوئی انتہا نہیں ہے اس پر شبہ کیا جاسکتا ہے کہ تکذیب تو موت پر ختم ہوجاتی ہے قیامت تک قائم نہیں رہتی (اور ساعت سے مراد ہے قیامت) اس شبہ کو دور کرنے کے لئے ہم کہتے ہیں کہ ساعت سے مراد موت کی گھڑی ہے کیونکہ زمانے کی موت اس کی قیامت ہے جو مرا اس کی قیامت بپا ہوگئی۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ کچھ دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ساعت کے متعلق دریافت کیا کرتے تھے (کہ ساعت موعودہ یا قیامت کب ہوگی) آپ ان کی جماعت کے سب سے کم عمر شخص کی طرف دیکھ کر فرماتے تھے اگر یہ زندہ رہا تو اس کا بڑھاپا آنے سے پہلے تم پر تمہاری قیامت آپہونچیگی۔ اور (بالفرض) اگر آیت میں الساعة سے مراد قیامت ہی ہو تب بھی کوئی ہرج نہیں کیونکہ موت قیامت کا پیش خیمہ ہے موت آجانا گویا قیامت آجانا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ مرنے کے بعد چونکہ قیامت بہت جلد آجائیگی اس لئے موت کے وقت کو قیامت قرار دیا۔

اگر الساعة سے موت مراد ہو تو حتّٰی کا تعلق خَسِرُوْا سے بھی ہوسکتا ہے کیونکہ خسران کا معنی ہے اصل پونجی کا ضائع ہوجانا اور مرنے کے وقت کافروں کا اصل سرمایہ یعنی زندگی ختم ہوجاتی ہے اس کے بعد تو ناداری کا زمانہ آجاتا ہے۔

بَغْتَةً اچانک۔ یہ حال ہے یا مفعول مطلق کیونکہ اچانک آنا بھی آنے ہی کی ایک نوع ہے (اس لئے مفعول مطلق بیانِ نوع کے لئے ہوگا)

قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا تو کہیں گے ہائے افسوس ہم سے اس (کے بارہ) میں بڑی کوتاہی ہوئی۔

فیہا کی ضمیر حیات دنیا کی طرف راجع ہے اور کمی کرنے سے مراد ہے نیک کام میں کمی کرنا چونکہ مرجع معلوم تھا اس لئے بغیر سابق ذکر کے حیات دنیا کی طرف ضمیر راجع کردی گئی۔ یا الساعة کی طرف ضمیر راجع ہے یعنی ہم نے قیامت کے بارہ میں بڑی کمی کی اس پر ایمان نہ لائے۔

وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰی ظُهُوْرِهِمْ اور (قبروں سے نکلتے وقت) وہ اپنی بداعمالی کے بوجھ اپنی کمر پر لادے ہونگے۔ ابن ابی حاتم نے عمرو بن قیس ملائی کا بیان نقل کیا ہے کہ مؤمن جب قبر سے برآمد ہوگا تو اس کا نیک عمل حسین ترین شکل اور پاکیزہ ترین خوشبو کے ساتھ اس کے سامنے آئیگا اور کہیگا کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں مومن کہے گا نہیں بس اتنا جانتا ہوں کہ اللہ نے تیری صورت حسین اور تیری خوشبو

پاکیزہ بنائی ہو نیک عمل کہیگا میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا میں آپ کا نیک عمل ہوں۔ میں مدت دراز تک دنیا میں تیرے اوپر سوار رہا آج تو مجھ پر سوار ہو جا پھر (راوی نے) یہ آیت تلاوت کی یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا۔ اور کافر کا عمل مکروہ ترین شکل اور بدترین بو کے ساتھ اس کے سامنے آئیگا اور کہے گا کیا تو مجھے نہیں پہچانتا کافر جواب دیگا نہیں مگر اتنی بات جانتا ہوں کہ اللہ نے تیری شکل بہت مکروہ اور تیری بو بہت گندی بنائی ہے عمل کہیگا میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا میں تیرا برا عمل ہوں دنیا میں مدت دراز تک تو مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سوار ہونگا پھر (راوی نے) یہ آیت تلاوت کی وھم یحملون اوزارھم علی ظھورھم۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (خطبہ دینے) کھڑے ہوئے اور مال غنیمت میں چوری کرنے کو بڑا جرم بتایا پھر (مویشی اور سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کو ڈرانے کے لئے) فرمایا خوب سن لو میں ایسی حالت میں (تم کو) نہ پاؤں کہ تم میں سے بعض لوگ بلبلاتے اونٹ کو اپنی گردن پر اٹھائے میرے سامنے آئیں اور کہیں یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) دہائی ہے اور میں جواب دوں آج اللہ کے سامنے میرا کچھ قابو نہیں میں تجھے (دنیا میں) پیام پہونچا چکا۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جس کے اندر حضورؐ نے ہنہناتے گھوڑے اور منناتی بکری اور سونے چاندی کے گردن پر سوار ہونے کا بھی ذکر فرمایا تھا۔ متفق علیہ۔ ابویعلی اور بزار نے بھی اسی طرح کی حدیث حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت سے نقل کی ہے۔

طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جس نے اپنی ضرورت سے زائد کوئی مکان بنایا (یعنی جائیداد بنائی) قیامت کے دن اسکو مجبور کیا جائیگا کہ اس مکان کو اپنے کندھے پر اٹھائے۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت ہے جس نے بالشت بھر زمین بغیر حق کے لی قیامت کے دن اللہ اس کو سات زمینوں کا طوق پہنائیگا۔ اس مبحث کی احادیث طبرانی نے حضرت حکم بن حارث اور حضرت انسؓ کی روایت سے بھی بیان کی ہیں اور طبرانی نیز امام احمد نے حضرت یعلیٰ بن مرہ اور حضرت ابومالکؓ اشعری کی روایت سے اس باب کی احادیث نقل کی ہیں۔

اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ۝ خوب سن لو کہ برا ہوگا وہ بوجھ جس کو وہ اٹھائے ہونگے۔

وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف کھیل اور بہلاوا ہے۔ لعب غیر مفید کام جس کا کوئی صحیح مقصد نہو لہو مفید کام سے روکنے والا امر یعنی جن اعمال کی غرض صرف دنیوی عیش پسندی اور لذت اندوزی ہو اور رضاء مولی کی طلب نہو ان سے کوئی خاص قابل اعتبار نفع حاصل نہیں ہو سکتا جو دنیوی فائدہ ہوگا وہ عارضی اور زوال پذیر اور لازوال زندگی کے فوائد کے حصول سے روکنے والا ہوگا۔

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۔ اور پچھلا گھر یقیناً پرہیزگاروں کے لئے بہترین ہوگا۔
ابن عامر کی قرأت میں ولدار الاخرۃ بھی آیا ہے اس صورت میں الاخرۃ کا موصوف الساعۃ محذوف ہوگا۔ جیسے صلوۃ الوسطیٰ اور مسجد الجامع میں (الساعۃ اور الوقت محذوف ہے) پرہیزگاروں سے مراد ہیں شرک اور گناہوں سے بچنے والے۔ دار آخرت لازوال ہو اس کی لذتیں اور فوائد کدورت سے پاک ہیں اس لئے دنیوی فوائد ولذائذ سے بہتر ہیں۔ دار آخرت کی بھلائی صرف اہل تقویٰ کے لئے مخصوص ہو مشرکوں کے لئے تو آخرت دنیا سے بہت ہی زیادہ بُری ہے چونکہ آیت میں متقین کے اعمال کو اعمال دنیا کے مقابل بیان کیا ہے اور اعمال دنیا کو لہو ولعب فرمایا ہے اس لئے اشارۃً معلوم ہوا کہ جو اہل تقویٰ کا عمل نہ ہو وہ لہو ولعب ہے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے کہ کون اعمال بہتر ہیں دنیا کے یا آخرت کے۔ بہتر وہی عمل ہوگا جس کا فائدہ زیادہ خالص اور لازوال ہو اور جس کا فائدہ عارضی، کدورت آمیز اور مکزور ہو وہ عمل بہتر نہیں ہو سکتا۔

ترمذی اور حاکم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی روایت سے لکھا ہے کہ ابو جہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ جو چیز آپ نے پیش کی ہے اس کی تکذیب کرتے ہیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ ہم کو خوب معلوم ہے کہ آپ کو ان کے اقوال مغموم کرتے ہیں سو یہ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ (اس جگہ) لفظ قد فعل کی زیادتی اور کثرت کو ظاہر کرنے کے لئے آیا ہے جیسے ولکنہ قد یہلک المال نائلہ میں آیا ہے اور انہ میں ضمیر شان ہے جس کو مرجع کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سدی کا بیان ہے کہ اخنس بن شریق نے ابو جہل بن ہشام سے ملاقات کی اور کہا ابو الحکم محمد بن عبد اللہ کے متعلق مجھے بتاؤ وہ سچے ہیں یا جھوٹے اس وقت یہاں میرے سوا آپ کی بات سننے والا اور کوئی نہیں ہے۔ ابو جہل نے کہا خدا کی قسم محمد بلا شبہ سچے ہیں لیکن جب قصی کی اولاد کے پاس جھنڈا، حاجیوں کو پانی پلانا، کعبہ کی تولیت، پنچایت اور نبوت (ہر امتیاز) پہنچ گیا تو باقی قریشیوں کے لئے کیا بچا (میں اس لئے محمد کی نبوت کی مخالفت کرتا ہوں) اس پر آیت فانہم لا یکذبونک نازل ہوئی۔ ناجیہ بن کعب کا بیان ہے کہ ابو جہل نے رسول اللہ صلعم سے کہا ہم آپ پر (جھوٹے ہونے کا) شبہ نہیں کرتے اور نہ آپ کو جھوٹا کہتے ہیں بلکہ جو چیز آپ نے پیش کی اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

بجائے ضمیر غائب کے الظلمین کا لفظ صراحت کے ساتھ ذکر کرنا دلالت کر رہا ہے کہ انکار کرنے کی وجہ سے وہ لوگ ظالم ہو گئے تھے یا یوں کہا جائے کہ ناحق کوشی چونکہ ان کی عادت تھی اس لئے انھوں نے انکار کر دیا تھا اور چونکہ جحود (انکار) کے اندر تکذیب کا مفہوم داخل ہے (اور تکذیب کے بعد ب آتی ہے) اسلئے آیات سے پہلے ب کو ذکر کیا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی تکذیب حقیقت میں خدا کی تکذیب ہے کیونکہ آپ کی تکذیب وہ نبوت کے اعتبار سے کرتے ہیں (ویسے وہ دوسری باتوں میں آپ کو جھوٹا نہیں جانتے) اور حقیقت میں یہ نبوت دے کر بھیجنے والے کی تکذیب ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ اور آپ سے پہلے بہت پیغمبروں کو (نبوت کے دعوے میں) جھوٹا کہا گیا یعنی جس طرح آپ کی قوم نے آپ کی تکذیب کی اسی طرح سابق پیغمبروں کی قوموں نے ان کی تکذیب کی اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ قوم کی مخالفت سے تنگدل نہ ہوں پیغمبروں کی مخالفت قدیم دستور ہے کوئی نئی بات نہیں)

ولقد کذبت کا لفظ بتا رہا ہے کہ لا یکذبونک کا حقیقی مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ رسول کی تکذیب حقیقت میں خدا کی تکذیب ہے (تو یہ حقیقت میں خدا کی تکذیب ہوئی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اسی لئے) ارشاد فرمایا تھا جس نے مجھے ایذا دی، اس نے حقیقت میں اللہ کو ایذا دی۔

فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ج سو انھوں نے اپنی تکذیب اور دکھ رسیدہ ہونے پر صبر کیا آخر ہماری مدد ان کو پہنچ گئی۔ صبر کا نتیجہ نصرت نکلا پس جس طرح انھوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں آخر کار آپ کو بھی اللہ کی طرف سے نصرت پہنچ جائیگی۔

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ج اور اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

کلمٰت اللہ سے مراد ہیں نصرت انبیاء کے خداوندی وعدے۔ اللہ نے فرمایا ہے ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انہم لہم المنصورون دوسری آیت ہے انا لننصر رسلنا۔ تیسری آیت میں آیا ہے وان جندنا لہم الغلبون (اپنے پیغمبر بندوں کے لئے ہمارا وعدہ پہلے ہی ہو چکا ہے کہ انہی کی مدد کی جائیگی۔ ہم ہی اپنے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں۔ ہمارا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے) یا کلمٰت اللہ سے مراد ہے اللہ کا تکوینی فیصلہ اور قضاء مقدر۔ یعنی اضطراب سے کوئی فائدہ نہیں۔ صبر رکھنا لازم ہے جب وقت آجائیگا تو اللہ کی طرف سے نصرت آجائے گی پھر اس کو کوئی پلٹ نہیں سکتا

وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ○ اور آپ کے پاس پیغمبروں کے بعض قصے پہنچ چکے ہیں اخفش نحوی کے نزدیک مِن زائد ہے۔ سیبویہ کلام مثبت میں مِن کی زیادتی جائز نہیں قرار دیتا

اس لئے سیبویہ کے نزدیک اس جگہ مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی پیغمبروں کی بعض خبریں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں جو آپ کی تسلی کے لئے کافی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کے مسلمان ہونے کی رغبت حرص کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ ایمان سے ان کی روگردانی آپ کو بہت کھلتی تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ جب وہ آپ سے کوئی معجزہ طلب کرتے تو آپ تہ دل سے خواستگار ہوتے کہ اللہ یہ معجزہ آپ کے ہاتھ سے نمودار کر دے تاکہ لوگ ایمان لے آئیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ اور اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گذرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہو کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان پر پہنچنے کی کوئی سیڑھی تلاش کر لیں روگردانی سے مراد ہے نبوت و قرآن پر ایمان لانے سے روگردانی کرنا نفقًا کا معنی ہے سرنگ۔ فی الارض اس کی صفت ہے یعنی اگر تم زمین کے اندر گھسنے کے لئے کوئی سرنگ بنا سکتے ہو اور سرنگ کے ذریعہ سے زمین کے اندر گھس کر ان کے لئے کوئی معجزہ نمودار کر سکتے ہو سُلَّمًا زینہ چڑھنے کا راستہ فی السماء سے مراد ہے آسمان کی چھت یعنی اگر تم آسمان کی طرف چڑھنے کا کوئی زینہ بنا سکتے ہو کہ اس پر چڑھ کر آسمان پر پہنچ جاؤ اور

فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ وہاں سے لا کر کوئی معجزہ ان کے سامنے ظاہر کر دو تو ایسا کرو۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ آپ خود کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتے اس لئے خواہ مخواہ اپنے کو بے چین نہ کرو خواہ ان کا اعراض تم کو کتنا ہی کھلے تم صبر رکھو۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ اور اگر اللہ ان سب کو ہدایت کرنا چاہتا۔

لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَى تو سب کو ہدایت پر متفق کر دیتا۔ کیونکہ بندوں کے ارادہ کا خالق بھی خدا ہے بندوں کی مشیت اللہ کی مشیت کی تابع ہے مگر اللہ ہی اپنی مصلحت کے پیش نظر ان کی ہدایت نہیں چاہتا اور اس کی مصلحت سے کوئی دوسرا واقف نہیں تم ان کو ہدایت یافتہ بنانے کا قابو نہیں رکھتے اس لئے صبر کرو بے چین نہ ہو۔

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ اور ناداقوں میں سے نہ ہو۔ غیر مفید کام کے لئے ایسے مقام پر مضطرب ہونا جہاں صبر مفید ہو ناداقوں کی خصوصیت ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ آپ ان ناداقوں میں نہ ہوں جو اتنا بھی نہیں جانتے کہ لوگوں کا ہدایت یاب ہونا اللہ کی مشیت پر موقوف ہے کسی اور کی مشیت کو اس میں دخل نہیں ہے۔

اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ○ (آپ کی دعوت کو) تو وہی لوگ قبول کرینگے جو (حق و قبول کے کانوں سے) سنتے ہیں یعنی سنی ہوئی بات کی حقانیت کا علم جن کے دلوں کے اندر اللہ نے پیدا کر دیا ہو۔ سننے سے مراد ہے سنکر جاننا کیونکہ سننے کے بعد علم کی تخلیق اللہ کا دستور ہے۔

وَالْمَوْتٰی اور مردے یعنی کافر کیا سنیگے۔ کافروں کے دلوں پر اللہ نے قفل ڈالدیا ہے کانوں پر مہر لگادی ہے اور آنکھوں پر پردے ڈالدیئے ہیں اسی لئے وہ حق کو حق اور باطل کو باطل نہیں جانتے گویا مردے ہیں

یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ان کو (تو بس قیامت کے دن) اللہ اٹھائیگا (تو اٹھیں گے)

ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ○ پھر اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹایا جائیگا۔ وہی ان کو کفر کی سزا دیگا اس سے پہلے نہ وہ حق بات سنیں گے نہ تصویر حق دیکھینگے۔ یا الموتیٰ سے عام مُردے مراد ہیں کافر ہوں یا مؤمن سب کو اللہ زندہ کر کے اٹھائے گا اور سب کی واپسی اللہ ہی کی طرف ہوگی وہی سزا جزا دیگا۔ جیسے اعمال ہونگے ویسا بدلہ ملیگا۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اور (قریش کے سرداروں نے) کہا کہ اس پر اسکے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں کیا گیا یعنی ہمارا مطلوبہ معجزہ یا موجودہ معجزات کے علاوہ کوئی اور غیر معمولی معجزہ۔ نازل شدہ معجزات کو تو وہ محض عناد کی وجہ سے درخور اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً آپ کہدیجئے کہ اللہ (ہر) معجزہ اتارنے پر قادر ہے۔ اٰیۃ سے مراد یا تو مطلوبہ معجزہ ہے یا ایسا معجزہ جس کو ماننے پر وہ مجبور ہو جائیں جیسے پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ کر سروں پر معلق کر دینا۔ یا ایسا معجزہ جس کے بعد انکار کرنے والوں کی ہلاکت ضروری ہو جائے۔

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ہر نشانی اتارنے پر قادر ہے یا مطلوبہ معجزہ اتار کر انکار کرنیوالوں کو بیخ و بن سے برباد کر دینے پر قادر ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اور نہیں ہے زمین پر کوئی چلنے والا جاندار

وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دونوں پنکھوں سے ہوا میں اڑتا ہو۔ ہر پرندہ دو بازووں سے ہی اڑتا ہے لیکن رفتار کی تیزی کے لئے بھی مجازاً کبھی اڑنے کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے اس خیال کو دفع کرنے کے لئے طائر کے بعد یطیر بجناحیہ فرمایا یا یطیر بجناحیہ کہنے سے محض معنوی تاکید مقصود ہے۔

اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مگر سب تمہاری طرح گروہ گروہ ہیں یعنی پیدا ہونے میں مرنے میں پھر جی اٹھنے میں غذا کی ضرورت اور رزق کی طلب میں عافیت و مصیبت کے توارد میں (غرض تمام حیوانی لوازم و خصوصیات میں) تمہاری طرح ہیں تم کو محض معرفت الٰہی کی وجہ سے ان پر برتری حاصل ہے ورنہ اور کوئی وجہ فضیلت نہیں۔

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ہم نے کتاب کے اندر کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی۔ من شیٔ میں من زائد ہے اور شیٔ مفعول بہ نہیں ہے مفعول مطلق ہے کیونکہ فَرَّطَ کے بعد مفعول بہ بغیر ب کے نہیں آتا۔ الکتاب سے مراد ہے لوح محفوظ یعنی اللہ کا علم ہمہ گیر ہے ظاہر ہو یا پوشیدہ کوئی چیز علم خدا سے باہر نہیں اور کوئی حیوان وغیر حیوان ایسا نہیں کہ اوس کا اندراج لوح محفوظ میں نہو۔ یا الکتاب سے مراد ہے قرآن مجید اور من شیٔ سے مراد ہیں دینی امور یعنی قرآن میں تمام دینی امور تفصیل یا اجمال کے ساتھ موجود ہیں۔

ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ○ پھر ان سب کو ان کے مالک کے پاس جمع کیا جائیگا ھم کی ضمیر مجموعہ کی طرف راجع ہے یعنی اُمَمٌ اور کم دونوں کا مجموعہ ضمیر کا مرجع ہے اسی لئے یحشرون جمع مذکر غایب کا صیغہ استعمال کیا۔ حضرت ابن عباسؓ اور ضحاک نے فرمایا ان کی موت ہی ان کا حشر ہے (یعنی حشر سے مراد موت ہے مطلب یہ کہ ان سب پر موت آتی ہے۔ اور یہ سب اللہ کی طرف چلے جاتے ہیں)

لیکن ابن ابی حاتم اور ابن جریر اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق اٹھائی جائیگی چوپائے کیڑے مکوڑے اور پرندے سب ہی کا حشر ہوگا اور اللہ کا انصاف اس حد تک پہنچ جائے گا کہ اللہ سینگوں والی سے منڈی کا بدلہ دلوائے گا پھر فرمائیگا خاک ہو جاؤ (ادائے حقوق کے بعد سب جاندار خاک ہو جائینگے) اس وقت کافر کہے گا کاش میں بھی خاک ہو جاتا (کہ دوامی عذاب سے نجات ہو جاتی) بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اہل حقوق کو ان کے حقوق دلوائے جائینگے یہاں تک کہ سینگوں والی بکری سے منڈی بکری کا بدلہ دلوایا جائیگا طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلا مقدمہ جس کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائیگا دو بکریوں کا ہوگا۔ ایک سینگوں والی ہوگی دوسری منڈی۔ اسی طرح کی ایک حدیث حضرت ابو ذرؓ کی روایت سے احمد اور بزار اور طبرانی نے بھی نقل کی ہے۔ اور حاکم نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے

تخلیق کائنات اور آثار قدرت جو اللہ کی عظمت اور اسکے علم و قدرت کی ہمہ گیری کے نشان ہیں اور ان سے حشر و جزا پر استدلال کیا جاتا ہے جب ان کا ذکر ہو چکا تو آگے فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ بہرے ہیں (واضح نشانات حق کی آواز نہیں سنتے) گونگے ہیں کلمۂ حق ان کی زبانوں پر نہیں آتا۔

فِي الظُّلُمٰتِ ؕ تاریکیوں میں اندھے ہوئے ہیں یعنی کفر جہالت عناد اور اسلاف پرستی کے اندھیروں میں پڑے ہوئے ہیں۔

آیات قدرت سے کسی کا ہدایت یاب ہونا یا نہ ہونا اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہی جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے آگے فرمایا۔

مَنْ يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ ۖ وَمَنْ يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ○ اللہ جس کی گمراہی چاہتا ہے اس کو گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو ہدایت یاب کرنا چاہتا ہے اس کو سیدھے راستہ پر کر دیتا ہے اور یہ راستہ اس کو حق تک پہنچا دیتا ہے

قُلْ (اے محمد ان مشرکوں سے) آپ کہہ دیں

أَرَأَيْتَكُمْ بھلا بتاؤ تو۔ ہمزۂ استفہام اظہار تعجب کے لئے ہے اور کاف حرف خطاب ہے اس سے رأیت کے فاعل کی تاکید ہو رہی ہے۔ کاف کا اعرابی محل کچھ نہیں ہے (یعنی یہ نہ فاعل ہے نہ مفعول) بلکہ رأیت کے دونوں مفعول محذوف ہیں جن پر آنے والا کلام دلالت کر رہا ہے یعنی کیا تم نے دیکھا کہ جب تم اپنے معبودوں کو پکارتے ہو تو کیا تم کو وہ فائدہ پہونچاتے ہیں۔

فراء نے کہا عرب اَرأیتک بولتے ہیں لیکن (اس استفہام سے) ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ہم کو بتاؤ۔ علامہ تفتازانی نے کہا کہ اَرأیت میں رویت علمی یا رویت چشمی کا سوال ہے مگر اس سے مقصود ہے طلب خبر کیونکہ آنکھوں سے دیکھنا علم کا ذریعہ ہے اور علم خبر دینے کا سبب ہے سبب کو مسبب کے قائم مقام رکھا گیا ہے

إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ اگر دنیا میں گذشتہ اقوام کی طرح تم پر اللہ کا عذاب آجائے۔

أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ یا قیامت (اپنی پوری ہولناکیوں کے ساتھ) تم پر آجائے

أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے۔ استفہام انکاری ہے جس سے مخاطبوں کو قائل کرنا مقصود ہے

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○ اگر تم سچے ہو کہ یہ بت دیوتا اور معبود ہیں تو کیا ان کو مصیبت دور کرنے کے لئے پکارو گے (نہیں)

بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ بلکہ تم اسی کو پکارو گے۔ تقدیم مفعول حصر کے لئے ہے۔

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ سو وہی اگر چاہیگا تو اس مصیبت کو دور کر دیگا جس کے دور کرنے کے لئے تم اس کو پکارو گے۔ یعنی دنیا میں مصیبت دور کر دیگا اگر چاہیگا آخرت کا عذاب نہیں دور کرے گا۔

وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ○ اور (ایسے وقت میں) ان (دیوتاؤں) کو بھول جاؤ گے جن کو شریک قرار دیتے ہو۔ بھول جانے سے مراد ہے چھوڑ دینا۔ (بات یہ ہے کہ فطری طور پر) انسان کے دماغ میں یہ امر

پیوست ہے کہ مصیبت کو دور کرنے پر قدرت صرف اللہ کو حاصل ہے (اس لئے مشرک بھی اثنائے مصیبت کے وقت اللہ ہی کو پکارنے پر مجبور ہیں)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ اور ہم نے آپ سے پہلے والی امتوں کے پاس بھی پیغمبر بھیجے (اور جب انھوں نے سرتابی کی) تو تنگدستی اور بیماری میں (مبتلا کر کے) ان کی پکڑ کی تاکہ وہ گڑگڑا کر (گناہوں سے) توبہ کرلیں۔ من قبلک میں من زائد ہے۔ باسا، سختی اور ناداری۔ ضرا، بیماری اور دوسرے جسمانی دکھ۔ تضرع عاجزی سے سوال کرنا۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا سو جب ان کو ہماری طرف سے سزا پہنچی انھوں نے عاجزی (کے ساتھ توبہ) کیوں نہیں کی۔ مراد یہ کہ انھوں نے سزا دیکھنے کے بعد بھی توبہ نہیں کی۔ کلمہ نفی کی جگہ لولا کا استعمال اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ تضرع کے ترک کا ان کے پاس کوئی عذر نہ تھا بلکہ تضرع کے دواعی موجود ہونے کے باوجود انھوں نے توبہ نہیں کی۔

وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ لیکن ان کے دل سخت پڑ گئے تھے۔

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اور شیطان ان کے اعمال کو ان کی نظر میں پسندیدہ بنا کر دکھاتا رہا۔ یعنی مصائب میں مبتلا ہوتے سے بھی ان کو تنبیہ نہ ہوئی اور انھوں نے اپنے اعمال کو ہی پسندیدہ نظر سے دیکھا۔ یہ توبہ سے روکنے والے سبب کا بیان ہے اور اس بات کا اظہار ہے کہ دل کی سختی اور شیطانی اغوا نے ان کو توبہ سے روک دیا تھا شیطان کے اغوا سے وہ اپنے اعمال پر ہی ریجھے رہے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ سو جب انھوں نے ان چیزوں کو چھوڑے رکھا جن کی ان کو نصیحت کی گئی اور اختیار نہ کیا ان احکام کو جو ان کو دیئے گئے تھے اور تنگدستی و بیماری میں مبتلا ہو کر بھی بیدار نہ ہوئے اور توبہ نہ کی۔

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یعنی ڈھیل دینے کے لئے ان کو ہر طرح کی نعمتیں عطا کر دیں۔ حضرت عقبہؓ بن عامر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی بندہ گناہوں پر جما ہوا ہو اور دنیا میں ہر دل پسند چیز اس کو ملتی رہے تو (سمجھ لو کہ) یہ محض ڈھیل ہے پھر حضور (صلعم) نے یہ آیت تلاوت فرمائی فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیہم ابواب کل شیٔ۔

حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو ان کو ملی تھیں وہ اترا گئے۔

اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا۔

فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝ سو وہ یکدم (حیرت زدہ ہو کر رہ گئے) ہر بھلائی سے نا امید ہو گئے۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی۔ قاموس میں دابر کا معنی ہے تابع، ہر چیز کا آخری حصہ، جڑ۔ مطلب یہ ہے کہ سب کو ہلاک کر دیا گیا ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ توان کا سلسلہ ہی کاٹ دیا گیا۔ نسل منقطع ہو گئی۔ پس قطع دابر قطع اصول کی صورت میں ہو گیا یا قطع فروع کی شکل میں۔

بجائے دابرہم کہنے کے دابر القوم الذین الخ سے اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی بربادی کی علت ان کا ظلم تھا اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا ان کا خود ظلم موجب بربادی ہوا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور اللہ ہی کے لئے ہر ستائش ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔ ظالموں کو ہلاک کرنا بھی قابل حمد و ستائش فعل ہے مومنوں کو ظالموں کے شر سے نجات ملتی ہے غلط افکار اور فاسد اعمال سے زمین پاک ہوتی ہے عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ نزول عذاب کا موجب ہوتے ہیں پس ظالموں کی تباہی سے اہل زمین عمومی تباہی سے محفوظ ہو جاتے ہیں اس جگہ وصف ربوبیت کا خصوصی ذکر اسلئے کیا کہ ظالموں کو تباہ کر دینا ہمہ گیر ربوبیت کا تقاضا ہے (متعدی بیمار کی ہلاکت تعدیۂ مرض کی بندش یعنی کمی کا سبب ہوتی ہے) اس جملہ میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو اللہ کی حمد کرے اور اللہ اس کو ہلاک کر دے تو ایسے شخص کی ہلاکت پر اللہ کی حمد کرنی واجب ہے۔ اس سے آگے اپنی قدرت کی ہمہ گیری اور توحید کو بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:۔

قُلْ اے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کہہ دیجئے۔

اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ (اے مشرکو) بتاؤ تو اگر اللہ تمہاری شنوائی اور بینائی بالکل لے لے (تم کو اندھا بہرا کر دے) اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے (ایسی غفلت مسلط کر دے کہ تمہاری عقلیں ناکارہ ہو جائیں) تو اللہ کے سوا کون ایسا معبود ہے جو یہ چیزیں تم کو پھر دیدے۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی تم کو یہ چیزیں نہیں دے سکتا۔ استفہام تقریری ہے مطلب یہ کہ تم خود جانتے ہو کہ اگر اللہ تمہاری شنوائی بینائی اور دانائی لے لے تو اور کوئی معبود بھی واپس نہیں دے سکتا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ (اے محمد) آپ دیکھئے تو ہم کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے پیش کر رہے ہیں پھر بھی یہ اعراض کرتے ہیں۔ قاموس میں صرف آیات کا معنی ہے آیات کو کھول کر بیان کرنا بغوی نے یہی لکھا ہے یعنی ہم توحید کے دلائل کسطرح کھول کھول کر بیان کر رہے ہیں۔ بیضاوی نے نصرف الاٰیٰت کی تشریح اس طرح کی ہے ہم بار بار دلائل بیان کرتے ہیں کبھی عقلی دلائل پیش کرتے ہیں کبھی ترغیب اور تخویف سے کام لیتے ہیں۔ کبھی گذشتہ اقوام کے احوال بیان کر کے عبرت اندوزی

ہونے کی نصیحت اور تنبیہ کرتے ہیں۔
ثُمَّ هُمْ میں ثم (تراخی کے لئے نہیں ہے بلکہ) اظہار دوری کے لئے ہے یعنی کھلے دلائل کے بیان اور ظہور آیات کے بعد ان کا اعراض کرنا بہت بعید ہے۔
قُلْ أَرَءَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظَّالِمُونَ ○ (اے محمدؐ) آپ کہدیجئے (مشرکوں سے) بتلاؤ اگر اللہ کا عذاب تم پر آپڑے خواہ بے خبری میں یا خبرداری میں تو کیا بجز ظالم لوگوں کے اور بھی کوئی ہلاک کیا جائیگا۔
بغتۃً سے مراد ہے اچانک بغیر کسی نشانی اور علامت کے۔ اور جہرۃً کا معنی ہے علی الاعلان جس کی نشانیاں پہلے سے نمودار ہو چکی ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ اور حسنؒ نے فرمایا بغتۃً اور جہرۃً کا معنی ہے رات میں یا دن میں۔ هل يهلك میں استفہام انکاری ہے یعنی سوائے ظالموں کے اور کوئی ہلاک نہ ہوگا، چونکہ اس جگہ استفہام بمعنی نفی ہے اسی لئے آگے استثناء کیا گیا۔ الظلمون سے مراد ہیں کافر جو کفر کی وجہ سے خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔
وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ج اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لئے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ (اہل ایمان کو جنت کی) بشارت دیں اور (کافروں کو دوزخ سے) ڈرائیں یعنی کافروں کے مطلوبہ معجزات کو پیش کرنا اور جس کو اللہ ہدایت یاب نہ بنانا چاہے اس کو ہدایت یاب بنانا ان کی قدرت میں نہیں ہوتا نہ پیغمبر ان صفات کے حامل ہوتے ہیں جن سے متصف ہونا کافروں کے نزدیک ضروری ہے مثلاً فرشتہ ہونا کھانے پینے کا ضرورتمند نہ ہونا کوئی عجیب مافوق الفطرت ہستی ہونا وغیرہ وغیرہ)
فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ پس جو لوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے درستی کرلی (یعنی پیغمبروں کی پیش کردہ تعلیم کو سچا مان لیا اور جنت کی امید اور دوزخ کے خوف سے اپنے اعمال کی اصلاح کرلی) تو پھر نہ ان کو (عذاب کا) ڈر ہوگا نہ (ثواب کے فوت ہونے کا) غم
وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا اور جن لوگوں نے ہماری (بشارت آفریں خوف آگیں) آیات کو جھوٹا قرار دیا۔
يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○ تو (ایمان و اطاعت کے دائرہ سے) اخراج ہونے کی وجہ سے ان کو عذاب لگے گا۔ چھونا اور لگنا تو زندگی کی علامت ہے گویا عذاب بھی ایک زندہ چیز ہوگا جو کافروں سے جس طرح چاہیگا آلگے گا۔ بما کانوا میں ما مصدری ہے
قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ آپ کہہ دیجئے میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں یعنی جن چیزوں پر اللہ کو خصوصی قدرت حاصل ہے وہ میرے قبضہ میں ہیں یا اس کے رزق

کے خزانے میرے پاس ہیں

وَلَآ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں یعنی وہ (گذشتہ اور آئندہ) چیزیں جن کی وحی سے مجھے اطلاع نہیں دی گئی ان کو جاننے کا میں دعویٰ نہیں کرتا۔ لَا اَعۡلَمُ کا عطف عِنۡدِیۡ خَزَآئِنُ اللّٰہِ پر ہے۔

وَلَآ اَقُوۡلُ لَکُمۡ اِنِّیۡ مَلَکٌ ج اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں کہ میرا کھانا پینا اور نکاح کرنا میرے دعوے کے خلاف ہو۔ مطلب یہ کہ میں تم سے کوئی ایسی بات نہیں کہتا جس کا عقلاً انکار ضروری ہو اور جو طلب دلائل کا محتاج ہو۔

اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ۔ میں تو تعلیم و تبلیغ میں بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جس کی وحی میرے پاس آتی ہے۔ یعنی میں صرف نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں اور انہی امور کے درپے ہوں جن کے درپے دوسرے انبیاء تھے اور اس میں کوئی عقلی استحالہ نہیں یہ بات عقلاً درست ہے گذشتہ انبیاء کی خبریں اس سلسلہ میں متواتر پہنچ چکی ہیں۔ مشرکوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دعوئے نبوت کو بعید از عقل سمجھا تھا اور حضور (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے دعوے کے ناممکن ہونے کا ان کو یقین تھا۔ اس آیت میں ان کے خیال کی تردید فرمادی۔

بغوی نے اس آیت کی تشریح میں کہا ہے کہ مشرکوں نے جب (اندھادھند) معجزات کی طلب کی تو ان آیات کا نزول ہوا مطلب یہ ہے آپ ان سے کہدیجئے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ اللہ کے خزانے میرے قبضہ میں ہیں یہاں تک کہ میں کوہِ صفا کو سونے کا بنادوں اور جو کچھ تم چاہتے ہو وہ تم کو دیدوں نہ میں غیب دانی کا مدعی ہوں کہ گذشتہ آئندہ باتیں بغیر اللہ کی وحی کے تم کو بتادوں نہ خود فرشتہ ہونے کا میرا دعویٰ ہے کہ مجھے کھانے پینے اور نکاح کرنے کی ضرورت نہ ہو میں تو بس اسی پر چلتا ہوں جو وحی سے میرے پاس آجاتا ہے۔

قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَالۡبَصِیۡرُ ؕ آپ کہئے کہ کیا اندھے اور انکھیارے برابر ہو سکتے ہیں اندھا (کافر) حق و باطل میں امتیاز نہیں کرتا ناممکن الانکار چیز کا انکار کردیتا ہے اور ناممکن التصدیق بات کی تصدیق کرتا ہے اور انکھیارا (یعنی سچا مومن) حق و باطل کی تمیز رکھتا ہے مدعی نبوت کے معجزات و آیات کی تصدیق کرتا ہے اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے اور بتوں کو دربار خداوندی میں اپنا سفارشی مانتے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے اور سائبہ کو بغیر کسی دلیل کے حرام کہتے ہیں ان کی اس خرافات کی یہ انکھیارا آدمی تکذیب کرتا ہے (اور ان سب بیہودہ باتوں کو غلط کہتا ہے)

اَفَلَا تَتَفَکَّرُوۡنَ ع تو کیا تم غور نہیں کرتے کہ حق و باطل میں تمیز کرنے اور واجب التصدیق و

واجب التکذیب امر میں فرق کرنے کا راستہ تم کو مل جائے۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ اور اس سے ایسے لوگوں کو ڈراؤ جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس جمع کئے جائیں گے۔

چونکہ الذین کے بعد یخافون ان یحشروا آیا ہے (جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ انہی لوگوں کو خوف دلانے کا حکم ہے جن کو اندیشۂ حشر بصورتِ یقین یا بطور تردد لگا ہوا ہے) اس لئے بیضاوی نے لکھا ہے کہ الذین سے مراد یا تو وہ مؤمن ہیں جن سے عمل میں کچھ کوتاہی ہو رہی ہو یا وہ لوگ مراد ہیں جن کو حشر کا اقرار ہو خواہ وہ مؤمن ہوں یا کافر کتابی یا حشر ہونے نہ ہونے میں تردد رکھنے والے ہوں غرض وہ لوگ مراد نہیں ہیں جن کو حشر کے نہ ہونے کا یقین ہو کیونکہ اس آخری گروہ کو ڈرانا بے سود ہے اور باقی اشخاص کو ڈرانا سود مند ہو سکتا ہے۔

بیضاوی کی یہ تشریح غلط ہے انذار کا حکم عمومی ہے اللہ نے اپنے پیغمبر کو یہ کہنے کا حکم دیدیا ہے کہ اوحی الیّ ھٰذا القراٰن لانذرکم بہ ومن بلغ عمل میں کوتاہی کرنیوالے مومنوں کی انذار کے لئے کوئی خصوصیت نہیں عمل کی انتہائی کوشش کرنے والے مومنوں کے لئے بھی انذار مفید ہے تاکہ انذار کے بعد وہ اجتہاد اور کوشش میں غفلت نہ کریں۔ دیکھو دورِ رسالت میں سب ہی سعیٔ عمل میں منہمک تھے کوئی بھی کوتاہی کرنیوالا نہ تھا لہٰذا الذین سے مراد سب لوگ ہیں ہر بندۂ عاجز کو اپنے خالقِ قوی سے ڈرنا ہی چاہئے یا یوں کہا جائے کہ آیت میں حشر سے ڈرنے والوں کا خصوصیت سے ذکر اس وجہ سے کیا کہ ڈرانے کا فائدہ انہی کو پہنچ سکتا ہے (جیسے ھدی للمتقین میں اہل تقویٰ کا خصوصی ذکر اس لئے ہے کہ وہی ہدایتِ قرآنی سے فائدہ اٹھانے والے ہیں اگرچہ قرآن کی ہدایت عمومی ہے)

لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ کہ ان کے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہوگا نہ سفارشی

یعنی حشر کی اس حالت سے ڈرتے ہیں کہ اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا حامی ہوگا نہ سفارشی۔ اس صورت میں پورا جملہ یحشروا کی ضمیر سے حال ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس جملہ کا مضمون بہ کی ضمیر سے بدل ہو اس وقت مطلب اس طرح ہوگا قرآن کے ذریعہ سے حشر کا اندیشہ کرنے والوں کو اس طرح ڈراؤ کہ اللہ کے سوا ان کا نہ کوئی حامی ہوگا نہ سفارشی لہٰذا اس کے سوا نہ کسی کی عبادت کریں نہ کسی اور کو مدد کے لئے پکاریں۔ اس آیت میں بظاہر شفاعت کی نفی ہے لیکن دوسری آیات میں باذنِ خداوندی شفاعت ہونے کا ثبوت موجود ہے (اسی طرح مؤمنوں کے لئے مومنوں کا حامی ہونا بھی مذکور ہے) اس لئے مثبتینِ شفاعت (یعنی اہلِ سنت) کی طرف سے کہا جائے گا کہ اللہ کے اذن کے بعد شفاعت ہونا بھی حقیقت میں اللہ ہی

کی حمایت ہو اور آیت میں نفی ولایت و شفاعت سے بلا اذنِ الٰہی ولایت و شفاعت کی نفی مراد ہے) پس اولیاء کی طرف سے ولایت و شفاعت جو اذنِ خداوندی کے بعد ہوگی اس کی نفی آیت میں نہیں ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○ اس امید پر کہ وہ ڈر جائیں حضرت مفسر نے لعل کا ترجمہ تاکہ کیا ہے۔ امام احمد طبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ قریش کے کچھ سردار رسول اللہ صلعم کی طرف سے گذرے اس وقت حضرت خبابؓ حضرت صہیبؓ حضرت بلالؓ اور حضرت عمارؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے سردارانِ قریش کہنے لگے محمدؐ تم نے انہی لوگوں کا انتخاب کیا ہے کیا اللہ نے ہم لوگوں میں سے انہی کو اپنی نعمت سے سرفراز کیا ہے اگر تم ان کو اپنے پاس سے نکال دو گے تو ہم تمہارے ساتھی ہو جائیں گے اس پر وانذر بہ سے سبیل المجرمین تک آیات کا نزول ہوا۔

ابن حبان اور حاکم نے حضرت سعدؓ بن وقاص کا بیان نقل کیا حضرت سعدؓ نے فرمایا یہ آیت چھ آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی میں اور عبداللہ بن مسعودؓ اور چار دوسرے لوگ۔ کفار قریش نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا ان لوگوں کو نکال دو تو ہم آپ کے پیرو ہو جائیں گے ہم کو ان کی طرح تمہارا پیرو ہونے میں شرم آتی ہے (یعنی ہم ان لوگوں کے ساتھ آپ کے پاس نہیں بیٹھ سکتے) حضور صلعم کے دل میں بھی اس بات کا کچھ خیال آیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی مسلم کی روایت بالفاظ ذیل ہے ہم چھ آدمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے میں، ابن مسعودؓ اور قبیلۂ ہذیل کا ایک شخص اور بلال اور دو آدمی اور جن کے نام میں بھول گیا ہم کو حضورؐ کی صحبت میں دیکھ کر مشرکوں نے کہا ان کو اپنے پاس سے ہٹا دو تاکہ ہمارے وقار میں فرق نہ آئے حضور (صلعم) کے دل میں بھی اس سے کچھ خیال آیا اور آپ نے کچھ سوچا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں ان کو اپنے پاس سے نہ نکالو پکارنے سے مراد ہے عبادت اور ذکر کرنا۔ کریم کی عبادت اور یاد سے اس کے انعام کا فیضان مزید ہوتا ہے بعض علماء کے نزدیک پکارنے سے مراد ہے دعا کرنا حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما نے فرمایا صبح و شام پکارنے سے مراد ہے فجر اور عصر کی نماز۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی بھی نسبت کی گئی ہے کہ پانچوں نمازیں مراد ہیں کیونکہ کچھ غریب مسلمان رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھے اس پر کچھ بڑے لوگوں نے کہا کہ جب ہم نمازیں شریک ہوں تو ان لوگوں کو آپ پیچھے کر دیا کریں یہ ہمارے پیچھے ہو کر نماز پڑھیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ط جو خاص اس کی رضامندی چاہتے ہیں۔

یعنی خلوص دل سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ تمام کاموں کا مدار اخلاص پر ہے اور جب خلوص کے ساتھ وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو ایسے عبادت گذاروں کی عزت کی جائے نکالا نہ جائے[1]

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور نہ آپ کا حساب کچھ ان کے متعلق ہے۔ من شئی ما کا اسم ہے اور علیک خبر اور من حسابک۔ علیک کی ضمیر سے حال ہے مقصد یہ ہے کہ اپنی مجلس سے نکالنا اور ہم نشینی ترک کرنا اس وقت جائز بلکہ ضروری ہوجاتا ہے اگر ہم نشینی سے دونوں میں سے کسی کا ضرر ہوتا ہو اگر آپس میں کسی کا نقصان نہ ہوتا ہو تو مجالست ترک کرنا واجب نہیں اور ان لوگوں کی ہم نشینی سے تو نہ آپ کا کوئی ضرر ہے نہ ان کا بلکہ دونوں کا فائدہ ہے آپ کی صحبت میں بیٹھ کر یہ نیکیاں کرینگے اور امت کی نیکیوں کا ثواب پیغمبر کو بھی ملنا یقینی ہے اور ان کو اپنی صحبت میں بٹھا کر آپ راہ راست بتاتے اور ہدایت کرتے رہیں گے اس سے ان کو فائدہ پہونچیگا اس مطلب پر یہ پورا جملہ منفیہ الّذین سے حال ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حسابہم اور علیہم کی ضمیر مشرکون طرف راجع ہو اس وقت مطلب اس طرح ہوگا مشرکوں کے اعمال کا آپ سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا نہ آپ کے اعمال کی ان سے محاسبہ فہمی پھر انکے مسلمان ہونیکے لالچ میں موجودہ مسلمانوں کو اپنے پاس سے نکالنا درست نہیں اور زیبا نہیں۔

فَتَطْرُدَهُمْ کہ مسلمانوں کو آپ اپنے پاس سے نکالیں یہ نفی کا جواب ہے اسی لئے منصوب ہے۔

فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ اور ظالموں میں سے ہو جائیں (یہ ترجمہ اس وقت ہوگا جب فتکون کا عطف تطردہم پر قرار دیا جائے اور اگر یہ نہی کا جواب ہے (جیسا کہ حضرت مفسر نے صراحت کی ہے) تو ترجمہ اس طرح ہوگا ان کو اپنے پاس سے نہ نکالو ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے)

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ اور اسی طور پر ہم نے ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے کذلک میں کاف اسی طرح زائد ہے جس طرح لیس کمثلہ شئی میں۔ ذلک سے اشارہ سرداران قریش کی گمراہی کی جانب ہے اور فتنّا کا مفعول مطلق ہے بعضہم سے مراد ہیں کفار قریش اور بعض سے مراد ہیں فقراء اہل اسلام جن کی موجودگی اور حاضر باشی سرداران قریش کے اسلام نہ لانیکا سبب

[1] علم البلاغۃ کا مسلمہ ضابطہ ہے جس کی صراحت امام عبدالقاہر نے اپنی کتابوں میں کی ہے اور صاحب مطول نے بھی اس کو نقل کیا ہے کہ اگر کسی حکم کو کسی وصف پر مرتب کیا جائے تو وہ وصف اس حکم کی علت ہوتا ہے جیسے اپنے سچے دوست زید سے اچھا سلوک کرو اچھا سلوک کرنے کی علت سچا دوست ہونا ہے اسی ضابطہ کی طرف حضرت مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اخراج کی ممانعت جن لوگوں سے متعلق کی گئی تھی ان کا خصوصی وصف بھی ذکر کر دیا ہے کہ وہ خلوص کے ساتھ عبادت کرتے ہیں پس اخلاص کے ساتھ عبادت کرنی ممانعت اخراج کی علت ہوئی خلوص کے ساتھ عبادت کرنے کا تقاضا عزت ہے ذکر اخراج۔ ۲

یعنی بعض اصل میں ببعضھم تھا یعنی تنوین مضاف الیہ کے قائم مقام ہے)

علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ اس جگہ کَذٰلِكَ فَتَنَّا (اور اسی طرح دوسرے مقامات پر لفظ کذلک) اگرچہ تشبیہی ہے لیکن تشبیہ مراد نہیں یا یوں کہا جائے کہ آیت کا معنی اس طرح ہے کہ وہ گمراہی جس میں ہم نے قریش کے سرداروں کو مبتلا کیا ویسی ہی تھی جیسے گذشتہ امتوں میں سے ہم نے بعض کو بعض کی گمراہی کا سبب بنا دیا تھا مثلاً قوم نوح نے کہا تھا مَا نَرٰكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ اور حضرت نوح نے ان کے جواب میں فرمایا تھا وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اس تفسیر پر بعضھم ببعض سے گذشتہ اقوام مراد ہیں اور سردارانِ قریش کی گمراہی کو گذشتہ اقوام کی گمراہی سے تشبیہ دی گئی ہے جو مطالبہ سردارانِ قریش نے کیا تھا وہی مطالبہ گذشتہ انبیاء کی بعض امتوں نے کیا تھا اور جس سبب سے سردارانِ قریش گمراہ ہوئے اسی سبب سے بعض اقوامِ پارینہ کے سردار گمراہ ہوئے)

بیضاوی نے آیت کی جو تشریح کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کذلک سے اشارہ دنیوی آزمائش کی طرف ہے اور فتنا سے مراد ہے دینی ابتلاء یعنی جیسے ہم نے دنیوی معاملات میں لوگوں کو مختلف کر کے آزمائش کی ہے کسی کو فقیر بنایا اور کسی کو امیر اسی آزمائش کی طرح ہم نے دینی امور میں بھی لوگوں کو امتحان میں ڈالا ہے اور بعض کو بعض کی آزمائش کا سبب بنایا ہے چنانچہ کمزوروں کو سابق الایمان بنا کر سرداروں پر ان کو برتری عطا کی (اور یہی عمل سرداروں کی گمراہی کا سبب بن گیا)

لِيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ تاکہ یہ لوگ کہا کریں کہ کیا یہی لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے اللہ تعالیٰ نے ان پر زیادہ فضل کیا ہے۔ یقولوا کا فاعل اغنیاء ہیں اور ھٰؤلاء سے اشارہ فقراء مسلمین کی جانب ہے۔ انعام سے مراد ہے ہدایت اور توفیق ایمان اھٰؤلاء میں استفہام انکاری ہے یعنی اغنیاء نے اس امر کا انکار کیا کہ فقراء کو قبولِ حق کی توفیق مل جائے اور وہ خیر کی جانب اغنیاء سے آگے بڑھ جائیں حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر اسلام حق ہوتا تو ہم اس کی طرف فقراء سے پیش قدمی کرتے اور وہ ہم سے آگے نہ بڑھ سکتے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ کیا اللہ شکر گذاروں سے بخوبی واقف نہیں ہے یعنی جن لوگوں کے اندر شکر گذار ہونے کی استعداد ہے جس کی وجہ سے اللہ ان کو شکر گذاری کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور جن لوگوں کے اندر ایمان اور شکر گذاری کی صلاحیت نہیں ہے جس کی وجہ سے اللہ ان کو توفیق ایمان نہیں دیتا کیا ان دونوں گروہوں سے اللہ واقف نہیں ہے

یہ آیت (اس تفسیر کی روشنی میں) دلالت کر رہی ہے کہ (خیر و شر کی) استعداد وجود سے پہلے ہوتی ہے حضرت مجدد الف ثانی نے اسی لئے فرمایا تھا کہ تعینات اہلِ ایمان کے مبادی اللہ کے اسم ہادی کا پرتو ہیں اور تعینات کفار کے مبادی اللہ کے اسم مضل کا پرتو (یعنی توفیق ایمان ہو یا ضلالت آفرینی دونوں اللہ کی صفات کے پرتو ہیں جن کا

اللہ کے اسم ہادی کا پرتو پڑ گیا وہ ہدایت یافتہ ہوگیا اور جس پر اللہ کے اسم مضل کا پرتو پڑ گیا وہ گمراہ ہوگیا، پس جس چیز سے اور جس غرض کے لئے جس کو پیدا کیا گیا ہے اس سے تجاوز ناممکن ہے۔

آیت کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ رذیل فقیر اس قابل ہیں کہ ہم کو تو صحبت رسول حاصل نہ ہو اور صرف ان کو صحبت رسولؐ کی نعمت دے کر اللہ سربلند کرے (ایسا نہیں ہوسکتا) اس خیال کو رد کرنے کے لئے اللہ نے فرمایا کیا اللہ شکر گذاروں کو نہیں جانتا پس جو شکر گذار ہیں وہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم کی ہم نشینی کے مستحق ہیں اغنیاء شکر گذار نہیں ہیں اسلئے ان کو صحبت رسولؐ کا استحقاق بھی نہیں ہے۔

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت سلمانؓ اور حضرت خباب بن الارت نے فرمایا اس آیت کا نزول ہمارے سلسلہ میں ہوا اقرع بن حابس تمیمی عیینہ بن حصن فزاری اور بعض دوسرے لوگ جو مؤلفۃ القلوب (مسلمانوں) میں سے تھے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بلالؓ صہیبؓ عمارؓ خباب اور کچھ اور کمزور مسلمان بیٹھے ہوئے تھے آنے والوں نے ان بیچاروں (غریبوں) کو دیکھ کر تحقیر کی نظر سے دیکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) اگر آپ صدر مقام پر تشریف فرما ہوں اور ان لوگوں کو اور ان کے لباس کی بدبو کو اپنے پاس سے ہٹا دیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھیں گے اور آپ سے کچھ حاصل کرینگے ان غریب مسلمانوں کے اونی چوغے تھے جن سے پسینہ کی وجہ سے بدبو پھیل رہی تھی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا میں اہل ایمان کو اپنے پاس سے نہیں نکال سکتا۔ کہنے لگے اچھا تو ہمارے لئے الگ جگہ مقرر کر دیجئے کہ (آنے والے) عرب ہماری بڑائی کو پہچان لیں کیونکہ آپ کے پاس عربوں کے وفد آتے رہتے ہیں، ہمیں ان کے سامنے ان غلاموں کے ساتھ بیٹھتے شرم آتی ہے ہم جب آپ کے پاس آیا کریں تو آپ ان کو اٹھوا دیا کریں اور جب ہم فارغ ہو کر چلے جائیں تو آپ کو اختیار ہے آپ پھر ان کو اپنے پاس بٹھا لیا کریں۔ حضور (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا ہاں (یہ ہوسکتا ہے) کہنے لگے اس کی ایک تحریر لکھ دیجئے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے کاغذ طلب فرمایا اور حضرت علیؓ کو بلوایا۔ راوی کا بیان ہے ہم ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے ہی تھے (اور تحریر لکھنے نہ پائے تھے) کہ جبرئیل آیت وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ ...... بِالشّٰکِرِیْنَ تک لیکر نازل ہوئے حضور صلعم نے فوراً دستِ مبارک سے کاغذ پھینک دیا اور ہم کو طلب فرمایا ہم خدمت میں پہنچے تو آپ پڑھ رہے تھے سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ۔ چنانچہ ہم حضورؐ کے پاس برابر بیٹھے رہے جب حضور صلعم اٹھنے کا ارادہ کرتے تو خود اٹھ جاتے اور ہم کو بیٹھا چھوڑ جاتے اس پر اللہ نے نازل فرمایا وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّہُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْہَہٗ اس کے بعد (بڑے بڑے سرداروں کے آنے پر بھی) حضور صلعم ہمارے پاس بیٹھے رہتے اور ہم اتنے قریب بیٹھتے کہ ہمارے زانو حضور صلعم

کے زانو سے چھونے لگے پھر جب حضور صلعم کے اٹھنے کا وقت آجاتا تو ہم خود اٹھ جاتے اور حضورؐ کو بیٹھا چھوڑ دیتے آخر آپ بھی اٹھ جاتے اور حضورؐ نے ہم سے فرمایا تھا اللہ کا شکر ہو کہ مرنے سے پہلے اس نے مجھے حکم دیدیا کہ میں اپنی امت کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا رہوں۔ تمہارے ہی ساتھ میرا مرنا جینا ہے۔ کلبی نے کہا اقرع اور عینیہ وغیرہ نے عرض کیا تھا آپ ایک دن ہمارے لئے اور ایک دن ان کے لئے مقرر فرما دیجئے حضور صلعم نے فرمایا میں ایسا نہیں کر سکتا کہنے لگے اچھا تو مجلس ایک ہی رکھئے مگر ہماری طرف کو منہ اور انکی طرف کو پشت رکھئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی

بغوی نے جو واقعہ حضرت خبابؓ اور حضرت سلمانؓ کی روایت سے نقل کیا ہو وہی واقعہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے (صرف) حضرت خبابؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اس میں آنا زائد ہے کہ پھر اللہ نے اقرع اور اسکے ساتھی کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ الخ شیخ ابن کثیر نے لکھا ہے یہ روایت غریب ہو کیونکہ یہ آیت تو مکی ہے اور اقرع و عینیہ ہجرت سے بہت مدت کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔

بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا۔ میں مہاجروں کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا برہنگی کی وجہ سے بعض لوگ بعض کی آڑ پکڑے ہوئے تھے اور ایک قاری پڑھ رہا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لے آئے اور آ کر کھڑے ہو گئے حضورؐ کو کھڑا دیکھ کر قاری چپ ہو گیا آپ نے سلام کیا اور فرمایا تم کیا کر رہے تھے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک قاری قرآن مجید پڑھ رہا تھا ہم اللہ کا کلام سن رہے تھے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں بعض لوگ ایسے بنا دیئے جن کے ساتھ مجھے اپنے آپ کو جمائے رکھنے کا حکم دیا اس کے بعد اظہار مساوات کیلئے آپ ہمارے وسط میں بیٹھ گئے پھر ہاتھ سے اشارہ فرمایا تو لوگوں نے گرداگرد حلقہ بنا لیا اور سب کے چہرے سامنے آگئے (کوئی آڑ میں نہیں رہا) میرا خیال ہے کہ میرے علاوہ حضور (صلعم) نے کسی کو نہیں پہچانا ارشاد فرمایا اے نادار مہاجروں کے گروہ قیامت کے دن تم کو نور کامل حاصل ہونے کی بشارت ہو مالداروں سے آدھے دن پیشتر غریب لوگ جنت میں جائیں گے اور اس آدھے دن کی مقدار پانسو برس ہوگی۔

ابن جریر نے حضرت عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ شیبہ بن ربیعہ مطعم بن عدی اور حارث بن نوفل عبد مناف کے کچھ کافر سرداروں کی معیت میں ابو طالب کے پاس گئے اور کہا اگر آپ کا بھتیجا ان غلاموں کو اپنے پاس سے نکال دے تو اس کی عظمت ہمارے دلوں میں بڑھ جائیگی اور ہماری نظر میں وہ زیادہ قابل اطاعت ہو جائے گا اور ہمارے لئے اس کا اتباع کرنا زیادہ مناسب ہو جائیگا۔ ابو طالب نے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے گفتگو کی۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے بھی مشورہ دیا کہ ایسا کر دیکھئے ہم بھی تو دیکھیں قریش کا اس سے مقصد کیا ہے اس پر اللہ نے آیت وانذر به الذين يخافون .... اليس الله

معلوم بات کر بین تک نازل فرمائی جن لوگوں کو رسول اللہ کے پاس سے قریش نے ہٹانا چاہا تھا وہ بلال عمار بن یاسر ابوحذیفہ کا آزاد کردہ سالم۔ اسید کا آزادہ کردہ صبیح عبداللہ بن مسعود۔ مقداد بن عبداللہ۔ وقد بن عبداللہ حنظلی اور انہی کی طرح کے اور لوگ تھے اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمرؓ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور اپنے سابق مشورہ کے عذرخواہ ہوئے اسوقت آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ان سے کہیں تم پر سلامتی ہو۔

حضرت عکرمہ کا قول ہے اس آیت کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو غریب مسلمانوں کے اخراج سے منع کیا تھا چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان حضرات کو دیکھتے تھے تو سلام کا آغاز خود ہی کرتے تھے۔ عطار کا بیان ہے اس آیت کا نزول مندرجۂ ذیل حضرات کے حق میں ہوا۔ ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ، بلالؓ، سالمؓ، ابوعبیدہؓ مصعبؓ بن عمیرؓ حمزہؓ جعفرؓ عثمان بن مظعون عمار بن یاسر ارقم بن ارقم ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہم۔

فریابی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ماہان کی روایت نقل کی ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا اس پر آیتِ ذیل وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ الخ نازل ہوئی۔

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ تمہارے رب نے اپنی ذات پر تمہارے لئے رحمت لازم کرلی ہے۔ اس آیت میں اللہ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے سلام کرنے میں خود پیشقدمی کیا کریں یا ان کو اللہ کی طرف سے سلام پہنچا دیں (یعنی فقل سلام علیکم کے دونوں مطلب ہوسکتے ہیں) اور فقط سلامتی ہی کی بشارت نہیں بلکہ اس کے بعد یہ بات بھی ان کو پہنچا دیں کہ اللہ نے اپنی مہربانی سے اپنے وعدہ کے مطابق ان پر رحمت فرمانے کو واجب و لازم قرار دے لیا ہے۔

اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ کہ تم میں سے اگر کوئی شخص نادانی سے برا کام کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور (اپنے آپ کو) درست کرلے تو اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ بڑا غفور رحیم ہے (ضرور معاف کردے گا)

اَنَّهٗ میں ضمیر شان ہے جس کو مرجع کی ضرورت نہیں) اور پورا جملہ الرحمۃ سے بدل ہے یا باب محذوف ہے بجہالۃ عمل سے حال ہے او مفعول محذوف ہے یعنی بداعمالی کے ضرر رساں تباہی آفریں نتیجہ کو نہ جاننے کی

حالت میں جس نے کوئی برا کام کیا۔ یا بجہالۃ کا معنی ہے متجاہلاً یعنی جس کسی نے کوئی برا کام جاہلانہ طور پر کر لیا مطلب یہ ہے کہ خواہشاتِ نفس کے غلبہ کی وجہ سے اس کا طور طریق جاہلانہ ہو گیا اور پھر جاہلانہ طور پر اس نے کوئی برا عمل کر لیا، اور کرنے کے بعد اس کو پشیمانی ہو گئی اور آئندہ نہ کرنے کا اس نے پختہ ارادہ کر لیا اور اپنے اعمال کو درست کر لیا تو اس کے لئے اللہ غفور رحیم ہے۔ آیت دلالت کر رہی ہے کہ توبہ مغفرتِ گناہ کا سبب ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ اور اسی طرح ہم آیات کو الگ الگ کر کے بیان کرتے رہتے ہیں۔ یعنی جس طرح ہم نے اس سورت میں آیات کی تفصیل کی اسی طرح ہم قرآن کی آیات الگ الگ کھول کر بیان کرتے ہیں یا آیات سے مراد ہیں دلائلِ حق جو منکرینِ حق کے سامنے بیان کی جاتی ہیں۔

وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ (تاکہ راہِ مستقیم معلوم ہو جائے) اور مجرموں کی راہ نمایاں ہو جائے اس کا عطف محذوف جملہ پر ہے پورا کلام اس طرح تھا ہم آیات بیان کرتے ہیں تاکہ راہِ مستقیم واضح ہو جائے اور مجرموں کا راستہ کھل کر سامنے آجائے۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ آپ کہہ دیجئے مجھے ممانعت کر دی گئی ہے یعنی مجھے عقلی دلائل و براہین اور قرآنی آیات و احکام کے ذریعہ سے باز داشت کر دی گئی ہے پھیر دیا گیا ہے۔

اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ کہ ان کی پرستش کروں جن کو اللہ کے علاوہ تم معبود قرار دیتے اور ان کی عبادت کرتے اور ان کو الٰہ کہتے ہو۔

قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَاۗءَكُمْ ۙ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا۔ اس جملہ میں کافروں کی امید کو پُرزور طریقہ سے قطع کر دیا گیا اور اس بات کو واضح کر دیا گیا کہ جن خیالات پر تم چل رہے ہو ان کے لئے نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی ثبوت۔ محض خواہش نفس کی پیروی ہے اس میں ترکِ اتباع کی علت کا بھی اظہار فرما دیا اور طلبگارانِ حق کو تنبیہ بھی کر دی کہ دلیل و برہان واجب الاتباع ہے اور (بے ثبوت) تقلید ناجائز۔

قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا کیونکہ اس حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا۔ یعنی اگر میں تمہاری خواہشات پر چلا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔

وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ اور ہدایت یافتہ گروہ میں سے نہ ہونگا۔ اس میں در پردہ تنبیہ ہے کہ تم ہدایت یافتہ گروہ میں شامل نہیں ہو۔

قُلْ اِنِّيْ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ آپ کہدیجئے کہ میرے پاس تو ایک دلیل ہے میرے

رب کی طرف سے۔ من بینۃ کی من ربی صفت ہے یعنی وہ دلیل جو میرے رب کی طرف سے مجھے ملی۔ یا من ربی بینۃ کا صلہ ہے یعنی اپنے رب کی معرفت اور اس بات کا علم کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔

سابق آیت میں اس (خواہش نفس) کا اظہار تھا جس کا اتباع ناجائز ہے اس آیت میں اس شئی کا بیان ہے جس کا اتباع لازم ہے یعنی دلیل و بصیرت۔

وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ۚ اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ بہ کی ضمیر بینۃ کی طرف راجع ہے کیونکہ (بینۃ کا لفظ اگرچہ مؤنث ہے لیکن معنوی اعتبار سے یہ مذکر ہے یعنی برہان۔ یا رب کی طرف راجع ہے یعنی تم میرے رب کی تکذیب کرتے ہو دوسروں کو (عبادت میں) اسکا شریک بناتے ہو۔

مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۚ جس چیز کے جلد آنے کی تم درخواست کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں۔ ما تستعجلون بہ سے مراد عذاب ہے کیونکہ کافر کہتے تھے ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم یا قیامت مراد ہے اللہ نے فرمایا ہے یستعجل بھا الذین لا یؤمنون بھا

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۚ (عذاب میں تعجیل یا تاخیر اور قیامت کو لانے کے متعلق حکم بس اللہ کے ہی اختیار میں ہے۔

یَقُصُّ الْحَقَّ اللہ واقعی بات بتا دیتا ہے۔ یقص کا معنی ہے وہ بیان کرتا ہے فرماتا ہے تفصیل کرتا ہے لیکن اگر اس لفظ کو قصّ اثرہٗ (اس کے نشان قدم پر چلا) سے ماخوذ قرار دیا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا وہ حق کے ساتھ ہے حق کے پیچھے ہے۔

وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ۝ وہی سب سے اچھا حاکم اور (حکم کو) ظاہر کرنیوالا ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اے محمد۔ آپ کہدیجئے کہ بالفرض اگر میری قدرت میں وہ عذاب اور قیامت کو لانا جس کی تم جلدی مچا رہے ہو ہوتا۔

لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۚ تو میرا اور تمہارا باہمی قصہ فیصل ہو چکا ہوتا۔

یعنی عذاب آچکتا اور تم ہلاک ہو چکتے اور میرا تمہارا جھگڑا ہی نمٹ جاتا یا یہ مطلب ہے کہ آج ہی قیامت بپا ہو جاتی حق و باطل کا فیصلہ ہو جاتا اور میرے تمہارے درمیانی جھگڑے کا فیصلہ جو قیامت میں ہونے والا ہے وہ آج ہی طے ہو جاتا۔ اللہ نے فرمایا ہے ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ اَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

اس آیت میں باہمی جھگڑا چکانے کا مبہم طور پر ذکر کر دیا گیا لیکن تعیین کے ساتھ یہ نہیں بتایا کہ عذاب میں مبتلا کون فریق ہوگا اس کی توضیح کے لئے آگے فرمایا

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝ اور اللہ ظالموں (بیجا حرکات کرنے والے ناحق کوشوں یعنی کافروں)

کو خوب جانتا ہے پس انہی کو اپنی حکمت کے زیر اقتضا، تباہ کرے گا۔

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ اور غیب کے خزانے (یا کنجیاں) اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں۔ عِنْدَهُ کی تقدیم مفید حصر ہے (یعنی اسی کے قبضہ میں ہیں کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں ہیں) مفاتح جمع ہے اس کا واحد مَفْتَحٌ (بفتح میم) ہے جس کا معنی ہے خزانہ۔ یا مفتح (بکسر میم) واحد ہے جس کا معنی ہے بند چیز کو کھولنے کا آلہ یعنی کنجی۔ مفاتح الغیب سے مراد ہے علم خداوندی جو ہر معلوم چیز تک پہونچنے (اور اس کی حقیقت کو پانے) کا ذریعہ ہے اور قبضہ میں ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کا علم ہر غیبی چیز کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے گویا وہ غیبی چیز اس کے پاس موجود ہے۔

غیب وہ چیز ہے جو ابھی تک عالم وجود میں نہیں آئی جیسے قیامت کے احوال، بارش ہونا نہ ہونا اور کب ہونا۔ آدمی کا کل کو کیا کام کرنا، کس جگہ (اور کب) مرنا۔ یہ سب امور اسی قسم کے غیب میں داخل ہیں۔ غیب وہ چیز بھی ہے جو موجود تو ہو گئی مگر اللہ نے کسی کو اس سے واقف نہیں بنایا جیسے شکم مادر میں کیا ہے (نر یا مادہ) آیت میں دونوں طرح کا غیب مراد ہے۔

بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مفاتح الغیب پانچ چیزیں ہیں جن کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا کہ رحم مادر کے اندر کیا ہے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کریگا۔ سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں مریگا اور سوائے اللہ کے کوئی واقف نہیں کہ قیامت کب بپا ہوگی۔ امام احمدؒ اور بخاری کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے حضرت جبرئیل کے سوال کے سلسلہ میں آیا ہے کہ حضور نے فرمایا ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یعنی قیامت (پانچ غیبی امور میں سے ہے) اس کے بعد حضور نے تلاوت فرمائی ان اللہ عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیث الخ

میں کہتا ہوں کہ خزائن غیب انہی پانچ چیزوں میں محدود نہیں ہیں بلکہ جو چیز اب تک موجود نہیں ہوئی یا موجود ہو گئی مگر اللہ نے اس کا اظہار کسی پر نہیں کیا وہ خزائن غیب میں داخل ہے۔ ضحاک نے کہا مفاتح الغیب زمین کے خزانے ہیں اور نزول عذاب کا علم ہے۔ عطا نے کہا مفاتح الغیب وہ ثواب و عذاب ہے جو تم سے پوشیدہ ہے۔ مفاتح الغیب کے متعلق بعض اقوال دوسرے بھی آئے ہیں جیسے زندگی کی مدت کب ختم ہوگی آدمی سعید ہے یا شقی آدمی کا خاتمہ کس حالت پر ہوگا وغیرہ، ہم نے جو تصریح کر دی اس کی بناء پر ان تمام اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اوپر مفاتح الغیب کو اللہ کے لئے محدود کیا گیا تھا مگر ابہاماً اس آیت میں اس حصر کی صراحت کردی گئی۔ ھا کی ضمیر مغیبات کی طرف راجع ہے یعنی اللہ کے سوا ان غیبی امور کا علم کسی کو نہیں۔ وہی ان کے اوقات اور دیر میں یا جلدی آنے سے واقف ہے اور اس کی حکمت سے بھی وہی واقف ہے ہاں اگر اللہ خود ہی کسی کو ان چیزوں کا کچھ علم عطا فرمادے تو دوسرا جان سکتا ہے آیت دلالت کر رہی ہے کہ اللہ تمام چیزوں کو ان کے وجود سے پہلے ہی جانتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اور جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اللہ اس سے واقف ہے یعنی خشکی میں نباتات اور حیوانات وغیرہ اور سمندر میں حیوانات اور موتی مونگا وغیرہ جو کچھ ہے سب سے اللہ ہی واقف ہے۔

آیت بالا میں مغیبات کا ذکر تھا اس آیت میں موجود محسوسات کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ دونوں قسم کی مخلوق اللہ کے علمی احاطہ کے اندر ہے۔

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا اور نہیں گرتی کوئی پتی مگر اللہ اسکو جانتا ہے۔

مَا نفی کے لئے ہے اور مِنْ استغراق کے لئے۔ اس آیت میں پُرزور طور پر بیان فرمایا کہ ہر جزئی کو اللہ کا علم محیط ہے مطلب یہ ہے کہ درختوں کی تمام پتیوں کی پوری تعداد اور نیچے گرنے سے پہلے اور بعد کے تمام احوال وکیفیات کو اللہ جانتا ہے۔

وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ○

اور کوئی حصہ زمین کی اندھیریوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر وخشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا رطب (سے مراد ہے) پانی، اور یابس (سے مراد ہے) صحرا۔ عطاء نے کہا نامی اور جامد مراد ہے بعض کے نزدیک زندہ اور مردہ مراد ہے۔ ولا حبۃ اور ولا رطب ولا یابس کا عطف ورقۃ پر ہے اور یہ سب نفی علم کے تحت مندرج ہیں گویا یوں مطلب ہوا کہ ہر پتی کو ہر دانہ کو اور ہر تر وخشک کو اللہ جانتا ہے اس صورت میں کتاب مبین سے مراد ہوگا اللہ کا علم اور الا فی کتاب مبین۔ استثناء اول سے بدل کل ہوگا۔ اور اگر کتاب مبین سے لوح محفوظ مراد ہوگی تو الا فی کتاب مبین بدل بعض ہو جائیگا۔ یا یوں کہا جائے کہ حبۃ کا عطف ورقۃ پر اور الا فی کتاب مبین کا عطف الا یعلمہا پر ہے فعل ایک ہی ہے اور دو معمولوں کا دو معمولوں پر عطف ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ۔

اور وہ ہی ہے جو رات میں تمہاری روحوں کو (ایک گونہ) قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے

ہو اس کو جانتا ہے پھر دن میں تم کو جگا اٹھاتا ہے۔ توفی کا اصل (لغوی) معنی ہے کسی چیز کو پورے طور سے قبض کر لینا یا توفی سے بطور استعارہ موت مراد ہوتی ہے یہاں مراد نیند ہے کیونکہ نیند بھی ایک قسم کی وفات (موت) ہے جرحَ ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء سے کوئی کام کرنا۔ آیت میں کام کرنے کا وقت دن کو اور سونے کا وقت رات کو قرار دیا کیونکہ عموماً دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے اس سے تخصیص لازم نہیں آتی کہ آدمی رات کو کام نہ کر سکے اور دن کو نہ سو سکے۔ پوری آیات میں کچھ تقدیم تاخیر ہے اصل کلام یوں ہے ھوالذی یتوفاکم باللیل ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ بِالنَّهَارِ وَ یَعْلَمُ مَاجَرَحْتُمْ۔ چونکہ اعضاء سے کام کرنے کی اہمیت زائد تھی اس لئے بیدار کر کے اٹھانے سے پہلے اس کا ذکر کیا۔

لِيُقْضَى أَجَلٌ مُّسَمًّى ج تاکہ میعاد معین تمام کردی جائے۔ یعنی موت آنے کی میعاد معین شکم مادر میں جب بچہ ہوتا ہے اسی وقت میعاد موت مقرر کردی جاتی ہے بلکہ ازل میں ہی اسکی تعیین کردی گئی ہے۔

ثُمَّ إِلَيْهِ پھر اس کی طرف یعنی اس کے فیصلہ کی طرف

مَرْجِعُكُمْ تم سب کی (مرنے کے بعد) واپسی ہے۔

ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ع پھر (قیامت کے دن حساب کے وقت) تم کو ان اعمال پر آگاہ کریگا جو تم کرتے تھے اور ان اعمال کا بدلہ دیگا۔ سابق آیت میں علم کی ہمہ گیری پر تنبیہ کی گئی تھی اور اس آیت میں کمالِ قدرت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ نیند موت کی بہن ہے سونے کے بعد اٹھانے سے دوبارہ بھی اٹھنے کی دلیل کی جانب اشارہ ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے۔ فوقیت سے مراد ہے غلبہ اور برتری۔ قاہر اس غالب کو کہتے ہیں جس کا مقابلہ ممکن نہ ہو۔

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ○ اور وہی تم پر نگرانی کرنے والے بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آپہونچتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور (اپنے فرض کی ادائیگی میں) وہ کوتاہی نہیں کرتے حفظہ سے مراد ہیں نامہائے اعمال میں اعمال کا اندراج کرنیوالے اور لکھنے والے تاکہ قیامت کے دن ان اعمال ناموں کو کھولا جائے اور نافرمان و فرماں بردار کا سب کے سامنے ظہور ہو جائے۔

ختتی سے ارسال حفظہ کی غرض ظاہر کی گئی ہے یا غلبہ کا نتیجہ۔ ابن ابی حاتم اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ رُسُلُنَا سے مراد ہیں ملک الموت کے مددگار فرشتے۔ ابوالشیخ نے نخعی کی روایت سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ سیوطی نے وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ جو فرشتے انسان کے قریب رہتے ہیں وہی اس کی

اجل کو بھی لکھتے ہیں اور جب موت کا وقت آجاتا ہے تو وہ یہی روح کو لیکر ملک الموت کے سپرد کر دیتے ہیں (گویا اعمال نامے لکھنے والے ملک الموت کے ماتحت ہوتے ہیں) گویا ملک الموت اس تحصیلدار کی طرح ہے کہ اس کے ماتحت زکوٰۃ کی رقم وصول کر کے اس کے سپرد کر دیتے ہیں۔

ابن حبان اور ابو الشیخ کا بیان ہے کہ ربیع بن انسؓ سے دریافت کیا گیا کیا ملک الموت تنہا تمام روحوں کو قبض کرتا ہے ربیع نے کہا روحوں کا ذمہ دار تو تنہا ملک الموت ہے مگر اس کے مددگار اور کارندے ہیں اور سب کا سردار ملک الموت ہے اور فرشتۂ موت کا ایک قدم مشرق سے مغرب تک کا ہوتا ہے۔ دریافت کیا گیا مومنوں کی روحیں کہاں رہتی ہیں ربیع نے جواب دیا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس قرطبی نے کہا ان تینوں آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے ایک آیت ہے توفتہ رسلنا دوسری آیت ہے یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ تیسری آیت ہے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ۔ اول آیت میں قابض ارواح رسل کو قرار دیا ہے اور دوسری آیت میں ملک الموت کو اور تیسری آیت میں قبض ارواح کی نسبت خود اللہ نے اپنی طرف کی ہے۔ کیونکہ قبض روح کرنے والے اور جان کھینچنے والے تو فرشتے ہیں جو ملک الموت کے مددگار ہیں اور روحوں پر قبضہ رکھنے والا ملک الموت ہے جان کھینچنے کا کام مددگار کرتے ہیں اور قبضہ ملک الموت کا ہوتا ہے اور حقیقی فاعل اللہ ہی ہے حقیقۃً قبض ارواح اسی کا کام ہے کیونکہ بندوں کے تمام افعال اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔

یہ بھی قرطبی کا بیان ہے حدیث میں آیا ہے کہ مرنے والے پر چار فرشتے اترتے ہیں ایک دائیں پاؤں سے دوسرا بائیں پاؤں سے تیسرا دائیں ہاتھ سے اور چوتھا بائیں ہاتھ سے جان کھینچتا ہے۔ ذکرہ ابو حامد۔

کلبی کا بیان ہے کہ ملک الموت روح کو قبض کر کے رحمت یا عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے جو یبر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ ملک الموت کا تسلط زمین کی تمام چیزوں پر اسی طرح ہے جس طرح اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیز پر ہے تمام جانوں کو وہ خود ہی قبض کرتا ہے مگر اس کے ساتھ رحمت اور عذاب کے فرشتے ہوتے ہیں پاک روح کو قبض کرنے کے بعد رحمت کے فرشتوں کو دے دیتا ہے اور ناپاک روح کو عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ ابن ابی الدنیا اور ابو الشیخ نے ابن المثنی حمصی کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔ اس کی تائید حضرت براء بن عازب کی روایت کردہ اس طویل حدیث سے ہوتی ہے جس کو احمد ابو داؤد حاکم ابن ابی شیبہ اور بیہقی وغیرہ نے صحیح اسنادوں کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن بندہ کا تعلق جب دنیا سے منقطع ہونے لگتا ہے اور آخرت سامنے سے آرہی ہوتی ہے تو سورج جیسے گورے چہروں والے ملائکہ اس کے پاس اتر کر آتے ہیں جنت کا کفن اور خوشبو

ان کے ساتھ ہوتی ہے آکر درازیٔ نگاہ کے فاصلہ پر بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آکر مرنے والے کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے اے پاکیزہ روح اللہ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف نکل کر چل، روح فوراً اس طرح بہتی نکل آتی ہے جس طرح مشک کے اندر سے پانی کا قطرہ نکل آتا ہے موت کا فرشتہ اس کو لیکر فوراً (مندرجۂ بالا) ملائکہ کے سپرد کر دیتا ہے پل بھر بھی اپنے ہاتھ میں نہیں روکتا ملائکہ اسی (بہشتی) کفن اور خوشبو میں روح کو لپیٹ دیتے ہیں الحدیث۔ اسی حدیث میں کافر کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ سیاہ رو ملائکہ ٹاٹ لئے درازی نظر کے فاصلہ پر آکر بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور روح کو قبض کر کے فوراً (عذاب کے سیاہ رو) فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے پل بھر بھی اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا۔

ابن ابی حاتم نے زہیر بن محمد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ملک الموت تو ایک ہے اور مشرق مغرب اور ان دونوں کے درمیان دو لشکر لڑتے ہیں گرتے ہیں اور ہلاک ہوتے ہیں (ایک وقت میں ملک الموت کہاں کہاں جاتا اور کس کس کی جان قبض کرتا ہے) فرمایا ملک الموت کے لئے دنیا اس طرح گھیر دی گئی ہے جس طرح ایک طشت تمہارے سامنے ہوتا ہے دنیا کی کوئی چیز ملک الموت سے چھوٹ نہیں سکتی۔ ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے اشعث بن اسلم کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ملک الموت سے جس کا نام عزرائیل ہے اور جس کی دو آنکھیں آگے چہرہ میں اور دو آنکھیں پیچھے گدی میں ہیں دریافت کیا کہ جب ایک شخص مشرق میں دوسرا مغرب میں ہو اور وبا کسی زمین پر پھیلی ہوئی ہو دیا، دو لشکر باہم لڑیں تو آپ کیا کرتے ہیں عزرائیل نے کہا میں روحوں کو باذن اللہ پکارتا ہوں اور تمام روحیں میری اس چٹکی میں آجاتی ہیں۔ اشعث بن اسلم نے کہا ملک الموت کے سامنے زمین ہموار شکل میں طشت کی طرح کر دی گئی ہے جس جگہ سے چاہتے ہیں وہ روح کو پکڑ لیتے ہیں۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے سوال کے جواب میں ملک الموت نے کہا کہ اللہ نے دنیا کو میرا تابع بنا دیا ہے جس طرح تمہارے سامنے طشت رکھا ہو اور تم اس میں سے جس کنارہ سے چاہو (پھل یا کھانا وغیرہ) لے سکتے ہو اسی طرح دنیا میرے لئے ہے۔

ابوالشیخ اور ابونعیم نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے اور الزہد میں بھی مجاہد کا یہ بیان آیا ہے کہ ملک الموت کے لئے زمین ایک طشت کی طرح کر دی گئی ہے وہ جہاں سے چاہتا ہے روحوں کو لے لیتا ہے اللہ نے اس کے کچھ مددگار بنا دیئے ہیں جو روحوں کو قبض کرتے ہیں پھر ان سے ملک الموت وہ روحیں لے لیتا ہے۔

میں کہتا ہوں احادیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ جس طرح محسوسات میں سورج کا تعلق (ایک وقت میں) ہر چیز سے برابر ہے اسی طرح ملک الموت کے لئے تمام زمین اور اطراف زمین ہے۔

(ایک ہی وقت اس کا تعلق ہر گوشۂ زمین سے ہے) ایک کام میں مشغولیت اس کو اسی وقت میں) دوسرے کام میں مشغول ہونے سے نہیں روکتی (اگر ایک وقت میں مشرق کے کسی گوشہ میں وہ کسی روح کو قبض کرنے میں مشغول ہو تو اسی وقت اسی آن مغرب جنوب، شمال اور ہر حصۂ زمین میں دوسری روحوں کو قبض کر لیتا ہے) اللہ نے بعض اولیاء کو بھی یہ قوت عطا فرمائی ہے کہ ایک آن میں وہ مختلف مقامات میں اپنے اختیار کردہ اجسام میں نمودار ہو سکتے ہیں۔ اللہ نے ملک الموت کے کچھ مددگار بھی بنا دئیے ہیں جو ملک الموت کے اعضاء کی طرح ہیں اور روحیں قبض کرتے ہیں۔ ہر مرنے والے کے پاس خواہ مؤمن ہو یا کافر فرشتوں کی ایک جماعت جنت یا دوزخ کا کفن لئے آتی ہو اور اس کی روح کو ملک الموت سے لیکر آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے۔

پس اس آیت میں رُسُل سے مراد یا ملک الموت کے مددگار ہیں یا وہ ملائکہ مراد ہیں جو ملک الموت سے روحیں لے کر آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ رُسُل اگرچہ جمع کا صیغہ ہے مگر مراد تنہا ملک الموت ہے۔

ادائیگی فرض میں کوتاہی نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ سستی اور تاخیر نہیں کرتے ملائکہ میں بغیر اذنِ الٰہی کے روحوں کو قبض کرنے کی قدرت نہیں ہے۔ طبرانی اور ابن مندہ اور ابو نعیم نے حضرت حارث بن خزرج کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ایک بار ملک الموت کو ایک انصاری کے سر کے قریب دیکھا اور فرمایا اے ملک الموت میرے صحابی سے نرمی کرنا یہ مؤمن ہے ملک الموت نے جواب دیا آپ دل کو خوش اور آنکھوں کو ٹھنڈی رکھئے اور سمجھ لیجئے کہ میں ہر مؤمن سے نرمی کرتا ہوں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کو جان لینا چاہئے کہ میں جب کسی آدمی کی روح قبض کرتا ہوں اور اس کے گھر والوں میں سے کوئی چیختا چلاتا ہے تو میں میت کی روح لئے اس کے گھر میں کھڑا ہو کر کہتا ہوں اے چیخنے والے خدا کی قسم ہم نے اس پر ظلم نہیں کیا اور نہ اس کی اجل سے پہلے اس کو مارا، نہ اس کی قضا طلب کرنے میں عجلت کی اس کو قبض کرنے میں ہماری کوئی خطا نہیں (یہ اللہ کا کیا ہوا ہے) اب اگر تم اللہ کے کئے ہوئے کام پر رضامند رہو گے تو اجر پاؤ گے ناراض ہو گے تو گناہگار ہو گے اور گناہ کا بار اٹھاؤ گے ہم تو تمہارے پاس لوٹ لوٹ کے بار بار آتے ہی رہیں گے تم کو خوف اور احتیاط رکھنی چاہئے کوئی ڈیرے خیمہ میں رہنے والا ہو یا مستقل مکانوں کا باشندہ اہل شعر (بالوں والا) اہل مدر، (مٹی کے ڈھیلوں والا) اول سے مراد خانہ بدوش بدوی جو کہیں مستقل طور پر نہیں رہتے اور دوسرے سے مراد وہ لوگ جو کہیں بستی نگری میں مکان بنا کر رہتے ہیں۔ عرب میں خیمے ڈیرے اونی بنائے جاتے تھے اس لئے اہل شعر سے مراد اہل خیام ہو گئے) نیک ہو یا بد میدانی علاقہ کا باشندہ ہو یا پہاڑ کا سب کو شب و روز میں تلاش میں رکھتا ہوں یہاں تک کہ وہ خود اپنے کو اتنا نہیں پہچانتے جتنا میں ان کے چھوٹے بڑے کو پہچانتا ہوں خدا کی قسم میں اگر ایک مچھر کی جان بھی خود قبض کرنا چاہوں تو بغیر اللہ کے اذن کے نہیں کر سکتا وہی جان کو قبض کرنے کا حکم دیتا

ہے۔ ابن ابی الدنیا اور ابو الشیخ نے بھی حسن کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

جعفر بن محمد نے فرمایا مجھے اطلاع ملی ہے کہ ملک الموت نماز کے اوقات پر (مسجدوں میں) لوگوں کی تلاش رکھتا ہے پھر مرنے کے وقت آکر دیکھتا ہے اگر مرنے والا پانچوں نمازوں کی پابندی رکھنے والوں میں سے ہوتا ہے تو ملک الموت اس کے قریب آکر شیطانوں کو بھگا دیتا ہے اور مرنے والے کو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کرتا ہے۔

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ پھر سب اپنے مالک حقیقی کے پاس لائے جائینگے۔ مولی مالک۔ لفظ ثم دلالت کر رہا ہے کہ اللہ کی طرف لوٹائے جانے سے مراد ہے۔ قیامت کے دن حساب کے لئے پیشی ہونا۔ یا یہ مراد ہے کہ مرنے کے بعد رحمت یا عذاب کے فرشتے ان کو اوپر چڑھا لیجاتے ہیں ایک طویل حدیث میں جس کے راوی حضرت براء بن عازب ہیں آیا ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ اس کو یعنی مومن کی روح کو فرشتے اوپر چڑھا کر لیجاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کی طرف سے گذرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں یہ پاکیزہ روح کونسی ہے لیجانے والے فرشتے اس کا دنیوی سب سے اچھا نام لے کر کہتے ہیں یہ فلاں بن فلاں ہے یہاں تک کہ آسمان دنیا تک اس کو لے کر پہنچتے ہیں اور (دروازہ) کھلوانا چاہتے ہیں تو کھول دیا جاتا ہے اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں اور متصل آسمان تک پہنچا دیتے ہیں اسی طرح ساتویں آسمان تک اس کو پہنچا دیا جاتا ہے یہاں اللہ فرماتا ہے میرے بندہ کا اعمالنامہ علیین میں درج کر لو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو۔ الخ

کافر کے بارہ میں حضور نے فرمایا (ملائکہ) اس کو چڑھا کر لیجاتے ہیں اور ملائکہ کے جس گروہ کی طرف سے اسکو لے کر گذرتے ہیں تو وہ دریافت کرتے ہیں یہ گندی روح کون ہے لیجانے والے فرشتے اس کے دنیوی ناموں میں سے بدترین نام لے کر کہتے ہیں یہ فلاں بن فلاں ہے یہاں تک کہ اس کو آسمان دنیا تک لیجاتے ہیں اور (آسمان کا دروازہ) کھلوانا چاہتے ہیں مگر وہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر حضور (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پڑھا لا تفتح لھم ابواب السماء۔ الخ اللہ فرماتا ہو سب سے نچلی زمین کے اندر سجین میں اس کا اعمالنامہ درج کرو نتیجہ میں اس کی روح کو دور پھینک دیا جاتا ہے پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء فتخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق۔

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ خوب سن لو کہ حکم بس اللہ ہی کا ہو گا یعنی کسی اور کا نہیں۔

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝ اور وہ بہت تیزی سے حساب لے لیگا (ایک وقت میں) ایک کا حساب اس کو دوسرے کے حساب سے مانع نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں آیا ہے۔ دنیا کے آدمی

دن (کے برابر وقت) میں اللہ ساری مخلوق کا حساب لے لیگا۔

قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ آپ پوچھئے تم کو بحر و بر کی تاریکیوں سے کون بچاتا ہے چونکہ تاریکی اور مصیبت دونوں ہولناک ہوتی ہیں اس لئے بطور استعارہ آیت میں تاریکیوں سے مراد ہیں مصائب و مقامات ہلاکت۔ لوگ جب تری خشکی کا سفر کرتے اور دوران سفر میں راستہ سے بھٹک جاتے طوفانی موجیں اور بادل کی کڑک ہر طرف سے گھیر لیتی تو اس وقت خلوص کے ساتھ وہ اللہ کو پکارتے تھے کیونکہ اتنا وہ بھی جانتے کہ پتھروں کے بت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر۔

تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً کہ تم اس سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرتے ہو۔

تضرع زاری کرنا اور خوب گڑگڑا کر مانگنا۔ تضرعا و خفیۃً دونوں مصدر ہیں لیکن معنی اسم فاعل کے ہیں۔ چپکے چپکے دعا اور ذکر کرنا سنت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کسی بہرے کو پکارتے ہو نہ غائب کو (یعنی اللہ نہ بہرا ہے نہ غائب کہ اس کو زور سے پکارا جائے بلکہ ہر وقت حاضر ہے اور پست ترین آواز کو بھی سنتا ہے) آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم عاجزی اور خلوص کے ساتھ دعا کرتے ہو یعنی چپکے چپکے دعا کرنے سے مراد ہے خلوص کے ساتھ دعا کرنا کیونکہ چپکے چپکے دعا کرنے میں ریاکاری کا شائبہ نہیں ہوتا محض خلوص ٹپکتا ہے۔

لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَٰذِهِ (اور کہتے ہو کہ اگر اس (شدت اور ظلمت) سے اس نے ہمیں بچالیا۔ ہذہ سے ظلمت و شدت کی طرف اشارہ ہے۔ لئن انجٰنا سے پہلے یا لفظ قول محذوف ہے یعنی کہتے ہو یا یہ تدعونہ کا بیان ہے (دعا کرتے ہو کہ اگر اس نے ہمیں بچالیا)

لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ○ تو ہم شکر گذاروں میں سے ہونگے شکر کی حقیقت ہے منعم کی نعمت کا اقرار کرنا اور نعمت کا حق ادا کرنا یعنی منعم کی رضامندی میں اس کو صرف کرنا۔

قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ○ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو اس تاریکی اور ہر غم سے بچاتا ہے پھر بھی تم شرک کرنے لگتے ہو۔ یعنی شرک کی طرف لوٹ جاتے ہو وعدہ پورا نہیں کرتے، جانتے ہو کہ مصیبت سے اللہ ہی تم کو بچاتا ہے اور بت کسی کام نہیں آتے پھر بھی بتوں کو (عبادت میں) اللہ کا شریک بناتے ہو۔ بجائے لا تشکرون کے تشرکون فرمایا اس میں پوری سرزنش ہے اور اس بات پر تنبیہ ہے کہ جس نے اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کیا اس نے قطعاً اللہ کی عبادت ہی نہیں کی ثم انتم میں ثمّ تراخی کے لئے نہیں ہے بلکہ انعام و شرک میں انتہائی بُعد ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ

ہی اس بات پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ تمہارے اوپر سے کوئی عذاب تم پر بھیجدے۔ جیسے قوم نوح قوم عاد اور قوم لوط اور اصحاب الفیل کے ساتھ کیا ہے۔

اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ یا تمہارے پاؤں تلے سے (کوئی عذاب بھیجدے) جیسے قوم نوح کے ساتھ کیا کہ زمین کے اندر سے چشمہ جاری کر کے پانی کے طوفان سے سب کو ڈبو دیا یا فرعون کو غرق کر دیا یا قارون کو زمین میں دھنسا دیا۔ حضرت ابن عباسؓ و مجاہدؒ کا قول ہے کہ عذاب فوق سے ظالم بادشاہ اور تحت ارجلکم سے بدکردار غلام مراد ہیں ضحاک نے کہا فوق و تحت سے بڑے چھوٹے مراد ہیں بعض علماء نے کہا فوقکم سے بارش کو اور تحت ارجلکم سے روئیدگی کو روک لینا مراد ہے۔

اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۰ یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور ایک کو دوسرے کی جنگ کا مزہ چکھا دے۔

یَلبِسُ کا معنی ہے یخلط۔ شیعًا کا معنی ہے مختلف گروہ جن کے خیالات و خواہشات الگ الگ ہوں۔ باس کا معنی عذاب اور جنگ کے شدائد۔ قاموس۔

مراد یہ ہے کہ تم میں سے بعض بعض کو قتل کرنے لگیں۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت ہے کہ جب آیت مذکورہ کا پہلا حصہ (یعنی) قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم نازل ہوا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ الْكَرِيْم جب (اس سے آگے دوسرا حصہ) او یلبسکم شیعا و یذیق بعضکم باس بعض نازل ہوا تو آپ نے فرمایا یہ (پہلے عذاب سے) آسان اور سہل ہے۔ رواہ البخاری وغیرہ۔

فائدہ:۔ آیت (کے آخری حصہ) کی تعبیر ہجرت سے ۳۵ سال کے بعد نظروں کے سامنے آگئی جب جنگِ جمل و صفین میں مسلمان باہم کشت و خون میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب مسجد بنی معاویہ کی طرف سے گذرے، آپؐ نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور ہم نے بھی نماز پڑھی پھر آپ نے دیر تک دعا کی، دعا کے بعد فرمایا میں نے اپنے رب سے تین باتوں کا سوال کیا تھا میں نے اس سے درخواست کی تھی کہ میری امت کو (عمومی) غرق (کے عذاب) سے ہلاک نہ کرے (جیسا کہ حضرت نوح کی امت کے ساتھ کیا) اللہ نے میری یہ دعا قبول کر لی۔ میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میری امت کو (عمومی) کال سے نہ ہلاک کرے، اس نے میری یہ دعا بھی قبول فرمالی۔ میں نے سوال کیا کہ میری امت کو باہم جنگ کے عذاب میں مبتلا نہ کرے اللہ نے میری یہ دعا نہ مانی۔ رواہ البغوی۔

عبداللہ بن عبدالرحمن انصاری کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ایک مسجد میں تین دعائیں کیں۔ اللہ نے دو دعائیں تو قبول فرمالیں اور ایک دعا رد فرمادی حضور صلعم نے اللہ سے دعا کی کہ میری امت پر کسی غیر دشمن کو مسلط نہ فرمائے کہ وہ سب پر چیرہ دستی کرے اللہ نے یہ دعا قبول فرمالی حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی کہ سب امت کو (عمومی بہیم) قحط سالیوں سے ہلاک نہ کرے اللہ نے یہ دعا بھی قبول فرمالی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعا کی کہ امت کو باہم خانہ جنگی میں مبتلا نہ کرے اللہ نے یہ دعا قبول نہیں فرمائی۔ رواہ البخاری۔

ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم الخ نازل ہوئی تو رسول اللہ نے فرمایا میرے بعد لوٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردن تلوار سے مارنے لگو صحابہؓ نے عرض کیا ہم شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں (کیا اس شہادت کے باوجود ہم ایسا کر سکتے ہیں) ایک شخص بولا ایسا کبھی نہیں ہو سکتا یعنی ہم سب مسلمان ہیں پھر ایک دوسرے کی گردن مارے ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ○ آپ دیکھئے تو ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں شاید وہ سمجھ جائیں۔ یعنی وعدہ وعید کے مختلف پہلوں سے دلائل بیان کرتے ہیں۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ اور آپ کی قوم یعنی کفار قریش اس (عذاب یا قرآن) کی تکذیب کرتی ہے وَهُوَ الْحَقُّ ؕ حالانکہ وہ یقینی ہے یعنی واقعی حقیقت ہے یا سچ ہے۔

قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ○ آپ کہہ دیجئے کہ میں (اللہ کی طرف سے) تم پر تعینات نہیں کیا گیا ہوں یعنی اس کا ذمہ دار نہیں بنایا گیا ہوں کہ تم پر اسلام کو چپٹا دوں یا اگر تم انکار کرو تو سزا دیدوں۔

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ز ہر خبر کے وقوع کا ایک وقت ہے یعنی قرآن نے جو کافروں کے عذاب میں مبتلا ہونے کی خبریں دی ہیں ان میں سے ہر خبر کا وقوع مقرر ہے جس میں تقدم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔

وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ اور جلد ہی تم کو معلوم ہو جائیگا۔ جب کہ دنیا میں یا آخرت میں اس خبر کا ظہور ہو جائے گا۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہوں تو ان سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ یعنی ان کے پاس سے اٹھ جاؤ ان کے ساتھ نہ بیٹھو اس آیت کی غرض کفار کے دین اور ان کی ہم نشینی سے الگ رکھنا ہے ترک جہاد

مقصود نہیں ہے کہ اس کو آیت قتال سے منسوخ قرار دینا پڑے (یعنی اگر اعراض اور تعلق نہ رکھنے کا مفہوم یہ مانا جائے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو ان سے کچھ تعرض نہ کرو تو لامحالہ ترکِ قتال کا حکم اس سے مستفاد ہوگا اور پھر آیتِ قتال سے اس کو منسوخ ماننا پڑیگا)

حَتّٰى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهٖ ۚ اس وقت تک کہ وہ (آیات میں عیب جوئی کو چھوڑ کر) کسی اور بات میں لگ جائیں۔ غیرہ کی ضمیر معنی آیات کی طرف راجع ہے جو (مفرد مذکر ہے اور حقیقت میں) (قرآن ہے) قریش اپنی مجالس میں بیٹھ کر آیات قرآنی کی تکذیب کرتے ان میں نکتہ چینی کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ (ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت اس آیت میں کی گئی)

وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ اور اگر (یہ حکم ممانعت) شیطان تم کو بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو بجائے ضمیر غائب کے الظلمین کا لفظ صراحت کے ساتھ لانا بتا رہا ہے کہ یہ لوگ بڑی بیجا حرکت کرتے ہیں کہ بجائے تصدیق کے تکذیب اور استہزاء کرتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا ہم کعبہ میں کس طرح بیٹھیں اور کیونکر طواف کریں مشرک تو وہاں ہمیشہ ہی آیات میں عیب جوئی کرتے رہتے ہیں دوسری روایت میں آیا ہے کہ مسلمانوں نے کہا اگر ہم ان کو یوں ہی چھوڑ دیں اور عیب جوئی سے منع نہ کریں تو ہم کو گناہ کا اندیشہ ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى اور جو لوگ احتیاط رکھتے ہیں (یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ) ان پر ان (مشرکوں) کی باز پرس کا کوئی اثر نہیں پہنچیگا ہاں ان (مسلمانوں) کے ذمہ نصیحت کر دینا ہے۔ من حسابھم میں من تبعیض کے لئے ہے اور ضمیر کفار کی طرف راجع ہے۔ من شیء میں من زائد ہے مطلب یہ ہے کہ کافروں سے ان کے گناہوں کا جو محاسبہ و مواخذہ ہوگا اس کا کوئی حصہ مسلمانوں کو نہیں چمٹ جائیگا۔ وَلٰكِنْ ذِكْرٰى کا یہ مطلب ہے کہ اگر مسلمانوں میں طاقت و استطاعت ہو تو بقدر استطاعت خوض فی الآیات اور دوسری برائیوں سے منع کرنے کی ذمہ داری مسلمانوں کی ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ شاید وہ بھی احتیاط کرنے لگیں۔ یعنی مسلمانوں کے نصیحت کرنے سے شاید کافر نصیحت پذیر ہو جائیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لعلھم کی ضمیر الذین یتقون کی طرف راجع ہو اس وقت مطلب اس طرح ہوگا تا کہ مسلمان تقوی پر جمے رہیں۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل کود بنا رکھا ہے۔

یعنی ایسا مذہب اختیار کیا ہے جو نہ دنیا میں ان کے لئے سود مند ہے نہ آخرت میں نفع بخش جیسے بت پرستی اور بحیرہ و سائبہ کو حرام بنا رکھنا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس دین کو قبول کرنے کا ان کو حکم دیا گیا ہے اس کو ہنسی کھیل سمجھ رکھا ہے اس کا مذاق اڑاتے ہیں، بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ نے ہر قوم کا ایک تہوار کا دن بنا دیا تھا پس ہر قوم نے سوائے مسلمانوں کے اپنے تہوار کو لہو و لعب بنا لیا مگر مسلمانوں نے اپنے تہوار کو عبادت کا دن قائم رکھا جیسے عید اور جمعہ کی نماز تکبیرات قربانی صدقۂ فطر خطبۂ نصیحت وغیرہ۔ ذر الذین کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اقوال و افعال کی پروا نہ کرو یہ کیا کہتے ہیں کیا کرتے ہیں سب سے کنارہ کش رہو۔ یا ذر سے مراد ہے دھمکی دینا اور ڈرانا جیسے دوسری آیت میں آیا ہے ذرنی ومن خلقت وحیدًا۔

بعض علماء کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ ان سے تعرض نہ کرو ان کے معاملہ میں دخل دینے سے باز رہو اس صورت میں آیت قتال سے اس آیت کا حکم منسوخ قرار دیا جائے گا۔

وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اور دنیوی زندگی نے ان کو فریب دے رکھا ہے یہاں تک کہ وہ حشر نشر کے منکر ہو گئے۔

وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ اور اس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت کرتے رہو تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب اس طرح نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ نہ اس کا مددگار ہو نہ سفارشی۔ تُبْسَلَ سے پہلے لا محذوف ہے یعنی لئلا تبسل (تاکہ پھنس نہ جائے) ابسل کا معنی ہے بند کر رکھنا روک رکھنا۔ قاموس۔ ولی مددگار جو قوت سے عذاب کو دفع کر سکے۔ شفیع سفارشی جو سفارش کر کے عذاب سے بچا لے۔

وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا بھی معاوضہ دے ڈالے تب بھی اس سے قبول نہ ہو۔ چونکہ اس آیت میں عدل مصدری معنی میں ہے اس لئے لایؤخذ کی ضمیر اس کی طرف راجع نہیں ہو سکتی ہاں آیت لایؤخذ منها عدل میں چونکہ عدل بمعنی اسم مفعول ہے اسلئے لایؤخذ کی نسبت اسکی طرف صحیح ہے۔ عدل کا معنی ہے فدیہ معاوضہ عدل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مفدی (جس کا معاوضہ دیا جائے) کے برابر ہوتا ہے کل عدل مفعول مطلق ہے (یعنی عدل بمعنی معدول نہیں ہے)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ

اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ○ یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے ان کے لئے نہایت تیز (کھولتا) پانی پینے کو ہوگا اور دردناک عذاب ہوگا اپنے کفر کے سبب۔ اولئک سے اشارہ ان ہی لوگوں کی طرف ہے جنھوں نے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے۔ اُبسلوا یعنی حبس کردیئے گئے اور ان کو عذاب کے سپرد کردیا گیا حمیم انتہائی گرم پانی عذاب الیم آگ وغیرہ کا عذاب۔ بما کانوا میں با سببیہ ہے یہ از سر نو جملہ ہے یا اولئک کی دوسری خبر ہے۔

قُلْ أَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ آپ کہہ دیجئے کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پوجا کریں جو ہم کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتیں (اگر ہم انکی پوجا کریں) اور نقصان نہیں پہنچا سکتیں (اگر ہم انکی پوجا نہ کریں اور ان کو نہ مانیں) اور اپنی ایڑیوں کے بل (شرک کی طرف کو) لوٹ جائیں (جس پر ہم پہلے تھے) بعد اس کے کہ اللہ نے ہم کو (وحی کے ذریعہ سے) ہدایت کردی (اور شرک سے بچالیا اور اسلام کی نعمت عطا فرمادی)

كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ أَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ إِلَى الْهُدَى ائْتِنَا جیسے کوئی شخص ہو کہ اس کو شیطانوں نے کہیں بیابان میں بے راہ کردیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو اس کے کچھ ساتھی ٹھیک راستہ کی طرف اس کو بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آجا۔ استہوت (واحد مؤنث) باب استفعال۔ مجرد ہوی یہوی ہوی کا معنی ہے گیا۔ استہوتہ اس کو لیجانا چاہا ہوے گئے ہوں کالذی میں کاف محل نصب میں ہے خواہ اس کو مفعول مطلق قرار دیا جائے یا نُرَدُّ کی ضمیر سے حال۔ اول صورت میں ترجمہ ہوگا کیا ہم شرک کی طرف لوٹ جائیں اس طرح جیسے وہ شخص لوٹ جاتا ہے جس کو شیطانوں نے بے راہ کردیا ہو۔ دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا کیا ہم شرک کی طرف لوٹ جائیں اس شخص سے مشابہت رکھتے ہوئے جسکو شیاطین سے مراد ہیں سرکش جنات۔ الارض سے مراد بیابان یعنی راستہ سے بہکا کر مقامات ہلاکت کی طرف لے گئے ہوں۔ حیران استہوتہ کی مفعولی ضمیر سے حال ہے یعنی اس حال میں کہ وہ بھٹکتا ہوا متحیر پھر رہا ہو اس کی سمجھ میں نہ آتا ہو کہ کہاں جائے اور کیا کرے۔ الہدیٰ مصدر ہے بمعنی اسم مفعول یعنی سیدھا راستہ۔ ائتنا یدعونہ کی تشریح ہے یدعون کے اندر قول کے معنی ہیں یعنی اس کے ساتھی اس سے کہہ رہے ہوں کہ ہمارے پاس آجا۔ اور وہ قبول نہ کرے ان کے پاس نہ آئے۔

جو شخص راہ اسلام سے بھٹک گیا ہو اور مسلمان اس کو اسلام کی طرف بلا رہے ہوں مگر وہ دعوت کی طرف توجہ نہ کرے اللہ نے اس شخص کی تشبیہ اس آدمی سے دی جس کو جنگل میں شیطانوں نے بے راہ کردیا ہو ساتھی اس کو راستہ کی طرف بلا رہے ہوں مگر وہ نہ آتا ہو۔

اندعوا میں استفہام انکاری ہے یعنی ہم اب ایسا نہیں کریں گے اور پورا تشبیہی جملہ نرد کی ضمیر سے حال ہے۔

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰىؕ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت یعنی اسلام ہی حقیقت میں ہدایت ہے اس کے سوا ہر طریقہ گمراہی ہے۔

وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَۙ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُؕ اور ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے پورے مطیع ہو جائیں اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ نماز کی پابندی کرو اور اس سے ڈرو۔ نسلم میں لام ... ہے یا ب کے معنی میں اور اَنْ مقدر ہے اس لئے فعل بمعنی مصدر ہے یا لام تعلیلیہ ہے اور امرنا کا مفعول محذوف ہے مطلب اس طرح ہوگا ہم کو اتباعِ رسول کا حکم دیا گیا تاکہ ہم رب العالمین کے مطیع ہو جائیں اللہ تک پہونچنا اور اس کا مطیع ہونا اتباعِ رسول پر موقوف ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ اور وہی ہے جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّؕ اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو باقاعدہ پیدا کیا۔ بالحق کا معنی ہے حکمت کے ساتھ۔ یا حق بمعنی محق ہے یعنی برحق واقعی یا بار بمعنی لام ہے یعنی اظہار حق کے لئے پیدا کیا۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ اور جس روز وہ (کسی چیز کو) فرمائیگا ہو جا وہ فوراً ہو جائیگی یعنی جب (مردہ) مخلوق سے فرمائیگا اٹھ کھڑے ہو فوراً سب اٹھ کھڑے ہونگے۔

قَوْلُهُ الْحَقُّؕ اس کا کہنا اثر ہے۔ الحق سے مراد ہے سچا۔

وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِؕ اور ساری خالص حکومت اسی کی ہوگی جس روز صور میں پھونک ماری جائیگی۔ دوسری آیت میں بھی یہی مضمون آیا ہے فرمایا ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ صور نرسنگا جس کو پھونکا جائیگا ایک اعرابی نے جب صور کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے یہی فرمایا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت سے ابنِ مبارک نے الزہد میں اور بیہقی نے البعث میں اس کو بیان کیا ہے نسائی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اور ابن حبان نے نقل کرنے کے بعد اسکو صحیح اور ابوداؤد نے حسن کہا ہے۔

ابوالشیخ ابن حبان نے کتاب العظمۃ میں وہب بن منبہ کی روایت سے لکھا ہے کہ اللہ نے صور کو بلور کی طرح جھلکتے ہوئے سفید موتی سے بنایا پھر عرش سے فرمایا صور کو پکڑ لے فوراً صور عرش سے لٹک گیا پھر اللہ نے فرمایا ہو جا فوراً اسرافیل پیدا ہو گیا اللہ نے اسرافیل کو صور لے لینے کا حکم دیا۔ اسرافیل نے صور کو پکڑ لیا صور میں ہر پیدا شدہ روح اور موجود کردہ جان کی گنتی کے برابر سوراخ ہیں دو روحیں ایک سوراخ سے نہیں نکلیں گی۔ صور کے وسط میں اتنا بڑا دہانہ ہے جیسے آسمان زمین کا گول چکر، اسرافیل اس دہانہ پر اپنا

منہ کئے ہوئے ہے۔ پھر اللہ نے اسرافیل سے فرمایا میں نے صور پھونکنے اور چیخ مارنے کی ڈیوٹی تیری مقرر کردی چنانچہ اسرافیل نے عرش کے اگلے حصہ میں داخل ہو کر دایاں پاؤں عرش کے نیچے داخل کر کے بایاں قدم آگے بڑھا رکھا ہے اور پیدائش کے بعد سے کبھی پلک نہیں ماری حکم کا انتظار کر رہا ہے احمد اور طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا مجھے کیسے چین ہو صور والا تو سینگ منہ میں دبائے پیشانی جھکائے اور کان لگائے تیار ہے کہ کب اس کو حکم ملے۔ یہ سن کر صحابہ سخت متاثر ہوئے حضورؐ نے فرمایا کہو حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ اسی طرح احمد نے اور مستدرک میں حاکم نے اور البعث میں بیہقی نے اور الاوسط میں طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی نقل کیا ہے اس روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہو حسبنا اللہ و نعم الوکیل علی اللہ توکلنا۔ ترمذی اور حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بھی حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔ اور ابونعیم نے حضرت جابر کی روایت سے بھی یہی لکھا ہے۔

بزار اور حاکم نے حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہر صبح کو (یعنی روزانہ) دو فرشتے جن کی ڈیوٹی صور پر ہے منتظر ہیں کہ کب ان کو حکم ہو اور وہ صور میں پھونک ماریں۔ ابن ماجہ اور بزار کی یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا دونوں صور والوں کے ہاتھوں میں دو سینگ ہیں دونوں تک رہے ہیں کہ کب ان کو صور پھونکنے کا حکم ملتا ہے۔ حاکم نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا دونوں (صور) پھونکنے والے دوسرے آسمان میں ہیں ایک کا سر مشرق میں اور پاؤں مغرب میں اور دوسرے کا سر مغرب میں پاؤں مشرق میں ہیں دونوں منتظر ہیں کہ کب ان کو صور پھونکنے کا حکم ہو اور وہ پھونکیں۔ ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صور پھونکنے والے دو فرشتے ہیں جن کے پاس دو نرسنگھے ہیں۔

طبرانی نے حسن سند کے ساتھ کعب احبار کی روایت سے ایک حدیث اس طرح نقل کی ہے صور کا فرشتہ ایک زانو ٹیکے دوسرا اکھڑا کئے صور منہ میں دبائے پشت جھکائے تیار ہے اس کو حکم دیا گیا ہے کہ جونہی اسرافیل کو وہ دونو بازو سمیٹے دیکھے فوراً صور میں پھونک مار دے۔ یہی حدیث حضرت عائشہؓ کی روایت سے بھی آئی ہے اس روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے یعنی حضرت عائشہؓ کی روایت مرفوع ہے۔ شیخ ابن حجرؒ نے کہا یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ صور پھونکنے والا اسرافیل کے علاوہ کوئی اور ہے اس لئے (متضاد روایات میں توافق پیدا کرنے کے لئے) کہا جائیگا کہ صاحب صور جب اسرافیل کو دونوں بازو سمیٹے دیکھے گا تو پہلا صور پھونکے گا پھر مردوں کو قبروں سے اٹھانے کے لئے دوبارہ اسرافیل صور پھونکے گا

ابو الشیخ ابن حبان نے کتاب العظمۃ میں ابو بکر ہذلی کا قول نقل کیا ہے کہ فرشتۂ صور جس کے متعلق صور کی ڈیوٹی ہے اس کا ایک قدم زمین میں ہے وہ ایک زانو بیٹھے آنکھیں اسرافیل کی طرف اٹھائے تک رہا ہے جب سے اللہ نے اس کو پیدا کیا کبھی اس نے پلک نہیں ماری انتظار میں ہے کہ کب اسکو اشارہ ہو اور وہ صور پھونکے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ط وہ جاننے والا پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا۔ غیب سے مراد غیر موجود (یعنی جو ابھی معدوم ہے) اور شہادت سے مراد موجود (یعنی جو پیدا ہو چکا ہے) کیونکہ ہر موجود اللہ کے سامنے ہی اس سے آسمان و زمین کا کوئی ذرہ چھپا ہوا نہیں۔

وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ○ وہ ہی حکمت والا اور خبر رکھنے والا ہے یعنی موجود و معدوم کرنے کی حکمت سے واقف ہے اور حساب سزا جزا اور مخلوق کے تمام احوال سے باخبر ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا۔ آزر عجمی نام ہے علمیت اور عجمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے (اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتا) بعض نے اس کو عربی لفظ کہا ہے اور ازر بمعنی قوت یا وزر بمعنی ثقل سے مشتق قرار دیا ہے اس وقت اس کے عدم انصراف کی وجہ یہ ہے کہ اس میں علمیت اور وزن فعل ہے۔

صحیح تحقیق یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا عرب چچا کو بھی باپ کہہ لیتے ہیں (اسلئے اس جگہ باپ کہا گیا) جیسے اس آیت میں آیا ہے نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا آزر کا اصل نام ناحور تھا بلحوز پہلے اپنے آباؤ اجداد کے دین توحید پر تھا۔ لیکن نمرود کا وزیر ہونے کے بعد دین توحید چھوڑ کر دنیوی لالچ میں کافر ہو گیا۔ امام رازی نے بھی صراحت کی ہے کہ آزر ابراہیمؑ کا چچا تھا باپ نہ تھا۔ امام رازی سے پہلے بھی سلف کی ایک جماعت کا یہی قول تھا۔ ۔۔ قانی نے شرح المواہب میں لکھا ہے کہ آزر کے عم ابراہیمؑ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ شہاب ہیثمی نے صراحت کی ہے کہ توریت و انجیل والوں نے نیز تمام اہل تاریخ نے اس کو ابراہیم کا چچا مانا ہے سیوطی نے لکھا ہے کہ چند سندوں کے ساتھ یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت ابن عباس مجاہد، ابن جریر اور سدی قائل تھے کہ آزر ابراہیمؑ کا باپ نہ تھا۔ ابراہیم کے باپ کا نام تو تارخ تھا سیوطی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابن المنذر کی تفسیر میں مجھے ایک اثر (قول صحابی) ملا ہے کہ آزر ابراہیم کا چچا تھا۔

قاموس میں ہے آزر ابراہیم کا چچا تھا باپ تارخ یا تارح تھا یا دونوں نام ایک ہی شخص کے تھے۔ آزر کے باپ نہ ہونے کی تائید اس تشریح سے ہوتی ہے جو سورۂ بقرہ کی آیت وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے کی ہے کہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُوْنِ بَنِي اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِيْ كُنْتُ مِنْهُ۔ رواه البخاری۔

(اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تمام آباء واجداد موحد گذرے ہیں کوئی مشرک نہیں ہوا اور آزر مشرک تھا اس لئے حضرت ابراہیمؑ کا چچا ہو سکتا ہے باپ نہیں ہو سکتا ہیوطی نے حضرت آدمؑ تک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آباؤ اجداد کو مسلم ثابت کرنے کے لئے چند رسائل لکھے ہیں۔ محمد بن اسحٰق ضحاک اور کلبی کا بیان ہے کہ آزر ابراہیمؑ کے باپ کا نام تھا اسی کا نام تارخ بھی تھا جیسے اسرائیل و یعقوب دونوں ایک ہی شخص کے نام تھے۔ مقاتل ابن حبان نے ابراہیمؑ کے باپ کا لقب آزر اور نام تارخ قرار دیا ہے۔

بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیمؑ کی ملاقات اپنے باپ آزر سے ہوگی، آزر کا چہرہ غبار آلود اور دخان آگیں ہوگا (جو دوزخی ہونے کی علامت ہوگی) حضرت ابراہیمؑ فرمائینگے کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر حضرت ابراہیمؑ کا باپ جواب دیگا آج میں تیرے حکم کے خلاف نہیں کرونگا حضرت ابراہیمؑ دعا کرینگے اے میرے مالک تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جس روز لوگوں کو اٹھایا جائیگا اس روز تو مجھے رسوا نہ کریگا مگر میرے باپ کی یہ حالت ہے اس سے زیادہ رسوائی اور کیا ہوگی اللہ فرمائے گا۔ میں نے کافروں کے لئے جنت حرام کردی ہے پھر حکم ہوگا ابراہیمؑ اپنے قدموں کے نیچے دیکھو ابراہیم حکم کی تعمیل کرینگے تو ایک نر بجو گوبر اور کیچڑ میں لتھڑا ہوا دکھائی دیگا پھر اس کی ٹانگیں پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیا جائیگا واللہ اعلم (اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کا باپ تھا) سلیمان تیمی نے کہا آزر کے معنی ہے ٹیڑھا۔ یہ ایک برا کلمہ ہے۔ بعض نے کہا فارسی میں اس کا معنی ہے پیر فرتوت۔ اس قول پر یہ لفظ فارسی قرار پائے گا اور چونکہ اس کے دوسرے ہم وزن اسماء غیر منصرف ہیں ان کی مشابہت وزنی کی وجہ سے اس کو بھی غیر منصرف پڑھا گیا اول قول (یعنی علم ہونا) زیادہ صحیح ہے۔ سعید بن مسیب اور مجاہد نے کہا آزر بت کا نام تھا چونکہ یہ شخص اس بت کا پرستار تھا اس لئے اس کو آزر کہا جانے لگا یا یوں کہا جائے کہ آزر اصل میں عبد آزر تھا لفظ عبد کو حذف کر دیا۔ اگر آزر کو بت کا نام مانا جائے گا تو آزر کو نصب دینے والا ایک فعل مضمر ماننا ہوگا جس کی تفسیر آئندہ فعل مذکور کر رہا ہے۔

أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ج (یعنی کیا تو آزر کی پوجا کرتا ہے) کیا اس کو معبود بناتا ہے اور چونکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ ابراہیمؑ کا باپ صرف آزر کی پوجا پر بس نہیں کرتا تھا بلکہ دوسرے بتوں کو بھی معبود بناتا تھا اس لئے تتخذ کے بعد اصنامًا الهة فرما دیا۔

إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ میں تجھ کو اور تیری قوم کو یعنی تیرے ہم مذہب لوگوں کو دیکھتا ہوں **فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝** کھلی ہوئی گمراہی میں

وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح یعنی جس طرح اہل زمانہ کے خلاف ہم نے ابراہیمؑ کو حق دکھا دیا تھا اسی طرح۔

نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین میں اپنی حکومت کا مشاہدہ کراتے تھے۔ نُرِی میں گذشتہ حال کی حکایت کی گئی ہے (اس لئے حال کا صیغہ استعمال کیا) قاموس میں ہے ملکوت بروزن رہبوت و ترقوت غلبہ اور اقتدار۔ یہ لفظ ملک سے مشتق ہے واؤ اور تاء مبالغہ کی ہے اس لئے ملک سے زیادہ ملکوت کے معنی میں عظمت ہے (بڑی حکومت بڑا اقتدار) صحاح جوہری میں ہے کہ ملکوت صرف اللہ کی حکومت کو کہا جاتا ہے (کیونکہ اسی کی حکومت سب سے بڑی حکومت ہے) ملکوت کی اضافت السمٰوٰت کی طرف اضافت الی المفعول ہے یعنی آسمان و زمین پر اللہ کا غلبہ و اقتدار مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا ملکوت السمٰوٰت والارض سے مراد ہیں آسمان و زمین میں (اللہ کی قدرت و حکومت کی) نشانیاں۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کو ایک پتھر پر کھڑا کیا گیا اور وہاں پردے اٹھا دیئے گئے تمام آسمان و زمین یہاں تک کہ عرش بریں اور اسفل السافلین سب ہی کا مشاہدہ کرا دیا گیا انتہا یہ کہ آپ نے بہشت کے اندر اپنی جگہ بھی دیکھ لی یہی مطلب ہے آیت واتیناہ اجرہ فی الدنیا کا۔ یعنی ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی بہشتی جگہ (دنیا میں ہی) دکھا دی۔

حضرت سلمانؓ کا بیان ہے اور بعض اہل روایت نے اس کی نسبت حضرت علیؓ کی طرف بھی کی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جب آسمان و زمین میں اللہ کی قدرت و حکومت دکھائی گئی تو دوران مشاہدہ میں آپ نے دیکھا کہ ایک مرد ایک فاحشہ عورت پر سوار ہے آپ نے بددعا کی وہ فوراً ہلاک ہو گیا پھر دوسرے شخص کو بھی اسی حالت میں دیکھا اور بددعا کی وہ بھی ہلاک ہو گیا پھر تیسرے شخص کی بھی یہی حالت دیکھی اور جونہی بددعا کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ نے فرمایا ابراہیمؑ تو مقبول الدعوات ہے میرے بندوں کے لئے بددعا نہ کر میرا تعلق اپنے (گناہگار) بندوں سے تین طرح کا ہے یا تو وہ (گناہ کے بعد) توبہ کر لیتا ہے تو میں اس کی توبہ قبول کر لیتا ہوں یا اس کی نسل سے کوئی ایسا شخص پیدا کرتا ہوں جو میری عبادت کرتا ہے یا (اسی گناہ گار ہونے کی حالت میں) اس کو میرے پاس لایا جاتا ہے اور میں اپنی مشیت کے مطابق اس کو معاف کر دیتا ہوں یا سزا دیتا ہوں گناہگار بندوں سے میرے یہی تین سلوک ہوتے ہیں۔ دوسری روایت میں آیا ہے اگر وہ منہ پھیرتا ہے تو اس کے پیچھے جہنم موجود ہے (جس میں اس کو داخل کر دیا جائیگا)

قتادہؒ نے کہا ملکوت السمٰوٰت چاند سورج اور ستارے ہیں اور ملکوت الارض پہاڑ درخت اور سمندر۔

وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ اور تاکہ وہ (یعنی) یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائے۔ اس جملہ

کا عطف فعل محذوف پر ہے یعنی دیکھنے کے بعد وہ استدلال کرے اور مشاہدہ کے بعد عینی یقین کرے جیسا کہ اس کو اس سے پہلے بصیرت کی روشنی میں اللہ کی طرف سے یقین عطا فرمایا گیا تھا اب بصر کی روشنی سے دیکھ کر صاحب یقین ہو جائے۔

یا یوں مطلب کہا جائے کہ ہم نے ایسا اس لئے کیا کہ ابراہیمؑ شہودی یقین کرنیوالوں میں سے ہو جائے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ج جب اس پر رات (کی تاریکی) چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا یعنی زہرہ یا مشتری۔

قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ج تو کہا یہ میرا رب ہے۔ کافر بتوں اور ستاروں کی پوجا اور تعظیم کرتے تھے اور عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام کام انہی کے ہاتھ میں ہیں حضرت ابراہیمؑ نے چاہا کہ اس گمراہی پر ان کو متنبہ کریں اور دلیل و برہان کے ساتھ راہ حق دکھائیں اس لئے ھٰذا ربی فرمایا یعنی تمہارے خیال میں یہ میرا رب ہے یا ھٰذا سے پہلے ہمزہ استفہام محذوف ہے یعنی کیا یہ میرا رب ہے یا ازراہ فرض یہ جملہ فرمایا یعنی بفرض محال یہ میرا رب ہے اول مخالفوں کا مفروضہ بیان کیا تاکہ آگے ان کے قول کی تردید کی جائے۔ بعض علماء کے نزدیک جملہ کا ظاہری معنی ہی مراد ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ اس بات کو کہنے کے وقت حضرت ابراہیم طالب توحید اور خواستگار ہدایت تھے (ہدایت یافتہ اور پختہ کار نہ ہوئے تھے) استدلال کے موقع پر ایسا کلمہ زبان سے نکالنا کوئی جرم نہ تھا۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابراہیم اسوقت بچہ تھے مکلف نہوئے تھے اس لئے یہ کلمہ کفر نہ تھا بیضاوی نے لکھا ہے کہ وہ زمانہ آپ کے عنفوان یا آغاز بلوغ کا تھا۔ شرح خلاصۃ السیر میں مولانا ابوبکر نے لکھا ہے کہ چاند ستاروں سے استدلال کے وقت حضرت ابراہیمؑ پندرہ مہینے کے تھے۔ لیکن (یہ تمام اقوال غلط ہیں) صحیح پہلا ہی قول ہے (کہ جملہ استفہامیہ یا فرضیہ ہے) کیونکہ ہر پیغمبر ہر وقت موحد ہوتا ہے کبھی کسی وقت مشرک نہیں ہو سکتا ایسا شرکیہ قول اس شخص سے کیسے سرزد ہو سکتا ہے جس کو اللہ نے معصوم و طاہر بنایا تھا اور سن رشد سے پہلے ہی اس کو رشد یافتہ کر دیا تھا قاضی عیاض کی شفاء میں ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ یعنی بچپن کے زمانہ میں ہی ہم نے ابراہیمؑ کو ہدایت یافتہ بنا دیا تھا مجاہد وغیرہ نے یہی مطلب بیان کیا ہے۔ ابن عطاء نے کہا پیدا کرنے سے پہلے ہی ان کو چن لیا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے تو اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ نے آکر کہا اللہ کو دل سے پہچانو اور زبان سے اس کی یاد کرو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا یہ تو میں نے کر لیا۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں ایسا کروں گا (یعنی مستقبل کا صیغہ نہیں بولا ماضی کا صیغہ فرمایا) یہی وہ رشد تھا (جو اللہ نے پہلے سے ہی آپ کو عطا کر دیا تھا) اس آیت میں فلما جن کا عطف قال پر ہے اور ف تعقیبیہ ہے اور وکذلک نری ابراہیم ملکوت السموٰت الخ جملہ معترضہ ہے۔ گویا اتتخذ اصناما الھۃ انی اراک وقومک فی ضلال مبین فرمانے کے بعد ہی آپ نے چاند و ستاروں کے

غروب سے اللہ کی ربوبیت پر استدلال کیا تھا اور اگر اس کلام کو بطریق استدلال قرار دیا جائیگا تو فاء تفصیل کے لئے ہوگی اور یہ کذالک نری ابراھیم الخ کی تشریح و تفسیر ہو جائیگی۔ اس صورت میں اس کلام کا وقت وہ ہوگا جب عقل و شعور کی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد پہلی مرتبہ آپ نے ستارہ دیکھا جو کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اس تفسیر کی بنیاد کے طور پر اہل روایت ایک قصہ بیان کرتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ نمرود بن کنعان (عراق کا بادشاہ تھا اسی) نے سب سے پہلے اپنے لئے تاج بنوایا اور لوگوں کو اپنی پوجا کرنے کا حکم دیا اس کے دربار میں کچھ جوگی اور نجومی بھی تھے ان جوگیوں اور نجومیوں نے ایک بار نمرود سے کہا اس سال آپ کے ملک میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اس ملک کے رہنے والوں کا مذہب تبدیل کر دیگا اور آپ کی جان اور حکومت اسکے ہاتھوں سے تباہ ہو جائیگی۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ سابق انبیاء کی کتابوں میں انھوں نے ایسا لکھا پایا تھا۔ سدی کا بیان ہے کہ نمرود نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک ستارہ ایسا طلوع ہوا جس کی روشنی کے سامنے چاند سورج کی روشنی جاتی رہی۔ نمرود اس خواب سے گھبرا گیا جادوگروں اور جوگیوں کو طلب کر کے اس کی تعبیر پوچھی۔ تعبیر دینے والوں نے کہا اس سال آپ کی طرف ایک لڑکا پیدا ہوگا جو آپ کی اور آپ کے گھر والوں کی ہلاکت اور آپ کی سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا۔ نمرود نے یہ سن کر حکم دے دیا کہ اس سال اس کے ملک میں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور آئندہ مرد عورتوں سے الگ رہیں اور ہر دس آدمیوں پر ایک نگراں مقرر کر دیا ایام ماہواری کے زمانہ میں مردوں کو عورتوں سے اختلاط کی اجازت تھی کیونکہ حیض کی حالت میں وہ لوگ قربت صنفی نہیں کرتے تھے اور جب عورتیں پاک ہو جاتیں تو مرد و عورت کا اختلاط ممنوع ہو جاتا۔ ایک روز آزر جو اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس کو پاکی کی حالت میں پایا تو قربت کر بیٹھا اور حضرت ابراہیمؑ کا حمل قرار پا گیا۔

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ نمرود نے ہر حاملہ عورت کے پاس ایک نگراں مقرر کر رکھا تھا جو عورت کو اپنے پاس روکے رہتا تھا۔ البتہ حضرت ابراہیمؑ کی والدہ چونکہ کم سن تھیں اور ان کے پیٹ کے اندر حمل کی علامت نمایاں نہ تھی اس لئے ان پر کوئی نگراں مسلط نہ تھا۔ سدی نے ذکر کیا ہے کہ موعود بچہ کی پیدائش کے ڈر سے نمرود تمام مردوں کو لشکر گاہ میں لیکر چلا گیا تھا اور اس طرح مردوں کو عورتوں سے الگ کر دیا تھا کچھ مدت تک اسی حالت پر رہا پھر شہر میں آنے کی اس کو کوئی ضرورت پڑی اور سوائے آزر کے اس کو کوئی اور شخص نظر نہ آیا جسکو شہر میں (اپنی جگہ) بھیجنے پر اسکو اطمینان ہوتا مجبوراً آدمی بھیج کر آزر کو بلوایا آزر آگیا تو نمرود نے اس سے کہا میرا ایک کام ہے اور میں وہ کام تیرے سپرد کرنا چاہتا ہوں اور چونکہ مجھے تیرے اوپر اعتماد ہے اس لئے اس کام کے لئے تجھے بھیج رہا ہوں مگر تجھے قسم دیتا ہوں کہ اپنی بیوی کے پاس نہ جانا آزر نے کہا مجھے بیوی کے پاس جانے

اپنا مذہب زیادہ پیارا ہے نمرود نے کام بتا کر آزر کو روانہ کر دیا آزر نے شہر میں جا کر کام سرانجام دیا پھر دل میں کہا اگر میں گھر جا کر گھر والوں کو دیکھتا چلوں تو کیا حرج ہے یہ سوچ کر گھر پہنچا اور ابراہیمؑ کی ماں کو دیکھ کر اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکا اور قربت کر بیٹھا نتیجہ میں وہ حاملہ ہو گئی اور ابراہیمؑ کا حمل قرار پا گیا۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے جب حضرت ابراہیمؑ کی ماں حاملہ ہو گئی تو کاہنوں نے نمرود سے کہا جس لڑکے کی ہم نے آپ کو اطلاع دی تھی اس کی ماں آج رات حاملہ ہو گئی۔ نمرود نے فوراً لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا جب ابراہیمؑ کی پیدائش کا وقت قریب آگیا اور ماں کو درد زہ ہونے لگا تو وہ بھاگ کر بستی سے باہر نکل گئی کہ کہیں کسی کو اطلاع ہوگئی تو بچہ کو قتل کر دیا جائیگا اور جنگل میں پہنچ کر حلفاء گھاس میں اس کے بچہ پیدا ہوا اس نے آکر اپنے شوہر کو اطلاع دیدی کہ میرے بچہ پیدا ہو گیا اور فلاں جگہ موجود ہے باپ نے وہاں جا کر بچہ کو لے کر ایک سرنگ کھود کر اس کے اندر بچہ کو چھپا دیا اور درندوں کے خوف سے سرنگ کا دروازہ پتھر سے بند کر کے چلا آیا ماں وہاں آتی جاتی اور دودھ پلاتی رہی۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی والدہ کو جب درد زہ ہوا تو وہ رات کو نکل کر قریب کے ایک غار میں چلی گئی غار کے اندر ابراہیم پیدا ہوئے تو زائیدہ بچہ کا جو کام ہوتا ہے ماں وہ سب کام ٹھیک کر کے غار کا دروازہ بند کر کے گھر کو لوٹ آئی پھر دیکھ بھال کرتی رہی جب وہاں جاتی تو ابراہیمؑ کو زندہ انگوٹھا چوستے پاتی۔ ابوروق کا بیان ہے ایک روز حضرت ابراہیمؑ کی ماں نے کہا آج میں اس کی انگلیاں دیکھونگی چنانچہ انگلیاں دیکھیں تو آپ ایک انگلی سے پانی دوسری سے شہد تیسری سے دودھ چوتھی سے چھوارہ اور پانچویں سے گھی چوس رہے تھے۔ محمد بن اسحٰق کا بیان ہے آزر نے ابراہیمؑ کی ماں سے پوچھا حمل کا کیا ہوا ماں نے کہا لڑکا پیدا ہوا تھا مگر مر گیا آزر کو یقین آگیا اور خاموش ہو رہا ابراہیمؑ کے لئے ایک دن ایک ماہ کی طرح اور ایک مہینہ سال کی طرح (نمو کے اعتبار سے) ہوتا تھا غار کے اندر آپ صرف پندرہ مہینے رہے آخر ایک روز ماں سے کہا مجھے یہاں سے باہر نکال تو ماں عشاء کے وقت آپ کو باہر لائی آپ نے کائنات سماوی و ارضی کو دیکھا اور غور کیا اور فرمایا جس نے مجھے پیدا کیا اور کھلایا پلایا وہی میرا پروردگار ہے اس کے سوا میرا کوئی اور معبود نہیں پھر آسمان پر غور سے دیکھا تو ایک ستارہ نظر آیا بولے یہ میرا رب ہے اس کے بعد اس کے پیچھے نظر لگائے دیکھتے رہے آخر وہ غائب ہو گیا آپ نے کہا غائب ہونے والوں کو میں نہیں چاہتا پھر چاند کو چمکتا دیکھ کر بولے یہ میرا رب ہے اس کے پیچھے بھی نگاہ لگائے رکھی آخر وہ بھی ڈوب گیا پھر سورج نکلا اور مندرجۂ بالا صورت ہوئی پھر اپنے باپ آزر کے پاس لوٹ کر آئے تو رخ درست ہو چکا تھا رب کو پہچان چکے تھے اور اپنی قوم کے مذہب سے بیزار ہو گئے تھے مگر قوم پر یہ بات ظاہر نہیں کی اور باپ سے آکر کہا میں آپ کا بیٹا ہوں ماں نے

بھی بتا دیا کہ واقعی یہ تمہارا بیٹا ہے اور میں نے یہ کام کیا تھا آزر اس سے بہت ہی خوش ہوا ایک روایت میں آیا ہے سرنگ کے اندر آپ دس سال رہے دوسری روایت میں سات سال اور تیسری میں سترہ سال رہنے کا کا ذکر آیا ہے۔

میں کہتا ہوں اگر اس قصہ کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی حضرت ابراہیم کے ماں باپ کا کافر ہونا اس سے ثابت نہیں ہوتا ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اس میں حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آزر بتایا گیا ہے اور آزر کے کافر ہونے کی صراحت قرآن مجید اور حدیث مبارک میں آچکی ہے لیکن اس قصہ میں لفظ آزر کا آنا بعض راویانِ قصہ کا وہم ہے (اصل بیان میں صرف ابراہیمؑ کے باپ کا ذکر ہے آزر کا نہیں) بلکہ اصل قصہ بعض راویوں نے اس طرح بیان کیا کہ جب سرنگ کے اندر حضرت ابراہیم جوان ہوگئے تو انھوں نے اپنی ماں سے پوچھا میرا پروردگار کون ہے ماں نے کہا میں حضرت ابراہیم نے فرمایا تیرا پالنے والا کون ہے ماں نے کہا تیرا باپ۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا میرے باپ کا پالنے والا کون ہے ماں نے کہا نمرود حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا نمرود کا رب کون ہے ماں نے کہا خاموش ہو جا۔ حضرت ابراہیم خاموش ہوگئے ماں نے واپس جاکر اپنے شوہر سے کہا دیکھو تو جس لڑکے کے متعلق ہم سے کہا جاتا تھا کہ وہ (اس) ملک والوں کے مذہب کو بگاڑ دیگا وہ آپ ہی کا بیٹا ہے پھر ابراہیم کا قول اس نے نقل کیا باپ فوراً ابراہیم کے پاس پہنچا آپ نے اس سے بھی پوچھا بابا مجھے پالنے والا کون ہے۔ باپ نے کہا تیری ماں۔ حضرت نے فرمایا میری ماں کو پالنے والا کون ہے باپ نے کہا میں، آپ نے پوچھا، آپ کو پالنے والا کون ہے باپ نے کہا نمرود، ابراہیم نے فرمایا نمرود کا رب کون ہے باپ نے ایک طمانچہ مارا اور کہا چپ۔ پھر جب رات چھاگئی تو حضرت ابراہیم نے سرنگ کے دروازہ کے پاس آکر پتھر کی جھری سے باہر کو دیکھا تو ایک ستارہ نظر آیا۔ آپ نے کہا یہ میرا رب ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والدین سے کہا مجھے یہاں سے باہر نکالو والدین نے سرنگ سے باہر نکالا اور غروب آفتاب کے بعد ساتھ لے چلے۔ حضرت ابراہیم نے کچھ اونٹ گھوڑے اور بکریاں دیکھیں اور باپ سے پوچھا یہ کیا ہے باپ نے کہا اونٹ گھوڑے اور بکریاں ہیں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا ان کو پالنے اور پیدا کرنے والا ضرور کوئی ہوگا۔ پھر آسمان کی طرف نظر کی تو مشتری یا زہرہ دکھائی دیا مہینہ کی آخری رات تھی چاند کا طلوع آخر رات میں ہونیوالا تھا چاند سے پہلے آپ نے ستارہ دیکھا تھا آیت فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا میں اسی کا بیان ہے یہ بیان حضرت ابراہیمؑ کے والدین کے کافر ہونے پر ضرور دلالت کر رہا ہے مگر اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کفر کی حالت ہی میں ان کی موت ہوئی۔ پھر بیان مختلف مضطرب ضعیف بھی ہے اور صحیح سند سے ثابت نہیں اس کے مقابلہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ حضرت آدمؑ سے لیکر آپ کے والدین تک

حضورؐ کے تمام آباء واجداد مؤمن تھے پاک لوگوں کی پشت سے پاک عورتوں کے رحم کی طرف اور پاک عورتوں کے رحم سے پاک مردوں کی پشت کی طرف آپ کا انتقال ہوتا رہا یہاں تک کہ پاک ماں باپ کے بطن وصلب سے آپ پیدا ہوئے۔ آیت وتقلبك في الساجدين کو اسی معنی پر محمول کیا گیا ہے۔ اور چچا کو باپ کہنا عمومی محاورہ ہے خصوصاً اس صورت میں جب چچا نے پرورش کی ہو اور یہ ممکن ہے کہ تارخ (حضرت ابراہیمؑ کا باپ) ابراہیمؑ کو ماں کے پیٹ یا شیرخوارگی کی حالت میں چھوڑ کر مرگیا ہو اور چچا آزر نے آپ کی پرورش کی ہو۔ واللہ اعلم۔

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ پھر جب ستارہ چھپ گیا تو ابراہیمؑ نے کہا میں غائب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا یعنی جس کے احوال میں تغیر ہوتا رہے اس کی پوجا کرنے کو پسند نہیں کرتا کیونکہ تغیر احوال حادث ہونے کی نشانی ہے جو قدیم ہو اس کے احوال حادث نہیں ہوسکتے اور حادث قابلِ عبادت نہیں۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ج پھر جب چاند کو (ابتداء طلوع کے وقت) چمکتا دیکھا تو اس نے کہا یہ میرا رب ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے اندر قوت فکریہ کامل تھی اور ستارہ کے غروب سے (توحید پر) استدلال کامل ہو چکا تھا مزید دلیل کی ضرورت نہ تھی لیکن مشرکوں کو مزید شکست دینے کے لئے آپ نے اپنے استدلال کے دائرہ کو وسیع کیا اور چاند سورج سے بھی استدلال کیا۔

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ پھر جب چاند بھی چھپ گیا تو ابراہیمؑ نے کہا اگر میرا رب ہی مجھے سیدھی راہ نہ بتائے گا تو میں گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا۔ اللہ کی طرف سے ہدایت ملنے کی نعمت کا شکر ادا کرنے کے لئے مذکورۂ بالا الفاظ حضرت ابراہیمؑ نے کہے جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا اگر اللہ کی طرف سے توفیق نہ ہوتی تو ہم نہ ہدایت یاب ہوتے نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے۔ مذکورہ بالا قول میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو راہِ حق بتلائی ہے اور تنبیہ کی ہے کہ چاند بھی قابلِ عبادت نہیں اس کے احوال بھی تغیر پذیر ہیں جو اس کو معبود قرار دیگا گمراہ ہو جائیگا طلوع اور غروب دونوں سے حالات کے تغیر کا پتہ لگتا ہے لیکن غروب زوال کی حالت ہے (اور طلوع عروج کی) اور زوال کی حالت سے ناقابلِ عبادت ہونے پر استدلال زیادہ واضح ہے اس لئے حضرت نے غروب قمر سے استدلال کیا طلوع سے نہیں کیا۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ج پھر جب سورج کو دمکتا دیکھا تو اس نے کہا یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے (یعنی تمام ستاروں سے بڑا ہے) الشمس عربی

زبان میں مؤنث ہے اور ہذا (اسم اشارہ مذکر) ہے اشارہ سورج کی طرف ہے کیونکہ ہذا کی خبر یعنی رب مذکر ہے (اور جو اسم اشارہ مشار الیہ اور خبر کے درمیان واقع ہوتا ہے اس میں مشار الیہ کی تذکیر تانیث قابل لحاظ نہیں ہوتی خبر کا مذکر مؤنث ہونا ملحوظ رہتا ہے) بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ ہذا سے اشارہ نکلنے والے (یعنی طالع) کی طرف ہے یا معنی کی طرف ہے یعنی چمک اور نور۔

میں کہتا ہوں کہ لفظ شمس کی تانیث صرف سماعی ہے کیونکہ اس کی تصغیر شمیسۃ آتی ہے (اور تصغیر میں اصلی حروف ظاہر کر دیئے جاتے ہیں) اور حضرت ابراہیم کی زبان عربی نہیں تھی ان کی زبان میں سورج مذکر تھا اپنی زبان کے اعتبار سے انھوں نے اشارہ بصیغہ مذکر ذکر کیا ہوگا اور اللہ نے انہی کے زبان کے استعمال کا لحاظ کر کے اشارہ کو عربی زبان میں ذکر کر دیا۔

حضرت ابراہیم نے ھٰذَآ اَکْبَرُ استدلال کے اعتبار سے اور مشرکوں کے شبہ کو ظاہر کرنے کی غرض سے فرمایا (یعنی مشرکوں کو غیر اللہ کی ربوبیت کا شبہ سورج کو دیکھ کر زیادہ ہو سکتا ہے)

فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ○ پھر جب وہ ڈوب گیا تو ابراہیم نے کہا اے میری قوم والو تم جن چیزوں کو (معبود برحق کا عبادت میں) شریک بناتے ہو میں ان سب سے بیزار ہوں۔ ستارے اور چاند سورج اجرام علوی ہیں بڑے بڑے ہیں روشن ہیں مگر الوہیت کے قابل نہیں۔ محل حوادث ہیں خود حادث ہیں ان کے احوال حادث ہیں پیدا کرنے والے کے محتاج ہیں اور ایسی ذات کے ضرورت مند ہیں جس نے ان کو یہ مخصوص احوال عطا فرمائے ہیں ان کے مقابلہ میں بت اور دوسرے سفلی اجسام بہت حقیر ہیں اور ناقابل عبادت ہیں حضرت ابراہیم نے اسی لئے اجرام علویہ کے حالات کو دیکھ کر تمام علوی اور سفلی اجرام کی الوہیت سے بیزاری کا اظہار کر دیا جب علوی اجرام قابل الوہیت نہیں تو سفلی اجسام کیسے معبود ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے پہلے استدلال کیا پھر قوم کو خطاب کر کے غیر اللہ کی الوہیت سے بیزاری کا اظہار کیا اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو مسئلہ توحید کی تحقیق پہلے ہو چکی تھی یہ کلام بول کر فقط مشرکوں کو لاجواب بنانا مقصود تھا۔

باطل معبودوں سے اظہار براءت کرنے کے بعد آئندہ کلام میں آپ نے قوم کو اللہ حق کی ہستی کی طرف رہنمائی کی جس کے وجود پر تمام ممکنات دلالت کر رہے ہیں چنانچہ فرمایا

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ میں سب کو چھوڑ کر اپنا منہ اس کی طرف موڑتا ہوں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور میں اس کے ساتھ کسی اور کو ساجھی قرار دینے والوں میں سے نہیں ہوں۔ یعنی آسمان اور اس کی ساری کائنات اور زمین

اور اس کی تمام موجودات اپنے وجود میں ایسی واجب الوجود ہستی کی محتاج ہیں جو ان کو عدم سے وجود میں لانیوالی ہے میں نے اسی کی طرف اپنا رخ پھیر لیا اور تمام مذاہب کو چھوڑ کر اسی کی اطاعت اختیار کرلی۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ اور ابراہیمؑ سے اس کی قوم نے حجت کرنی شروع کر دی یعنی توحید اور نفی شرک کے مسئلہ میں جھگڑنے لگے جب استدلالِ صحیح کے مقابلہ سے عاجز اور لاجواب ہو گئے تو جھگڑے پر اتر آئے کہنے لگے ہمارے معبودوں سے ڈر، کہیں تجھے کسی دکھ میں مبتلا کر دیں اور نمرود سے بھی ڈر تارہ کہیں تجھے قتل کر دے یا جلا دے۔

قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ ابراہیمؑ نے کہا کیا (اللہ کی ہستی اور توحید پر قطعی استدلال کے بعد بھی خواہ مخواہ) تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑتے ہو حالانکہ اسی نے مجھے ہدایت کر دی یعنی باوجودیکہ میں کم عمر اور ان پڑھ ہوں مگر اس نے مجھے حق اور استدلال کا راستہ بتا دیا۔

وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اور جس چیز کو تم اس کا شریک قرار دیتے ہو میں اس سے نہیں ڈرتا یعنی ممکنات میں سے کوئی ہو خواہ علویات میں سے ہو جیسے چاند سورج ستارے یا عنصریات میں سے (آگ پانی ہوا مٹی اور ان کے مرکبات) پھر ذی عقل عنصری مرکب ہو جیسے نمرود یا جماد ہو جیسے بت میں کسی سے نہیں ڈرتا یہ سب میری طرح عاجز ہیں بغیر اللہ کے خود نفع نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے بلکہ بعض مجھ سے بھی زیادہ عاجز ہیں (جیسے جمادات نباتات) روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جب سرنگ سے برآمد ہوئے اور مشرکوں کو ان سے کوئی امید نہ رہی اور آزر نے ان کو اپنا لیا تو خود مورتیاں بنا کر بیچنے کے لئے ابراہیمؑ کو دیں آپ مورتیاں لے کر بازار گئے اور آواز لگائی مجھ سے کوئی ایسی چیز خریدتا ہے جو ضرر رساں ہو فائدہ بخش بالکل نہیں نتیجہ میں کسی نے نہیں خریدا شام کو آپ سب مورتیاں واپس لے آئے اور نہر پر لیجا کر ایک مورتی کو پکڑ کر اس کا منہ پانی کی طرف جھکا کر کافروں کا مذاق اڑانے کے لئے کہنے لگے پانی پی۔

اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ مگر یہ کہ میرے رب کی مشیت ہو۔ یعنی تمہارے معبود جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو مجھے کبھی کوئی دکھ نہیں پہنچا سکتے ہاں جس وقت میرا رب ہی دکھ پہنچانا چاہے (تو اس وقت کسی ذریعہ سے مجھے دکھ پہونچ سکتا ہے)

وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ میرے رب کا علم ہر چیز کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے (ہر چیز کو محیط ہے) یہ فقرہ گویا استثناء کی علت ہے یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کے علم میں یہ بات ہو کہ اس کی مشیت اور عطاء اختیار کی وجہ سے بعض مخلوقات کی طرف سے مجھے دکھ پہنچ جائے (اور علم کے مطابق مجھے دکھ پہنچ جائے جو در حقیقت

رب کا بھیجا ہوا ہوگا)

أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝ کیا اب بھی تم نہیں سمجھتے کہ ایک ہستی کل بااقتدار اور تمہارے (یعنی اللہ) احد کچھ مخلوق بالکل بے
طور پر عاجز جیسے بت اور کچھ ہستیاں اپنی ذات کے اعتبار سے تو عاجز و بے اختیار ہیں لیکن ان کو قدرت و اختیار
دے سکتا ہے اور وہ (ظاہری مجازی) اختیار رکھ سکتی ہیں ان تینوں کے فرق کو کیا تم نہیں جانتے۔

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ اور جن کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے۔ میں ان سے کس
طرح ڈر سکتا ہوں۔ ان میں سے تو کوئی اللہ کی مشیت کے بغیر مجھے دکھ نہیں پہنچا سکتی۔

وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۚ حالانکہ
(جو بات حقیقت میں ڈرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ مختار کل قادر مطلق حقیقی فائدہ بخش نفع رساں ہستی کا کسی
کو ساجھی قرار دیا جائے مگر) تم اس بات کا خوف نہیں کرتے کہ اللہ کے ساتھ تم ایسی ہستیوں کو شریک
بناتے ہو جن کو شریک قرار دینے کی اللہ نے تمہارے لئے کوئی دلیل نہیں اتاری (نہ عقلی نہ نقلی)

فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ۚ پس (دنیا و آخرت کے عذاب و شدائد سے محفوظ
رہنے کا) زیادہ مستحق دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق ہے اہل توحید کا گروہ جس کا عقیدہ عقل و نقل کے تقاضوں
کے موافق ہے یا اہل شرک کا گروہ جن کے پاس اپنے شرکیہ عقیدہ کی کوئی دلیل نہیں۔ ای الفریقین فرمایا أَيُّنَا
(ہم میں سے کون) نہیں فرمایا کیونکہ أَيُّنَا کہنے میں تزکیۂ خودی کا شائبہ تھا پھر اس بات کی طرف بھی اشارہ کرنا تھا
کہ استحقاق امن کی خصوصیت صرف میری ذات کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اہل توحید کا پورا گروہ اس کا
مستحق ہے کوئی موحد ہو۔ در پردہ اس میں مشرکوں کو توحید کی ترغیب بھی دی ہے۔

إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ اگر تم جانتے ہو کہ کس سے خوف کیا جانا چاہئے تو صرف اللہ سے ڈرو اسکے
سوا کسی سے نہ ڈرو۔ (اِنْ کی جزا محذوف ہے جس پر کلام سابق دلالت کر رہا ہے۔ یا ان کنتم تعلمون بمعنی فعل نہیں
بلکہ اسم فاعل کے معنی میں ہے اس صورت میں) یہ معنی ہوگا کہ اگر تم اہل بصیرت اور دانشمند ہو تو میرے
سوال کا جواب انصاف کے ساتھ دو۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ
مُهْتَدُونَ ۝ جو لوگ (اللہ پر) ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم آمیز یعنی شرک آلود نہیں کیا انہی کے
لئے عذاب سے حفاظت ہے اور وہی حق یا جنت کا راستہ پانیوالے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان
ہے کہ جب یہ آیت اتری تو مسلمانوں پر بڑی شاق گذری انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ہم میں سے کون (باوجود مؤمن ہونے کے) اپنے نفس پر ظلم نہیں کرتا (پھر ہمارے محفوظ رہنے کی کیا شکل

ع ۱۵

ہے حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ظلم (سے مراد) شرک ہے۔ کیا تم نے لقمان کا وہ قول نہیں سنا جو انھوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابراہیمؑ نے مشرکوں سے سوال کیا تھا کہ محفوظ رہنے کا مستحق کون ہے مشرکوں کی طرف سے جب کوئی جواب نہیں ملا تو حضرت ابراہیمؑ نے خود فرمایا الذین امنوا الخ اس صورت میں یہ ابراہیمؑ کا کلام ہوگا جو اللہ نے نقل فرمایا ہے یا یہ اللہ نے اپنی طرف سے فیصلہ فرمایا اور یہ براہِ راست اللہ کا قول ہے۔ ابن ابی حاتم نے بکر بن سوادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک دشمن نے مسلمانوں پر حملہ کر کے ایک مسلمان کو مار ڈالا پھر دوبارہ حملہ کر کے دوسرے مسلمان کو قتل کر دیا۔ پھر تیسری مرتبہ حملہ کر کے ایک اور مسلمان کو قتل کر دیا پھر مسلمان ہونے کے ارادہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اس حالت میں بھی مجھے اسلام سے فائدہ پہنچ سکتا ہے حضورؐ نے فرمایا ہاں وہ شخص فوراً مسلمانوں میں شامل ہو گیا (یعنی مسلمان ہو گیا) پھر اپنے (گذشتہ) ساتھیوں پر حملہ کر کے ایک کو پھر دوسرے کو قتل کر دیا پھر تیسرے کو مارا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول اسی شخص کے حق میں ہوا۔

وَتِلْكَ اور یہ۔ تلک سے فلما جن علیہ الیل سے مھتدون تک جس مضمون کو بیان کیا ہے اسکی طرف اشارہ ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو ستارے اور چاند سورج کو رب قرار دیا اور ان کے زوال کو دیکھ کر ان کی ربوبیت سے گریز کیا حضرت ابراہیمؑ کا اپنے اطمینان کے لئے مقام تفکر نہ تھا نفوس قدسیہ کو ان فکری استدلالات کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ قوم کو غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے تھا بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ تلک سے اس دلیل کی طرف اشارہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کے مقابلہ میں پیش کی تھی جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے مگر یہ قول بعید از قرینہ ہے اول تفسیر ہی صحیح ہے۔

حُجَّتُنَآ ہماری (تعلیم کردہ) دلیل تھی۔ یہ اسم اشارہ کی خبر یا صفت یا بدل ہے

اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی تھی۔ عطا کرنے سے مراد ہے بتا دینا اور قوم سے مراد ہیں نمرود اور اس کے ہم مذہب۔ اگر حجتنا کو خبر یا صفت قرار دیا جائیگا تو علی قومہ کا تعلق حجتنا سے ہوگا اور اگر حجتنا کو اسم اشارہ سے بدل کہا جائیگا تو علی قومہ کا تعلق فعل محذوف سے ہوگا۔

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ ہم جس کو چاہتے ہیں کتنے ہی درجے اونچا کر دیتے ہیں یعنی علم و حکمت کے درجات (دیکر) عالی مرتبہ کر دیتے ہیں درجٰت یا تمیز ہے یا مفعول مطلق۔

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ بے شک آپ کا رب (کسی کو اونچا نیچا کرنے میں) حکمت والا ہے۔

عَلِيْمٌ ۝ (جس کو اونچا کرتا ہے اس کی حالت اور قابلیت کو) خوب جانتا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ط اور ہم نے ابراہیمؑ کو بخشا (ایک بیٹا) اسحاق اور (ایک پوتا) یعقوبؑ۔

كُلًّا هَدَيْنَا ج اور (دونوں میں سے) ہر ایک کو ہدایت دی (یعنی کلاًّ کی تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے)

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ اور ابراہیمؑ سے پہلے نوحؑ کو ہدایت عنایت کی۔ حضرت نوحؑ حضرت ابراہیم کے سلسلۂ اجداد میں تھے اس لئے حضرت نوحؑ کے ہدایت یافتہ ہونے کو حضرت ابراہیمؑ کے لئے نعمت قرار دیا اس سے معلوم ہوا کہ والد کا شرف اولاد کی طرف اور اولاد کا شرف والد کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں اس صورت میں ممکن نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد میں سے کوئی کافر ہوا ہو آپ تو اللہ کے محبوب تھے (اور محبت کا تقاضا ہے کہ شرف کامل عطا کیا جائے)

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ط اور اسکی (یعنی نوحؑ یا ابراہیمؑ کی) نسل میں سے ہم نے ہدایت کی داؤد بن ایشا کو اور سلیمانؑ (بن داؤد) کو اور ایوبؑ (بن اموص بن رازخ بن روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیمؑ) کو اور یوسفؑ (بن یعقوب بن اسحاق) کو اور موسیٰ (بن عمران بن یصہر بن قاہت بن لاوی بن یعقوب) کو اور (موسیٰ کے بھائی) ہارون کو (جو موسےٰ سے سال بھر بڑے تھے) من ذریتہ کی ضمیر ابراہیمؑ کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ کلام آپ ہی کے متعلق ہے بعض کے نزدیک نوحؑ کی طرف راجع ہے نوحؑ کا لفظ قریب مذکور ہے اس کے علاوہ یونس اور لوط حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں سے نہیں تھے حضرت نوحؑ کی نسل میں سے تھے۔ یہی زیادہ ظاہر ہے لیکن اگر ابراہیمؑ کی طرف ضمیر راجع قرار دی جائے تو اس آیت اور اس کی بعد والی آیت میں جن انبیاء کے نام آئے ہیں صرف انہی کے ساتھ من ذریتہ کی خصوصیت ہوگی اور جن انبیاء کا ذکر تیسری آیت میں آیا ہے ان کا عطف نوحًا پر ہوگا وہ من ذریتہ کے ذیل میں نہیں آئیں گے)

وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح یعنی جس طرح ہم نے ابراہیمؑ کو ان کے حسن کردار و رفتار کا بدلہ دیا اور ان کے درجات اونچے کئے اور اولاد کے مرتبے بلند کئے اسی طرح

نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ہم اہل احسان کو بدلہ دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ حضرت جبرئیلؑ کے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اپنے رب کی عبادت (اتنے استغراق کے ساتھ) کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ پاتے تو یقیناً وہ تم کو دیکھتا ہی ہے۔ متفق علیہ۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَإِلْيَاسَ ط اور زکریا (ابن اذن) کو اور یحییٰ (بن زکریا) کو اور عیسیٰ (بن مریم بنت عمران) کو اور الیاس (بن متی بن فخاص بن عیزار بن ہارونؑ) کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا، ادریسؑ ہی الیاسؑ تھے دونوں نام ایک ہی شخص کے تھے جیسے یعقوب اور اسرائیل۔ لیکن آیت کی رفتار اسکے خلاف ہے۔ ادریسؑ نوحؑ کی نسل میں سے نہیں تھے بلکہ پدر نوحؑ کے دادا تھے نوح کے باپ لامک۔ لامک کے باپ متوشلخ۔ متوشلخ کے باپ خنوخ اور خنوخ کے باپ حضرت ادریس تھے اولاد آدمؑ میں آپ سب سے پہلے نبی تھے اور آپ نے قلمی تحریر ایجاد کی۔

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (مذکورہ بالا اشخاص میں سے) ہر ایک نیکوکاروں میں سے تھا یعنی حضرات ان لوگوں میں سے تھے جو تمام کبائر و صغائر سے معصوم تھے کیونکہ جو شخص کسی امر ممنوع کا مرتکب یا ماموربہ کا تارک ہو وہ صالح نہ ہوگا فاسد ہوگا خواہ اس کے اعمال کتنے ہی کم ہوں (مگر ہوگا فاسد) غیر معصوم پر جو کبھی صالح کا اطلاق ہو جاتا ہے وہ حقیقی نہیں ہوتا اضافی ہوتا ہے (یعنی مرتکب کبائر کے مقابلہ میں ہم بعض صغائر کے مرتکب کو صالح کہہ سکتے ہیں اگرچہ وہ بالکل صالح نہیں ہوتا) ہاں گناہ کرنے کے بعد جو سچی توبہ کرے وہ صالح ہو جاتا ہے کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے لیکن جو کامل الصلاح ہو وہ معصوم ہوتا ہے

وَإِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ط اور اسمٰعیلؑ (بن ابراہیمؑ) کو (جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ تھے) اور الیسع (بن اخطوب بن عجوز) کو اور یونس (بن متی) کو اور لوط (بن ہاران) کو (جو حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے) یسع عجمی نام ہے اس پر الف لام داخل کر دیا گیا ہے جیسے یزید پر الف لام داخل کر کے الیزید کہا جاتا ہے ایک شاعر کا قول ہے

رأيت الوليد بن اليزيد مباركًا شديدًا باعباء الخلافة كاهله

میں نے ولید بن یزید کو بابرکت پایا اس کے کاندھے خلافت کا بار اٹھانے میں مضبوط ہیں۔

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ اور ان میں سے ہر ایک کو ان کے زمانہ والوں پر ہم نے برتری عطا کی تھی۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ ان انبیاء کو ان کے تمام اہل زمانہ پر فضیلت حاصل تھی اہل زمانہ خواہ انسان ہوں یا جنات یا ملائکہ۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ اور ان کے باپ دادا اور نسل اور بھائیوں میں سے بعض کو (ہم نے ہدایت کی یا برتری عطا کی)، اور ان کو برگزیدہ بنایا اور سیدھا راستہ دکھایا۔ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ کا عطف کلاً پر ہے یعنی ہم نے برتری عطا کی یا نوحًا پر عطف ہو یعنی ہم نے ہدایت کی، اور من تبعیضیہ ہے یعنی ان کی اصل نسل اور بھائیوں میں

سے بعض کو برتری دی یا ہدایت کی کیونکہ سب کے سب نہ پیغمبر ہوئے نہ ہدایت یافتہ۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۔ یہی (دین توحید) اللہ کا بتایا ہوا ہے اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا اس کی ہدایت کرتا ہے۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ اور اگر وہ (پیغمبر بھی بالفرض) شرک کرتے تو جو کچھ (اچھے) اعمال وہ کرتے تھے سب اکارت چلے جاتے۔ دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ہے (پیغمبروں کی جلالت وعظمت بھی شرک کے بعد کسی عمل کو بربادی سے نہیں روکتی)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یہ سب ایسے تھے کہ ہم نے ان کو کتاب دی۔ الکتاب اسم جنس ہے یعنی نازل کردہ خدائی کتابیں۔ دینے سے مراد ہے اتارنا، یا نازل شدہ کتاب کی تبلیغ کا حکم دینا۔

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ اور حکمت و نبوت۔ حکم سے مراد یا حکومت ہے یعنی ہم نے ان کو حاکم بنایا تھا کہ لوگ ان کی اطاعت کریں یا حکمت و دانش مراد ہے یا تقاضاء حق کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرنا مراد ہے۔

فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ○ اب اگر یہ (کفار مکہ) ان (تینوں چیزوں) کا انکار کردیں تو (کوئی نقصان ہمارا نہیں) ہم نے اس کے لئے ایسے بہت لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اس کا انکار نہیں کرتے یعنی انصار اور اہل مدینہ اس کے لئے مقرر کرنے سے مراد یہ ہے ایمان لانا اور ان پر عمل کرنا۔ قوماً سے مراد انصار اور اہل مدینہ کی تخصیص حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد کے نزدیک ہے بظاہر آیت کا مصداق عام ہے تمام صحابہؓ اور صحابہؓ کے بعد آنے والے اہل فارس اور دوسرے ممالک کے مومنوں کو آیت شامل ہے۔ ابو رجاء عطاردی نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا اگر زمین کے رہنے والے اس کا انکار کردیں تو ہم نے آسمان کے فرشتوں کو مقرر کردیا ہے وہ منکر نہیں ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ یہ ایسے لوگ تھے جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی یعنی توحید اصول دین اور مامورات و منہیات کی پابندی کی ہدایت کردی تھی۔

فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۔ پس انہی کے طریقہ پر آپ چلیں۔ یعنی دوسروں کے طریقہ پر نہ چلیں۔ اسمیں مشرکوں پر تعریض ہے کہ وہ (پیغمبروں کے راستہ پر چلنے کی بجائے) اپنے گمراہ آباؤ اجداد کی پیروی کرتے ہیں طریقہ انبیاء کی پیروی سے مراد ہے طریقہ انبیاء کو اختیار کرنا، تقلید مراد نہیں ہے اس امت کے کسی مجتہد کے لئے تقلید زیبا نہیں انبیاء خصوصاً سید الانبیاء کا تو ذکر کیا ہے آپ کے لئے تو تقلید جائز ہی نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ دوسرے انبیاء کی طرح آپ بھی ہدایت کے راستہ پر چلیں اور اس شریعت الٰہی کا

اتباع کریں جو تقاضائے عقل کے مطابق ہے اس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کا طریقہ حق تھا اور عقل نقل کے تقاضوں کے مطابق تھا۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ هُدَاهُمُ سے مراد عقیدۂ توحید اور دین کے وہ اصول ہیں جو تمام انبیاء کی تعلیم میں مشترک ہیں فروعی مسائل، مراد نہیں ہیں فروعی مسائل میں تو انبیاء میں تفریق ہے اور ھدٰاھم میں ھدٰی کی اضافت کل انبیاء کی طرف کی گئی ہے لہٰذا ایسا راستہ ہونا ضروری ہے جو سب کے درمیان مشترک ہو فروعی مسائل میں سب انبیاء کی پیروی ممکن نہیں (کیونکہ فروعی احکام میں انبیاء میں اختلاف ہے) اب یہ کہنا غلط ہے کہ اس آیت میں گذشتہ انبیاء کی شریعتوں پر چلنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے اور آپ گذشتہ شرائع کے مکلف تھے۔

میں کہتا ہوں تمام انبیاء امر خداوندی کے مکلف تھے اگر سابق فروعی مسائل کو اللہ کی طرف سے منسوخ نہیں کیا گیا تو ان فروعی احکام کی تعمیل بھی سب کے لئے ضروری تھی اور اگر متلو یا غیر متلو وحی کے ذریعہ سے گذشتہ احکام جزئیہ کو منسوخ کر کے جدید احکام نازل کر دیئے گئے تو جدید احکام کی تعمیل لازم ہے حاصل یہ کہ تمام انبیاء گذشتہ فروعی احکام کے بھی پابند تھے بشرطیکہ جدید شریعت میں ان کو منسوخ نہ کر دیا گیا ہو پس گذشتہ شریعتوں کے فروعی احکام کی تعمیل بھی ہم پر واجب ہے اگر ہماری شریعت میں اللہ نے ان کو منسوخ نہ کر دیا ہو۔ اِقْتَدِہْ میں ھا سکتہ ہے (ضمیر نہیں ہے)

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۔ آپ کہہ دیجئے میں اس تبلیغ یا قرآن کا کسی قسم کا معاوضہ تم سے نہیں مانگتا جس طرح مجھ سے پہلے انبیاء اپنی امتوں سے اجر تبلیغ کے طلب گار نہ تھے جن امور میں اقتداء انبیاء کا حکم دیا گیا تھا ان میں سے یہ اجر کا طلب گار نہ ہونا بھی ہے۔ یہ جملہ بتا رہا ہے کہ قرآن حدیث اور فقہ کی تعلیم کا معاوضہ (طلب کر کے) لینا جائز نہیں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ع یہ تبلیغ یا قرآن تو جن و انس کے لئے محض ایک یادداشت اور نصیحت ہے۔

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ ایک یہودی جس کا نام مالک بن الصیف تھا مناظرہ کرنے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جھگڑے بازی کرنے لگا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا میں تجھے اس خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ پر توریت نازل فرمائی تھی کیا توریت میں یہ بات تم لکھی ہوئی پاتے ہو کہ موٹے عالم کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ مالک موٹا تھا یہ سنکر غضبناک ہو گیا اور بولا خدا کی قسم اللہ نے کسی انسان پر کوئی حکم نہیں اتارا اس کے ساتھیوں نے جو یہ بات سنی تو بولے ارے (ارے) کیا موسیٰ پر بھی اللہ نے کچھ نہیں اتارا۔ اس پر مندرجۂ ذیل آیت نازل ہوئی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اور انھوں نے اللہ کی ذات وصفات کا ایسا اندازہ نہیں کیا جیسا کرنا چاہیے تھا۔ حق قدرہ مفعول مطلق ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اسی قول کی وجہ سے یہودیوں نے مالک کو اجتہاد کے عہدہ سے معزول کر کے اس کی جگہ ابن اشرف کو مقرر کر دیا۔ سدی کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول فنحاص بن عازورا کے حق میں ہوا اور فنحاص نے ہی یہ بات کہی تھی۔ سورۂ نساء میں یہ حدیث گذر چکی ہے۔ ابن جریر نے بطریق ابو طلحہ حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا اللہ نے آپ پر کوئی کتاب نازل کی ہے حضور والا نے فرمایا، ہاں! بولے خدا کی قسم اللہ نے آسمان سے کوئی کتاب نہیں اتاری اس پر اللہ نے نازل فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ یعنی اللہ نے بندوں پر جو نعمت ورحمت مبذول فرمائی ہے اس کو انھوں نے نہیں جانا اور اس لحاظ سے اللہ کو جیسا پہچاننا چاہیے ویسا نہیں پہچانا جب کہ انھوں نے کہا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نازل نہیں فرمایا یعنی پیغمبروں کی بعثت کا انکار کر دیا حالانکہ نبوت اللہ کی سب سے بڑی رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں پر کی ہے۔

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ (اے محمد) آپ کہیے کہ جو کتاب (توریت) موسیٰ لائے تھے وہ کس نے اتاری تھی جو (سراسر) نور اور لوگوں کے لئے ہدایت ہے جس کو تم نے متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے کہ ان میں سے بعض حصوں کو تو ظاہر کرتے ہو اور بہت حصے کو چھپائے رکھتے ہو۔ نورًا الکتاب یا کتاب کی ضمیر سے حال ہے۔ متفرق اوراق میں کرنے سے یہ مراد ہے کہ کاغذ کے مختلف ٹکڑوں پر لکھتے ہو اور ان کی جدا جدا کاپیاں بناتے ہو۔ بعض حصوں کو ظاہر کرنے کا یہ معنی ہے کہ جس حصہ کو اور توریت کی جن باتوں کو ظاہر کرنا چاہتے ہو ظاہر کرتے ہو۔ زیادہ باتوں کے چھپانے کا یہ مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی تعریف اور آیت رجم وغیرہ کو چھپاتے ہو حالانکہ یہ چیزیں توریت میں موجود ہیں اس فقرہ میں یہودیوں کو سرزنش کی گئی ہے کہ تم نے توریت کے معاملہ میں اپنی خواہشات کا اتباع کیا (اللہ کی کتاب کو اپنی نفسانی خواہشات کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کی)۔

وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ اور تم کو بہت سی ایسی باتیں تعلیم کی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا۔ اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ اس آیت میں مخاطب یہود ہیں یعنی یہودیو تم کو توریت کے ذریعہ سے جو علم عطا کیا گیا تھا اس سے زیادہ علم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی تمکو دیا گیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ توریت کی عبارت میں جس چیز کا سمجھنا تمہارے اور تمہارے آباء و اجداد کے لئے غیر واضح تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی کھول دیا گیا۔ دوسری آیت میں بھی اسی طرح کا مفہوم ادا کیا گیا ہے فرمایا ہے ان هٰذا القراٰن یقص علی بنی اسرائیل اکثر الذی هم فیه یختلفون۔ جس نے (علمتم کا) یہ مطلب بیان کیا کہ یہودیوں

کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لائے ہوئے قرآن کا علم دیا گیا تھا مگر انھوں نے اس کو کھو دیا (قبول نہیں کیا)
مجاہد کے نزدیک اس آیت کے مخاطب مسلمان ہیں۔ مسلمان پہلے (یعنی اسلام سے پہلے) بے علم تھے اللہ نے ان کو رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد علم عطا فرمایا اور اسی نعمت کی اس آیت میں یاد دہانی کی۔

قُلِ اللّٰهُ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے (موسیٰ پر کتاب اتاری تھی) اس جملہ کا تعلق قل من انزل الکتٰب سے ہے
جب یہودی لاجواب ہو گئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ خود کہہ دیجئے کہ اللہ ہی نے توریت
نازل کی تھی۔ اس جملہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سابق سوال کا جواب متعین ہے جس کے خلاف ممکن نہیں۔

ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ پھر ان کو ان کے مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے۔
فی خوضہم کا تعلق ذَرْهُمْ سے ہے اور یلعبون ضمیر مفعول یعنی ہم سے یا خوضہم کی ضمیر سے حال ہے یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ فی خوضہم کا تعلق یلعبون سے ہو۔ خوض سے مراد ہیں یہودیوں کے باطل افکار۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ اور یہ بھی
ایک عظیم الشان کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا بڑی برکت والی ہے اپنے سے پہلی کتاب کو سچا بتانے والی ہے۔
یعنی یہ قرآن کثیر المنافع ہے۔ اس سے پہلے جو توریت (اللہ کی کتاب نازل ہو چکی) تھی اس کی تصدیق
کرتا ہے۔ مبارک سے مراد کثیر الفوائد اور الذی بین یدیہ سے مراد توریت ہے۔

وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ (تاکہ تم اس سے نفع اٹھاؤ) اور مکہ والوں کو اور مکہ کے
ہر سمت والوں کو ڈراؤ۔ وَلِتُنْذِرَ کا عطف فعل محذوف پر ہے جس کے مفہوم کو لفظ مبارک بتا رہا ہے یعنی
تاکہ تم اس سے نفع اٹھاؤ اور تمام انسانوں کو ڈراؤ۔ ام القریٰ مکہ۔ من حولہا سے مراد پورب پچھم اور جنوب و شمال
غرض سارے اطراف کے رہنے والے۔ ام القریٰ سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی ام القریٰ کے رہنے والے۔ مکہ کو
ام القریٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اسی جگہ سے ساری زمین پھیلائی گئی۔ یا یہ وجہ ہے کہ دنیا کی تمام بستیوں کے باشندوں
کا یہ قبلہ اور مقام حج ہے اول وجہ تسمیہ کی بنیاد پر ام بمعنی اصل ہوگا اور دوسری وجہ تسمیہ کی صورت میں ام کے معنی
ماسوم یعنی مقصود ہوگا)

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝
اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس (پیغمبر یا قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہی
نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ کیوں کہ آخرت (کو یقینی چیز سمجھنے والا اور اس) پر ایمان
رکھنے والا انجام سے ڈرتا رہتا ہے اور یہ ڈر ہی اس کو غور و فکر میں منہمک رکھتا ہے نتیجہ میں وہ پیغمبر
پر ایمان رکھتا ہے اور قرآن پر بھی۔ اور تمام طاعتوں کی بھی پابندی کرتا ہے تمام طاعات میں سے صرف

نماز کا خصوصیت سے ذکر اس وجہ سے کیا کہ نماز دین کا ستون ہے۔ آیت میں در پردہ یہ بات بتاتا ہے کہ یہودی جو قرآن اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے حقیقت میں یہ نہ آخرت کو مانتے ہیں نہ حضرت موسیٰ کی لائی ہوئی کتاب کو ورنہ قرآن اور محمد صلعم پر ان کا ایمان ضرور ہوتا کیونکہ قرآن توریت اور قیامت میں سے ہر ایک پر ایمان دوسرے پر ایمان رکھنے کو مستلزم ہے تینوں میں باہم تلازم ہے (ایک پر ایمان ہو دوسرے پر نہ ہو ایسا ہو نہیں سکتا)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اور اس شخص سے بڑھ کر بیجا حرکت کرنیوالا کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ تہمت تراشی کرتا ہے جیسے مالک بن الضیف جو کہتا تھا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نازل نہیں کیا۔ یا جیسے عمرو بن لحی اور اس کے پیرو جو کہتے تھے کہ اللہ نے سائبہ اور حام کو حرام کر دیا ہے اور بعض قسم کے اونٹوں پر سوار ہونا اللہ کی طرف سے ناجائز کر دیا گیا ہے اور ان جانوروں کے پیٹ کے بچے اگر زندہ برآمد ہوں تو مردوں کے لئے حلال ہیں عورتوں کے لئے حرام اور اگر مردہ برآمد ہوں تو سب کے لئے حلال ہیں۔

اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ یا کہتا ہے کہ میرے پاس وحی آئی ہے حالانکہ اس کے پاس بالکل وحی نہیں آئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ بقول قتادہ اس آیت کا نزول مسیلمہ کذاب کے حق میں ہوا۔ یہ شخص کاہن تھا اور کاہنوں کی طرح کچھ مسجع فقرے بولتا تھا اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور کہتا تھا کہ میرے پاس وحی آتی ہے۔ ابن جریر نے عکرمہ کا بھی یہی بیان نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس نے دو قاصد بھیجے تھے حضورؐ نے قاصدوں سے دریافت کیا۔ کیا تم مسیلمہ کو نبی مانتے ہو قاصدوں نے کہا جی ہاں حضورؐ نے فرمایا اگر قاصدوں کو قتل نہ کرنے کا دستور نہ ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن اڑا دیتا۔

بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا میں سو رہا تھا سونے کی حالت میں مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دیدی گئیں اور سونے کے دو کنگن میرے دونوں ہاتھوں میں ڈالدیئے گئے مجھے اس سے بڑی ناگواری اور رنج ہوا تو مجھے وحی کی گئی کہ ان دونوں پر پھونک مار دیں میں نے پھونک ماری کنگن فوراً غائب ہو گئے میں نے اس کی تعبیر دی کہ دونوں کنگنوں سے مراد دو کذاب ہیں ایک صنعاء (یمن) والا دوسرا یمامہ والا۔ صنعاء والے سے حضورؐ کی مراد اسود عنسی اور صاحب یمامہ سے مراد مسیلمہ کذاب تھا (ان دونوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا)

وَمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ اور وہ جو کہتا ہے کہ جیسا کلام اللہ نے نازل

کیا ہے ایسا میں بھی لاتا ہوں۔ بروایت بغوی اس آیت کا نزول عبداللہ بن ابی سرح کے حق میں ہوا ہے عبداللہ مسلمان ہوگیا تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کاتب تھا لیکن (قرآن میں) جس جگہ حضور سمیعًا بصیرًا لکھواتے وہ علیمًا حکیمًا لکھتا اور جہاں علیمًا حکیمًا لکھواتے وہاں وہ غفورًا رحیمًا لکھتا تھا جب آیت ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین نازل ہوئی اور حضور نے یہ آیت لکھوائی تو عبداللہ کو تخلیق انسانی کی یہ تفصیل بہت پسند آئی اور وہ فوراً بول اٹھا فتبارک اللہ احسن الخالقین حضور صلعم نے فرمایا (آگے) یہ بھی لکھ دو یہ اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ عبداللہ کے دل میں شک پیدا ہوگیا اگر محمدؐ (وحی کے دعوے میں) سچے ہیں تو جس طرح ان کے پاس وحی آتی ہے میرے پاس بھی آگئی (میں بھی نبی ہوگیا) اور اگر جھوٹے ہیں تو پھر جس طرح وہ کہتے ہیں میں نے بھی کہہ دیا (نہ خدا کا کلام ان کا نہ میرا) اس کے بعد وہ مرتد ہوگیا اور مشرکوں سے جا ملا۔ ابن جریرؒ نے عکرمہ اور سدی کی روایت سے بھی آیت تبارک اللہ احسن الخالقین کے سلسلہ میں یہی قصہ بیان کیا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مرالظہران میں فروکش تھے عبداللہ دوبارہ اسلام لے آیا تھا حافظ فتح الدین ابن سید الناس نے سیرت میں لکھا ہے کہ ابن ابی سرح نے حضرت عثمانؓ بن عفان کی سفارش کرائی تھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کی سفارش کو قبول فرمالیا اس کے بعد عبداللہؓ کا اسلامی کیرکٹر اچھا رہا کسی نے اس کے اسلام پر کوئی خوردہ گیری نہیں کی آخر سجدہ کی حالت میں عبداللہ کا انتقال ہوا۔

حضرت ابن عباسؓ نے آیت سانزل مثل ما انزل اللہ کے متعلق فرمایا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے کلام کو ٹھٹول بناتے تھے اور لونشاء لقلنا مثل ھذا کا یہ جواب ہے۔

میں کہتا ہوں اس سے مراد نضر بن حارث ہے جو سورۂ والنازعات عرقًا کے مقابلہ میں (بطور استہزاء) والطاحنات طحنًا والعاجنات عجنًا والخابزات خبزًا کہتا تھا (قسم ہے آٹا پیسنے اور گوندھنے اور روٹی پکانے والیوں کی)

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے۔ تری کا خطاب رسول اللہ صلعم کو ہے اور الظلمین مفعول محذوف ہے۔ الظلمون میں الف لام یا عہدی ہے اور مراد ہیں یہودی اور نبوت کے جھوٹے دعویدار اور کلام اللہ سے استہزاء کرنے والے۔ یا الف لام جنسی ہو ان سب کو بھی شامل ہے اور دوسرے ظالموں (کافروں) کو بھی لو حرف شرط ہے تری اس کی شرط ہے اور جزا محذوف ہے یعنی اگر آپ ظالموں کی حالت دیکھیں گے تو آپ کو ہیبت ناک منظر دکھائی دیگا۔ غمرات کا معنی ہے شدائد۔ یہ غمرۃ کی جمع ہے قاموس میں ہے غمرۃ الشی

کسی چیز کی شدت۔ وضعی معنی ہے ڈھانکنا غمرہ الماء اور اغتمرہ الماء اس کو پانی نے ڈھانک لیا اسکے بعد شدائد اور مصائب کے لئے اس لفظ کا استعمال کیا جانے لگا کیونکہ شدائد بھی انسان کو محیط ہو جاتی ہیں اور ہر طرف سے چھا جاتی ہیں اصحاح میں ہے غمر کا اصل وضعی معنی ہے کسی چیز کے اثر کو زائل کر دینا آب کثیر کو غمر اسی مناسبت کی وجہ سے کہتے ہیں۔ صاحب صحاح کی تحقیق کے بموجب آیت میں موت کی جانب غمرات کی اضافت بیانیہ ہوگی شدت موت کو غمرہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ موت زندگی کا اثر مٹا دیتی ہے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوٓا اَنْفُسَكُمْ ۚ اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہونگے (اور کہہ رہے ہونگے کہ) اپنی جانیں نکالو۔ یہ جملہ حالیہ ہے اور ضمیر کا مرجع محذوف ہے یعنی سختی کے ساتھ تقاضا کرنے والے قرض خواہ کی طرح جھڑک کر اور درشتی کے ساتھ روحوں کو قبض کرنے یا عذاب دینے کے لئے فرشتے ان سے کہیں گے کہ اپنی جانوں کو جسموں کے اندر سے نکالو یا عذاب سے بچاؤ۔

اَلْيَوْمَ آج مرنے کے وقت سے غیر متناہی مدت تک

تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ تم کو عذاب ذلت کی سزا دی جائیگی، یعنی وہ عذاب دیا جائیگا جس میں ذلت اور شدت ہوگی۔

بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ کیونکہ تم اللہ پر جھوٹی افترا بندی کیا کرتے تھے۔ اس کو صاحب اولاد کہتے تھے۔ مخلوق کو اس کا شریک قرار دیتے تھے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے اور باوجود وحی نہ آنے کے کہتے تھے کہ ہمارے پاس وحی آئی ہے۔

وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اور تم اللہ کی آیات یعنی قرآنی آیات یا دلائل توحید سے تکبر کرتے تھے۔ نہ ان پر غور کرتے تھے نہ ان کو مانتے تھے۔ ابن جریر وغیرہ نے عکرمہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نضر بن حارث نے کہا تھا لات اور عزیٰ اللہ کے سامنے ہماری سفارش کرینگے اس پر مندرجۂ ذیل آیت نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى (مرنے کے بعد اور قیامت کے دن حساب کتاب اور جزا و سزا کے لئے) تم اکیلے ہمارے پاس آگئے یعنی نہ مال نہ اولاد نہ دوست احباب اور مددگار اور نہ وہ دنیوی چیزیں جن کو تم نے اپنے لئے چھانٹ رکھا تھا۔ یا اکیلے آنے سے یہ مراد ہے کہ وہ بت جن کو اپنے خیال میں تم نے اپنا سفارشی سمجھ رکھا تھا وہ تمہارے ساتھ نہ ہونگے۔ فرادیٰ فرد کی جمع ہے آخری الف تانیث کا ہے۔

اس آیت میں اللہ نے ملائکہ کے اس قول کی خبر دی ہے جو مرنے کے وقت یا قیامت کے دن فرشتے کافروں سے کہیں گے۔ کلام کی رفتار بتا رہی ہے کہ مرنے کے وقت فرشتے یہ کلام کرینگے کیونکہ اس کلام کا عطف الیوم تجزون پر ہے۔

كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (ایسے اکیلے آگئے) جیسے پہلی مرتبہ ہم نے تم کو (اکیلا) پیدا کیا تھا۔ یہ فرادیٰ سے بدل یا حال ہے یا فرادیٰ کی ضمیر سے حال ہے مؤخر الذکر صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ جس طرح تم کو برہنہ اور غیر مختون حالت میں پیدا کیا گیا تھا اسی حالت سے تم ہمارے پاس آگئے۔

وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ اور جو کچھ (مال اولاد خدام اور جاہ وحشم) ہم نے تم کو عطا کیا تھا وہ اپنے پیچھے چھوڑ آئے۔ اور ذرہ برابر ساتھ نہیں لائے۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے پاس نامرادی کی حالت میں روز پیدائش کی طرح خالی ہاتھ آگئے اپنا اصل سرمایہ یعنی عمر برباد کر چکے اور ہمارا دیا ہوا سارا مال منال دنیا میں چھوڑ چکے کچھ بھی آخرت کے لئے نہیں بھیجا۔

وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۚ اور ہم تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تمہارا دعویٰ تھا کہ وہ تمہارے معاملہ میں (اللہ کے) شریک ہیں شریک ہونے سے مراد ہے ربوبیت اور استحقاق عبادت میں شریک ہونا یعنی بت۔

لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ○ واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا اور وہ تمہارا دعویٰ سب تم سے گیا گذرا ہو گیا۔ بَيْنَكُمْ کاف کے زبر کے ساتھ۔ نافع حفص اور کسائی کی قرأت ہے۔ تقطع کا فاعل یا مضمر ہے جس پر کلام سابق دلالت کر رہا ہے۔ یا بَیْن کا موصوف محذوف ہے اور وہی تقطع کا فاعل ہے یعنی تقطع ما بینکم ٹوٹ گیا وہ تعلق جو تمہارے درمیان تھا وغیرہ وغیرہ۔ بین مصدر متضاد المعنی ہے اس کا معنی توڑ بھی ہے اور جوڑ بھی یہ اسم بھی ہے اور ظرف بھی دونوں طرح اس کا استعمال ہے کذا فی القاموس ما کنتم تزعمون سے مراد ہے بتوں کے شفیع ہونے کا گمان اور یوم آخرت نہ ہونے کا خیال۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى بے شک اللہ پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گٹھلیوں کو۔

حسن قتادہ اور سدی کے نزدیک اس کا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اندر سے دانہ اور درخت کھجور کے اندر سے گٹھلی کو برآمد کرتا ہے۔ زجاج نے کہا خشک دانے اور خشک گٹھلی کو چیر کر سبز کونپل نکالنے والا ہے۔ مجاہد نے کہا اس سے وہ شگاف مراد ہے جو گیہوں کے دانے اور کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے (یعنی یہ شگاف اللہ نے پیدا کیا ہے) ضحاک نے کہا خالق سے مراد ہے خالق۔ حَبٌّ کا واحد حَبَّةٌ ہے اس کا اطلاق اس بیج پر ہوتا ہے جو کھانے کے کام میں آتا ہے جیسے گیہوں، جو، چنا، جوار، چاول وغیرہ یعنی ہر قسم کا غلہ اور نوی کا واحد نواة ہے اس کا اطلاق ان بیجوں پر ہوتا ہے جو کھانے کے کام میں نہیں آتے جیسے کھجور آڑو خوبانی انار وغیرہ کی گٹھلیاں۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وہ زندہ کو بے جان سے نکالتا ہے یعنی نامی حیوان اور سبزہ کو غیر نامی (نطفہ دانے اور گٹھلی) سے پیدا کرتا ہے۔

یہ جملہ سابق جملہ کے بیان کے مقام پر آیا ہے اس لئے حرف عطف نہیں لایا گیا۔
وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ اور وہی بیجان یعنی غیر نامی کو جاندار یعنی نامی سے نکالنے والا ہے (نطفہ بیج گٹھلی کو حیوان اور سبزہ سے پیدا کرتا ہے) اس جملہ کا عطف فالق الحب پر ہے اسی لئے مخرج اسم فاعل کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ یہی۔ زندہ اور مردہ کرنے والا۔ تم سب کا اللہ ہے یعنی معبود ہونے کا مستحق ہے جو خود عاجز ہو وہ مستحق عبادت نہیں وہ تو ہر عمل سے اثر پذیر ہوتا ہے مؤثر نہیں ہو سکتا۔
فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ پھر کہاں (اللہ سے دوسروں کی طرف) پھرے جا رہے ہو۔
فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وہی صبح کو نکالنے والا ہے اصباح مصدر (باب افعال) اس کا معنی ہے صبح میں داخل ہونا یہاں مجازاً صبح مراد ہے حال بول کر محل مراد لیا جاتا ہے۔ یعنی وہ ظلمت شب یا دن کی روشنی سے عمود صبح کو چیر کر نکالنے والا ہے یا ظلمت صبح سے عمود صبح کو برآمد کرنیوالا ہے ظلمت صبح سے مراد ہے وہ تاریکی جو صبح سے متصل ہوتی ہے۔
وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا اور اسی نے رات کو آرام (پانے) کی چیز بنایا ہے۔ انسان اور اکثر حیوان دن بھر کی معاشی جد و جہد سے تھک کر رات کو گہری نیند سے سکون یاب ہوتا ہے یا یوں کہا جائے کہ ایک عارف دن بھر مخلوق کے ساتھ مشغول رہتا ہے جس سے اس کو وحشت ہوتی ہے رات کو تنہائی میں اپنے خالق سے انس گیر ہوتا ہے۔
وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ اور سورج چاند کو اس نے حساب (اوقات) کی علامت بنایا ہے۔ حُسبان مصدر ہے اس کا ماضی حَسَبَ بفتح سین ہے (حساب کرنا) حسبان بکسر حا بھی مصدر ہے اس کا ماضی حَسِبَ بکسر سین ہے (گمان کرنا) بعض علماء نے حُسبان کو حساب کی جمع کہا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے چاند سورج کی رفتار کو حساب اوقات کی علامت بنایا ہے۔
ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ یہ (حساب) غالب اور دانا ہستی کا ٹھیرایا ہوا ہے یعنی وہ غالب ہے چاند سورج اس کے تابع فرمان ہیں وہ علیم ہے چاند سورج کا نظم اور ان کے نافع ترین چکروں سے بخوبی واقف ہے۔
وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وہی ایسا ہے جس نے ستاروں کو تمہارے لئے بنایا تاکہ ان کے ذریعہ سے تم راستہ معلوم کر سکو خشکی کے اندھیروں میں بھی اور سمندر کی تاریکیوں میں بھی ظلمات بر و بحر میں اضافت ملابست کی وجہ سے ہے مراد ہیں رات کی

تاریکیاں جو خشکی اور سمندر میں ہوتی ہیں یا راستوں کی بھول بھلیاں مراد ہیں جن کو بطور استعارہ تاریکیاں کہا گیا ہے۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ ہم نے کھول کر نشانیاں یعنی خالقِ حکیم کی توحید کی دلیلیں بیان کر دیں۔

لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں کیونکہ وہی اس بیان سے فائدہ اندوز ہوتے ہیں (اگرچہ بیان ہر ایک کے لئے عام ہے عالم ہو یا جاہل)

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ اور اللہ وہی ہے جس نے ایک شخص سے تمہاری ابتدائی تخلیق کی یعنی آدمؑ سے۔

فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۝ پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ چندے رہنے کی مستقر اسم مفعول ہے یعنی تم میں سے بعض (زمین کے اوپر) ٹھیرائے گئے ہیں یا مصدر میمی یعنی تمہارے لئے (زمین پر) ٹھیراؤ ہے یا اسم ظرف ہے یعنی تمہارے لئے (زمین پر) ٹھیرنے کی جگہ ہے۔

مستودع بھی یا اسم مفعول ہے یا مصدر یا اسم ظرف۔ ترجمہ کا اختلاف حسب سابق ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا مستقر رحم میں ہوتا ہے وقتِ پیدائش تک اور مستودع قبر میں ہوتا ہے وقتِ قیامت تک (یعنی مستقر سے مراد رحم مادر اور مستودع سے مراد قبر ہے) سعید بن جبیر نے کہا مستقر رحم میں اور مستودع باپ کی پشت میں ہوتا ہے حضرت ابیؓ کا قول اس کے برعکس روایت میں آیا ہے مجاہد کا قول ہے مستقر زمین میں اور مستودع قبر میں ہوتا ہے اللہ نے فرمایا ہے ولكم في الارض مستقر۔ حسن بصری کے نزدیک مستقر قبر میں اور مستودع دنیا میں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مستقر جنت اور دوزخ ہے اور مستودع باقی چیزیں خواہ پشت پدر ہو یا رحم مادر یا دنیا یا قبر۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ۝ ہم نے سمجھنے والوں کے لئے (توحید کی) نشانیاں کھول کر بیان کر دیں۔ ستارے نظروں کے سامنے تھے اس لئے وہاں لقوم یعلمون فرمایا لیکن بنی آدم کی ابتدائی تخلیق پھر ان کے استقرار و استیداع کا سمجھنا دقیق نظر کا محتاج تھا اس لئے یہاں یفقہون فرمایا۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ اور وہی ہے جس نے آسمان سے (ابر تک اور ابر سے زمین تک) پانی اتارا۔

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ پھر ہم نے پانی سے (ہر قسم کے دانے اور گٹھلی کے اندر سے) ہر طرح کے نباتات کو باہر نکالا۔ سبحان اللہ ایک ہی قسم کے پانی سے ہر طرح کی سبزی کو سینچا جاتا ہے مگر کھلانے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہے۔

فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا پھر اس (سبزے یا پانی) سے ہم نے سبز شاخ نکالی یعنی تخم سے پھوٹ کر ایک سبزی نکلتی ہے پھر اس سبزی کی جڑ سے سبز شاخیں برآمد ہوتی ہیں، پھر

نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ اس سبز شاخ سے ہم تہ بر تہ چڑھے ہوئے دانے نکالتے ہیں یعنی بالیں دانوں سے بھری ہوئی پیدا ہوتی ہیں۔

وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ اور کھجور کے درختوں یعنی ان کے گبھوں میں سے جو خوشے (نکلتے) ہیں جو (مارے بوجھ کے) نیچے کو لٹکے جاتے ہیں۔ قنوان کا واحد قنو ہے قنو کا معنی ہے خوشہ گچھا۔ دانیۃ سے مراد یا تو یہ ہے کہ توڑنے والے کے قریب ہوتے ہیں یا یہ مراد ہے کہ آپس میں ایک گچھا دوسرے سے قریب ہوتا ہے (دانیۃ کا صحیح ترجمہ وہ ہے جو مترجم نے آیت کے بعد ذکر کر دیا ہے)

وَجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ اور (ہم نے پانی سے پیدا کئے) انگوروں کے باغ۔ اس کا عطف نبات کل شیء پر ہے۔

وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ اور زیتون وانار کے درخت (لفظ شجر الزیتون اور الرمان سے پہلے محذوف ہے۔

مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ جو آپس میں ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور ملتے جلتے نہیں بھی ہوتے یہ الرمان سے حال ہے یعنی انار باہم ہمشکل بھی ہوتے ہیں اور ہمشکل نہیں بھی ہوتے یا مجموعہ سے حال ہے یعنی مذکورہ بالا مجموعہ میں سے شکل مقدار رنگ اور مزہ میں کوئی تو کسی سے ملتا جلتا ہوتا ہے اور کوئی ملتا جلتا نہیں ہوتا۔

اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۚ اے لوگو! (بصیرت کی نظر سے) دیکھو ہر ایک کے پھل کو جب وہ پھلتا ہے اور اس کے پختہ ہونے کو۔ ثمر اسم جنس ہے جیسے ثمر اور ثمرۃ کلم اور کلمۃ۔ یعنی بصیرت کی نظر سے دیکھو کہ جب پھل پیدا ہوتا ہے تو کیسا چھوٹا اور بے کار ہوتا ہے اور پھر پک کر کیسا بڑا اور لذیذ ہو جاتا ہے ینع مصدر ہی بعض کے نزدیک یانع کی جمع ہے جیسے تجر تاجر کی جمع ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ مذکورہ بالا چیزوں میں ایماندار لوگوں کے لئے (قادر حکیم اللہ کی توحید کی) بڑی نشانیاں ہیں (جس کا نہ کوئی حریف مخالف ہے نہ مثل مقابل) اور یہ نشانیاں صرف ایمانداروں کے لئے اس لئے ہیں کہ وہ ہی ان سے توحید پر استدلال کرتے ہیں۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ اور (باوجود دلائل توحید قائم ہونے کے کفار مکہ نے) جنات کو اللہ کا شریک بنا رکھا ہے۔ آیات توحید کا ذکر تقاضا کر رہا تھا کہ مشرکوں کو سرزنش کی جائے اس لئے مشرکوں کی مذمت کی۔ الجن سے مراد ہیں ملائکہ کیونکہ فرشتے نظروں سے مخفی ہیں اور مرتبۂ ربوبیت سے قاصر ہیں ملائکہ کو شریک بنانے کا یہ مطلب ہے کہ انھوں نے ملائکہ کی پوجا کی اور ان کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا یا شیاطین مراد ہیں شیاطین کے بہکانے سے مشرکوں نے بتوں کی پوجا کی اور شیطانوں کا کہا مانا یہی شیاطین کو شریک خدا بنانے کا

مطلب ہے یا شیاطین کو شریک بنانے کا یہ مطلب ہے کہ انھوں نے شیاطین کی پوجا کی کیونکہ شیاطین کبھی بتوں کے اندر گھس جاتے تھے اور مشرک بتوں کی پوجا کرتے تھے تو یہ شیطانوں کی پوجا ہوئی۔ یا شرک کا یہ مطلب ہے کہ وہ اللہ کو خیر کا اور شیطان کو شر کا خالق کہتے تھے۔

جعلوا کا پہلا مفعول شرکاء اور دوسرا مفعول الجن ہے اور للہ کا تعلق شرکاء سے ہے یا للہ اور شرکاء دو مفعول ہیں اور الجن شرکاء سے بدل ہے۔

وَخَلَقَهُمْ حالانکہ اللہ ہی نے ان سب کو پیدا کیا یعنی یہ جانتے ہوئے کہ اللہ نے جن انس اور ہر چیز کو پیدا کیا اور جن کسی چیز کے خالق نہیں وہ اللہ کے ساتھ جن کو شریک بناتے ہیں۔

وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ اور مشرکوں نے اپنے دلوں سے گھڑ لئے ہیں اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں۔ یہودی حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور عیسائی حضرت مسیح کو ابن اللہ قرار دیتے تھے اور دیت پرست، مشرک فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے مگر بغیر کسی عقلی نقلی دلیل کے بے ثبوت ایسی افترا بندیاں کرتے تھے۔

سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جنکو یہ لوگ بیان کرتے ہیں

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وہ آسمانوں کا اور زمین کا بغیر نمونہ کے موجد ہے۔

بدیع السموٰت میں صفت کی موصوف کی جانب اضافت ہے یعنی آسمان و زمین اس کی نادر تخلیق ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔ بعض نے بدیع کو بمعنی مُبدِع کہا ہے یعنی بغیر سابق مثال کے عدم سے وجود میں لانیوالا۔

أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ ۖ جب اس کی بیوی ہی نہیں تو اس کی اولاد کہاں سے (یا کیسے) ہو سکتی ہے۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ اور اس نے ہر چیز اندازہ کے ساتھ پیدا کی ہر اور وہ ہی ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

آیت سے بوجوہ ذیل نفی ولدیت ثابت ہو رہی ہے (۱) آسمان و زمین اللہ کی بے مثال تخلیق ہیں یہ اگرچہ دوسری مخلوق کے ساتھ جنسیت میں شریک ہیں جس کی وجہ سے والدیت کی صفت ان میں آسکتی ہے لیکن چونکہ یہ طویل البقاء ہیں ایک طویل مدت سے ایک حالت پر قائم ہیں اس لئے والدیت سے بے نیاز ہیں (ان کو اولاد کی ضرورت نہیں۔ اولاد کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جو محدود و مختصر مدت حیات رکھتا ہو پھر بھی ان کی مدتِ بقا کسی وقت ختم ہو گی ان کی ہستی دوامی نہیں۔ اور اللہ کی ہستی قدیم لازوال غیر فانی ہے ایسی حالت میں تو اس کا اولاد سے بے نیاز ہونا بالکل ہی ضروری ہے)

(۲) اللہ تمام (چھوٹے) بڑے اجسام کا خالق ہے اور خالق اجسام خود جسم نہیں ہو سکتا اور والدیت جسم کی خصوصیت ہے۔

(۳) اولاد دو ہم جنس صنفوں کے ملاپ سے پیدا ہوتی ہے اس کے لئے نر و مادہ (جو ہم جنس بھی ہوں) کی ضرورت ہے اور اللہ کا کوئی ہم جنس نہیں (اللہ کے سوا نہ کوئی قدیم ہے نہ واجب نہ غیر مخلوق)

(۴) بچہ باپ کا کفو اور مثل ہوتا ہے لیکن اللہ کے علاوہ ہر چیز مخلوق ہے اس لئے کوئی بھی اسکا کفو نہیں

(۵) اللہ ہر چیز کا عالم ہے اور اللہ کے سوا کوئی بھی ہمہ گیر علم نہیں رکھتا ہاں اگر اللہ ہی کسی کو علم محیط عطا فرمادے تو خیر (مگر اللہ نے کسی کو محیط کل علم نہیں عطا فرمایا)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ یہ ہے اللہ تمہارا رب۔ اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے یہ سب پیہم خبریں ہیں یا بعض خبریں اور بعض بدل یا صفت

فَاعْبُدُوْهُ ج لہذا اس کی عبادت کرو۔ فا سببیہ ہے (یعنی سابق کلام عبادت کی علت ہے) مطلب یہ ہے کہ اوصاف مذکورہ کا حامل صرف اللہ ہے لہٰذا وہی معبود ہونے کا مستحق ہے کسی اور کو استحقاق عبادت نہیں۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○ اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے یعنی ہر چیز کی نگرانی اور نظم کا ذمہ دار ہے مطلب یہ کہ وہ تمہارے سب کاموں کا ذمہ دار اور تمہارے مال کا نگراں ہے پس اپنے سارے کام اسی کے سپرد کرو اور عبادت کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ بناؤ وہ تمہارے کام بنادیگا اور نیکیوں کی جزا عطاء فرمائیگا۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ اس کو نگاہیں محیط نہیں ہو سکتیں۔ ابن ابی حاتم وغیرہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر جن و بشر اور شیاطین و ملائکہ سب آغاز آفرینش سے آخری لمحۂ حیات تک ایک قطار ہو کر اللہ کا معاینہ کریں تو کبھی اللہ کا احاطہ نہیں کر پائیں گے۔ فرقۂ معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ کا دیدار محال ہے اہل سنت قائل ہیں کہ دنیا میں اللہ کا دیدار نہیں ہو سکتا جنت کے اندر مؤمنوں کو نصیب ہوگا۔ آیت سے معتزلہ کا استدلال غلط ہے (۱) لا تدرک مضارع کا صیغہ ہے اور صیغۂ مضارع کی حقیقی وضع حال کے لئے ہے استقبال کے لئے استعمال مجازی ہے یا حال و استقبال دونوں کے لئے بطور اشتراک مضارع کی وضع ہے اور آیت میں فی الحال نفی رویت تو بالاجماع مراد ہی ہے دنیا میں اللہ کے

دیدار کے جواز کا قائل کوئی نہیں ایسی حالت میں استقبال میں بھی نفیِ رویت مراد ہونا غلط ہے ورنہ (برصورت اول حقیقت و مجاز دونوں کا ایک وقت میں مراد ہونا لازم آئیگا یا (برصورت دوئم) عموم مشترک کا قائل ہونا پڑیگا جو ناجائز ہے (یعنی ایک وقت میں ایک لفظ مشترک کے دونوں معنی مراد لینا درست نہیں۔ اسکو عموم مشترک کہتے ہیں)

(۲) الابصار جمع کا صیغہ ہے اس لئے جنسِ بصر تو مراد ہو ہی نہیں سکتی بلکہ مجموعۂ افراد مراد ہوگا اب اگر الف لام کو عہدی قرار دیا جائیگا تو وہ ابصار مراد ہونگے جو دنیا میں موجود ہیں (اور معنی یہ ہونگے کہ دنیا میں تمام بینائیاں اللہ کو نہیں دیکھ سکتیں) پس اس سے یہ کہاں نکلا کہ جنت میں مومنوں کی آنکھیں بھی نہ دیکھ سکیں گی اور اگر الف لام کو استغراقی کہا جائے تو آیت میں استغراق کی نفی کی گئی ہے (یعنی سب آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں) (نفی رویت کا استغراق نہیں ہے (یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی یہاں تک کہ جنت میں کوئی مؤمن بھی نہیں دیکھ سکتا) ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے آیت رب ارنی انظر الیک تلاوت فرمائی پھر فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا موسٰی مجھے جو زندہ دیکھے گا مر جائیگا جو خشک (پتھر وغیرہ) دیکھے گا لڑک جائیگا اور جو تر (درخت وغیرہ) دیکھے گا پھٹ جائیگا اس کے اجزا پراگندہ ہو جائیں گے۔ مجھے صرف جنت والے دیکھینگے ان کی آنکھیں مردہ نہ ہونگی اور ان کے بدن بوسیدہ نہ ہونگے۔

(۳) آیت میں نفیِ ادراک کی صراحت ہے نفی رویت کا ذکر نہیں ادراک اور رویت میں فرق ہے رویت کا معنی ہے دیکھنا اور ادراک کا معنی ہے کسی چیز کی حقیقت پا لینا اور اس کو ہر طرف سے گھیر لینا یا کامل طور پر کسی چیز تک پہنچ جانا (یعنی پورے طور پر اس چیز کو پالینا) رویت اور ادراک میں تلازم نہیں ہے دیکھو اللہ نے فرمایا فَلَمَّا تَرَاءَى الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ قَالَ كَلَّا جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسٰی کے ساتھیوں نے کہا اب یقیناً ہم تک یہ پہونچ جائیں گے (ہم پکڑے جائینگے) موسٰی نے کہا ہرگز نہیں (یہ تم کو نہیں پا سکتے) اس آیت میں طرفین سے رویت ہونے کا ثبوت ہے مگر ادراک کی پرزور نفی ہے۔

(۴) اچھا رویت اور ادراک کو اگر ہم معنی تسلیم بھی کر لیا جائے تو آیت میں نفی رویت کی صراحت ہے (کوئی آنکھ اس کو نہیں دیکھتی) رویت محال ہونیکی صراحت نہیں (یعنی یہ مطلب نہیں کہ کوئی آنکھ اسکو دیکھ ہی نہیں سکتی)

وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج اور وہ تمام نگاہوں کو محیط ہے یعنی اس کا علم محیط ہے۔

وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ اور وہی باریک بین و باخبر ہے۔ لطیف کا معنی صاحب قاموس نے لکھا ہے اپنے بندوں سے بھلائی کرنے والا اپنی مہربانی سے مخلوق کو فائدہ پہنچانیوالا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اپنے دوستوں پر مہربان۔ صاحب قاموس نے لطیف کا معنی پوشیدہ امور کا عالم بھی لکھا ہے صحاح میں بھی لطیف

ایسی چیز کو بھی کہتے ہیں جس کا ادراک حس سے نہ ہو سکے (یعنی محسوس نہ ہو) صاحب صحاح کی توضیح کے موافق آیت میں لف و نشر مرتب ہوگا کلام اس طرح ہوگا اسکو نگاہیں نہیں پاتیں کیونکہ وہ غیر محسوس ہے وہ نگاہوں کو پالیتا ہے کیونکہ باخبر ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ج فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ط اب بلاشبہ تمہارے پاس حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لیگا وہ اپنا فائدہ کریگا اور جو شخص اندھا رہیگا وہ اپنا نقصان کریگا۔ بصائر کھلی ہوئی دلیلیں جن سے گمراہی و ہدایت اور حق و باطل میں امتیاز کرنیوالی بصیرت حاصل ہو جائے بصیرت نفس کی بینائی۔ بصر جسمانی آنکھ کی بینائی (یعنی جو دلیل سے کام لیگا حق کو دیکھے گا اور اس پر ایمان لائیگا تو اس کا فائدہ خود اسی کو پہنچیگا اور جو حق کی طرف سے اندھا ہو جائیگا دلائل سے رُوگرداں ہو کر گم گشتہ راہ بنجائیگا تو اس کا بُرا انجام اسی کو بھگتنا ہوگا۔

وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ○ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارا نگران نہیں ہوں۔ یعنی میں تمہارے اعمال کا نگران نہیں، نہ سزا جزا دینے والا ہوں، میں تو صرف بشیر و نذیر ہوں حفیظ تو اللہ ہے۔ جملۂ مذکورہ اللہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا ہو گویا یوں فرمایا آپ کہدیجئے کہ دلائل واضحہ آگئیں دلائل کی روشنی میں راہ حق دیکھنا نہ دیکھنا تمہارا کام ہی نفع نقصان تمہارا ہے میں تمہارے اعمال کی سزا جزا دینے والا نہیں میرا کام تو صرف ڈرانا اور بشارت دینا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ○ ہم اسی طرح آیات کی تفصیل کرتے ہیں یا کھول کر بیان کرتے ہیں صَرَّفَ کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو ایک حال سے دوسرے حال کی جانب منتقل کرنا (تبدیل حالت تغیر وغیرہ کا مفہوم صرف کے مفہوم کے قریب ہے) کسی معنی کی تفصیل بھی اسی طرح ہوتی ہے کہ ایک عبارت سے دوسری عبارت کی طرف ادا معنی کے لئے انتقال کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب سمجھ لے۔ قاموس میں ہے صرف الحدیث کا معنی ہر بات میں کچھ بڑھانا اور اس کو خوبصورت بنا دینا۔ یہ لفظ صرف فی الدراہم کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے بعض دراہم کی قیمت کا بعض دراہم سے زیادہ ہونا۔ صرف الکلام کا معنی بھی صرف الحدیث کی طرح ہے لَہٗ عَلَیْہِ صَرْفٌ اس کی اسی پر بیشی ہی برتری ہے برتر چیز ممتاز ہوتی ہی ہے۔

وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ (تاکہ تبلیغ پورے طور پر ہو جائے) اور اس لئے بھی کہ اس کے نتیجہ میں کفار کہدیں تم تو کسی سے سیکھ آئے ہو جب ہی ایسی باتیں کہہ رہے ہو) ولیقولوا کا عطف محذوف ہے اور اس میں لام عاقبت ہے (یعنی تفصیل آیات کا لازمی نتیجہ یہ نکلے کہ کافر کہیں تم یہ باتیں کسی سے پڑھ آئے ہو) دَرَسْتَ الکتاب تم نے کتاب کسی سے پڑھ لی (گویا درس کتاب کا معنی ہی کسی سے کتاب پڑھنا سیکھنا) حضرت ابن عباسؓ نے آیت کا توضیحی مطلب اس طرح بیان کیا ہے جب اہل مکہ کے سامنے تم قرآن پڑھو تو وہ کہیں کہ تم یسار اور جبر سے یہ کلام سیکھ آئے ہو یہ دونوں شخص رومی غلام تھے (اور شاید انجیل سے واقف تھے) اور پھر ہم کو پڑھ کر

سناتے ہو اور دعویٰ یہ کرتے ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہے۔

وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ اور تاکہ جاننے والے لوگوں کے (فائدہ کے لئے) ہم اس قرآن کو کھول کر بیان کردیں (قرآن کا نزول اگرچہ سارے جہان کے لئے ہے صرف اہل علم کے لئے خاص نہیں لیکن) اس سے فائدہ اندوز صرف اہل علم ہوتے ہیں (اس لئے گویا قرآن کا نزول انہی کے لئے ہوا) نُبَيِّنَهُ میں ضمیر غائب قرآن کی طرف راجع ہے آیات کا لفظ سابق کلام میں آگیا ہے اور آیات سے مراد ہے قرآن اس لئے قرآن کی طرف ضمیر راجع ہونا صحیح ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ تصریف آیات کے تین مقصد ہیں (۱) تکمیل تبلیغ (۲) جو شخص اس کو کسی انسان کا سکھلایا ہوا کلام کہے اس کا بدنصیب ہوجانا (۳) جس کے سامنے حق واضح ہوجائے اور وہ مان لے تو اس کا سعادت مند ہوجانا۔

اِتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ج آپ اسی کا اتباع کریں جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا گیا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں یعنی قرآن پر آپ عمل کریں۔ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ یا تو رب سے حال موکدہ ہے یعنی الوہیت میں تنہا یا مستقل علیحدہ جملہ ہے اتباع قرآن کے وجوبی حکم کی تاکید کے لئے اس کو ذکر کیا گیا ہے۔

وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ○ اور مشرکوں کی طرف التفات نہ کریں یعنی مشرکوں سے جھگڑا نہ کرو ان کی بات نہ سنو ان کے خیالات کی طرف توجہ نہ دو۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا ط اور اگر اللہ ان کو مومن بنانا چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے مگر اللہ کی بات تو پوری ہونی ہے کہ میں جہنم کو جن وانس سے بھردونگا۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ کفر و ایمان ہر ایک اللہ کے ارادہ کے تحت ہوتا ہے اور اللہ کے ارادہ کا پورا ہونا ضروری ہے فرقہ معتزلہ کی رائے اس کے خلاف ہے (ان کا قول ہے کہ اللہ کفر کا ارادہ نہیں کرتا بندہ خود کفر کا ارادہ کرتا ہے)

وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ج اور ہم نے آپ کو ان کا نگراں نہیں بنایا۔ کہ آپ انکے اعمال کی چوکیداری کریں اور ان کے جرم کا آپ سے مواخذہ ہو۔ عطاء نے اس طرح تشریح کی ہے ہم نے آپ کو انکا نگہبان و محافظ نہیں بنایا کہ اللہ کے عذاب سے آپ ان کو بچالیں آپ کو صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہے

وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ○ اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ ان کی کارسازی آپ کے ذمہ ہو۔ ابن عبدالرزاق نے بسلسلہ معمر قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ مسلمان کافروں کو گالیاں دیتے تھے اس پر کافر بھی مسلمانوں کو گالیاں دیتے تھے اس کی ممانعت میں آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ص اسی طرح ہم نے ہر طریقہ والوں کی نظر میں ان کا اعمال پسندیدہ بنا دیئے ہیں یعنی جس طرح ان کافروں کی نظر میں اللہ کو دشنام دینا مرغوب بنا دیا اسی طرح ہر طریقہ والوں کو الخ امت سے مراد ہے طریقہ والے مومن ہوں یا کافر پھر کافروں میں سے بھی جدا جدا طریقوں والے سب کو اپنے اپنے مذہبی اعمال مرغوب ہیں) عمل سے مراد ہے خیر و شر۔ اللہ اگر توفیق خیر دے تو خیر محبوب ہو جاتی ہے اگر خیر کی توفیق نہ دے تو شر پسند خاطر بنجاتی ہے۔ ہدایت یاب کرنا اور گمراہ کرنا ہر ایک کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ بندہ کے لئے جو چیز مفید ہو وہ چیز عطا کرنا اللہ پر لازم نہیں (ایمان اور خیر ہر شخص کے لئے نافع ہے مگر اللہ بعض لوگوں کو کفر و شر مرغوب خاطر بنا دیتا ہے)

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ پھر اپنے رب کے پاس ہی انکو واپس جانا ہے وہی ان کو (حساب فہمی کر کے اور سزا جزا دیکے جتلا دیگا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے یعنی نیکی یا بدی انکے سامنے لے آئے گا۔

ابن جریر اور بغوی نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے نیز بغوی نے کلبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ قریش نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی اور عرض کیا محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ہم کو بتاتے ہیں کہ موسیٰؑ کے پاس ایک لاٹھی تھی جس کو پتھر پر مار کر پتھر کے اندر سے بارہ چشمے جاری کر دیتے تھے اور عیسیٰؑ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور صالحؑ نے قوم ثمود کے لئے پتھروں سے ایک اونٹنی برآمد کر دی تھی لہٰذا تم بھی اسی طرح کے معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھاؤ تو ہم تم کو سچا مان لینگے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا تم مجھ سے کیا معجزہ چاہتے ہو، قریش نے کہا کوہ صفا کو ہمارے لئے سونے کا کردو بغوی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ یا ہمارے بعض مردوں کو زندہ کر کے اٹھا دو تاکہ تمہارے متعلق ہم ان سے دریافت کریں کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ صحیح ہے یا غلط یا ملائکہ کو ہمارے سامنے لے آؤ کہ وہ تمہاری تصدیق کریں، ابن جریر اور بغوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اگر تمہاری درخواست کے مطابق میں کچھ کردوں تو کیا پھر تم میری تصدیق کرو گے کہنے لگے بے شک خدا کی قسم اگر تم ایسا کرو گے تو ہم سب تمہارے پیرو ہو جائیں گے۔

مسلمانوں نے بھی حضور صلعم سے درخواست کی کہ ان کی گذارش کے مطابق کوئی معجزہ پیش کر دیجئے تاکہ یہ ایمان لے آئیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) دعا کرنے کھڑے ہوئے کہ اللہ کوہ صفا کو سونے کا کر دے فوراً جبرئیل آگئے اور اللہ کی طرف سے پیام لائے کہ اگر آپ چاہتے ہیں تو کوہ صفا سونے کا ہو جائیگا لیکن اس کے بعد اگر انھوں نے تصدیق نہ کی تو میں ان پر عذاب نازل کروں گا اور اگر آپ کی خواہش ہو تو میں ان کو یونہی رہنے دوں تاکہ ان میں سے جو توبہ کرنے والے ہیں توبہ کرلیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (یونہی

چھوڑ دیا جائے تاکہ ان پر عذاب نہ آئے، بلکہ جو توبہ کرنے والے ہیں وہ توبہ کرلیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۔ اور کافروں نے قسموں میں بڑا زور لگاکر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی (مطلوبہ معجزہ) آجائے تو وہ ضرور ہی اس پر ایمان لے آئینگے یعنی جس قدر محکم ترین قسم کھانا ان کے بس میں ہے اتنی مضبوط قسم کھانے کی کوشش کرتے ہوئے انھوں نے کہا اس ترجمہ پر جہد مصدر (بمعنی اسم فاعل) ترکیب عبارت میں حال ہوگا۔ یا جہد کو مفعول مطلق کہا جائے یعنی پختہ قسمیں کھا کر انھوں نے کہا چونکہ پیش نظر معجزات کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہ تھی اور اپنے مطلوبہ معجزات پر ان کو اڑ تھی اس لئے کلام کو پختہ قسموں کے ساتھ محکم کیا۔ اٰیۃٌ سے مراد ہے مطلوبہ معجزہ۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ آپ کہہ دیجے تمام معجزات اللہ کے بس میں ہیں وہی جو معجزہ چاہتا ہے نمودار کرتا ہے میرے اختیار میں کوئی معجزہ نہیں۔

وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اور تم کو اس کی کیا خبر (بلکہ ہم کو خبر ہے) کہ وہ نشانیاں جس وقت آجائیں گی جب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ ما یشعرکم میں ما نافیہ ہے یا ما استفہامیہ انکاریہ ہے پرزور طور پر مسبّب کے انکار کے لئے سبب کا انکار کیا گیا ہے۔ دونوں صورتوں میں مخاطب یا قسمیں کھانے والے مشرک ہیں یا مؤمن۔ مطلب یہ ہے کہ تم کو (اے مسلمانو یا اے مشرکو) نہیں معلوم کہ معجزہ آنے کے بعد بھی یہ ایمان نہیں لائینگے یعنی اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے ان کے مبادی تعین اللہ کے اسم مضل کا پرتو ہیں ان کا ہدایت یاب ہونا ممکن ہی نہیں۔ بعض علماء کے نزدیک لا یومنون میں لا زائد ہے جیسے آیت حرام علےٰ قریۃ اھلکنا ھا انھم لا یرجعون میں لا زائد ہے۔ اس وقت ترجمہ اس طرح ہوگا تم کو کیا معلوم کہ ظہور معجزہ کے بعد وہ ایمان لے آئینگے بعض اہل علم کے نزدیک اَنَّہا کا معنی لعلّھا ہے یعنی تم کو کیا معلوم کہ ظہور معجزہ کے بعد مشرکوں کی کیا رفتار رہے شاید وہ ایمان نہ لائیں۔ بعض کے نزدیک لا یومنون کے بعد او یومنون محذوف ہے یعنی تم کو نہیں معلوم کہ معجزہ آنے کے بعد یہ ایمان نہیں لائینگے یا لائیں گے۔

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ اور ہم بھی انکے دلوں کو (حق کو سمجھنے سے) اور ان کی آنکھوں کو (سبق آموز نظر سے دیکھنے سے) پھیر دینگے (کہ آیات مطلوبہ سامنے آنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے) جس طرح پہلی دفعہ دکھلے ہوئے محسوس معجزات پر ایمان نہیں لائے (مثلاً معجزہ شق القمر وغیرہ دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائے) اور ہم انکو انکی سرکشی میں حیران پڑا رہنے دینگے۔ (راہ حق پر نہیں چلائینگے)۔ ساتواں پارہ ختم الحمد للہ

ع ۱۱ (۱۴)

آٹھواں پارہ شروع

بفضلہٖ و توفیقہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃَ وَکَلَّمَہُمُ الْمَوْتٰی وَحَشَرْنَا عَلَیْہِمْ کُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیجتے اور ان سے مردے باتیں کرنے لگتے اور ہم تمام موجودات (غیبیہ) کو ان کی آنکھوں کے روبرو لاکر جمع کر دیتے تب بھی یہ ایمان نہ لاتے، ہاں اگر اللہ ہی چاہے تو اور بات ہے۔

مُردوں کے کلام کرنے سے یہ مراد ہے کہ مردے ان سے آپ کی نبوت کی تصدیق کر دیں۔ قُبُلًا یا مصدر ہے سامنے آنا یا قبیل کی جمع ہے اور قبیل یا قَبِیْلَۃٌ کی جمع ہے بمعنی جماعت۔ یا صفت مشبہ کا صیغہ ہے بمعنی کفیل یعنی جو کچھ ان کو (جنت کی) بشارت اور (دوزخ سے) تخویف کی گئی ہے اس سب کی کفیل اور ذمہ دار۔ مَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ ان کے کافر ہونے کا ازل میں فیصلہ ہو چکا ہے اور ان کا مبدء تعین اللہ کے اسم مُضِل کا پَرتو ہے اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ کا یہ مطلب ہے کہ اگر ان کے لئے ازل میں مؤمن ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اللہ کی ازلی مشیت کا اقتضاء ہے تو وہ مؤمن ہو جائیں گے ورنہ اور کسی صورت سے ایمان نہیں لائیں گے۔

وَلٰکِنَّ اَکْثَرَہُمْ یَجْہَلُوْنَ ۝ لیکن ان میں زیادہ لوگ نہیں جانتے۔ باوجودیکہ نادانی تمام مشرکوں کو محیط تھی مگر اکثر مشرکوں کو نادان فرمایا اس کی وجہ کیا ہے بات یہ ہے کہ جہالت سے ہر طرح کی نادانی مراد نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ ہر طرح کے نشانات و معجزات نمودار ہونے کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے، اسی بنا پر وہ انجانی بات پر پختہ قسمیں کھاتے ہیں یا ہم کی ضمیر مسلمانوں کی طرف راجع ہے یعنی اکثر مسلمان ناواقف ہیں کہ یہ مشرک کسی طرح ایمان نہیں لائیں گے اس نادانی کی وجہ سے وہ آرزو کرتے ہیں کہ مطلوبہ معجزات کا ظہور ہو جائے تاکہ یہ لوگ ایمان لے آئیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اور جس طرح کفار قریش کو ہم نے آپ کا دشمن بنایا ہے کہ وہ آپ کی مخالفت کرتے اور آپ کو دکھ دیتے ہیں، اسی طرح ہر گذشتہ پیغمبر کا دشمن جن و بشر میں سے شیطانوں کو بنا دیا تھا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کا انبیاء سے عداوت رکھنا بھی اللہ کے زیر تخلیق ہے (کافر خود خالق کفر و عداوت نہیں) اس سے معتزلہ کے قول کی تردید ہوتی ہے کہ بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے، شیطین سے مراد ہیں سرکش جن و انس۔ قتادہؒ مجاہدؒ اور حسنؒ نے فرمایا انسانوں میں سے کچھ شیطان ہوتے ہیں جو چیز بھی حد سے تجاوز کرنیوالی سرکش ہو وہ شیطان ہے۔

میں کہتا ہوں اس کی تائید حضرت جابرؓ کے بیان سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اول ہم کو کتوں کو قتل کر دینے کا حکم دیا تھا پھر ممانعت فرما دی اور فرمایا کالے بھجنگ کتے کو جو دو نقطوں والا ہو قتل کر دیا کرو وہ بلاشبہ شیطان ہوتا ہے۔ رواہ مسلم۔ علماء نے لکھا ہے کہ جب مؤمن کو اغواء کرنے سے شیطان عاجز ہو جاتا ہے تو پھر کسی شیطان آدمی یعنی سرکش انسان کے پاس جا کر مؤمن کو بہکانے پر اکساتا ہے حضرت ابوذرؓ کی روایت بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا شیاطین جن و انس کے شر سے تو نے اللہ کی پناہ مانگی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا انسانوں میں بھی شیاطین ہوتے ہیں فرمایا ہاں وہ شیاطین جن سے زیادہ شریر ہوتے ہیں۔

مالک بن دینار کا قول ہے کہ شیاطین انس شیاطین جن سے زیادہ سخت ہوتے ہیں جب میں اللہ کی پناہ لے لیتا ہوں تو شیاطین جن تو میرے پاس سے چلے جاتے ہیں اور شیاطین انس آکر مجھے علی الاعلان گناہ کی طرف کھینچتے ہیں۔ عکرمہ ضحاک سدی اور کلبی کے نزدیک شیاطین الانس سے مراد وہ شیاطین ہیں جو آدمیوں (کو بہکانے کے لئے ان) کے ساتھ رہتے ہیں اور شیاطین الجن وہ ہیں جو جنات کے ساتھ رہتے ہیں انسان شیطان نہیں ہوتا۔ ابلیس نے اپنی (جناتی) فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے ایک حصہ کو جنات (کو بہکانے) کے لئے اور دوسرے حصہ کو آدمیوں (کو اغوا کرنے) کے لئے مقرر کر رکھا ہے دونوں فریق رسول اللہ صلعم اور آپ کے دوستوں کے دشمن ہیں ہر فریق ہر وقت دوسرے فریق سے ملتا رہتا ہے شیاطین الانس شیاطین جن سے کہتے ہیں ہم نے اپنی آسامی کو اس طرح بہکایا تم بھی اپنی آسامی کو اسی طرح گمراہ کرو شیاطین جن بھی شیاطین انس سے یہی کہتے ہیں یوحی بعضهم الی بعض کا یہی مطلب ہے۔ اول الذکر تفسیر سیاق آیات کے موافق اور قابل ترجیح ہے۔

يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ جن میں سے بعض دوسرے

بعض کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ انکو دھوکہ میں ڈال رکھیں یعنی شیاطین جن شیاطین انس کے دلوں میں ڈالتے تھے یا بعض جنات بعض جنات کو القاء کرتے تھے اور بعض انسان بعض انسانوں کو۔ ذخرف القول بیہودہ پچر پر فریب باتیں غروراً دھوکہ فریب، یہ مفعول لہ ہے یعنی علت فعل سابق یا مفعول مطلق (تاکیدی) یا مصدر بمعنی اسم فاعل جو حال واقع ہوا ہے

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ اور اگر آپ کا رب چاہتا کہ شیاطین انبیاء کے دشمن نہ ہوں یا دلوں میں گمراہی کے خیالات نہ پیدا کریں یا دھوکہ نہ دیں، تو وہ ایسا (انبیاء سے دشمنی، دلوں میں القاء دھوکہ) نہ کرتے۔ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ گمراہی اور گمراہ کنی کا خالق بھی اللہ ہے پس معتزلہ کا قول کہ خالق شر بندہ ہے غلط ہے

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ سو آپ ان لوگوں کو اور ان کی افترا پردازیوں کو رہنے دیجئے یعنی آپ پر اور اللہ پر جو افترا بندی اور بہتان تراشی کر رہے ہیں اس کی طرف آپ التفات نہ کریں اللہ آپ کی مدد کریگا اور ان کو سزا دیگا اور رسوا کریگا

وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ ۝ اور تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اس کو اختیار کرلیں اور جن امور کے مرتکب ہیں ان کا ارتکاب کرتے رہیں

ولتصغیٰ کا عطف غروراً پر ہے اگر غروراً کو مفعول لہ مانا جائے۔ یا فعل محذوف سے اس کا تعلق ہے یعنی ہم نے ایسا اس لئے کیا کہ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل اس کی طرف مائل ہوں۔ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتے تھے کہ اپنے اور ہمارے اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک ثالث مقرر کرو اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۝ (آپ کہہ دیجئے) کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنیوالے کو تلاش کروں حالانکہ اللہ ہی نے تو تمہارے پاس ایک کامل کتاب بھیجی ہے جو تفصیل وار ہے افغیر میں فا عطف کے لئے ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے یعنی کیا میں تمہاری بات مان لوں اور اپنے تمہارے درمیان اللہ کے سوا کسی اور کو حاکم بنالوں جو فیصلہ کرے کہ ہم میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے حالانکہ اللہ نے قرآن تمہارے پاس بھیجدیا ہے جو بجائے خود معجزہ ہے کتب سابقہ کے مطابق غیبی امور کی خبریں دے رہا ہے اور حق و باطل کو اس میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ اب کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا۔ حکم کے مفہوم میں حاکم کے معنی سے زیادہ زور ہے اسی لئے اس لفظ کا اطلاق صرف

منصف پر ہوتا ہے۔ آیت میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ قرآن کے اعجاز و تقریر کے بعد کسی معجزہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ جن لوگوں کو (یعنی یہودیوں کو) ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ قرآن بلاشبہ آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم امی تھے یہودیوں کی کتابیں آپ نے نہیں پڑھی تھیں اور نہ یہودی علماء کے ساتھ رہے تھے اس کے باوجود ایسا قرآن پیش کیا جو یہودیوں کی کتابوں کے مطابق تھا قرآن کو پڑھ کر ہی اہل کتاب کو یقین ہو جاتا تھا کہ یہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب ہے۔

اگرچہ بعض یہودی ہی قرآن کی حقانیت سے واقفیت تھے مگر باقی لوگ بھی خود غور و خوض کر کے یا اپنے علماء سے دریافت کر کے قرآن کی حقانیت من اللہ کا علم حاصل کر سکتے تھے اسی لئے تمام اہل کتاب کو قرآنی صداقت کا جاننے والا قرار دیا۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۞ پس (اے سامع) تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو یعنی اس بات میں شک نہ کر کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ط اور اللہ کی باتیں سچائی اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہیں۔ اللہ کی بات پوری ہونے کا مطلب ہے اللہ کی دی ہوئی خبروں کا اور وعدہ و وعید کا سچا ہونا اور احکام (امر و نہی) کا مبنی بر عدل ہونا۔ قتادہ اور مقاتل نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ صدقاً و عدلاً کا نصب تمیز یا حال ہونے کی بناء پر ہے۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ج اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ یعنی کسی بات کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس کے (ابدی) فیصلہ کو کوئی پلٹنے والا اور اس کے حکم کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ یا یہ معنی ہے کہ قرآن کے بعد نہ کوئی نبی آئیگا نہ کتاب کہ قرآن کو بدل دے اور قرآن کے احکام تبدیل کر دے۔

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ اور (جو کچھ یہ کہتے ہیں اس کو) وہ سننے والا ہے) اور جو کچھ دلوں میں چھپائے رکھتے ہیں اس سے) وہ واقف ہے بس ان کو مہلت نہیں دیگا۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اور اگر آپ اکثر اہل زمین کی پیروی کرینگے تو وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دینگے۔ اکثر اہل زمین سے مراد ہیں کفار کیونکہ اہل ایمان سے کافروں کی تعداد زائد ہے اور راہ خدا سے مراد ہے اللہ تک پہنچانے والا راستہ یعنی دین اسلام۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ اکثر لوگ تو محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں یعنی اپنی جہالت

اور خود ساختہ حلتِ مردار اور حرمت بحیرہ وغیرہ پر۔
وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ○ اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں۔ یعنی جو کچھ کہتے ہیں محض گمان اور تخمین سے کہتے ہیں کسی صحیح دلیل سے حاصل شدہ یقین کی روشنی میں نہیں کہتے۔
إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ○
بلاشبہ آپ کا رب ہی ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں اور وہی راہ راست پر چلنے والوں سے بھی بخوبی واقف ہے یعنی دونوں فریقوں کو جانتا ہے ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق بدلہ دیگا۔ مَنْ یضل میں مَنْ موصولہ ہے یا موصوفہ یا استفہامیہ ابتدائیہ اور یضل صلہ ہے یا صفت یا خبر۔
ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ لوگ خدمتِ گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا وجہ کہ جس کو ہم خود قتل کریں اس کو کھائیں اور جس کو اللہ (بغیر ہمارے ذبح کئے) مار ڈالے اس کو نہ کھائیں اس پر آیتِ ذیل نازل ہوئی۔
فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ پس جس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو اس کو کھاؤ فا سببیہ ہے۔ گمراہ کن کافروں کے اتباع سے گذشتہ کلام میں ممانعت کی گئی ہے اسی ممانعت پر یہ حکم متفرع ہے۔ یعنی حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دینے میں کافروں کے خیالات پر نہ چلو جو مردار کو حلال اور ذبیحہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔
إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ○ اگر تم اللہ کی آیات پر ایمان رکھنے والے ہو کیونکہ اللہ پر ایمان رکھنے کا تو تقاضا ہے کہ جس چیز کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے اس کو مباح سمجھا جائے اور جس کو حرام قرار دیا ہے اس سے پرہیز کیا جائے۔
وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ ج اور کیا وجہ کہ جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لے لیا گیا اس کو نہ کھاؤ۔ ما استفہامیہ مبتدا اور لکم خبر ہے۔
وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ حالانکہ جن چیزوں کو تمہارے لئے اللہ نے حرام کیا ہے ان کی تفصیل وہ خود کر چکا ہے تفصیل محرمات سے مراد آیت قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا الخ ہے۔
إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ مگر وہ بھی جب سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہیں۔ ما بمعنی وقت ہے یعنی اللہ نے ان چیزوں کی تفصیل کردی ہے جنکو ہر وقت کھانا حرام کردیا ہے سوائے مجبوری کے وقت کے۔
ایک شبہ :۔ اس استثناء کا فائدہ ہی کیا ہے فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ کے اندر تو خود استثناء

داخل ہے۔

اِسْتَالِیۃ

جس چیز کو حرام نہیں کیا گیا اس کو نہ کھانے کی ممانعت کی تاکید مقصود ہے کیونکہ حرام چیز تو مجبوری کے وقت حلال ہو جاتی ہے لیکن حلال چیز کو کسی وقت حرام نہیں کیا جاسکتا۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۝

یقیناً بہت سے آدمی اپنے من گھڑت خیالات پر بغیر کسی (عقلی یا نقلی) دلیل کے لوگوں کو بے راہ کرتے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ حد سے نکلنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ یعنی جو حق سے نکل کر باطل کی طرف اور حلال سے آگے بڑھ کر حرام کی طرف جاتے ہیں ان کو خوب جانتا ہے

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۭ اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی یعنی تمام گناہ چھوڑ دو۔ ظاہری گناہ بھی جن کا تعلق بیرونی جسمانی اعضاء (کان ناک آنکھ زبان ہاتھ پاؤں وغیرہ) سے ہے اور اندرونی گناہ بھی جن کا تعلق محض دل اور اندرونی جذبات نفس سے ہے کلبی اور اکثر مفسرین کے نزدیک اثم سے زنا مراد ہے یعنی ظاہر طور پر اور چھپ کر زنا کرنے سے بچو سعید بن جبیرؓ نے ظاہر اثم سے محرمات کے ساتھ نکاح کرنا اور باطن اثم سے زنا مراد لیا ہے۔ ابن زید نے کہا ظاہر اثم کپڑے اتار کر ننگے ہو کر طواف کرنا اور باطن اثم زنا ہے ایک روایت میں کلبی کا قول یہ بھی آیا ہے کہ دن میں برہنہ ہو کر مردوں کا طواف کرنا ظاہر اثم ہے اور رات کو برہنہ ہو کر عورتوں کا طواف کرنا باطن اثم ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ۝ جو لوگ (دنیا میں) گناہ کماتے ہیں عنقریب ان کو (آخرت میں) ان کے کئے کی سزا دی جائیگی

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۚ اور جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے نہ کھاؤ۔ اس آیت کے عموم سے امام احمد نے استدلال کیا ہے کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا بھول گیا ہو یا قصداً نہ لیا ہو دونوں صورتوں میں ایسے ذبیحہ کا کھانا حرام ہے۔ داؤد، ابو ثور، شعبی اور محمد بن سیرین کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک کے نزدیک آیت کے عموم میں وہ ذبیحہ داخل نہیں جس کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا بھول کر رہ گیا ہو اس کا ثبوت حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہوتا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے دریافت کیا یا رسول اللہ اگر ہم میں سے کوئی ذبح کرے اور اللہ کا نام لینا بھول جائے تو کیا حکم ہے حضور صلعم نے فرمایا اللہ کا نام ہر مسلمان کے منہ میں ہے (تلفظ کرے یا نہ کرے) رواہ الدار قطنی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان اگر ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ کہنی بھول جائے تو بعد کو بسم اللہ کہہ لے اور پھر کھالے۔

رواہ الدارقطنی۔ یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ایک راوی مروان بن سالم ہے جس کے متعلق امام احمد نے کہا ہے کہ یہ ثقہ نہیں ہے اور نسائی و دارقطنی نے اس کو متروک کہا ہے رہی حضرت ابن عباسؓ کی روایت تو اس میں معقل مجہول راوی ہے۔ امام ابوحنیفہ کا قول بھی امام مالکؒ کی رائے کے موافق ہے لیکن آپ کے ضابطہ پر اخبار احاد کے ذریعہ سے نص قرآنی کے عموم کی تخصیص درست نہیں (اس لئے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ حدیثوں کی وجہ سے آیتِ مذکورہ کے عموم کو مخصوص البعض نہیں قرار دیا جاسکتا)۔

صاحب ہدایہ نے حنفیہ کے قول کی تائید میں لکھا ہے کہ اگر آیت کے حکم کو عام قرار دیا جائیگا تو بھول کر بسم اللہ ترک کرنے والے کے لئے بھی غیر معمولی دشواری ہو جائیگی اور دشواری بہر حال قابلِ ازالہ ہے انسان کثیر النسیان ہے بھول ہی جاتا ہے اگر آیت کا وہی معنی ہو جو ظاہر کلام سے سمجھا جارہا ہے تو جھگڑا پڑ جائیگا اور اختلاف رونما ہو جائے گا بلکہ قرنِ اول میں سب ہی اس حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے، کوئی اختلاف ہی نہ ہوتا اور اب اختلاف کی نوبت آتی۔ صاحب ہدایہ کی یہ دلیل نہایت کمزور ہے۔ امام شافعی کے نزدیک مالم یذکر اسم اللہ علیہ سے مراد ہے مردار اور وہ ذبیحہ جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو کیونکہ آگے آیا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ۵ اور بلاشبہ یہ امر بے حکمی ہے اور فسق اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کا نام ذکر کرنیمیں ہوتا ہے۔ اسی سورت کے آخر میں آیا ہے اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔

اگر قصداً ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو تب بھی امام شافعی کے نزدیک ذبیحہ حلال ہے حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے شرک کا زمانہ ابھی گذرا ہے (حال ہی میں مسلمان ہوئے ہیں) وہ لوگ ہمارے سامنے کچھ گوشت لاتے ہیں معلوم نہیں ذبح کے وقت اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں لیتے (ہم وہ گوشت کھائیں یا نہ کھائیں)

حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تم اللہ کا نام لے لیا کرو اور کھا لیا کرو۔ رواہ البخاری بغوی نے اس دلیل کی تشریح میں بیان کیا ہے کہ اگر ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا اباحت کے لئے ضروری ہوتا تو بسم اللہ کہنے میں شک پیدا ہونا ہی کھانے کی ممانعت کے لئے کافی ہوتا جس طرح اگر ذبح کے متعلق شک ہو (کہ معلوم نہیں یہ ذبیحہ ہے یا نہیں) تو کھانا ممنوع ہے (اور سوال کرنے والوں نے اپنے شک کا اظہار کیا تھا اور عرض کیا تھا معلوم نہیں ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں۔ اس صورت میں یقیناً ممانعت ہونی چاہیے تھی لیکن حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ممانعت نہیں فرمائی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زبان سے اللہ کا نام لینا اباحت کی شرط نہیں ہے) اس کے علاوہ صلت کی مرسل حدیث ہے جس کو ابوداؤد نے مراسیل میں ذکر کیا ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اللہ کا نام لیا گیا ہو یا نہ لیا گیا ہو۔
حنفیہ کہتے ہیں کہ صلت کی حدیث میں اللہ کا نام نہ لئے جانے سے مراد بھول جانا اور حضرت عائشہؓ والی حدیث ہمارے خلاف نہیں جاتی بلکہ ہماری تائید کرتی ہے کیونکہ سوال کرنے والے یہ تو جانتے تھے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہے شک ان کو اس بات میں تھا کہ اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہؓ کے نزدیک ذبیحہ کے حلال ہونے کی یہ شرط تھی کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو اب رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو کھانے کے جواز کا حکم دیا تو اس کی بنا مسلمان کی ظاہری حالت پر ہے ظاہر یہی تھا کہ مسلمان قصداً اللہ کا نام لینا ترک نہیں کرتا۔ جیسے کہ مسلمانوں کے بازار سے اگر گوشت خرید گیا ہو تو اس کو کھانا حلال ہے ظاہر یہی ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ ہوگا اگرچہ اس کا بھی احتمال ہے کہ مجوسی کا ذبح کیا ہوا ہو۔
رہا شافعی کا یہ قول کہ مالم یذکر اسم اللہ علیہ سے مراد مردار اور وہ ذبیحہ ہے جو دوسرے کے نام پر ذبح کیا گیا ہو یہ الفاظ کے عموم کے خلاف ہے اور اعتبار الفاظ کے عموم ہی کا ہوتا ہے۔ ذبح اور شکار کی بحث میں ہر قرآنی نص اور حدیث میں اللہ کے نام کا ذکر ضرور آیا ہے سورۂ مائدہ کی تفسیر میں اس بحث اور دوسرے مسائلِ ذبح کی تفصیل گذر چکی ہے۔
شرح المقدمۃ المالکیہ میں آیا ہے کہ بروایت ابوالقاسم امام مالکؒ کے نزدیک وہ ذبیحہ کھانا درست ہے جس کے ذبح کے وقت قصداً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو لیکن امام مالکؒ کی مدونہ فقہ میں اس کی اجازت نہیں ہے اور امام مالکؒ کا مشہور قول بھی یہی ہے کہ ترک تسمیہ اگر قصداً ہو تو ذبیحہ نہ کھایا جائے۔ ابن الحارث اور ابن البشیر نے کہا تارک التسمیہ کے ذبیحہ میں یہ اختلاف اس وقت ہے جب تارک التسمیہ متہاون (اللہ کے نام لینے کی پروا نہ کرنے والا) نہ ہو متہاون کا ذبیحہ تو باتفاق آراء حرام ہے متہاون وہ شخص ہے جو بار بار ترک تسمیہ کرتا ہو۔ واللہ اعلم۔
طبرانی وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ نازل ہوئی تو فارس والوں نے قریش کے پاس پیام بھیجا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے مناظرہ کرو اور پوچھو کہ (تمہارے نزدیک) جو چھری سے ذبح کیا گیا ہو تو وہ حلال ہے اور جو خود مرا ہو وہ حرام ہے ابوداؤد اور حاکم نے بھی یہ روایت نقل کی ہے مگر اس میں یہ قول فارس والوں کا نہیں بلکہ کافروں کا قرار دیا ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ع اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کو تعلیم کر رہے ہیں کہ وہ تم سے (بیکار) جدال کریں اور اگر (عقائد و اعمال میں) تم ان کی اطاعت کرنے لگو تو بلاشبہ تم مشرک ہو جاؤ

شیاطین سے مراد ہیں ملک فارس کے شیطان آدمی یا شیاطین جن۔ وحی کرنے سے مراد ہے، دل میں ڈالنا یا وسوسہ پیدا کرنا۔ اولیاء سے مراد ہیں کفار قریش یا عام کافر۔ اطاعت سے مراد ہے حرام کو حلال سمجھنا۔ مشرک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جو اللہ کی طاعت ترک کرے اور دینی امور میں دوسروں کے کہے پر چلے اور ان کا اتباع کرے تو یقیناً وہ مشرک ہو جائیگا (کیونکہ اللہ کو چھوڑ کر دینی مطاع اس نے دوسروں کو مانا)

زجاج نے کہا اس آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ جس نے اللہ کے حرام کو حلال یا اللہ کے حلال کو حرام قرار دیا وہ مشرک ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی شرط یہ ہے کہ اس کی حلت اور حرمت قطعی دلیل (یعنی عبارتِ قرآن) سے ثابت ہو۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ بنا دیا اور ہم نے اس کو روشنی عطا کر دی جس کو لئے ہوئے وہ آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ تاریکیوں میں (پھنسا ہوا) ہو ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا۔ یہ استعارہ تمثیلیہ ہے مردہ سے مراد ہے کافر جس کا دل حق سے غافل ہوتا ہے اور مردہ کی طرح اس کو فائدہ بخش اور ضرر رساں چیزوں میں امتیاز نہیں ہوتا۔ زندہ کرنے سے مراد ہے نور ایمان سے دل کو زندہ کر دینا۔ نور سے مراد ہے مؤمن کی وہ فطری دانائی جس کی وجہ سے اس کو حق و باطل کی شناخت ہو جاتی ہے یعنی نور فطرت کے ساتھ وہ اس راستہ پر چلتا ہے جو عقلِ سلیم طبع درست اور شریعت الٰہیہ کے تقاضوں کے موافق ہوتا ہے۔ مَثَل سے مراد ہے حالت مطلب کا خلاصہ یہ ہے کہ مؤمن کافر کی طرح نہیں ہو سکتا (ایک روشنی کا حامل ہو دوسرا اندھیریوں میں پھنسا ہوا۔ ایک کی راہِ زندگی عقل و شرع کی بتائی ہوئی ہے دوسرے کی راہ غیر عقلی اور غیر شرعی۔ ایک کا دل زندہ ہے دوسرے کا مردہ)

ابو الشیخ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عمر بن خطابؓ اور ابوجہل کے حق میں ہوا۔ ابن جریر نے ضحاک کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آیت میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور ابوجہل مراد ہیں۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے اوپر اونٹ کا) اوجھ ڈال دیا تھا۔ حضرت حمزہؓ شکار سے لوٹ رہے تھے کہ ابوجہل کی اس حرکت کی اطلاع آپ کو ملی آپ کے ہاتھ میں اس وقت کمان تھی یہ قصہ حضرت حمزہ کے مسلمان ہونے سے پہلے کا ہے آپ غصہ میں بھرے ہوئے کمان لیکر ابوجہل کے پاس پہنچے ابوجہل عاجزی کے ساتھ کہنے لگا ابو یعلیٰ دیکھئے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا پیش کر رہے ہیں یہ تو ہماری عقلوں کو بے وقوف بناتے ہمارے معبودوں کو

گالیاں دیتے اور ہمارے اسلاف کی مخالفت کرتے ہیں۔ حضرت حمزہؓ نے فرمایا تم سے زیادہ احمق اور کون ہوگا، اللہ کو چھوڑ کر پتھروں کی پوجا کرتے ہو، میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس کے بندے اور پیغام رساں ہیں۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ عکرمہ اور کلبی نے سورد نزول حضرت عمار بن یاسر اور ابوجہل کو قرار دیا ہے۔

[1] ان تینوں روایات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مثلہ فی الظلمٰت سے مراد ابوجہل ہے اور اس کے مقابل من احییناہ سے مراد باختلاف روایت تینوں حضرات میں سے کوئی ایک ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ان تینوں حضرات کے مسلمان ہونے کا زمانہ کچھ زیادہ فصل سے نہ تھا قریب ہی وقت میں ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا مسلمان ہوا تھا اسی زمانہ اس آیت کا نزول ہوا اور الفاظ میں عموم ہے اس لئے ہر ایک کو مورد نزول قرار دیا جاسکتا ہے۔ آیت میں ابوجہل کے اس خیال کی تردید ہے کہ مسلمان چونکہ اپنے (سابق) معبودوں کو گالیاں دیتے اور اپنے باپ دادا کی مخالفت کرتے ہیں اس لئے میں ان سے افضل ہوں۔ رفتار بیان کا تقاضا تھا کہ کافروں کے افضل ہونے کی نفی کی جاتی لیکن آیت میں مؤمن و کافر کی مساوات کی نفی کی گئی اس سے کافروں کی افضلیت کی پر زور طور پر نفی ہوگئی اور دونوں کے برابر ہونے کی طرف گمان بھی نہیں جاسکتا۔ آیت میں مساوات کی نفی اس طور پر کی جس سے مؤمن کا افضل ہونا ثابت ہو رہا ہے بلکہ مؤمن کے کمالات کی خصوصیت اور کافروں کے اندر اس خصوصیت کا فقدان بدلالت مطابقی اشارۃ النص ہے اور افضلیت کفار کی نفی بدلالت التزامی عبارۃ النص ہے۔

كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (جس طرح ابوجہل کے لئے اس کی بداعمالی دل پسند بنادی گئی کہ وہ اپنے کو مسلمانوں سے افضل جاننے لگا) اسی طرح کافروں کے لئے ہم نے ان کی تمام بداعمالیاں دل پسند بنادیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا اور جس طرح ہم نے مکہ میں بڑے لوگوں کو مجرم بنادیا، اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں کو ہی جرائم کا مرتکب بنایا تاکہ وہ لوگ وہاں شرارتیں کیا کریں۔ جعلنا کا ترجمہ اگر بنادیا کیا جائے تو اس کے دو مفعول ہونگے ایک فی قریۃ اور دوسرا اکابر اور مجرمیہا اکابر سے بدل ہوگا۔ یا اکابر مفعول دوم اور مجرمیہا مفعول اول ہوگا یا اکابر مجرمیہا بصورت اضافت ایک مفعول ہوگا اور فی قریۃ دوسرا مفعول۔ اور اگر جعلنا کا ترجمہ کیا جائے ہم نے جگہ دی یا ہم نے طاقت عطا کی تو اکابر مجرمیہا بصورت اضافت اس کا مفعول ہوگا۔

[1] زید بن اسلم کی روایت ہے کہ آیت کا نزول حضرت عمر بن خطاب اور ابوجہل کے حق میں ہوا حسن بصری اور ابوسنان کی روایات بھی اسی طرح ہیں

اگر صیغۂ اسم تفضیل مضاف ہو اور مضاف الیہ جمع ہو تو مضاف کو واحد لانا بھی درست ہے اور جمع لانا بھی (آیت میں اکابر بصیغۂ جمع ہی آیا ہے) بڑے لوگوں کے پیچھے چونکہ چھوٹے لوگ لگ جاتے ہیں اور بڑے لوگ چھوٹے لوگوں کو اپنا تابع بنانے کی زیادہ طاقت رکھتے ہیں اس لئے اکابر کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔ اللہ کا ضابطہ ہی یہ ہے کہ شروع پیغمبروں کا اتباع چھوٹے لوگ کرتے اور بڑے لوگ سرکشی کرتے ہیں۔ مکر کا معنی ہے دھوکہ فریب (قاموس) صحاح میں ہے کہ مکر کا معنی ہے تدبیر کے ساتھ کسی کو اس کے مقصد سے پھیر دینا (یا پھیر دینے کی کوشش کرنا) قریش کے مکر کی صورت یہ بھی کہ انھوں نے مکہ کے چہار طرف کے راستوں پر ایک ایک آدمی بٹھا رکھا تھا کہ جو لوگ مسلمان ہونے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آنا چاہیں ان کو راستہ سے ہی لوٹا دے۔ خدمت گرامی میں پہونچنے نہ دے اور کہے یہ شخص تو کاہن اور جھوٹا جادوگر ہے۔

وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنفُسِهِمْ اور وہ صرف اپنے ہی ساتھ شرارت کرتے تھے کیونکہ اس فریب کا نتیجۂ بد انہی پر پڑتا تھا۔

وَمَا يَشْعُرُونَ ○ اور ان کو ذرا خبر نہ تھی۔

بغوی نے قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ابوجہل نے کہا عبد مناف کی اولاد نے شرف میں ہم سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ جب ریس کے دو گھوڑوں کی طرح (مقابلہ پر) دوڑنے لگے تو انھوں نے (اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے) کہا کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کے پاس وحی آتی ہے۔ خدا کی قسم ہم تو اس کو نہیں مانیں گے اور نہ کبھی اس کے تابع بن کر رہیں گے ہاں اگر ہمارے پاس بھی اسی طرح وحی آجائے جس طرح اس کے پاس آتی ہے تو خیر مان لیں گے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے کہا تھا کہ اگر نبوت واقعی کوئی ضروری چیز ہے تو میں تجھ سے نبوت کا زیادہ حقدار ہوں عمر میں بھی زیادہ ہوں اور مال میں بھی۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ ۘ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۗ اور جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم ہرگز یقین نہیں کریں گے جب تک ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جائے جیسی اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے جہاں اللہ اپنی پیغمبری رکھتا ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے۔ اللہ اعلم کے جملہ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ نسب یا مال یا عمر کی وجہ سے نبوت کا استحقاق نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ کا فضل ہے وہی خوب جانتا ہے کہ کون نبوت کا اہل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے لکھا ہے کہ تعین نبوت کا مبدأ محض صفت الٰہی ہے جس پر پرتو

(اور ظلمت) کی کوئی آمیزش ہی نہیں ہے باقی انسانوں کے (مومن کافر اور نیک بد ہونے کے) مبادی اللہ کے اسماء و صفات کے پرتو ہیں (یعنی نبوت کا سرچشمہ براہ راست اور بالذات صفات خداوندی ہیں اور دوسری مخلوق کا مبدء تعین اور سرچشمہ براہ راست صفات نہیں بلکہ صفات کے پرتو اور ظلال ہیں[1] اللہ کی صفات اگرچہ واجب ہیں لیکن (ان کا وجوب بذات خود نہیں بلکہ) وہ واجب بالغیر ہیں یعنی ذات الٰہی کے لئے ان کا وجوب ہے (اور ذات الٰہی واجب ہے لہٰذا اس کی صفات بھی واجب ہیں) پس وہ چونکہ ذات کی محتاج ہیں اسی اعتبار سے وہ ملائکہ اور انبیاء کے تعین کا مبدء ہیں اور یہی وجہ ہے کہ معصوم صرف انبیاء اور ملائکہ ہیں صفات اگرچہ ملائکہ اور انبیاء دونوں کے تعین کا مبدء ہیں لیکن مبدئیت کی دو حیثیتیں ہیں ایک بطونی دوسری ظہوری بطونی اعتبار سے ان صفات کا قیام اللہ کی ذات سے ہے اور اسی اعتبار سے وہ تعین ملائکہ کی مبدء ہیں اور ظہوری اعتبار سے وہ عالم کا سرچشمہ اور مصدر ہیں اس لحاظ سے وہ تعین انبیاء کا مبدء ہیں اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ ملائکہ کی ولایت انبیاء کی ولایت سے زیادہ اونچی اور اقرب الی اللہ ہے مگر ملائکہ پر انبیاء کی فضیلت نبوت کی وجہ سے ہے کیونکہ نبوت انسان کی خصوصیت ہے اور نبوت نام ہے خالص ذاتی جلوہ اندازی کے نتیجہ کا۔ خلاصہ کلام یہ کہ نبوت اور رسالت کا استحقاق نسب مال یا عمر سے نہیں ہو سکتا اس کا مبدء تعین (اور موجب) تو صفات الٰہیہ ہیں۔

سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِندَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ۝ عنقریب ان لوگوں کو جنھوں نے یہ جرم کیا ہے اللہ کے پاس پہونچکر ذلت پہنچیگی اور سخت سزا ان کی شرارتوں کے بدلے میں ملیگی۔ صغار ذلت اور حقارت۔ عند اللہ یعنی قیامت کے دن بعض علماء کے نزدیک عند اللہ اصل میں من عند اللہ تھا اللہ کی طرف سے (یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ عذاب شدید دنیا میں قتل اور قید ہونا جیسے بدر کی لڑائی کے دن ہوا اور آخرت میں دوزخ میں جانا۔ بما کانوا میں با سببیہ ہے یعنی شرارتوں کی وجہ سے یا مقابلہ کی ہے یعنی شرارتوں کے بدلے میں۔

فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ج پس جس شخص کو اللہ راہ حق کی ہدایت کرنی چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے جب یہ آیت اتری تو

---

[1] حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اللہ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو سب سے برتر پایا تو آپ کو اپنے لئے چن لیا اور اپنا پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا پھر آپ کے بعد اور لوگوں کے دلوں پر نظر کی تو آپ کے صحابہؓ کے دلوں کو دوسروں کے دلوں سے بہتر پایا تو ان کو اپنے پیغمبر کے وزیر (مددگار) بنا دیا جو اللہ کے دین کے لئے جہاد کرتے ہیں پس جس بات کو مومن اچھا جانتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس بات کو مومن برا جانتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے شرح صدر کی تشریح دریافت کی گئی فرمایا مؤمن کے دل کے اندر اللہ ایک نور ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا دل کشادہ اور وسیع ہو جاتا ہے میں کہتا ہوں مراد یہ ہے کہ معرفت حق کے لئے کھل جاتا ہے اور ایمان لے آتا ہے صحابہؓ نے عرض کیا کیا اس کی کوئی علامت ہوتی ہے فرمایا ہاں غیر فانی گھر (آخرت) کی طرف میلان قلب اس فریب خانہ (دنیا) سے طبیعت کی دوری اور موت آنے سے پہلے موت کی تیاری یہ حدیث حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں لکھی ہے اور ابو جعفر کی روایت سے مرسلاً فریابی اور ابن جریر اور عبد بن حمید نے بھی ذکر کی ہے۔

صوفیہ کے نزدیک شرح صدر اس وقت ہوتا ہے جب نفس کو فنا کر دیا جائے نفسانیت کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہے اور ایسا اسی وقت ہوتا ہے جب ولایت کبریٰ یعنی ولایت انبیاء میں تجلی صفات نمودار ہو اسوقت حقیقی ایمان حاصل ہو جاتا ہے۔

وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ

اور جس کو وہ بے راہ رکھنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو تنگ بہت تنگ کر دیتا ہے (اس کو ایسی دشواری معلوم ہوتی ہے) جیسے اس کو آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہو۔ سیبویہ نے کہا کہ حَرَجًا بفتح را مصدر ہے بمعنی فاعل اور صیغہ صفت بھی اس کا معنی ہے بہت ہی تنگ مطلب یہ ہے کہ اللہ اس کے سینہ کو ایسا کر دیتا ہے کہ اس کے اندر ایمان داخل ہی نہیں ہو سکتا حق کو قبول کرنا اس کے لئے سخت دشوار ہوتا ہے وہ حق کو ناممکن سمجھنے لگتا ہے خیر کے داخل ہونے کا اس میں کوئی راستہ ہی نہیں ہوتا (کلبی) حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ کا ذکر سن کر اس میں انقباض ہو جاتا ہے اور بتوں کی پوجا کا تذکرہ سن لیتا ہے تو کھل جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ بن خطاب نے یہ آیت تلاوت فرما کر بنی کنانہ کے ایک اعرابی سے دریافت کیا حرجہ کا کیا معنی ہے اعرابی نے کہا ہماری بولی میں حرجہ اس درخت کو کہتے ہیں جو درختوں کے اتنا اندر ہو کہ وہاں تک نہ کوئی چرنے والا مویشی پہنچتا ہو نہ جنگلی چوپایہ حضرت عمرؓ نے فرمایا منافق کا دل بھی ایسا ہی ہوتا ہے کوئی بھلائی اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ آسمان پر چڑھنا یعنی ایسا کام کرنا جو طاقت سے باہر ہو انتہائی تنگدل ہونے کی تشبیہ اس شخص کی حالت سے دی ہے جو خارج از قدرت کام کر رہا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح آسمان پر چڑھنا عام طور پر ناممکن ہے اسی طرح ایمان کا اس کے دل میں داخل ہونا ناممکن ہوتا ہے بعض علماء نے اس تشبیہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ ایمان سے اتنی دور بھاگتا ہے جیسے کوئی شخص بھاگ کر آسمان پر چڑھ جائے (وجہ شبہ دوری ہے)

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (جس طرح بے ایمان کا سینہ تنگ اور دل ایمان سے دور ہوتا ہے) اسی طرح ایمان نہ لانے والوں پر اللہ پھٹکار ڈالتا ہے۔

(جس سے مراد عذاب (عطاء) دنیا میں پھٹکار اور آخرت میں عذاب (زجاج) گناہ (کلبی) ایسی چیز جس میں کوئی بھلائی نہیں (مجاہد) شیطان (حضرت ابن عباس) یعنی شیطان کو مسلط کر دیتا ہے علیہم کی جگہ علے الذین لا یؤمنون کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا ایمان نہ لانا پھٹکار کا سبب ہے۔ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ معتزلہ کا قول غلط ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ معصیت کا ارادہ نہیں کرتا کیونکہ گناہ شر ہے اور اللہ شر کا خالق نہیں)

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ○ اور یہی (یعنی جس کو اللہ ہدایت کرنا چاہے اسکا سینہ ایمان کے لئے کھول دینا اور جس کو گمراہ رکھنا چاہے اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دینا) تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے۔

رب کے راستہ سے مراد ہے وہ راستہ جو تقاضائے حکمت اور اللہ کے مقررہ ضابطہ کے مطابق ہے۔ بعض نے کہا یہ راستہ جس پر اے محمدؐ آپ چل رہے ہیں اور قرآن نے جس کو پیش کیا ہے یعنی اسلام آپکے رب تک پہنچانے والا راستہ ہے مستقیما حال ہے اول الذکر تفسیر پر اس کا معنی ہوگا معتدل ہموار اور مؤخر الذکر تفسیر پر اس کا معنی ہوگا سیدھا جس میں کوئی کجی نہ ہو۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ نصیحت پذیر لوگوں کے لئے ہم نے آیات صاف صاف بیان کر دیں۔ قوم سے مراد اہل السنت والجماعت ہیں کیونکہ آیات قرآنیہ سے یہی جماعت نفع اندوز ہے جو عقیدہ رکھتی ہے کہ اللہ ہی قادر ہے کسی اور میں (حقیقی) قدرت نہیں عالم میں جو کچھ اچھا برا ہوتا ہے وہ اللہ کے ازلی فیصلہ کے مطابق اور اسی کے زیر تخلیق ہوتا ہے وہ بندوں کے احوال سے بخوبی واقف ہے اس کا ہر فعل پر حکمت ہے وہ عادل ہے کسی کو مجال نہیں کہ اس پر اعتراض کر سکے۔

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان (نصیحت پذیر) لوگوں کے لئے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے۔ دار السلام سے مراد جنت ہے کیونکہ جنت تمام نامرغوب مکروہ چیزوں سے محفوظ ہے یا دار السلام سے وہ گھر مراد ہے جہاں ان کا استقبال (اور باہم ملاپ) سلام علیکم سے ہوگا۔ یا سلام اللہ کا نام ہے اللہ کا گھر ان کے لئے ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جس گھر کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے وہ کیسا عظیم الشان ہوگا۔ عند ربہم سے مراد ہے اللہ کی ذمہ داری میں اللہ کے پاس موجود جس کی حقیقت سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہیں۔

وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ اور ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ ان سے محبت رکھتا ہے۔ ولی سے مراد (یا) محبت کرنیوالا ہے جیسا کہ ترجمہ کیا گیا یا اس سے مراد) ہے تمام امور کا ذمہ دار کارساز

دنیا میں توفیقِ ایمان و صلاح دیکر قبر میں منکر نکیر کے سوال کے وقت توحید پر قائم رکھ کر اور آخرت میں کامل ثواب اور مراتب قرب مرحمت فرما کر۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ ج اور جس روز اللہ سب مخلوق کو جمع کریگا (اور) فرمائیگا اے گروہ جنات تم نے انسانوں (کے گمراہ کرنے) میں بڑا حصہ لیا یا یہ مطلب ہے کہ تم نے بہت آدمیوں کو گمراہ کیا گمراہی میں اپنا تابع بنایا۔

وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا ط اور جو انسان گمراہ کرنے والے جنات سے تعلق رکھنے والے تھے وہ (اقرار) کہیں گے اے ہمارے رب ہم میں سے ایک نے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور ہم اپنی اس معین میعاد تک آپہنچے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی۔ بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں نے جنات سے کچھ افسوں جادو اور کہانت کی تعلیم حاصل کی اور جن جن امور و مقاصد کی تکمیل کی ان کو ضرورت تھی جنات نے ان کی خواہشات پوری کرنے اور مقصد تک پہونچانے میں ان کی اطاعت کی اور اپنی مرغوبات کو ان کے لئے دل پسند بنایا اور جب کہیں بیابان میں سنسان رات میں تنہا مسافر نے آواز دے کر کہا اعوذ بسید ھذا الوادی من سفہاء قومہ میں قوم جنات کے شریروں سے اس وادی کے سردار کی پناہ کا خواستگار ہوں تو اس نے رات امن چین سے گذاری دیہ تو ہوا انسان کا جنات سے نفع اندوز ہونا) اور جنات کے انسانوں سے بہرہ اندوز ہونے کی یہ صورت ہوئی کہ انسانوں نے جنات کی پرستش کی گناہ اور گمراہی میں جنات کا اتباع کیا۔ اَجَلَنَا سے مراد ہے روز قیامت۔ یہ قول اظہار ندامت و حسرت اور اعتراف گناہ پر دلالت کرتا ہے

قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ط اللہ فرمائیگا تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے مگر یہ کہ خدا ہی کو (کچھ اور) منظور ہو تو خیر الا ماشاء اللہ کا مطلب چند طرح سے بیان کیا گیا ہے۔

(۱) مگر اتنی مہلت جو اللہ نے تم کو اپنی مشیت کے مطابق (دوزخ میں داخل ہونے اور قبروں سے اٹھنے کے بعد یدی آتنی مدت میں دوزخ تمہاری قیام گاہ نہیں ہوئی (۲) مگر ان اوقات میں دوزخ تمہارا ٹھکانا نہ ہوگی جن اوقات میں آگ سے برفستان (زمہریر) کی طرف تم کو منتقل کیا جائیگا (۳) الا بمعنی سوی کے ہے یعنی دوزخ میں ہمیشہ رہینگے سوائے ان چند در چند عذابوں کے جو اللہ ان کے لئے چاہے گا (۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا آیت میں وہ قوم مستثنیٰ کی گئی ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ پہلے سے جانتا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے اور دوزخ سے ان کو نکال دیا جائے گا اس مطلب پر ماشاء

میں ما بمعنی من ہو گا۔[1]

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ○ کوئی شک نہیں کہ آپ کا رب حکیم ہے جو کچھ اپنے دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ کرتا ہے حکمت کے ساتھ کرتا ہے اور سب کے دلوں کی حالت سے واقف ہے وہ دلوں کے اندر کے ایمان و نفاق کو جانتا ہے اور تمام جن وانس کے احوال سے واقف ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظّٰلِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○ اور (جس طرح ہم نے کفار جن وانس کو بے مدد چھوڑ دیا اور ایک کو دوسرے سے فائدہ اندوز ہونے کا موقع دیا) اسی طرح ہم بعض کافروں کو بعض کے قریب رکھیں گے ان کے اعمال کے سبب سے۔ نولی کا ترجمہ علماء نے مختلف طور پر کیا ہے ہم بعض کو بعض کا دوست بنا دیتے ہیں مومن کا دوست مومن کو خیر پر ابھارتا اور نیکی میں اس کی مدد کرتا ہے اور کافر کا دوست کافر کو شر پر اکساتا اور شر میں اس کی مدد کرتا ہے (قتادہ) معمر کی روایت سے قتادہ کا قول اس طرح آیا ہے کہ ہم دوزخ کے اندر ایک کے پیچھے دوسرے کو (قطار در قطار) بھیجیں گے۔ نولی کا لفظ موالات سے ماخوذ ہے اور موالات کا معنی ہے پے در پے چلنا (یا موالات کا معنی ہے ایک کا دوسرے سے متصل اور قریب ہونا اس وقت وہ ترجمہ ہو گا جو آیت کے بعد ہم نے ذکر کیا ہے اور یہی ترجمہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ مترجم) بعض نے کہا تولیت کا معنی ہے سپرد کرنا یعنی ہم بعض کافر انسانوں کو فرجنات کے اور کافر جنات کو کافر انسانوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ کلبی نے بروایت ابوصالح حضرت ابن عباسؓ کا قول اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں اس طرح نقل کیا ہے کہ جب اللہ کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہے تو نیک لوگوں کو ان کے امور کا حاکم بنا دیتا ہے اور اگر کسی قوم کی برائی چاہتا ہے تو بدوں کو ان کا حاکم بنا دیتا ہے اس قول کی روشنی میں آیت کا ترجمہ اس طرح ہو گا ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں اور ظالم کے ذریعہ سے ظالم کی گرفت کرتے ہیں جیسے (بعض روایات میں) آیا ہے جو ظالم کی مدد کرتا ہے اللہ اس پر ظالم کو مسلط کر دیتا ہے۔ کلبی کی اس تشریح کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے جو حاکم نے صعصعہ بن صوحان کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جب ابن ملجم کی ضرب سے حضرت علیؓ کی شہادت کا وقت آیا اور لوگوں نے درخواست کی امیر المؤمنین کسی کو اپنی جگہ ہم پر خلیفہ بنا دیجئے تو آپ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اندر خیر دیکھے گا تو تمہارا حاکم نیکوں کو کر دیگا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اللہ نے ہمارے اندر خیر

---

[1] شاید حضرت ابن عباسؓ کی مراد یہ ہے کہ جن لوگوں کو پیغمبروں کی دعوت نہیں پہنچی لیکن اللہ جانتا تھا کہ اگر ان کو دعوت پہنچتی تو وہ ضرور ایمان لے آتے تو ایسے لوگوں کو دوزخ سے کبھی نکال لیا جائیگا لیکن اگر اللہ کے علم میں یہ بات بھی کہ دعوت پہنچنے کے بعد بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے تو ایسے لوگوں کو ہمیشہ دوزخ میں رکھا جائیگا۔

دیکھی تھی تو ابوبکرؓ کو حاکم بنا دیا تھا روایت میں آیا ہے کہ ظالم زمین پر اللہ کا قہر ہے ظالم کے ذریعہ سے اللہ لوگوں کو سزا دیتا ہے پھر اس ظالم کو سزا دیتا ہے۔

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ اے گروہ جن و بشر کیا تمہارے پاس میرے پیغام رساں نہیں پہنچے جو تم میں سے ہی تھے۔

یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ کیا جنات بھی پیغمبر ہوئے یا نہیں ضحاک سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا ضرور ہوئے تھے دیکھو اللہ نے فرمایا ہے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یعنی انسانوں میں سے (انسان) اور جنات میں سے (جن) پیغمبر بنا کر کیا نہیں بھیجے گئے۔ کلبی کا قول ہے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت سے پہلے جن و انس سب کی طرف پیغمبر بھیجے جاتے تھے یعنی مختلف پیغمبر مختلف اقوام و اطراف کے لئے تمام جن و انس کی طرف تو صرف رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھیجا گیا آپ سے پہلے کسی پیغمبر کی بعثت نہ تمام انسانوں کے لئے ہوئی نہ تمام جنات کے لئے۔ مجاہد نے کہا انسانوں میں تو پیغمبر ہوئے اور جنات میں صرف ڈرانے والے اللہ نے فرمایا ہے وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ۔ ڈرانے والوں سے مراد ہیں پیغمبروں کے قاصد کچھ جنات پیغمبروں کا کلام سن کر اپنی قوم والوں کو جا کر سناتے تھے یہ پیغمبروں کے قاصد ہوتے تھے جنات پیغمبر نہیں ہوئے۔ اس قول پر منکم کا خطاب صرف انسانوں کو ہوگا جیسے آیت یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان میں هُما مثنیٰ کی ضمیر ہے مگر مراد واحد ہے یعنی نمکین سمندر سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ دوسری آیت ہے وجعل القمر فیهن اس میں هنّ ضمیر جمع ہے اور مراد ایک آسمان ہے کیونکہ چاند ایک ہی آسمان میں ہے

میں کہتا ہوں آیت سے یہ بات یقیناً معلوم ہو رہی ہے کہ جن ہوں یا انسان ہر فریق کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کو بھیجا گیا پیغمبر صرف انسان کو بنایا گیا یا جنات میں سے بھی بعض کو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت سے پہلے ان کی قوم کی ہدایت کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا یہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں دیکھو اللہ نے فرمایا ہے لَوْ کَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِکَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوْلًا یعنی اگر زمین پر فرشتوں کی بستی ہوتی تو آسمان سے ان کے لئے فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا۔ اس آیت کے مفہوم کا تقاضا ہے کہ جنات کی ہدایت کے لئے جنات کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا گیا کیونکہ مرسل اور مرسل الیہ کے درمیان کامل مناسبت اور ربط طبعی ہونا چاہئے (اور یہ صرف اتحاد نوعی کی صورت میں ہو سکتا ہے) پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جنات اہل فہم و عقل ہیں آدمؑ سے پہلے ان کی تخلیق ہوئی تھی، اور ذی عقل ہونے کی وجہ سے ہی یہ اوامر و نواہی کے مکلف تھے اسی لئے فرمایا ہے لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔ اب اگر ان میں سے کسی کو پیغمبر نہ بنایا گیا ہوتا تو ان کو عذاب بھی نہ دیا جاتا کیونکہ اللہ نے خود فرمایا ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا پس اس

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ سے پہلے جنات میں سے کچھ افراد اپنی قوم کے لئے پیغمبر تھے۔

ہندوستان کے ہندو جن کو اوتار کہتے ہیں اور تاریخ میں جن کو لاکھوں کروڑوں سال پہلے کی ہستیاں قرار دیتے ہیں شاید وہ بھی جنات ہوں جن کو پرماتما کی طرف سے جنات کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہو اور ممکن ہے کہ ایشور کی طرف سے جنات کے لئے کوئی دین دھرم اتارا گیا ہو اور پھر انسانوں نے بھی اس سے استفادہ کیا ہو کیونکہ ان انسانوں کی پیدائش کسی پری کے بطن سے ہوئی ہو۔ اس کے بعد اس مذہب کو منسوخ کر دیا گیا ہو کیونکہ اصل دین کو شیطان نے اپنی بدعات و اختراعات کے ساتھ مخلوط کر دیا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ہند کے اصولِ دین اکثر تو قرآن و سنت کے مطابق ہیں اور جہاں اختلاف ہے وہ شیطان کی کارستانی کا نتیجہ ہے۔

يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ جو میری آیات یعنی کتابیں تم کو پڑھ کر سناتے تھے اور آج کے دن کی پیشی سے تم کو ڈراتے تھے یعنی قیامت کے دن کی پیشی سے۔

قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وہ کہیں گے ہم اپنے خلاف شہادت دیتے ہیں۔

یعنی ہم شہادت دیتے ہیں کہ پیغمبروں نے ہم کو تیرا پیام پہونچا دیا تھا اور ہم نے ماننے سے انکار کیا تھا۔ مقاتل کا قول ہے کہ کافر یہ شہادت اس وقت دینگے جب ان کے ہاتھ پاؤں ان کے شرک و کفر کی شہادت دے چکے ہونگے (اور سوائے اقرار کرنے کے ان کے لئے کوئی صورت نہ ہوگی)

وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ○ اور ان کو دنیوی زندگانی نے فریب دے رکھا تھا اور ان کو اپنے خلاف (خود) شہادت دینی پڑی کہ وہ کافر تھے۔ اس آیت میں کافروں کی اس بات پر مذمت کی گئی ہے کہ دنیا میں انھوں نے (حق و باطل میں سے) اپنے لئے بری چیز کا انتخاب کیا اور بالآخر ایسی بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے جس نے ان کو دوزخ کا مستحق بنا دیا۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ○ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ظلم کے ساتھ بستیوں کو ایسی حالت میں تباہ نہیں کیا کرتا کہ ان کے رہنے والے بے خبر ہوں ذٰلِكَ سے بعثت انبیاء کی طرف اشارہ ہے اور اس سے حکم کی علت بیان کی گئی ہے۔ اَنْ مصدریہ ہے یعنی انبیاء کی بعثت کی علت اللہ کا مہلک بالظلم نہ ہونا ہے یا ان مخففہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے۔ مهلك القرى سے بستیوں کو یعنی بستیوں کے رہنے والوں کو ہلاک کرنیوالا۔ غافلون کا یہ مطلب ہے کہ کسی پیغمبر کو بھیجکر ان کو متنبہ نہ کیا گیا ہو۔ بظلم یا حال ہے یعنی ظلم کے ساتھ اللہ بستیوں کو تباہ نہیں

کرتا یا یہ مطلب ہے کہ بستی والوں کے ظلم کرنے کی وجہ سے اللہ بغیر پیغمبر بھیجے اور بغیر تنبیہ کئے انکو ہلاک نہیں کرتا۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ ہر ایک کے لئے درجے ہیں ان کے اعمال کے سبب۔ یعنی اللہ کے قرب و بعد کے اعتبار سے ہر مکلف کا مرتبہ جدا جدا ہے۔ مما عملوا اپنے اپنے اعمال کی وجہ سے کسی کو بہت بڑا ثواب اور مرتبۂ قرب نصیب ہوگا اور کوئی رحمت سے دور سخت ترین عذاب میں پڑا ہوگا۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○ اور آپ کا رب ان کے اعمال سے لاعلم نہیں ہے اس لئے ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیگا۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ اور آپ کا رب بے نیاز ہے۔ بندوں کی عبادت سے، بندوں کو اوامر و نواہی کا مکلف بنانے میں اس کی کوئی غرض نہیں بلکہ

ذُو الرَّحْمَةِ ؕ وہ (اپنی مخلوق پر) رحمت کرنے والا ہے مہربان ہے بندوں کے منافع کی تکمیل کے لئے ہی اس نے پیغمبر بھیجے اور لوگوں کو اوامر و نواہی کا مکلف کیا۔ یہ بھی اسی کی رحمت ہے کہ گناہوں کے باوجود وہ گناہگاروں کو ڈھیل دیتا رہتا ہے اور فوری گرفت نہیں کرتا لیکن

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ (اے اہل مکہ) اگر وہ چاہے تو (تمہارے گناہوں کی پاداش میں انکو) فنا کردے تمہارے فنا ہونے سے اس کی کوئی غرض فوت نہیں ہو جائیگی۔

وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ اور تمہارے بعد تمہاری جگہ جس کو چاہے پیدا کردے جو تم سے زیادہ اُس کا فرماں بردار ہو۔

كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ○ جس طرح تم کو دوسری قوم کی نسل سے اس نے پیدا کیا یعنی قرن در قرن لیکن اپنی مہربانی سے اس نے تم کو مہلت دی اور باقی رکھا۔

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے وہ یقیناً آنیوالی چیز ہے۔ یعنی حشر نشر حساب ثواب عذاب ضرور ہوگا اس میں کوئی شک نہیں۔

وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○ اور تم عاجز نہیں کر سکتے یعنی پکڑنے والے کو عاجز نہیں کر سکتے۔ تم جہاں بھی ہوگے وہ تم کو ضرور پکڑ لیگا۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ آپ کہہ دیجئے اے میری قوم تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں آئندہ جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس عالم کا انجام کار کس کے لئے نافع ہوگا۔ مکانۃ یا مصدر ہے تمکن مکانۃ وہ جم گیا کسی چیز پر مسلط ہو گیا یعنی جتنی انتہائی طاقت رکھتے ہو اور جتنا ہو سکے کئے جاؤ۔ یا اسم ظرف ہے مجازاً

حالت مراد ہے اگر کسی شخص کو حکم دیا جائے کہ وہ اپنی حالت پر قائم رہے تو کہا جاتا ہے عَلٰی مَکَانَتِکَ (اپنی جگہ پر۔ اپنی حالت پر رہو) یعنی جس حالت پر تم ہو اسی پر رہتے ہوئے عمل کرو۔ دونوں صورتوں میں کلام کا مقصد تہدید و وعید ہے مراد یہ ہے کہ کفر و دشمنی کی حالت پر جمے رہو۔

انی عامل سے یہ مراد ہے کہ میں اپنی حالتِ اسلام پر قائم اور اپنے رب کے حکم پر ثابت قدم رہ کر عمل کر رہا ہوں۔ انجام کار سے مراد ہے دوسرے عالم میں اچھا انجام اور مَنْ موصولہ ہے یا استفہامیہ، یہ کلام مبنی بر انصاف ہے مگر تخویف آگئیں اور اس میں درپردہ اس طرف اشارہ ہے کہ متقیوں کا انجام یقیناً اچھا ہوگا۔

اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ اس میں شبہ نہیں کہ ظالم (یعنی جو معبودیت کے قابل نہیں ان کی عبادت کرنے والے) فلاح یاب نہیں ہونگے

بغوی نے لکھا ہے مشرکوں کا دستور تھا کہ اپنی کھیتیوں باغوں کے پھلوں مویشیوں کے بچوں اور تمام مال میں ایک حصہ اللہ کا اور ایک حصہ بتوں کا مقرر کرتے تھے خدا کا حصہ تو مہمانوں اور مسکینوں پر صرف کرتے تھے اور بتوں کا حصہ نوکروں چاکروں اور خدمت گاروں کے صرف میں لاتے تھے اور خدا کے حصہ میں سے اگر کچھ بتوں کے حصہ میں شامل ہو جاتا تو پروا نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے خدا محتاج نہیں اس کو اس کی کوئی ضرورت نہیں لیکن اگر بتوں کے حصہ میں سے کچھ خدا کے حصہ میں شامل ہو جاتا تو فوراً نکال کر بتوں کے حصہ میں ملا دیتے اور کہہ دیتے یہ حاجتمند ہیں پھر خدا کے حصہ کی اگر کوئی چیز تلف یا کم ہو جاتی تو ان کو پروا بھی نہ ہوتی اور بتوں کے حصہ کی کوئی چیز تلف یا کم ہو جاتی تو فوراً اس کے عوض پوری کر دیتے۔ اس پر آیتِ ذیل نازل ہوئی۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا اور اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور چوپایوں میں انھوں نے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور کچھ حصہ اپنے (مفروضہ) معبودوں کا۔ چونکہ تقابل کی وجہ سے یہ آخری فقرہ ظاہر تھا اس لئے ذکر نہیں فرمایا۔

فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ اور بزعم خود کہتے ہیں یہ حصہ تو اللہ کا ہے یعنی اللہ نے ان کو حکم نہیں دیا اور نہ یہ تقسیم شریعت خداوندی میں آئی بلکہ محض ان کی خود ساختہ ہے۔

وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے (یعنی اللہ کی عبادت میں ہم جن کو شریک کرتے ہیں یہ ان کا حصہ ہے)

فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ پھر جو چیز ان کے معبودوں (کے نام) کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ (کے نام) کی ہوتی

ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ کے نام کی چیزوں میں سے معبودوں کے حصہ کو پورا کردیتے ہیں اور معبودوں کے نام کی چیزوں میں سے اللہ کے نام کا حصہ پورا نہیں کرتے۔ قتادہ نے فرمایا جب کال پڑتا تھا تو مشرکین کچھ حصہ اللہ کا مقرر کر کے اس کو کھا لیتے تھے اور جو حصہ بتوں کا مقرر کرتے تھے اس میں سے کچھ نہیں کھاتے تھے۔

سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ○ برا ہے ان کا یہ فیصلہ اور عاجز جمادات کو اس اللہ کا شریک قرار دینا جو تمام کھیتوں کا چوپایوں کا اور ساری مخلوق کا خالق ہے اور خالق عالم پر بے بس جماد کو ترجیح دینا۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے خیال میں ان کے معبودوں نے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے تاکہ وہ ان کو برباد کردیں اور ان کے مذہبی طریقہ کو مشتبہ کردیں۔

وَكَذٰلِكَ یہ مفعول محذوف کی صفت ہے یعنی جس طرح کھیتی اور چوپایوں کی تقسیم کو ان کے معبودوں نے ان کی نظر میں مستحسن بنا دیا ہے اسی طرح قتلِ اولاد کو بھی پسندیدہ فعل بنا دیا ہے قتلِ اولاد سے مراد ہے لڑکیوں کو زندہ دفن کردینا اور دیوتاؤں کے نام پر بھینٹ چڑھانا۔ شرکاءہم سے مجاہد کے نزدیک شیاطین مراد ہیں جنہوں نے مشرکوں کے لئے اس بات کو پسندیدہ فعل بنا دیا تھا کہ ناداری کے اندیشہ سے لڑکیوں کو زندہ دفن کردیں۔ شیاطین کو شرکاء اس لئے کہا کہ (اللہ کی طرح) انھوں نے اللہ کے حکم کے علاوہ شیطانوں کا حکم مانا۔ شرکاءھم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بغیر کسی دلیل کے انھوں نے شیطانوں کو معبود مطاع بنا رکھا تھا۔ کلبی کے نزدیک شرکاء سے مراد ہیں بتوں کے مجاور جو قتل اولاد کی ترغیب دیتے تھے اور انہی کی ترغیب سے لوگ منت مان لیتے تھے کہ اگر میرے اتنے لڑکے پیدا ہوگئے تو میں ایک کو بھینٹ چڑھاؤں گا۔ شرکاء کی جانب تزئین قتل کی نسبت اس لئے کی کہ داعی اور سببِ تزئین وہی تھے اگرچہ خود انھوں نے کچھ نہیں کیا تھا لیردوہم یعنی بہکا کر تباہ کردیں۔ ولیلبسوا علیہم دینہم کا مطلب یہ ہے کہ اصل دین اسمٰعیل کو جس پر یہ پہلے تھے گڑبڑ اور مخلوط بنا دینا اس اغوار کا نتیجہ ہے گویا دینہم سے مراد ہے دین اسمٰعیل۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول ہے۔ یا دین سے مراد ہے وہ دین جس پر مشرکوں کو ہونا چاہیے تھا یعنی دین توحید۔

لیردوا اور لیلبسوا میں لام علت کا ہے اگر شیاطین کو ان کا فاعل قرار دیا جائے اور اگر مجاوروں کی طرف ضمیر راجع کی جائے تو لام عاقبت (نتیجۂ فعل) ہوگا۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوهُ اور اگر اللہ چاہتا کہ وہ اغوار اور دین میں خلط ملط یا قتلِ اولاد یا

بتوں کی منت بھینٹ نہ کریں تو وہ ایسا نہ کرتے۔

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ اب آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں یونہی رہنے دیجئے

مایفترون میں ما موصولہ ہے یعنی افترا کردہ باتیں یا مصدریہ ہے یعنی افترا کرنا۔

وَقَالُوا هٰذِهٖ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ یعنی جو کھیتی اور چوپائے اللہ کے نام اور بتوں کے نام کے وہ کر رکھتے ہیں وہ

اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ ممنوع چوپائے اور ممنوع کھیت ہیں یعنی حرام ہیں۔ حجر مصدر ہے اس کا اطلاق واحد جمع اور مذکر مؤنث سب پر یکساں ہوتا ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ انعام سے مراد ہیں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام۔

لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ جن کو ان کے گمان کے مطابق سوائے اس کے جس کو وہ چاہیں اور کوئی نہیں کھا سکتا۔ یعنی عورتیں نہیں کھا سکتیں صرف مرد اور بتوں کے مجاور کھا سکتے ہیں بزعمہم سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے خیال سے بغیر کسی دلیل کے حرمت حلت بناتے ہیں۔

وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا اور مخصوص چوپائے ہیں جن پر سواری اور بار برداری حرام کردی گئی ہے ان چوپایوں سے مراد ہیں بحیرہ سائبہ اور حامی۔

وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اور کچھ مخصوص مواشی ہیں جن پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے یعنی ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیتے بلکہ بتوں کے نام لیکر ذبح کرتے ہیں۔ ابو وائل نے کہا اللہ کا نام ذکر کرنے سے مراد نیک عمل ہے کیونکہ عام دستور تھا کہ ہر نیک عمل اللہ کا نام لیکر شروع کیا جاتا تھا۔ اس صورت میں آیات کا مطلب اس طرح ہوگا وہ ان چوپایوں پر سوار ہو کر حج کے لئے نہیں جائینگے اور نہ کوئی نیک عمل کرنے کے لئے ان پر سوار ہونگے۔

افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ (ایسا) محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر کہتے ہیں افتراء مفعول مطلق ہے یا حال اور علیہ کا تعلق قالوا سے ہے یا فعل محذوف سے یعنی یہ بات انھوں نے اللہ پر بطور افترا باندھی یا اللہ پر افتراء کرتے ہوئے کہی۔ یا افتراء مفعول لہٗ ہے یعنی علت قول ہے

سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ عن قریب اللہ ان کو ان کی افترا بندی کی سزا دیگا یعنی افتراء کے سبب سے (با سببیہ) یا افتراء کے عوض (با بدلیت کے لئے دونوں صورتوں میں ما مصدری ہوگا)

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بچے ان چوپایوں کے پیٹ کے اندر سے نکلتے ہیں وہ (اگر زندہ نکلیں تو) ہمارے مردوں کے لئے خالص ہیں اور عورتوں کے لئے حرام اور اگر مردہ نکلیں تو سب مرد عورتیں اس میں شریک ہیں (سب کیلئے حلال ہیں) یعنی بحیرہ اور سائبہ کے پیٹ کے اندر

کے بچے اگر زندہ برآمد ہوں تو صرف مردوں کے لئے حلال ہیں عورتوں کے لئے حرام اور اگر مردہ برآمد ہوں تو مرد و عورتیں سب اس کو کھا سکتے ہیں۔ ھٰذِہِ الاَنعام سے مراد ہیں بحیرہ اور سائبہ۔ خالصۃ یعنی خالص جس میں کوئی آمیزش نہ ہو اس لفظ میں آخری تاء تاکید یا مبالغہ کی ہے (بالکل خالص) کسائی نے کہا خالص و خالصۃ کا ایک ہی معنی ہے (تاء نہ تاکید کی ہے نہ مبالغہ کی) جیسے وعظ اور موعظۃ ہم معنی ہیں۔ فراء نے کہا تاء تانیث کی ہے کیونکہ انعام مؤنث ہیں ان کے لحاظ سے پیٹ کے اندر کے بچوں کو بھی مؤنث قرار دیا۔ بعض نے کہا مافی بطونہا کے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے خالصۃ کو مؤنث ذکر کیا کیونکہ مافی بطونہا سے مراد ہیں اَجِنَّۃ (جنین کی جمع) بہرحال خالصۃ سے مراد ہے خالص حلال۔ ازواجنا سے مراد ہیں عورتیں (خواہ زوجہ ہوں یا نہ ہوں یا لڑکیاں ہوں) فھم سے مراد ہیں سب مرد و عورتیں فیہ کی واحد مذکر کی ضمیر میتۃ کی طرف راجع ہے کیونکہ میتۃ کا لفظ مذکر مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ○ ابھی اللہ ان کی غلط بیانی کی سزا دیئے دیتا ہے بلاشبہ وہ بڑی حکمت والا اور بڑے علم والا ہے وصفھم یعنی بوصفھم مطلب یہ کہ حلت حرمت کے مذکورہ احکام کی جو نسبت یہ اللہ کی طرف کرتے ہیں اس کی سزا اللہ ان کو دیگا اور اللہ کی یہ سزا دہی مبنی بر حکمت ہوگی۔ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ بے شک گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنھوں نے اپنی اولاد کو جہالت کی وجہ سے بغیر جانے قتل کر دیا یعنی بغیر اس بات کے جاننے کے کہ اللہ انکی اولاد کا بھی رازق ہے اولاد کو قتل کر دیا۔ بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول قبائل ربیعہ اور مضر اور بعض دوسرے عربوں کے حق میں ہوا جو مفلسی کے ڈر سے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے قبیلۂ بنی کنانہ ایسا نہیں کرتا تھا۔

وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ اور اللہ پر افترا بندی کرتے ہوئے انھوں نے ان (جانوروں) کو حرام قرار دے لیا ہے جو اللہ نے ان کو عنایت فرمائے تھے یعنی بحیرہ سائبہ وصیلہ اور حام کو انھوں نے حرام بنا لیا ہے اور اس حکم کی نسبت غلط طور پر اللہ کی طرف کی ہے۔ افتراءً مفعول لہٗ ہے یا حال یا مفعول مطلق

قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۞ واقعی وہ راہ سے بھٹک گئے اور کبھی (حق و صواب کے) راستہ پر چلنے والے نہ ہوئے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کئے جن کے کچھ پیڑوں کو ٹٹیوں پر چڑھایا جاتا ہے اور کچھ پیڑوں کو ٹٹیوں پر نہیں چڑھایا جاتا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تشریح میں فرمایا معروشات زمین پر پھیلنے والی بیلیں جنکو ٹٹیوں پر

پھیلایا جاتا ہے جیسے کدو اور انگور اور خربوزہ کی بیلیں۔ اور غیر معروشات وہ پودے اور درخت جن کا تنہ اور ڈنڈی ہوتی ہے جس پر وہ کھڑے ہوتے ہیں جیسے کھجور کا درخت اور جو گیہوں وغیرہ کی کھیتی ضحاک نے کہا معروشات اور غیر معروشات دونوں سے مراد انگور کی بیلیں ہیں، اول سے مراد وہ بیلیں ہیں جن کو لوگ بوتے اور ٹٹیوں پر پھیلاتے ہیں اور دوسرے سے مراد وہ بیلیں ہیں جو خود رو جنگلوں اور پہاڑوں میں ہوتی ہیں کوئی ان کے لئے ٹٹیاں نہیں باندھتا۔

وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ اور کھجور کے درخت اور کھیتی جس کے پھل مختلف ہیں، اُکُل پھل۔ یعنی جس کے پھل رنگ بو اور مزہ میں جدا جدا ہیں۔ اکلہ کی ضمیر الزرع کی طرف راجع ہو یا النخل کی طرف راجع ہے اور زرع نخل کے حکم میں داخل ہے کیونکہ زرع کا عطف نخل پر ہے یا دونوں کی طرف راجع ہے اس وقت اُكُلُهٗ کا معنی ہوگا اُكُلُ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا۔ مختلفا حال مقدرہ ہے کیونکہ پیدا کرنے کے وقت تو پھل نہیں ہوتا (اور حال ذوالحال کا زمانہ ایک ہونا چاہئے)

وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اور زیتون اور انار (کچھ) آپس میں ہم شکل اور (کچھ) الگ الگ شکلوں والے

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ ان سب کی پیداوار کھاؤ جب نکل آئے۔ یعنی ان میں سے ہر ایک کا پھل نمودار ہوتے ہی کھا سکتے ہو پکنے کی ضرورت نہیں۔ اذا اثمر کی قید کا فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مالک کے لئے ادائے حق شرعی سے پہلے خود کھانے کی اجازت مستفاد ہو رہی ہے۔

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ اور اس میں جو حق (شرع سے) واجب ہے کاٹنے (یا توڑنے) کے دن مسکینوں کو دیا کرو۔ حَصاد اور حِصاد بالفتح اور بالکسر دونوں ہم معنی ہیں جیسے صَرام اور صِرام جزاز جذاز۔ حق سے کیا مراد ہے۔ اس کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ، طاؤس، حسن، جابر بن زید اور سعید بن مسیب کے نزدیک اس سے مراد فرض زکوٰۃ ہے یعنی عشر (۱/۱۰) یا نصف عشر (۱/۲۰) کیونکہ امر وجوب کے لئے ہے اور حق کا استعمال عام طور پر واجب ہی کے لئے ہوتا ہے پھر اجماع علماء بھی ہے کہ مال میں سوائے زکوٰۃ کے اور کوئی چیز واجب نہیں صحیحین میں حضرت طلحہ بن عبداللہ کی روایت سے آیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام کے متعلق دریافت کرنے لگا حضور نے پانچ نمازوں کا ماہ رمضان کے روزوں کا اور زکوٰۃ کا ذکر فرمایا اس شخص نے عرض کیا کیا مجھ پر اس کے علاوہ بھی کچھ (لازم) ہوگا فرمایا نہیں۔ ہاں اگر تو اپنی خوشی سے (کچھ اور کار خیر اور نفل عبادت وغیرہ) کرے تو خیر۔

اس قول کے بموجب یہ آیت مدنی قرار پائیگی اور اس صورت پر آیت میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کی دلیل بھی مل جائیگی کہ انار جیسے پھلوں میں (بھی) زکوٰۃ واجب ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا قول اس کے خلاف ہے ان دونوں اماموں کے نزدیک زکوٰۃ کا وجوب صرف انہی چیزوں میں ہے جو روزی کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ سورۂ بقرہ کی آیت اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ کی تفسیر کے ذیل میں کھیتی کی زکوٰۃ کے مسائل کی تفصیل گذر چکی ہے۔

امام زین العابدین، عطاء، مجاہد اور حماد کا قول ہے کہ آیت میں جس حق کا ذکر ہے اس سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ حق ہے جس کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی۔ ابراہیم نے کہا حق سے مراد ہے ایک گٹھا۔ ربیع نے کہا سیلا (گری پڑی بالیں) مراد ہے۔ نحاس نے ناسخ میں اور ابن مردویہ نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا (حق سے مراد) گری پڑی بالیں ہیں مجاہد نے کہا کھجوریں کاٹنے کے وقت لوگ ایک گچھا لٹکا دیا کرتے تھے اُدھر سے جو گذرتا تھا کھا لیا کرتا تھا۔ یزید بن اصم کا بیان ہے کہ اہل مدینہ جب کھجوریں کاٹتے تھے تو ان کا ایک خوشہ لاکر مسجد کے ایک گوشہ میں لٹکا دیا کرتے تھے اور مسکین آکر لاٹھی مار کر اس میں سے کھجوریں گرا کر لے لیتا تھا۔ اس قول کی تائید حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (فقراء کا کچھ) حق ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی اس آیت کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے اور حق سے مراد عام ہے وجوبی ہو یا استحبابی۔ سعید بن جبیر نے فرمایا ابتداء اسلام میں یہ حق تھا جس کو ادا کرنے کا حکم دیا جاتا تھا پھر جب عُشر واجب کر دیا گیا تو یہ حکم منسوخ کر دیا گیا مقسم نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ قرآن میں جس نفقہ (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے) کا بھی حکم دیا گیا ہے زکوٰۃ نے اس (کے وجوب) کو منسوخ کر دیا۔

وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ اور اسراف نہ کرو اللہ اسراف کرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اسراف میانہ روی کی ضد ہے کذا فی القاموس صحاح میں ہے ہر کام میں حد سے آگے بڑھنے کو اسراف کہتے ہیں بعض علماء کا قول ہے کہ اس جگہ اسراف سے مراد ہے کل مال دیدینا۔ بیضاوی نے کہا یہ آیت ویسی ہی جیسی آیت وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (ہاتھ کو بالکل نہ کھول دو) ہے بروایت کلبی حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس نے پانچسو درختوں کی کھجوریں توڑ کر ایک دن میں غریبوں کو تقسیم کر دیں اور گھر والوں کے لئے کچھ نہ چھوڑا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی کذا

اخرج ابن جریر عن ابن جریج. بغوی نے سدی کا قول نقل کیا ہے کہ لا تسرفوا سے مراد یہ ہے کہ اپنا تمام مال دیدو اور فقیر ہو کر بیٹھ رہو گے۔

میں کہتا ہوں سارا مال دینا اس وقت ممنوع اور اسراف قرار پائیگا جب اپنے متعلقین اور بال بچوں کی حق تلفی کی ہو اور حقداروں کے حقوق نہ دیئے ہوں مستحقین کے حقوق ادا کرنے کے بعد اگر بقیہ سارا مال اللہ کی راہ میں دیدے تو یہ اسراف نہیں بلکہ افضل ہے کذا قال الزجاج۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میرے پاس (کوہ) احد کے برابر سونا ہو تو مجھے اس سے خوشی ہوگی کہ تین رات بھی اس میں سے میرے پاس سوائے اتنی مقدار کے جس کو میں قرض کی ادائگی کے لئے روک لوں اور کچھ باقی نہ رہے۔ رواہ البخاری

ایک بار حضرت ابوذرؓ نے حضرت عثمانؓ سے داخلہ کی اجازت چاہی حضرت عثمانؓ نے اجازت دیدی حضرت ابوذر لاٹھی ہاتھ میں لئے اندر پہنچ گئے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اپنے بعد کچھ مال ترکہ میں چھوڑا ہے کعب بتاؤ اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے حضرت کعبؓ نے کہا اگر اس میں اللہ کا حق پہنچا ہے تو کوئی ہرج نہیں۔ یہ سنتے ہی ابوذرؓ نے لاٹھی اٹھا کر کعبؓ کے ماری اور بولے میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا آپ فرما رہے تھے اگر میرے پاس اس پہاڑ کے برابر سونا ہو اور میں اللہ کی راہ میں اس کو خرچ کر دوں اور اللہ قبول فرمالے تو مجھے پسند نہیں کہ اس میں سے چھ اوقیہ بھی اپنے بعد چھوڑ کر جاؤں عثمانؓ میں تم کو اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا تم نے بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے یہ سوال تین بار کیا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا ہاں۔ رواہ احمد

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلالؓ کے پاس تشریف لے گئے بلال کے پاس اس وقت چھواروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا حضور صلعم نے پوچھا بلالؓ یہ کیا ہے بلالؓ نے عرض کیا میں نے کل کے لئے رکھ چھوڑا ہے فرمایا کیا تم کو ڈر نہیں لگتا کہ اس (ذخیرہ) کی بھاپ (گھٹن) دوزخ کے اندر کل تم کو محسوس ہوگی۔ بلالؓ خرچ کرو اور عرش والے کی طرف سے کمی کرنے کا اندیشہ نہ کرو بیہقی فی شعب الایمان۔

حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، کونسا صدقہ (خیرات) سب سے اعلیٰ ہے فرمایا تنگدست کی محنت کی کمائی سے بقدر طاقت خیرات کرنی سب سے افضل ہے اور دینا شروع اپنے عیال سے کرو۔ رواہ ابوداؤد۔

سعید بن مسیب کے نزدیک لا تسرفوا کا مطلب ہے صدقہ کو نہ روکو یعنی روکنے اور نہ دینے میں اتنی حد سے نہ بڑھو کہ واجب صدقہ بھی روکنے لگو۔

مقاتل نے کہا لا تسرفوا سے یہ مراد ہے کہ کھیتی اور چوپایوں میں بتوں کو شریک نہ بناؤ۔ زہری نے کہا اسراف

نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ گناہ کے کام میں خرچ نہ کرو۔ مجاہد نے کہا اسراف سے مراد ہے اللہ کے حق میں کوتاہی کرنا اگر کوہ ابوقبیس کے برابر کسی کے پاس سونا ہو اور وہ اللہ کی طاعت میں سب خرچ کردے تو مسرف نہ ہوگا لیکن اللہ کی نافرمانی میں ایک درہم یا ایک سیر بھی صرف کیا تو مسرف ہو جائیگا۔ ایاس بن معاویہ نے کہا اللہ کے حکم کی حد سے ہٹنا سرف اور اسراف ہے۔

ابن وہب نے ابوزید کا قول نقل کیا ہے کہ لا تسرفوا کے مخاطب حکام ہیں اللہ نے حاکموں کو حکم دیا ہے کہ اپنے حق سے زائد نہ لینا اس قول پر آیت کا مطلب وہی ہوگا جو حدیث ایاکم وکرائم اموال الناس۔ کا ہے (لوگوں کا سب سے بڑھیا مال زکوٰۃ میں وصول کرنے سے اجتناب کرو)۔

وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَفَرْشًا ۚ كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ اور مویشیوں میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو بلاشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

حمولۃً سواری یا بار برداری کے جانور جیسے اونٹ بیل۔ فرشًا وہ پست قد چھوٹے جانور جو سواری یا بار برداری کے کام میں نہیں آتے جیسے بھیڑ بکری اور اونٹ اور گائے کے بچے۔ کلوا میں امر اباحت کے لئے ہے یعنی کھا سکتے ہو کھانے کی اجازت ہے مما میں من تبعیضیہ ہے کیونکہ اللہ نے جو رزق دیا ہے وہ سب تو نہیں کھایا جا سکتا۔ شیطان کی پیروی نہ کرو کا یہ مطلب ہے کہ شیطانی راستہ پر نہ چلو کہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دینے لگو۔ حمولۃ وفرشا کا عطف جنّٰت پر ہے یعنی اللہ نے یہ جانور بھی پیدا کئے۔

ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ ۖ مِّنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيَيْنِ ۖ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيَيْنِ ۖ (اور یہ مواشی آٹھ نر و مادہ (پیدا کئے) یعنی بھیڑ اور دنبہ میں دو قسم (نر و مادہ) اور بکری میں دو قسم (نر و مادہ) آپ ان سے کہئے کہ کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہوں تم مجھے کسی دلیل سے تو بتلاؤ اگر تم سچے ہو اور اونٹ میں دو قسم اور گائے بھینس میں دو قسم آپ کہئے کہ اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس مادہ کو جس کو دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہوں۔ ثمانیۃ ازواج حمولۃ وفرشا سے بدل ہے یا کلوا کا مفعول ہے یا ما سے حال ہے اور ازواج سے مراد ہیں مختلف یا متعدد۔ زوج وہ واحد (مذکر یا مؤنث) جس کا ہم جنس کوئی جوڑا ہو مذکر ہو یا مؤنث، کبھی دو

(ہم جنس) کے مجموعہ کو بھی زوج کہا جاتا ہے یہاں مراد اول معنی ہے ضأن اسم جنس ہے (مذکر مؤنث واحد جمع سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے) اس کی جمع ضئین ہے یا ضان ضائن کی جمع ہے جس کا مؤنث ضائنۃ اور ضائنۃ کی جمع ضوائن ہے۔ اون والی بھیڑ کو ضان کہتے ہیں۔ اثنین دو یعنی مذکر اور مؤنث۔ مذکر مینڈھا مؤنث بھیڑ معز بالوں والی بکری یا بکرا۔ معز ماعز کی جمع ہے جیسے صحب صاحب کی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ معز جمع ہے مگر اس کا واحد نہیں۔ ماعز کی جمع معزی اور ماعزۃ کی مواعز آتی ہے۔ اول الذکرین سے مینڈھا اور بکرا مراد ہیں اور اول انثیین سے بھیڑ اور بکری اور ما اشتملت علیہ ارحام الانثیین سے مراد ہیں بھیڑ بکری کے پیٹ کے اندر کے بچے خواہ نر ہوں یا مادہ۔ اسی طرح الابل اور البقر ہیں (دونوں کا اطلاق نر و مادہ پر ہوتا ہے) خلاصہ مطلب یہ ہے کہ کیا اللہ نے بھیڑ مینڈھا یا ان کے شکمی نر مادہ بچے حرام کئے ہیں یا بکری بکرا یا ان کے پیٹ کے بچے یا اونٹنی اونٹ گائے بیل اور ان کے شکمی بچے اگر اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا کوئی حکم ہو جس سے تمہارے خود ساختہ حرام کی اللہ کی طرف سے حرمت ثابت ہو رہی ہو تو پیش کرو اگر تحریم کے دعوے میں سچے ہو تو اللہ کا حکم لاؤ۔ بات یہ تھی کہ مشرک کہتے تھے ھذہ انعام وحرث حجر (یہ چوپائے اور کھیتی ممنوع الاستعمال ہیں) اور یہ بھی کہتے تھے ما فی بطون ھذہ الانعام خالصۃ لذکورنا ومحرم علی ازواجنا ان چوپایوں کے پیٹ سے جو بچے زندہ برآمد ہوں وہ صرف مردوں کے لئے حلال ہیں عورتوں کے لئے حرام ہیں اور اگر مردہ برآمد ہوں تو سب کے لئے حلال ہیں وہ بحیرہ سائبہ وصیلہ اور حام میں سے بھی بعض کو عورتوں کے لئے اور بعض کو مردوں اور عورتوں سب کے لئے حرام قرار دیتے تھے احکام اسلامی کے نزول کے بعد ابوالاحوص مالک بن عوف جشمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا محمد ہم کو اطلاع ملی ہے کہ تم ہمارے باپ دادا کے بعض اعمال و افعال کو حرام قرار دیتے ہو حضور نے فرمایا تم نے بعض قسم کے چوپایوں کو بے دلیل حرام بنا رکھا ہے اللہ نے یہ آٹھوں طرح کے جانور کھانے اور فائدہ حاصل کرنے کے لئے پیدا کئے ہیں یہ حرمت کس طرف سے آئی نر کی طرف سے یا مادہ کی طرف سے۔ مالک بن عوف متحیر ہو کر لاجواب ہو گیا نہ یہ کہتے بن پڑی کہ نر کی طرف سے حرمت آئی ورنہ سب نروں کو حرام کہنا پڑتا نہ یہ کہہ سکا کہ حرمت مادہ کی طرف سے آئی ورنہ ہر مادہ کی حرمت کا قائل ہونا پڑتا اور اگر پیٹ کے اندر (پیدا) ہونے کی وجہ سے حرمت کا قائل ہوتا تو نر مادہ سب کو حرام کہنا پڑتا پانچویں ساتویں حمل کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں نہ اس کی کوئی وجہ کہ عورتوں کیلئے حلال اور مردوں کے لئے حرام قرار دیا جائے روایت میں آیا ہے کہ حضور صلعم نے مالک سے فرمایا مالک بولتے کیوں نہیں (بات کہو) مالک نے کہا آپ بولے جائیے میں آپ کی بات سن رہا ہوں۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ۝ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب وقت اللہ نے تم کو اس (تحلیل و تحریم) کا حکم دیا (اگر ایسا نہیں) تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر بلا دلیل جھوٹی تہمت لگائے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے بے شک اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

اَمْ بمعنی بَل ہے کُنْتُمْ سے خطاب اہل مکہ کو ہے ھٰذَا سے اشارہ تحریم کی جانب ہے مَن افتریٰ سے مراد عمرو بن لحی اور وہ لوگ ہیں جو بعد کو اس کے طریقہ پر چلے خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے اہل مکہ کیا تم اس وقت حاضر اور موجود تھے جب اللہ نے تم کو اس تحریم کا حکم دیا تھا تمہارا ایمان تو نہ کسی نبی پر ہے نہ اللہ کی کسی کتاب پر پھر جاننے کا طریقہ سوائے دیکھنے اور سننے کے اور کوئی نہیں (لامحالہ تم کو اس وقت موجود ہونا چاہئے اور موجود نہ تھے تو علم کس طرح ہوا) جو شخص تحریم و تحلیل کے سلسلہ میں اللہ پر جھوٹی افترا بندی کرے اس سے بڑھ کر ظالم (بیجا کوش) اور کوئی نہیں ہو سکتا اس کی افترابندی کی غرض صرف یہ (ہو سکتی) ہے کہ راہِ مستقیم سے وہ لوگوں کو بہکا دے ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں کرتا۔

روایت میں آیا ہے کہ اس کے بعد لوگوں نے دریافت کیا کہ حرام کیا کیا چیزیں ہیں تو مندرجہ ذیل آیت کا نزول ہوا۔

قُلْ لَّا اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ آپ کہہ دیجئے میں نہیں پاتا ان ہدایات میں جو مجھے وحی کی گئی ہیں۔ اس جگہ وحی سے مراد صرف قرآن ہی نہیں بلکہ عام وحی مراد ہے مشرکوں نے بحیرہ وغیرہ کی از خود تحریم کر رکھی تھی اللہ کے حکم کا ان کو علم نہ تھا ان کی تردید کے لئے اس آیت کا نزول ہوا اور تکمیل تردید اسی وقت ہوگی جب عام وحی مراد لی جائے کیونکہ کلام کی اصل غرض یہ ہے کہ تحریم تحلیل وغیرہ کا حکم وحی سے ہی معلوم ہو سکتا ہے اپنی طرف سے نہیں کیا جا سکتا۔

اَجِدُ اس جگہ افعالِ قلوب میں سے ہے جو دو مفعول چاہتا ہے پہلا مفعول (طعامًا) محذوف ہے اور دوسرا مفعول محرمًا ہے یعنی میں کسی غذا کو حرام نہیں جانتا۔

مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے اکثر اہل تفسیر نے محرمًا سے پہلے طعامًا محذوف مانا ہے تاکہ آئندہ خنزیر کا اس سے استثناء متصل صحیح ہو جائے۔

اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً مگر یہ کہ وہ غذا مردار ہو۔ میتۃ وہ مردار جانور جو بغیر کسی انسان کے فعل کے خود (بغیر مارے) مرا ہو اس تعریف کے بموجب وہ جانور جو لاٹھی یا پتھر کی ضرب سے یا اوپر سے لڑھک کر یا آپس کی ٹکر سے مرا ہو یا کسی درندہ نے اس کو کھا لیا ہو میتۃ میں داخل نہ ہوگا۔ سورۂ مائدہ کی آیت حرمت علیکم المیتۃ پر (مذکورہ اقسام کا) عطف اسی پر دلالت کر رہا ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی

اسی قول کی تائید کرتی ہے کہ کافروں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا تھا محمد (صلعم) تم کہتے ہو کہ تمہارا اور تمہارے ساتھیوں کا قتل کیا ہوا جانور تو حلال ہے اور جس کو کتے یا شکاری پرندے نے قتل کیا ہو وہ بھی حلال ہے اور جس کو اللہ نے (بغیر انسانی عمل اور شکاری جانور کے شکار کرنے کے) مار ڈالا ہو وہ حرام ہے۔ مذکورہ بالا جانوروں کی حرمت دوسری آیت سے ثابت ہوتی ہے (اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی)

اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا یا بہتا ہوا خون ہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد وہ سیال خون ہے جو زندہ جانور کی گردن کی رگوں سے ذبح کرتے وقت نکلتا ہے اس میں جگر اور طحال داخل نہیں ہیں کیونکہ یہ دونوں جامد خون ہوتے ہیں شریعت کی صراحت اور اجماع علماء نے دونوں کو حلال کہا ہے وہ خون بھی اس میں شامل نہیں ہے جو گوشت کے ساتھ مخلوط رہ جاتا ہے کیونکہ وہ سیال نہیں ہوتا۔

اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ یا خنزیر کا گوشت ہو پس بلاشبہ وہ گندگی ہے یعنی خنزیر ناپاک ہے قرب کی وجہ سے ہٗ ضمیر خنزیر کی طرف راجع ہے۔ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ خنزیر عین نجاست ہے اسی لئے اسکے کسی جزء کی بیع یا اس سے انتفاع درست نہیں۔

اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ؕ یا جو جانور فسق کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔ فِسْقًا کا عطف لحم خنزیر ہے اور اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فِسْقًا کی صفت ہے اور فانہ رجس جملہ معترضہ ہے بتوں کے نام پر بھینٹ کئے ہوئے جانور کو اللہ نے فسق اسلئے فرمایا کہ اس عمل کا فسق میں انتہائی توغل ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فِسْقًا اُهِلَّ بِهٖ کا مفعول لہ ہو اور اُهِلَّ کا عطف یَكُوْنَ پر ہو اور یکون کا اسم ہو جو اُهِلَّ کا نائب فاعل ہو اس وقت ترجمہ اس طرح ہو گا یا وہ غیر اللہ کے نام پر اللہ کے حکم کی مخالفت کر کے ذبح کیا گیا ہو۔

فَمَنِ اضْطُرَّ پھر جو بیتاب ہو جائے یعنی ضرورت اس کو مذکورہ بالا اشیاء میں سے کسی چیز کو کھانے پر مجبور کر دے۔

غَيْرَ بَاغٍ (بشرطیکہ لذت اور خواہش کا طالب نہ ہو۔

وَّلَا عَادٍ اور نہ (قدر ضرورت سے) تجاوز کرنے والا ہو۔

فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ تو بلاشبہ آپ کا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ اس کا مواخذہ نہ کرے گا۔ سورۂ بقرہ میں بھی اسی مضمون کی آیت گذر چکی ہے اور ہم نے اس سے متعلقہ مباحث کا وہاں ذکر کر دیا ہے۔

مسئلہ۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اس آیت میں جن چیزوں کو کھانے کی ممانعت کر دی گئی ہے صرف

انہی کو کھانا نص قرآنی سے حرام ہے خبر احاد سے قرآن کے حکم کو منسوخ قرار دینا جائز نہیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی طرف بھی اس قول کی نسبت بعض روایات میں کی گئی ہے اور امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے حدیث میں جن جن چیزوں کی ممانعت آئی ہے امام مالک کے نزدیک اس ممانعت سے کراہت مراد ہے (یعنی ممانعت تحریمی نہیں ہے)، ان علماء کے نزدیک گلا گھونٹے ہوئے جانور اور کسی ضرب سے کوٹے ہوئے جانور کا شمار بھی میتہ میں ہے بلکہ سورۂ مائدہ میں جن جانوروں کی ممانعت کی گئی ہے وہ سب ان کے نزدیک میتہ میں داخل ہیں۔[1]

میں کہتا ہوں ان اقسام کا جن کا ذکر سورۂ مائدہ میں آیا ہے میتہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا اس کی وجہ خود ذکر کر دی ہے (کہ ان اقسام کا عطف میتہ پر کیا گیا ہے اور معطوف کو معطوف علیہ سے مغایر ہونا چاہئے) امام ابوحنیفہ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور اکثر علماء قائل ہیں کہ حکم تحریم انہی چیزوں میں محدود نہیں ہے جن کا ذکر اس آیت میں آیا ہے بیضاوی نے لکھا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے محکم ہے کیونکہ اس آیت سے تو اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت کے وقتِ نزول تک کسی اور چیز کی حرمت وحی میں نہیں آئی اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ کسی اور چیز کی تحریم (کبھی) نہیں ہوئی لہٰذا خبرِ احاد سے آیت قرآنی کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا۔ میرے نزدیک بیضاوی کا یہ قول غلط ہے کیونکہ کوئی آیت ہو یا حدیث اگر اس کے اندر کوئی حکم دیا گیا ہو اور دوامی یا وقتی کی کوئی قید نہ لگائی گئی ہو تو بظاہر استصحاب (کسی حکم کو سابق حالت پر چھوڑ دینا) پر نظر کرتے ہوئے وہ حکم دوامی ہوگا اور اللہ کے علم میں وہ ایک معین وقت کے لئے ہوگا اسی قسم کی نص قابلِ نسخ ہوتی ہے پس ناسخ حقیقت میں مدتِ حکم کا اظہار ہوتا ہے اسی لئے نسخ کو بیانِ تبدیل کہا جاتا ہے ورنہ لازم آئیگا کہ اللہ کو جدید حکم کی خوبی اب معلوم ہوئی پہلے سے معلوم نہ تھی اور یہ محال ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس آیت سے اشیاء مذکورہ کے

[1] علامہ جلال الدین سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے کہ امام شافعی نے اس آیت کی تشریح میں حسب ذیل صراحت کی۔ کافر لوگ جب اللہ کے حرام کردہ کو حلال اور حلال کردہ کو حرام قرار دیا تو اس کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی گویا اللہ نے اس طرح فرمایا کہ جن چوپایوں (بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام وغیرہ) کو تم نے حرام قرار دے رکھا ہے وہ تو حلال ہی ہیں اور جن چیزوں (مردار بہتا ہوا خون خنزیر کا گوشت وغیرہ) کو تم نے حلال سمجھ رکھا ہے وہ حرام ہی ہیں اگر کوئی کسی سے کہے آج تم مٹھائی نہ کھاؤ اور وہ جواب میں کہے میں تو آج مٹھائی ہی کھاؤنگا اور کچھ نہیں کھاؤ نگا تو یہ حکم دینے والے کے حکم کی ضد کا اظہار ہوگا یہ آیت بھی اسی ذیل میں داخل ہے اس میں بھی کافروں کی خود ساختہ تحلیل و تحریم کی ضد کا اظہار مقصود ہے حقیقی (منطقی) نفی و اثبات مقصود نہیں ہے۔ امام الحرمین نے اس تاویل کو پسند کیا ہے اور لکھا ہے یہ بہت اچھا مطلب ہے۔

علاوہ ہر چیز کی حلت معلوم ہو رہی ہے اور حلت غیر مقید ہے نہ اس میں دوامی کی قید ہے نہ وقتی کی اسی لئے بحیرہ وغیرہ کی تحریم کی اس آیت سے تردید ہو رہی ہے اور بعض حلال چیزوں کی آئندہ تحریم کا احتمال باقی ہے لیکن تحریم بعض اشیاء کا یہ احتمال اس امر کے منافی اور مخالف نہیں کہ مذکورہ اقسام کے علاوہ تمام اشیاء کی حلت حکم شرعی ہے جو قرآن کی صراحت سے ثابت ہے بس اس کے بعد حدیث میں جو بعض دوسری اشیاء کی حرمت کا حکم آیا ہے وہ یقیناً اس حلت کا ناسخ ہوگا اور نسخ کتاب حدیث سے لازم آجائیگا لہٰذا بہترین جواب یہ ہے کہ اس جگہ آیت عام ہے اور سورۂ مائدہ والی آیت میں جو منخنقہ اور موقوذہ وغیرہ کی حرمت کا ذکر آیا ہے اس سے اس کی عام حلت سے بعض اقسام کی حرمت کو خاص کر لیا گیا بلکہ تحریم شراب کو بھی اس سے خاص کر لیا گیا کیونکہ شراب بھی طعام ہی کی ایک قسم ہے اللہ نے شراب کے متعلق ہی فرمایا ہے لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصلحت جناح فیما طعموا گویا یہ آیت اب عام مطلق نہیں بلکہ عام مخصوص البعض ہو گئی مگر تخصیص دوسری آیت سے ہوئی ہے اسکے بعد اس عام مخصوص البعض کی مزید تخصیص خبر احاد سے ہو گئی اور یہ جائز ہے بلکہ عام مخصوص البعض کی مزید تخصیص تو قیاس سے بھی ہو سکتی ہے اگر دونوں تخصیصیں ایک وقت میں ہونے کی شرط لگائی جائے تو یہ شرط قابل تسلیم نہیں تخصیص میں اختلاف زمانہ جائز ہے کلام مستقل کے حکم سے جو جدید حکم بعض افراد کو خارج کر دے وہ مخصص ہے خواہ ایک زمانہ میں دونوں حکم ہوں یا آگے پیچھے مختلف اوقات میں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یہ تخصیص ہے (اول کتاب کی تخصیص کتاب کے ذریعہ سے پھر کتاب کے عام مخصوص البعض کی تخصیص حدیث کے ذریعہ سے) نسخ نہیں ہے ناسخ تو وہ ہوگا جو تمام افراد سے حکم کو سلب کر دے اور اگر دونوں تخصیصوں کے ہم زمانہ ہونے کی شرط مان بھی لی جائے تب بھی کہا جا سکتا ہے کہ میتہ اور دم وغیرہ کے علاوہ تمام حیوانات کی حلت جو اس آیت سے مستفاد ہو رہی ہے وہ تحریم خبائث والی آیت سے منسوخ ہے اللہ نے فرمایا ہے یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبائث مگر طیبت اور خبائث میں اجمال ہے جو بیان کا محتاج ہے اور اس کا بیان اس حدیث میں آگیا ہے جس میں درندوں اور خانگی گدھوں کے گوشت کی حرمت ظاہر کی گئی ہے (گویا حدیث نہ قرآن کی ناسخ ہے نہ مخصص بلکہ کتاب کے مجمل کا بیان ہے) یا ہم کہیںگے کہ یہ احادیث اگرچہ اخبار احاد میں سے ہیں مگر تمام امت نے ان کو قبول کیا ہے یہاں تک کہ امام مالک جو تحریم سباع وغیرہ کے قائل نہیں ہیں انھوں نے بھی ان کو صحیح مانا ہے کیونکہ انہی احادیث کی بناء پر آپ سباع وغیرہ کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں لہٰذا ان احادیث کی صحت اجماع مسلمہ ہو گئی اور اس اجماعی تسلیم کی وجہ سے ان کو قطعیت کا درجہ حاصل ہو گیا پس ان احادیث سے کتاب کے حکم کا منسوخ ہونا جائز ہو گیا۔

بجو، لومڑی، گھونس اور گوہ کے متعلق جو علماء کا اختلاف ہے وہ امام ابوحنیفہؒ کے خلاف نہیں جاتا

کیونکہ امام صاحب بجو اور لومڑی کو درندوں میں اور گھونس و گوہ کو حشرات میں شمار کرتے ہیں اور سباع وحشرات کی حرمت میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف تو صرف اس امر میں ہے کہ یہ جانور سباع و حشرات میں داخل ہیں یا نہیں۔ حلال و حرام جانوروں کے مسائل کی تفصیل ہم نے سورۂ مائدہ کی آیت الیوم احل لکم الطیبٰت کی تفسیر کے ذیل میں کر دی ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے۔ یعنی جن جانوروں کی انگلیاں ہوتی ہیں جیسے اونٹ و رندے اور پرندے۔ قتیبی نے کہا پرندوں میں سے ناخن والا وہ پرندہ ہے جس کا پنجہ ہوتا ہے اور چوپایوں میں سے ناخن والا وہ چوپایہ ہے جو ٹاپ والا ہوتا ہے قتیبی نے اس تشریح کی نسبت بعض اہل تفسیر کی طرف کی ہو۔ ٹاپ کو ناخن کہنا مجازاً ہے۔

شاید ظلم کی وجہ سے یہودیوں کے لئے عموماً یہ تمام جانور حرام کر دیئے گئے تھے ورنہ ان میں سے بعض جانوروں کی حرمت تو اسلام میں بھی ہے (اور یہ حرمت کسی جرم کی سزا کے طور پر نہیں ہے)

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ اور گائے اور بکری (کے اجزاء میں) سے ان دونوں کی چربیاں ہم نے ان پر حرام کر دی تھیں سوائے اس چربی کے جو ان جانوروں کی پشت پر ہو یا انتڑیوں میں لگی ہو یا ہڈی سے ملی ہو۔ ماحملت ظھورھما سے مراد وہ چربی ہے جو ان جانوروں کی پشت یا پہلو پر ہو۔ الحوایا، الحاویہ کی جمع ہے یا الحاویاء کی۔ اس کا عطف ظھورھما پر ہے یعنی جو چربی انتڑیوں سے چپاں ہو۔ ما اختلط بعظم سے مراد پٹھے اور سرین کی چربی ہے اس کا اتصال دم کی جڑ اور حرام مغز سے ہوتا ہے۔ استثناء کے بعد حرام چربی صرف پیٹ کی اور گردن کی رہ گئی۔

ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ○ ہم نے (تحریم کی) یہ سزا ان کو ان کی شرارت کی وجہ سے دی تھی اور ہم سچے ہیں۔ انبیاء کا قتل راہ خدا سے روکنا سود لینا بغیر کسی حق کے لوگوں کا مال کھانا یہ ان کی شرارتیں تھیں۔

ایک شبہ :۔ مذکورہ جرائم کے ارتکاب کرنیوالوں کو حکم تحریم کی پروا ہی نہیں تھی پھر اس حکم سے ان کو سزا کیا ملی۔

ازالہ :۔ شاید آخرت کا عذاب بڑھانے کے لئے یہ حکم تحریم دیا گیا ہو حضرت جابرؓ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے سال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مکہ میں تھے میں نے خود سنا حضور صلعم فرما رہے تھے اللہ نے شراب، مردار خنزیر اور بتوں کی تجارت کو حرام کر دیا ہے۔ عرض کیا گیا مردار کی چربی کا کیا حکم ہے اس سے تو کشتیوں پر پالش اور چمڑے پر روغن کیا جاتا ہے اور اس کو چراغ میں جلایا جاتا ہے فرمایا نہیں حرام

کی چربی حرام ہے پھر فرمایا یہودیوں پر اللہ کی لعنت جب اللہ نے ان پر مردار کی چربی حرام کردی تو انھوں نے چربی کو پگھلا کر اور ٹھیک بنا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کھائی۔ رواہ البخاری وغیرہ، واللہ اعلم۔

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ عذاب کی وعید ثواب کے وعدہ اور واقعات کی خبر دینے میں ہم بلاشبہ سچے ہیں۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ پس اگر وہ (یہودی) آپ کو جھوٹا کہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے۔ یعنی آپ کے پاس جو وحی کے ذریعہ سے ہدایات بھیجی گئی ہیں اگر یہودی ان کی تکذیب کریں تو ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ بڑی وسیع رحمت والا ہے کہ باوجود تمہاری تکذیب کے اس نے تم کو ڈھیل دے رکھی ہے لیکن اللہ کے ڈھیل دینے سے تم فریب نہ کھا جانا وہ ڈھیل دیتا ہے چھوڑ نہیں دیگا (گرفت آخر میں ضرور کریگا)

وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ○ اور (جب وقت آجائے گا تو) اس کا عذاب مجرموں سے لوٹایا نہیں جائیگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ مؤمنوں کے لئے وسیع رحمت والا اور تکذیب کرنیوالوں کو سخت عذاب دینے والا ہے اس آخری فقرہ کی جگہ فرمایا اس کا عذاب مجرموں سے نہیں لوٹایا جائے گا۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ عن قریب مشرک کہیںگے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا نہ کسی (حلال) چیز کو حرام قرار دیتے۔ یہ مستقبل کے متعلق اطلاع ہے اور معجزہ ہے خبر کے مطابق آئندہ واقعہ یہی ہوا جب مشرک دلیل کا جواب دینے سے عاجز ہو گئے تو انھوں نے اپنے طریقہ کے مطابق مشیت اور پسندیدۂ خدا ہونے پر بصورت بالا استدلال کیا۔ اگر اللہ چاہتا یعنی اگر ہمارے طریقۂ عمل کے خلاف خدا چاہتا مطلب یہ کہ اللہ کو قدرت حاصل ہے کہ وہ ہم کو ہمارے معمولات سے روک دے اور ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس کو نہ کر پائیں۔ اگر اس کو ہمارا یہ طریقہ اور عمل پسند نہ ہوتا اور اس کے خلاف ہم سے کرانا چاہتا تو ضرور ہم کو اس طریقہ سے روک دیتا۔ یہ استدلال مشرکوں کی جہالت پر مبنی ہے انھوں نے ارادے اور پسندیدگی میں فرق نہیں کیا اللہ کے ارادہ اور مشیت کا تعلق تو ہر خیر و شر سے ہے اللہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے نہیں چاہتا نہیں ہوتا لیکن پسندیدگی کا تعلق کفر سے نہیں اللہ بندوں کے کافر ہونیکو پسند نہیں کرتا۔

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ اسی طرح ان لوگوں نے (پیغمبروں کی) تکذیب کی تھی جو ان سے پہلے گذر گئے آخر انھوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔

یعنی اللہ نے شرک کی ممانعت فرمائی ہے اس کو شرک پسند نہیں اور جن چیزوں کو مشرکوں نے از خود حرام بنا رکھا ہے اللہ نے ان کو حرام نہیں کیا مگر مشرکوں نے اس حکم کی تکذیب کی، اسی طرح اللہ کے پیغمبروں کی تکذیب پہلے لوگ بھی کر چکے ہیں آخر اس تکذیب کے نتیجہ میں ان پر اللہ کا عذاب آگیا اور انھوں نے عذاب خداوندی کا مزہ چکھ لیا۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۚ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ○ آپ کہئے کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے سامنے ظاہر کرو تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور اٹکل سے باتیں بناتے ہو۔

علم سے مراد ہے وہ علم جو (اللہ کی) کسی کتاب سے حاصل کیا گیا ہو۔ یا دلیل مراد ہے جو یہ ثابت کرے کہ اللہ شرک کو پسند کرتا ہے اور جن چیزوں کو انھوں نے حرام بنا رکھا ہے ان کی تحریم اللہ کی طرف سے ہے یا علم سے مراد ہے معلوم (مصدر بمعنی اسم مفعول) یعنی کوئی ایسا امر معلوم جس کو دعوے کے ثبوت میں پیش کیا جائے فتخرجوہ یعنی کیا تم ہمارے سامنے ظاہر کرو گے کہ یہ علم تم کو کہاں سے ہوا۔ لیکن ایسا نہیں ہے وہ قائل ہی نہیں ہیں کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں دلیل وعلم سے کہتے ہیں۔ ظن سے مراد ہے وہ علم جو بغیر کسی دلیل کے محض، باپ دادا کی تقلید سے حاصل ہو۔ تخرصون (تم اٹکل چلاتے ہو) یعنی جھوٹ بات کہتے ہو۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ آپ کہیے کہ پوری غالب دلیل تو اللہ ہی کی رہی پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت یاب کر دیتا یعنی اللہ نے اپنے اوامر و نواہی کی جو دلیل بیان کی وہ تو تمہارے خلاف کامل ہے اور تم نے جو اللہ کی مشیت کے مسئلہ کو استدلال میں پیش کیا ہے وہ استدلال ناقص ہے کیونکہ مشیت کے لئے رضامندی لازم نہیں اللہ جو چاہتا ہے اپنی حکمت کے مطابق کرتا ہے اور جیسا ارادہ کرتا ہے ویسا حکم دیتا ہے اس سے کسی بات کی بازپرس نہیں کی جاسکتی وہ سب بندوں سے بازپرس کریگا اس سے سوال کون کر سکتا ہے۔

فرقہ معتزلہ کہتا ہے کہ کفر اللہ کی مشیت اور ارادہ سے نہیں ہوتا بندہ کی مشیت سے ہوتا ہے معتزلہ نے اس آیت سے اپنے قول پر استدلال کیا ہے اگر واقع میں کفر اللہ کی مشیت سے ہوتا تو پھر کافروں کا قول لو شاء اللہ ما اشرکنا صحیح تھا اس کو غلط کیوں قرار دیا اور کیوں اس کی تکذیب کی۔

ہماری تفسیر سے معتزلہ کی اس دلیل کی غلطی واضح ہو رہی ہے ہر چیز کا وجود مشیت خدا پر موقوف ہے اس کی تکذیب تو اللہ نے نہیں کی بلکہ آیت کا آخری جملہ فلو شاء لہدٰکم اجمعین عموم مشیت کی تائید کر رہا ہے اللہ نے مشرکوں کی مذمت صرف اس بات پر کی کہ انھوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور اس تکذیب پر تہمت

کے رضامند ہونے کا دعویٰ کیا اور جس چیز کو اللہ نے حرام نہیں کیا اس کو از خود حرام کرنے پر اللہ کو راضی قرار دیا اور یہ بات کہی کہ چونکہ بحیرہ سائبہ وغیرہ کی تحریم اللہ کی مشیت کے زیر اثر ہے اس لئے وہ ضرور اس پر راضی ہے (گویا اللہ نے مشرکوں کی تکذیب مشیت اور رضامندی میں فرق نہ کرنے پر کی کفر شرک اور تحریم مالم یحرم کو مشیت کے زیر اثر قرار دینے پر نہیں کی)

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ آپ کہہ دیجئے کہ اپنے پیشواؤں کو لاؤ جو اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کر دیا ہے هَلُمَّ بلاؤ حاضر کرو۔ یہ اسم فعل ہے اور اس کی گردان اہل حجاز کے استعمال میں نہیں آتی واحد اور جمع سب کے لئے اسی کا استعمال ہوتا ہے شهداءكم یعنی اس قول میں جو تمہارے پیشوا ہیں ان کو بلاؤ تاکہ سب پر اتمام حجت ہو جائے اور سب کی گمراہی ظاہر ہو جائے کیونکہ مقلدوں کی طرح پیشواؤں کے پاس بھی اس قول کی دلیل نہیں ہے حرم هذا یعنی وہ شہادت دیں کہ جس چیز کو تم حرام کہتے ہو اللہ نے اسکو حرام قرار دیا ہے۔

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ پھر اگر وہ (جھوٹی) شہادت دے بھی دیں تب بھی آپ ان کے ساتھ شہادت نہ دینا یعنی ان کی تصدیق نہ کرنا بلکہ ان کی شہادت کی خرابی ظاہر کرتے رہنا۔

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ع اور آپ ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا اتباع نہ کرنا جو ہماری آیتوں کو جھوٹا کہتے ہیں اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھیراتے ہیں۔ اهواء الذين اصل میں اهواءهم تھا هم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر (الذين كذبوا) کو ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہو کہ آیات الٰہیہ کو جھوٹا کہنے والے حقیقت میں اپنی نفسانی خواہشات کا اتباع کرنیوالے ہیں۔

ع

جب تحریم اشیاء کے سلسلہ میں مشرکوں کے قول کی غلطی ظاہر ہوگئی تو لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ نے کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ آپ کہہ دیجئے آؤ میں انکو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے لئے تمہارے رب نے حرام کر دی ہیں وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھیراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا کرو۔ قُلْ سے خطاب رسول اللہ صلعم کو ہے۔ تعالوا تعالٰے (باب تفاعل) سے امر حاضر جمع کا صیغہ ہے اس کی اصل وضع تو اس موقع کے لئے ہے جب کوئی شخص اوپر ہو اور نیچے والے آدمی سے کہے اوپر آجاؤ لیکن استعمال میں اس کے معنی عام ہو گئے۔ اتْلُ۔ ماحرم میں ما موصولہ ہے (وہ چیز جو) یا مصدریہ ہے (یعنی تحریم) دونوں صورتوں میں اتل کا مفعول ہے یا ما استفہامیہ ہے اور حرم کا مفعول

ہے پھر پورا جملہ اَنْ کا مفعول ہو۔ علیکم کا تعلق حَرَّمَ سے ہے یا اتل سے۔ یا یہ اسم فعل ہے جس کا استعمال کسی کام پر برانگیختہ کرنے کے لئے کیا جاتا ہے یعنی اپنے اوپر لازم کرلو۔ الا تشرکوا میں اَنْ مصدریہ ہے جبکہ علیکم کو اسم فعل بمعنی الزموا کے کہا جائے ورنہ یہ فعل تلاوت کی تشریح ہے۔ میں یہ پڑھ کر سناتا ہوں کہ شریک نہ کرو الخ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الا تشرکوا الخ فعل محذوف کا مفعول ہو اوصیکم الا تشرکوا میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ شرک نہ کرو۔ یا اَنْ مصدری ہو اور لا تشرکوا میں لا زاید ہو اللہ نے شرک کرنا تم پر حرام کردیا ہے۔ شیئاً مفعول مطلق ہے مگر ہم نے ترجمہ مفعول بہ کا کیا ہے یعنی کسی طرح کا شرک نہ کرو نہ جلی (کھلا ہوا) نہ خفی یا مفعول بہ ہے یعنی کسی چیز کو (اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ مترجم) بالوالدین کا تعلق محذوف فعل سے ہے یعنی اچھا سلوک کرو والدین کے ساتھ۔ اصل میں ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کی ممانعت مقصود ہے لیکن اس طرف اشارہ کرنا بھی ہے کہ بدسلوکی نہ کرنا کافی نہیں ہے والدین سے اچھا سلوک نہ کرنا بھی بجائے خود برا سلوک ہے اور گناہ ہے اس لئے کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے فرمایا کہ اچھا سلوک کرو۔ اس مطلب پر بالوالدین کا الا تشرکوا پر عطف ہوگا لیکن اگر الا تشرکوا میں لا کو زائد مانا جائیگا تو کلام کا مطلب اس طرح ہوگا اللہ نے تم پر شرک کرنے کو حرام کردیا ہے اور والدین کے ساتھ برا سلوک کرنے کو بھی اور والدین کے ساتھ خوب اچھا سلوک کرو۔

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ج اور ناداری (کے اندیشہ) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ یعنی لڑکیوں کو زندہ دفن نہ کرو۔ ہم تم کو بھی کھانے کو دینگے اور ان کو بھی۔ حضرت معاذ کا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دس باتوں کی نصیحت فرمائی فرمایا کسی کو اللہ کا ساجھی نہ بنانا خواہ تجھے قتل کردیا جائے یا تو جلا دیا جائے اور والدین کی نافرمانی نہ کرنا خواہ ماں باپ تجھے تیری بیوی اور تیرے مال سے تعلق منقطع کرلینے کا حکم دیں۔ الخ رواہ احمد۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے فرمایا یہ کہ تو کسی کو اللہ کا مثل قرار دے باوجودیکہ تجھے پیدا اللہ ہی نے کیا ہے۔ سائل نے عرض کیا اس کے بعد؟ فرمایا اس اندیشہ کی وجہ سے اولاد کو قتل کردینا کہ وہ تیرے ساتھ تیرے کھانے میں شریک ہو جائیگی۔ الی آخر الحدیث (متفق علیہ)

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ج اور بے حیائی کے کاموں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ علانیہ ہوں (بیرونی) یا پوشیدہ (اندرونی)۔

الفواحش سے مراد ہیں کبیرہ گناہ یا صرف زنا۔ ظاہر گناہوں سے مراد وہ گناہ ہیں جو بیرونی اعضاء جسم سے علانیہ کئے جاتے ہیں اور پوشیدہ گناہ وہ ہیں جو بیرونی اعضاء جسمانی (ہاتھ پاؤں)

(آنکھ وغیرہ) سے کئے جاتے ہیں مگر چھپ کر نفاق (حسد کینہ) وغیرہ جن کا تعلق دل سے ہے یہ بھی باطنی فواحش میں داخل ہیں۔ [1]

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ط اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل نہ کرو۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم معاہد یعنی اگر کسی سے کوئی ایسا جرم ہو جائے جس کی وجہ سے اس کو قتل کرنا جائز ہو جاتا ہے مثلاً کوئی مسلمان مرتد ہو جائے یا کوئی عمداً قتل کر دے یا کوئی محصن زنا کر لے یا مسلمانوں سے کئے ہوئے معاہدہ کو کوئی حربی توڑ دے یا اسلامی حکومت کے خلاف کوئی باغی ہو جائے یا کوئی رہزنی کرے تو ان صورتوں میں مجرم کو قتل کرنا مباح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص شہادت دے رہا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کا خون حلال نہیں مگر تین امور میں سے کسی ایک امر کی وجہ سے یا تو وہ شادی شدہ زانی ہو یا جان کے بدلے جان یا اپنے دین کو چھوڑ دینے والا اور (مسلمانوں کی جماعت) سے الگ ہو جانیوالا ہو۔ رواہ البغوی۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ وان نکثوا ایمانہم من بعد عہدہم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا

---

[1] حضرت علی بن ابی طالب کی روایت ہے کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو قبائل عرب کے پاس جانے اور ان کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا تو آپ منیٰ کو تشریف لائے میں اور حضرت ابوبکرؓ ہمراہ تھے حضرت ابوبکرؓ انساب عرب سے واقف تھے حضورؐ والا منیٰ میں قبائل کی فرودگاہوں اور ڈیروں پر جا کر ٹھیرے اور سلام کیا انھوں نے سلام کا جواب دیا ان لوگوں میں مفروق بن عمرو، ہانی بن قبیصہ، مثنیٰ بن حارثہ اور نعمان بن شریک موجود تھے حضرت ابوبکرؓ سے سب سے زیادہ تعلق رکھنے والا مفروق تھا جو فصاحت اور لسانی میں سب پر غالب تھا اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف التفات کیا اور پوچھا قریشی بھائی آپ ہم کو کس چیز کی دعوت دے رہے ہیں حضورؐ آگے بڑھے اور آپ کے سر پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے کپڑے سے سایہ کر لیا پھر حضورؐ نے فرمایا میں تم کو دعوت دیتا ہوں کہ تم اس امر کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے اور میں اس کا رسول ہوں اور تم لوگ مجھے کوئی دکھ نہ دو نہ مارو بلکہ میری حفاظت کرو کہ میں اللہ کی طرف سے اس پیام کو پہنچا دوں جس کا حکم اس نے مجھے دیا ہے کیونکہ قریش نے اللہ کے امر کے خلاف اجتماع کر لیا ہے اور اس کے رسولؐ کو جھوٹا قرار دیا ہے اور حق کے خلاف باطل کی مدد کی ہے واللہ ہو الغنی الحمید۔ مفروق نے کہا ہمارے لئے تمہارا پیام دعوت اور کیا ہے حضورؐ نے جواب میں آیت قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم سے تتقون تک تلاوت فرمائی مفروق نے کہا قریشی بھائی اور کس چیز کی طرف بلاتے ہو خدا کی قسم یہ زمین والوں کا کلام نہیں ہے اگر اہل زمین کا کلام ہوتا تو ہم ضرور پہچان لیتے اس پر حضورؐ نے تلاوت فرمائی ان اللہ یامر بالعدل والاحسان۔ مفروق نے کہا قریشی خدا کی قسم تم تو بزرگ اخلاق اور اچھے کاموں کی دعوت دے رہے ہو جو تمہاری قوم جھوٹی ہے جس نے تمہاری تکذیب کی اور تمہارے خلاف گٹھ جوڑ کیا ہانی بن قبیصہ کہنے لگا قریشی بھائی میں نے تمہاری بات سنی اور تمہارے قول کو پسند کیا اور جو کچھ تم نے کہا میرے دل نے اس کو اچھا سمجھا اس کے بعد رسول اللہ نے ان سے فرمایا تم لوگوں کو زیادہ مدت ٹھیرنا نہیں پڑیگا کہ اللہ تم کو ان کے ملک اور ان کی اولاد مرحمت فرما دیگا یعنی سرزمین فارس اور کسریٰ کی نہریں عنایت کو بچا اور ان کی لڑکیوں کو تمہاری بستری کا خادمائیں بنا دیگا اور تم اللہ کی تسبیح و تقدیس بیان کرو گے نعمان بن شریک نے کہا اللہ قریشی برادر یہ تم کو کہاں سے معلوم ہوا حضورؐ نے آیت انا ارسلناک شاہدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا تلاوت فرمائی پھر آپؐ حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ — انتہی —

ائمۃ الکفر الخ یعنی معاہدہ شکن کافروں کو قتل کرو، دوسری آیت میں فرمایا فان بغت احدٰہما علی الاخرٰی فقاتلوا التی تبغی (یعنی باغی مسلمانوں کو قتل کرنا جائز ہے) تیسری آیت میں آیا ہے انما جزاء الذین یحاربون اللہ الخ یعنی قاتلوں ڈاکوؤں اور راہزنوں کا قتل درست ہے)

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ اس کا اللہ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو یعنی اس کی نگہداشت کا تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھ لو اور رشد حاصل کرلو تکمیل عقل رشد ہی ہے۔ رشد کی ضد کا نام سفاہت یعنی سبک سری ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائے۔ ولا تقربوا یعنی یتیم کے مال کو کھانا اور تباہ کرنا تو درکنار اس کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ۔ مگر اس طریقہ سے جس سے اس کے مال کی نگہداشت درستی اور ترقی ہوتی ہو مجاہد نے کہا التی ھی احسن سے مراد تجارت ہے۔ اَشُدّ شُدٌّ کی جمع ہے جیسے اَفْلُسٌ فَلْسٌ کی جمع یعنی بلوغ اور بلوغ کے بعد پوری سمجھ کے تمام اوصاف یتیم کو حاصل ہو جائیں بعض کے نزدیک اشد مفرد ہے جس کا معنی ہے (قوتوں کا) کمال۔ اشد تک پہونچنے کی شرط احترازی نہیں عادی ہے اسلام سے پہلے یتیم کے مال میں اس کے بچپن کے زمانہ میں ہر طرح کا تصرف کرلیا کرتے تھے لیکن جب وہ طاقتور ہو جاتا اور اس کے قویٰ کی تکمیل ہو جاتی تو وہ خود دوسروں کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیتا تھا اس پر اللہ نے فرمایا کہ یتیم کے بچپن کے زمانہ میں بھی اس کے مال کے پاس نہ جاؤ اور اس کے بعد تو وہ خود ہی تم کو روک دیگا تم تصرف کر ہی نہ سکو گے بغوی نے لکھا ہے (معنی کے لحاظ سے) اصل آیت اس طرح ہے کہ یتیم کے مال کے پاس کبھی بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو مستحسن ہے یہاں تک کہ جب وہ قوت کو پہنچ جائے تو اس کا مال اس کو دیدو بشرطیکہ وہ سبک سر نہ ہو۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ حتیٰ مستثنیٰ کی غایت ہو اور مطلب اس طرح ہو یتیم کے مال سے اچھا معاملہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کمال بلوغ کو پہونچ جائے (تو اچھے تصرف سے بھی دست کش ہو جاؤ)

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ اور ناپ تول پوری پوری بغیر کمی بیشی کے کیا کرو۔ قسط عدل۔ کمی بیشی نہ کرنا۔ امر کو بجائے نہی کے لایا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ تول ناپ میں کمی نہ کرو اس سے پورا پورا دینے کی اہمیت معلوم ہو گی کیونکہ کسی چیز کی ممانعت سے التزاماً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس چیز کی ضد کا حکم دیا گیا ہے۔

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ ہم کسی شخص کو اس کی سمائی (امکان) سے زیادہ مکلف نہیں کرتے۔ پورا پورا دینے کے حکم کے بعد اس جملہ سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جس پر حق ہو وہ مقدار حق سے زیادہ

اگر حقدار کو دیدے تو زیادہ بہتر ہے اور یہ زیادتی وہ خود اپنی طرف سے کردے۔ ابن مردویہ نے ضعیف سند سے سعید بن مسیب کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ (صلعم) نے فرمایا جس نے اپنے ہاتھ پر ناپ تول پوری کی اور اس کے پوری کرنے کی نیت کو اللہ جانتا ہے اس کا مواخذہ نہ ہوگا (خواہ تول ناپ میں نادانستہ کمی بیشی ہوگئی ہو) اور وسعھا سے یہی مراد ہے۔ احمد ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت سوید بن قیس (رضی اللہ عنہ) کی روایت سے لکھا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک گھوڑے کی قیمت واجب تھی آپ نے اس کی ادائیگی کے سلسلہ میں فرمایا وزن کرکے (قیمت) دیدو اور جھکتی ہوئی دینا۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں اپنے قرض کا تقاضا کرنے آیا اور کلام میں کچھ درشتی کی بعض صحابیوں نے اس (کو مارنے) کا ارادہ کیا لیکن حضورؐ نے فرمایا رہنے دو حقدار کو کہنے کا حق ہے پھر فرمایا جس عمر کا اس کا (اونٹ) تھا اسی عمر کا اس کو دیدو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر ہم عمر نہ ملے بلکہ اس سے بہتر ملے فرمایا وہی دیدو کیونکہ تم میں سب سے اچھا وہ آدمی ہے جو ادائیگی قرض میں سب سے اچھا ہو۔ مسلم نے حضرت ابورافع کی روایت سے اسی کی ہم معنی حدیث بیان کی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آدھا وسق (تقریباً تین من) قرض لیا تھا وہ تقاضا کرنے آیا حضورؐ نے اس کو ایک وسق (تقریباً چھ من) دے دیا اور فرمایا آدھا وسق تیرا ہے اور آدھا وسق میری طرف سے ہے پھر ایک شخص ایک وسق کا تقاضا کرنے آیا آپ نے اس کو دو وسق دیدیا اور فرمایا ایک وسق تیرا ہے اور ایک وسق میری طرف سے ہے۔ رواہ الترمذی اس حدیث کی سند میں کوئی سقم نہیں ہے۔

اسی لئے صاحب حق کے لئے افضل یہ ہے کہ اپنے حق سے کم واپس لے حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اللہ کی رحمت ہو اس جوانمردی کرنے والے شخص پر جو بیچنے خریدنے اور (قرض کا) مطالبہ کرنے کے وقت جوانمردی کرتا ہے۔ رواہ البخاری۔

چونکہ صاحب حق کے حق سے زیادہ ادا کرنا اور اپنے حق سے کم لینا اور اس پر راضی ہوجانا لوگوں کی طبیعتوں پر گراں گذرتا ہے اس لئے اللہ نے نہ زیادہ دینا واجب کیا نہ کم لینا لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا کا یہی مطلب ہے۔ ان تمام احادیث سے امام شافعی کے مسلک کی تائید ہوتی ہے امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اگر قرضدار قرضخواہ کو کوئی چیز ہدیہ میں دیدے۔ اس کو سواری کے لئے (بلا کرایہ) کوئی جانور دیدے یا اپنے مکان میں (بلا کرایہ) رکھ لے تو جائز ہے بشرطیکہ یہ شرطیں پہلے سے قرض لینے کے وقت طے نہ کی گئی

ہوں باقی تینوں اماموں کے نزدیک یہ تمام صورتیں مکروہ تحریمی ہیں کوئی بھی جائز نہیں۔ سورۂ بقرہ کی آیت مداینت کی تفسیر میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ اور جب تم بات کہو (خواہ پنچایت اور فیصلہ ہو یا شہادت) تو انصاف رکھا کرو اگرچہ وہ شخص (جو مدعی یا مدعی علیہ ہے تمہارا) قرابت دار ہو۔ اس جملہ سے مقصود بھی جنبہ داری اور جھوٹی شہادت دینے کی ممانعت تاکید کے ساتھ کرنی ہے یہاں تک کہ گمان اور راجح خیال کی بنیاد پر بھی شہادت دینی ناجائز ہے بلکہ شہادت کے لئے پورا پورا یقین ہونا ضروری ہے لفظ شہادت (حضور اور معاینہ) اسی پر دلالت کرتا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا تھا جھوٹی شہادت شرک کے مساوی ہے پھر حضور (صلعم) نے یہ آیت تلاوت فرمائی فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء للہ غیر مشرکین بہ۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ عن خریم بن فاتک۔ واحمد والترمذی عن احمد بن خریم۔ ابن ماجہ نے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قرأت کا ذکر نہیں کیا ہے حضرت بریدہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا قاضی تین (قسم کے) ہونگے۔ ایک جنت میں جائیگا اور دو دوزخ میں جنت میں وہ قاضی جائیگا جس نے حق کو پہچانا اور حق کے مطابق ہی فیصلہ کیا۔ اور جس نے حق کو پہچان لیا مگر فیصلہ میں ظلم کیا وہ دوزخ میں جائے گا، اور جس نے جہالت کے باوجود فیصلہ کیا وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔

رواہ ابوداؤد

وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۚ اور اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرو۔ عہد اللہ سے مراد یا نذر اور قسم ہے یا تمام اوامر ونواہی کی پابندی احکام شرع کی ادائیگی اور عدل پر کاربند رہنے کا اقرار۔ اوفوا امر کا صیغہ ہے جس سے مقصود ہے ضد سے پر زور باز داشت (مقصد یہ ہے کہ اللہ سے کئے ہوئے مضبوط عہد کی خلاف ورزی نہ کرو اور پختہ قسموں کو نہ توڑو اوامر ونواہی کی مضبوط پابندی کا تقاضا ہے کہ آدمی ان چیزوں سے بھی پرہیز رکھے جن کی حرمت وحلت مشتبہ ہو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح اور حلال وحرام کے درمیان کچھ امور غیر واضح ہیں جن کو بہت آدمی نہیں جانتے پس جو شخص ان مشتبہ امور سے بچا رہا وہ اپنی آبرو اور دین کو بے داغ بچا لے گیا اور جو مشتبہات میں پڑ گیا وہ (آخر کار) حرام میں پڑ جائے گا۔ جیسے کوئی چرواہا اگر محفوظ چراگاہ کے آس پاس چراتا ہے تو غالب ہے کہ وہ چراگاہ کے اندر بھی جا پڑے الخ متفق علیہ من حدیث النعمان بن بشیر طبرانی نے صغیر میں صحیح سند سے حضرت عمرؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے جو چیز شک آفریں ہو اس کو چھوڑ دو اور اس چیز کو اختیار کرو جو شک آفریں نہ ہو۔

ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا

صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ج

ان سب کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو اور عمل کرو، اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے سیدھا سو اس پر چلو۔ فراء نے کہا وَاَنَّ هٰذَا سے پہلے فعل محذوف ہے اصل میں واتل علیکم اَنَّ هٰذا تھا اور میں تم کو سناتا ہوں کہ یہ میرا راستہ ہے۔ مستقیما صراطی سے حال ہے۔ هٰذا سے اشارہ اس مجموعۂ مضامین کی طرف ہے جن کا ذکر اس سورت میں آیا ہے یعنی توحید، نبوت، انبیاء کا دین میرا راستہ اور میرا دین ہے۔

میں کہتا ہوں اَنَّ سے پہلے حرف جر بھی محذوف ہو سکتا ہے اور اس وقت اس کا عطف بہ پر ہوگا۔ بیضاوی نے لام کو محذوف قرار دیا ہے کیونکہ اس کے بعد فاتبعوہ آیا ہے راستہ کا مستقیم ہونا اتباع کی علت ہے بعض علماء کے نزدیک هٰذا سے اشارہ (صرف) اس مضمون کی طرف ہے جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے یہ آیات محکم ہیں کوئی آیت ان کی ناسخ نہیں تمام مذاہب میں یہ امور حرام ہیں یہ ہی اصول کتاب ہیں جو ان پر چلیگا جنت میں جائیگا جو ان کو ترک کریگا دوزخی ہوگا۔ انتہی کلامہ۔

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیگی اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم (اس کے خلاف کرنے سے) احتیاط رکھو۔

یعنی اپنی اپنی من مانی مختلف راہوں پر نہ چلو ورنہ یہ خواہش پرستی کی راہیں تم کو اتباعِ وحی کے راستہ سے پراگندہ کر دیگی اتباعِ کتاب و سنت شریعت کا تقاضا ہے عقل و دانش کی رسائی وہاں تک ہو سکے یا نہ ہو سکے اور خود تراشیدہ نظریاتِ فاسدہ کا تقاضا ہے کہ کتاب و سنت اگر خواہش پرست طبقہ کے خیالات کے مطابق ہوں تو ان کو مان لیا جائے مخالف ہوں تو نہ مانا جائے اور جہاں تک ہو سکے کتاب و سنت کی صراحتوں کی توجیہ کیجائے فرقہ پرستی اور گروہ بندی کا یہی سنگ بنیاد ہے۔ رافضی۔ خارجی مجسمہ جبریہ قدریہ اور مختلف فرقے اسی نظریہ کے زیر اثر وجود میں آئے میں نے سورہ بقر کی آیت کلما اضاء لہم مشوا فیہ واذا اظلم علیہم قاموا کی تفسیر کے ذیل میں یہ مسئلہ تفصیل سے لکھدیا ہے۔ اللہ نے تم کو اتباعِ وحی کی نصیحت اس لئے کی ہے کہ تم گمراہی اور تفرق عن الحق سے بچ جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے پھر اس لکیر سے دائیں بائیں مختلف لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ مختلف راستے ہیں ان میں سے ہر راستہ پر ایک شیطان بیٹھا ہے اور لوگوں کو اس راستہ کی طرف بلا رہا ہے پھر حضورؐ نے آیت ان هذا صراطی مستقیما فاتبعوہ الخ تلاوت فرمائی۔ رواہ احمد والنسائی والدارمی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مؤمن نہ ہوگا جب تک اس کا قلبی جھکاؤ اس (دین) کا تابع نہ بن جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ نووی نے اربعین میں لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب (یعنی توریت) دی (ایک شبہ ثمَّ کلام عربی میں تراخی کے لئے آتا ہے یعنی ثمَّ کے بعد والے کلام کا وقوع ثمَّ سے پہلے والے کلام کے وقوع سے بعد کو ہوتا ہے لیکن اس جگہ ایسا نہیں حضرت موسیٰ کی کتاب تو مذکورہ نصائح سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھی۔ اس شبہ کا جواب بوجوہ ذیل دیا جا سکتا ہے (اتینا کا عطف وصّٰکم بہ پر ہے اور ثمّ صرف تاخیر بیان کے لئے استعمال ہوا ہے (واقعی تقدیم و تاخیر ملحوظ نہیں ہے) یعنی مذکورہ بالا نصیحت کرنے کے بعد اب ہم تم کو بتاتے ہیں کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی۔ یا مرتبہ کے تفاوت کے لئے ہے (یعنی عموم سے خصوص کی طرف ترقی کی گئی ہے) مطلب یہ کہ مذکورہ نصائح تو اللہ نے پرانے اور نئے زمانوں میں یکساں کی ہیں پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ نے موسیٰ کو کتاب دی تھی یا اتینا سے پہلے قل محذوف ہے اور اس کا عطف سابق قل پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ اللہ نے موسیٰ کو کتاب دی۔ یا یوں کہا جائے کہ اس جگہ ثمّ واؤ کی طرح مطلق عطف کے لئے ہے تراخی کے لئے نہیں ہے، جیسے آیت ثُمَّ اللّٰہُ شَہِیْدٌ میں۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ خطاب کا رخ تمام انسانوں کی طرف ہو حضرت آدم کے وقت سے اب تک کے تمام انسان مخاطب ہوں لیکن حاضرین کو غائبین پر تغلیب دے کر صیغہ خطاب کا استعمال کیا گیا۔ اس وقت ثمّ تراخی حکم کے لئے ہوگا مطلب اس طرح ہوگا اے انسانو! میں نے آغاز آفرینش سے تم کو شرائع پر کاربند رہنے کا تاکیدی حکم دے دیا تھا ہر زمانہ میں شریعتیں آتی رہیں اور ہر شریعت میں یہ نصائح و احکام بھی موجود رہے پھر آخر میں ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کتاب میں کچھ مزید احکام بھی بیان کئے۔

تَمَامًا عَلَی الَّذِیْٓ اَحْسَنَ جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو (مفسر نے مطلب اس طرح بیان کیا ہے) تاکہ تکمیل نعمت ہو جائے ان لوگوں پر جو سابق شریعتوں پر کاربند رہے ہوں لیکن جو شخص کہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان ہی نہ لایا ہو اور نہ گذشتہ شریعتوں کی پابندی کی ہو اس کو توریت سے کچھ فائدہ ہو سکتا تھا نہ قرآن سے نہ اس پر نعمت کی تکمیل ہوئی۔ الَّذِیْٓ اَحْسَنَ سے حضرت موسیٰ مراد ہیں یعنی تاکہ توریت سے موسیٰ پر جنھوں نے گذشتہ شرائع کی بحسن و خوبی پابندی کی۔ نعمت کی تکمیل ہو جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ الذی کا اطلاق واحد اور جمع سب پر ہوتا ہے اور اس سے مراد امتِ موسویہ کے وہ تمام افراد ہیں جنھوں نے (ایمان کے ساتھ) نیک عمل کئے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت الذین احسنوا سے اس قول کی تائید

ہوتی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا الذی احسن سے مراد انبیاء ہیں یعنی انبیاء پر موسیٰ کی فضیلت کامل کرنے کے لئے ہم نے موسیٰ کو کتاب دی مطلب یہ کہ موسیٰ کی فضیلت کتاب دے کر ہم نے ظاہر کر دی۔

وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً اور تمام احکام کی تفصیل ہو جائے اور ہدایت ہو اور رحمت ہو تفصیل مصدر بمعنی اسم مفعول ہے اور موصوف محذوف کی صفت ہے یعنی ان امور کا مفصل بیان جن کی دین میں ضرورت پڑتی ہے۔

لَّعَلَّهُم بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝ تاکہ وہ لوگ یعنی حضرت موسیٰ کے زمانہ کے لوگ (مراد بنی اسرائیل ہیں) اپنے رب سے ملنے پر یقین کر لیں۔ رب کی ملاقات سے مراد ہے حشر نشر عذاب و ثواب۔

وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ اور یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا ہے بڑی خیر و برکت والی سو اس پر چلو اور (گناہوں سے) بچو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔ یعنی موسیٰ کے بعد اللہ نے قرآن نازل کیا جو خیر و برکت میں توریت سے بڑھ چڑھ کر ہے کیونکہ اس کے الفاظ مختصر ہیں اور مختصر عبارت میں علوم کا کثیر ذخیرہ موجود ہے گویا یہ محیط دائرہ کا مرکز ہے۔ بس توریت کی جگہ اس کے احکام کا اتباع کرو۔ اور مخالفت کی صورت میں اللہ کے عذاب سے ڈرو۔

أَن تَقُولُوا إِنَّمَا أُنزِلَ الْكِتَابُ عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِن قَبْلِنَا وَإِن كُنَّا عَن دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ ۝ کہیں تم یوں کہنے لگتے کہ کتاب تو ہم سے پہلے صرف دو ہی فرقوں پر اتاری گئی تھی اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل ناواقف تھے۔

طائفتین سے مراد ہیں یہودی اور عیسائی اگرچہ صحیفے اور کتابیں توریت و انجیل کے علاوہ بھی نازل ہوئیں، لیکن توریت و انجیل کے علاوہ اس وقت کوئی مشہور نہیں تھی اسی لئے صرف یہودیوں اور عیسائیوں کی کتاب کا ذکر کیا۔ وان کنا میں اِن مخففہ ہے اسی لئے خبر میں لام لایا گیا۔ مطلب یہ کہ ہم ان پڑھ امی تھے اور شریعتیں ہم سے پہلے والے دونوں گروہوں پر اتاری گئی تھیں اس حجت کو دور کرنے کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا گیا اور قرآن اتارا گیا تاکہ اہل مکہ کو عذر کا موقع نہ مل سکے اور سارے جہان کے لئے نبوت و قرآن رحمت ہو جائے۔

أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَاءَكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ۚ یا یوں کہتے کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے سو اب تمہارے رب کی طرف سے تم پر ایک واضح کتاب اور ہدایت اور رحمت آچکی ہے۔ اس کا عطف سابق ان تقولوا پر ہے یعنی یہ بات پسند نہ تھی کہ تم یہ کہنے لگتے کہ جس طرح ہم سے پہلے لوگوں کو کتاب دی گئی اسی

طرح اگر ہم پر بھی اتاری جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو جاتے۔ بغوی نے لکھا ہے کافروں کی ایک جماعت نے کہا تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بہتر ہوتے۔ بَیِّنَۃٌ واضح دلیل ایسی زبان میں جس کو تم جانتے ہو اور اس کے باوجود اس کی چھوٹی سورت کی طرح بھی پیش نہ کر سکے۔ ھُدًی یعنی غور کرنے والے کے لئے واضح ہدایت۔ وَرَحْمَۃٌ جو اس پر عمل کرے اس کے لئے نعمت۔ جملہ فقد جاءکم۔ محذوف شرط کی جزاء ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو تمہاری تمنا کے مطابق روشن دلیل اور قطع برہان آگئی۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ○ پس اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی ان آیتوں کو جھوٹا کہتا اور ان سے اعراض کرتا ہے۔ جو لوگ ہماری آیات سے اعراض کرتے ہیں ہم ابھی ان کو انکے اعراض کی سخت سزا دینگے۔ استفہام انکاری ہے۔

صَدَفَ خود رکنا، اور دوسروں کو روکنا۔ سوء العذاب شدت عذاب۔ یعنی جب اللہ کی آیات نازل ہونے کی تمنا تھی اور آیات نازل ہو گئیں اور آیات کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا بالکل واضح بھی ہو گیا اب اگر کوئی ان کو نہیں مانتا اور تکذیب کرتا ہے یا دوسروں کو روکتا ہے تو اس سے بڑا ناحق کوش کوئی نہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ○ یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کا رب آجائے یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آجائے۔ ھل ینظرون میں استفہام انکاری ہے یعنی اہل مکہ قرآن پر ایمان لانے کے لئے بس اس بات کے منتظر ہیں کہ الخ۔ . . . الملائکہ سے موت کے یا عذاب کے فرشتے مراد ہیں یا وہ ملائکہ مراد ہیں جو روبرو آکر رسول اللہ کی صداقت اور قرآن مجید کی حقانیت کی شہادت دیں۔ خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی اہل مکہ آرزومند تھے وہ آگئی لیکن وہ ایمان نہ لائے تو شاید ایمان لانے کے لئے وہ ملائکہ کے آنے کے منتظر ہیں حالانکہ فرشتوں کے آنے کے بعد کوئی ایمان مفید نہ ہو گا۔ بیضاوی نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ حقیقت میں وہ لوگ منتظر نہیں تھے بلکہ ان کی حالت منتظر کی ایسی حالت تھی اس لئے بطور تشبیہ ما ینظرون فرمایا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ملائکہ کے آنے سے مراد ہو قیامت کے دن میدانِ حشر میں فرشتوں کا آسمان سے اترنا اس کی تائید اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ کے فقرہ سے ہو رہی ہے قیامت کے دن میدانِ حشر میں مخلوق کا فیصلہ کرنے کے لئے اللہ رونق افروز ہو گا جس کی رونق افروزی ہر کیفیت سے ماورا ہو گی۔ اسی کی مثل سورۂ بقرہ میں آیت ھل ینظرون الا ان یاتیہم اللّٰہ فی ظلل من الغمام والملائکۃ وقضی الامر۔ گذر چکی ہے اور اس کی تفسیر میں سلف خلف کا جو اختلاف تھا وہ وہاں ذکر کر دیا گیا ہے۔ فمن شاء فلیرجع۔

اٰیٰتِ رَبِّكَ سے مراد ہیں خصوصی علامات قیامت۔ بغوی نے لکھا ہے اس سے مراد ہے آفتاب کا پچھم کی طرف سے نکلنا اکثر اہل تفسیر کا یہی قول ہے حضرت ابو سعید خدری کی مرفوع روایت بھی اسی طرح کی آئی ہے۔[1]

فصل۔ علاماتِ قیامت ۔حضرت حذیفہؓ بن اسید غفاری کا بیان ہے کہ ہم قیامت کے متعلق باہم گفتگو میں مشغول تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم برآمد ہوئے اور فرمایا جب تک قیامت سے پہلے تم دس نشانیاں نہیں دیکھ لوگے قیامت نہیں آئے گی۔ پھر آپ نے (مندرجۂ ذیل امور کا) ذکر فرمایا۔ دھواں، دجال۔ دابۃ الارض۔ مغرب سے سورج کا طلوع۔ عیسیٰ بن مریم کا اترنا۔ یاجوج ماجوج کا خروج تین مرتبہ زمین کا دھنسا ایک بار مشرق میں ایک بار مغرب میں ایک بار جزیرۂ عرب میں۔ آخر میں یمن سے ایک آگ کا نکلنا جو لوگوں کو میدانِ حشر کی طرف کھدیڑ کر لیجائیگی۔ دوسری روایت میں ہے کہ قعرِ عدن سے ایک آگ برآمد ہوگی جو لوگوں کو میدانِ حشر کی طرف ہنکا کر لیجائیگی۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ دسویں چیز ایک ہولی طوفان ہوگا جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دیگا۔ رواہ مسلم

حضرت عبد اللہ بن عمرو کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے سب سے پہلی نشانی مغرب سے طلوعِ آفتاب اور دن چڑھے دابۃ الارض کا خروج ہوگا ان دونوں علامتوں میں سے جو بھی پہلے ہو جائیگی فوراً اس کے پیچھے دوسری علامت بھی آجائیگی۔ رواہ مسلم۔ حضرت نواسؓ بن سمعان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا اور فرمایا اگر میری موجودگی میں وہ برآمد ہوگیا تو میں تمہاری طرف سے اس سے نمٹ لونگا اور اگر میں نہ ہوا اور وہ نکلا تو اس وقت ہر شخص اپنا دفاع کرے ہر مسلمان کا میری بجائے (راہِ راست) اللہ نگہبان ہے۔ دجال جوان زولیدہ مو ہوگا جس کی ایک آنکھ باہر کو ابھری ہوئی یعنی پھوٹے والی ہوگی گویا عبد العزی بن قطن سے میں اس کو تشبیہ دے سکتا ہوں اگر تم میں سے کوئی اس کو پالے تو سورۂ کہف کی ابتدائی آیات اس پر پڑھے وہ آیات دجال کے فتنہ سے پڑھنے والے کے لئے بچاؤ ہو جائیں گی۔ دجال شام و عراق کے درمیان خلہ میں برآمد ہوگا۔ دائیں بائیں تباہی مچا ئیگا اللہ کے بندو تم (ایمان پر) جمے رہنا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کا قیام زمین پر کتنی مدت ہوگا فرمایا چالیس روز اس میں ایک دن ایک سال کے برابر ایک دن ایک ماہ کے برابر

---

[1] حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا لوگو! اس امت میں عن قریب کچھ ایسے لوگ ہونگے جو حکم رجم کا انکار کرینگے خروجِ دجال کی تکذیب کرینگے پچھم کی طرف سے آفتاب کے طلوع (کی اطلاع) کو جھوٹا قرار دینگے۔ عذابِ قبر کی بھی تکذیب کریں گے۔ وقوعِ شفاعت کے بھی قائل نہ ہونگے اور اس بات کو بھی نہیں مانیں گے کہ دوزخ سے کچھ لوگوں کو جلنے کے بعد نکالا جائے گا۔

ایک دن ایک ہفتہ کے برابر اور باقی دن تمہارے انہی دنوں کی طرح ہونگے ہم نے عرض کیا جو دن ایک سال کے برابر ہو گا کیا اسمیں ایک دن کی نمازیں ہونگی فرمایا نہیں اس کا اندازہ کرلینا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ زمین میں کتنی تیز رفتار سے چلیگا فرمایا جیسے ہوا اپنے پیچھے بارش لاتی ہے بعض لوگوں کی طرف سے جب اس کا گذر ہو گا تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے اس پر آسمان اس کے حکم سے ان پر مینہ برسائے گا اور زمین سبزہ پیدا کردیگی ان کے مویشی شام کو جنگل سے واپس آئیں گے تو ان کے تھن (دودھ سے) خوب بھرپور اور کوکھیں پھولی ہونگی (یعنی موٹے ہوجائیں گے) پھر کچھ اور لوگوں کی طرف سے گذریگا اور ان کو دعوت دیگا مگر وہ دجال کی دعوت کو رد کردینگے جب دجال ان کے پاس سے واپس ہوگا تو وہ سب کال میں مبتلا ہوچکے ہو گئے مال بالکل ختم ہوچکا ہو گا ان کے پاس کچھ نہ ہو گا دجال ویرانے کی طرف سے گذرے گا وہاں کے دفینے باہر نکال لیگا فوراً سارے خزانے اس کے پیچھے ہولیں گے جیسے شہد کی مکھیاں یعسوب کے پیچھے ہوتی ہیں۔ پھر دجال ایک شخص کو بلائیگا جو جوانی سے بھرپور ہو گا تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کرکے (الگ الگ بمقدار نشانہ تیر پھینک دیگا پھر اس کو بلائیگا تو وہ شگفتہ رو ہنستا ہوا سامنے سے آجائیگا۔ دجال اپنی اسی حالت میں ہو گا کہ اللہ مسیح بن مریمؑ کو بھیجدیگا مسیح دمشق کے شرقی جانب سفید منارہ کے پاس دو فرشتوں کے بازوؤں پر دونوں ہاتھوں کا سہارا دیے اتریگے سر جھکائیں گے تو چاندی کے موتیوں کی طرح (پسینہ کے) قطرے ٹپکیں گے اور سر اٹھائیں گے تب بھی موتیوں کی طرح (چہرہ سے) قطرے بہینگے جس کافر کو ان کے سانس کی ہوا پہونچیگی وہ مرجائے گا اور ان کے سانس کی رسائی وہاں تک ہوگی جہاں تک نظر کی پہونچ ہوگی۔ مسیح دجال کو ڈھونڈیں گے اور باب لد کے پاس اس کو پاکر قتل کردیں گے۔ پھر عیسےؑ کے پاس کچھ لوگ آئیں گے جن کو اللہ نے دجال سے محفوظ رکھا ہو گا۔ عیسےؑ ان کے چہروں سے غبار صاف کرینگے اور جنت میں (ملنے والے) ان کے مراتب بیان کرینگے۔

اس کے بعد اللہ عیسےؑ کے پاس وحی بھیجے گا کہ اب میں نے اپنے کچھ بندے ایسے پیدا کردیئے ہیں جن سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں تم میرے ان بندوں کو سمیٹ کر طور کی طرف لیجاؤ اس کے بعد اللہ یاجوج ماجوج کو بھیجدیگا جو ہر ٹیلہ کے پیچھے سے پھیلتے جائیں گے (ان کی تعداد اتنی ہوگی کہ) ان کا اگلا گروہ جب بحیرہ طبریہ پر گذریگا تو سب پانی پی جائیگا اور آخری لوگ جب وہاں سے گذرینگے تو کہینگے یہاں کبھی پانی تھا یاجوج ماجوج چلتے پھرتے جب کوہ خمر یعنی کوہ بیت المقدس تک آئیں گے تو کہینگے ہم نے زمین کے باشندوں کو تو قتل کردیا اب ہم آسمان والوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں چنانچہ وہ اپنے چھوٹے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے اور اللہ ان کے تیروں کو خون سے رنگین کرکے واپس کردیگا تو وہ بہت خوش ہونگے) اللہ کا نبی اور اس کے ساتھی (اس پوری مدت میں کوہ طور پر محصور رہیں گے یہاں تک کہ ایک بیل کی سری ان کے لئے اس سے زیادہ بہتر ہوگی جتنے آج کل سو دینار

تمہارے لئے اس کے بعد اللہ کے نبی عیسیٰ اور ان کے ساتھی دعا کریں گے تو اللہ یاجوج ماجوج کی گردنوں میں گلٹیاں پیدا کر دے گا جن کی وجہ سے سب کے سب ایک آدمی کی طرح صبح کو مر جائیں گے پھر عیسیٰ نبی اللہ اور ان کے ساتھی نیچے اتر آئیں گے لیکن زمین پر بالشت بھر جگہ ان کو ایسی نہیں ملیگی جو سڑاند اور تعفن سے بھری نہ ہو عیسیٰ نبی اللہ اور ان کے ساتھی اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ کچھ پرندوں کو بھیجدیگا جو بختی اونٹوں کی گردنوں کی طرح (لمبے لمبے) ہوں گے یہ پرندے ان کو اٹھا کر لیجائیں گے اور جہاں اللہ کی مرضی ہوگی پھینک دیں گے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ ان کو نہبل میں پھینک دیگا[1] اور مسلمان یاجوج ماجوج کی کمانوں تیروں اور ترکشوں کو سات برس تک ایندھن کے طور پر استعمال کریں گے پھر اللہ بارش کر دیگا جو ساری زمین کو دھو کر باغ کی طرح کر دیگا کسی کچے مکان یا ڈیرے کی چھت محفوظ نہیں رہیگی اس کے بعد زمین کو حکم ہوگا اپنی سبزی اُگا اور پیداوار کو لوٹا کر دیدے چنانچہ اس زمانہ میں ایک انار ایک جماعت کے لئے کافی ہوگا اور انار کے چھلکے سے لوگ سائبان بنائیں گے دودھ میں برکت ہو جائیگی دودھ دینے والی ایک اونٹنی ایک بڑے گروہ کے لئے دودھ دینے والی ایک گائے ایک قبیلہ کے لئے اور دودھ دینے والی ایک بکری قبیلہ کے ایک خاندان کے لئے کافی ہوگی اسی حالت میں اللہ ایک خوشگوار ہوا بھیجے گا جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے لگیگی اور ہر مومن و مسلم کی روح قبض ہو جائیگی صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے جو فتنے فساد اور گڑبڑ کریں گے جیسے گدھے آپس میں کرتے ہیں انہی پر قیامت بپا ہوگی بروایت مسلم۔ مسلم کی روایت میں تحدیطرحہم بالنہبل سے سبع سنین تک نہیں ہے اور ترمذی کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے۔

حضرت حذیفہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دجال خروج کریگا اس کے ساتھ پانی بھی ہوگا اور آگ بھی۔ لوگ جس کو پانی خیال کریں گے وہ آتش سوزاں ہوگی اور جس کو آگ سمجھیں گے وہ ٹھنڈا میٹھا پانی ہوگا تم لوگوں میں جو شخص اس کو پائے تو جس کو آگ سمجھتا ہو اسی میں پڑ جائے وہ حقیقت میں شیریں پاکیزہ پانی ہوگا۔ متفق علیہ۔ مسلم کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ دجال کی ایک آنکھ پٹ ہوگی ایک موٹا ناخونہ اس پر چڑھا ہوگا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لفظ کافر لکھا ہوگا جس کو ہر مومن پڑھ لے گا لکھنے والا ہو یا لکھنے والا نہ ہو۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ دجال کے ساتھ جنت و دوزخ کی شبیہ (یعنی راحت و دکھ کی چیزیں) ہوگی جس کو وہ جنت کہیگا وہ دوزخ ہوگی۔ حضرت حذیفہؓ کی روایت سے مسلم نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ مسلم نے حضرت ابوسعیدؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ اس کو یعنی دجال کو جب مومن دیکھے گا تو کہے گا لوگو! یہ وہی دجال ہے جس کا ذکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا دجال کے حکم سے اس کو سر کی مانگ سے نیچے

[1] صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ ترمذی میں حدیث دجال میں نہبل کا لفظ آیا ہے مگر یہ غلط ہے صحیح میم کے ساتھ ہے۔

تک آرے سے چیر کر دونوں ٹانگیں الگ الگ کر دی جائیں گی، پھر دجال دونوں ٹکڑوں کے درمیان جا کر کہیگا اٹھ جا مؤمن زندہ ہو کر سیدھا کھڑا ہو جائے گا۔ دجال اس سے کہے گا کیا (اب) تجھے میرا یقین ہوا مؤمن کہیگا تیرے اس فعل سے تو میری بصیرت اور بڑھ گئی (یقیناً تو دجال ہے) الحدیث

امام احمدؒ نے حضرت اسماء بنت یزید کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ دجال کے شدید ترین فتنوں میں سے ایک واقعہ یہ ہوگا کہ دجال ایک اعرابی سے جا کر کہیگا اگر میں تیرے اونٹ زندہ کر دوں تو کیا تو جب بھی مجھے اپنا رب نہ ماننے گا اعرابی کہے گا ضرور مانوں گا فوراً شیطان اس کے اونٹوں کے بھیس میں اسکے سامنے آجائے گا ان کے لمبے لمبے خوبصورت تھن اور اونچے اونچے کوہان ہونگے ایک شخص کا بھائی اور باپ مرچکا ہوگا، دجال اس سے کہیگا اگر میں تیرے باپ اور بھائی کو زندہ کر دوں تو کیا تو مجھے اپنا رب نہیں مانے گا۔ وہ شخص کہے گا بے شک مان لونگا فوراً شیطان اس کے باپ اور بھائی کی شکل میں نمودار ہو جائیگا۔ الحدیث

فصل۔ (امام) مہدی کا ظہور مذکورۂ بالا نشانیوں سے پہلے ہوگا حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اگر دنیا کی عمر کا صرف ایک دن رہ جائے گا تب بھی اللہ اس دن کو اتنا لمبا کر دیگا کہ ایک شخص کو مبعوث فرما دے جو مجھ سے ہوگا یا فرمایا وہ میرے اہل بیت میں سے ہوگا اسکا نام میرے نام کے اور اسکے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا (یعنی وہ بھی محمد بن عبد اللہ ہوگا) جس طرح (اس زمانہ میں) زمین ظلم اور ناانصافی سے بھری ہوگی وہ آتا ہی زمین کو انصاف اور عدل سے بھر دیگا ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں دنیا ختم نہ ہوگی جب تک عرب کا مالک ایک ایسا شخص نہ ہو جائیگا۔ جو میرے اہل بیت میں سے ہوگا اور اس کا نام میرا نام ہوگا۔

حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ایک خلیفہ کے مرنے پر لوگوں میں اختلاف ہو جائیگا تو اہل مدینہ میں سے ایک شخص بھاگ کر مکہ کو چلا جائیگا وہاں مکہ والے اس کو (گھر کے اندر سے) نکال کر باہر لائینگے وہ پسند نہ کریگا مگر اس کی ناگواری کے باوجود رکن اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان اسکی بیعت کرینگے اس کے پاس ایک وفد شام سے بھیجا جائے گا مگر مکہ اور مدینہ کے درمیان بیداء میں اللہ اس کو زمین کے اندر دھنسا دیگا لوگ جب یہ حالت دیکھینگے تو پھر اس کے پاس شام کے ابدال اور اہل عراق کی جماعتیں آئیں گی اور اس کی بیعت کرینگے یہ شخص نبیؐ کی سنت پر عمل کریگا اور اسلام اپنا سینہ زمین پر ٹکا دیگا (یعنی ساری زمین پر اسلام برپا ہو جائیگا) سات برس تک یہ شخص رہے گا پھر اس کی وفات ہو جائیگی اور مسلمان اس کی نماز پڑھیں گے۔ رواہ ابوداؤد۔

ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے (امام) حسنؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا میرا

یہ بیٹا سید ہے جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سید کے لفظ کے ساتھ اس کو نامزد فرمایا تھا اس کی پشت سے ایک آدمی پیدا ہوگا جو تمہارے نبی کا ہم نام ہوگا اور خوخصلت میں تمہارے نبی کے مشابہ ہوگا اگرچہ جسمانی بناوٹ میں آپ کے مشابہ نہ ہوگا وہ زمین کو انصاف سے بھر دیگا۔

حضرت ابوسعیدؓ خدری کا بیان مہدی کے قصہ کے سلسلہ میں آیا ہے پھر ایک شخص آکر مہدی سے کہیگا مہدی مجھے کچھ دیجئے مجھے کچھ عنایت کیجئے مہدی لپوں سے بھر کر یعنی دونوں ہاتھوں سے بھر کر اس کے کپڑے میں اتنا ڈالدیںگے جتنا وہ اٹھا سکتا ہوگا۔ رواہ الترمذی۔ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے آسمان کے رہنے والے اور زمین کے رہنے والے اس سے راضی ہونگے آسمان سے خوب موسلادھار بارشیں ہونگی اور زمین اپنے اندر کی ہر سبزی برآمد کردیگی یہاں تک کہ زندے مُردوں کی تمنا کریں گے (کہ کاش وہ بھی زندہ ہوتے اور یہ ارزانی و فراوانی دیکھتے) مہدی اس حالت میں سات یا آٹھ یا نو سال رہینگے (پھر آپ کی وفات ہوجائیگی)

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا ۗ جس روز آپ کے رب کی بڑی نشانی آپہونچیگی کسی ایسے شخص کا ایمان اسکے کام نہ آیگا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو مثلاً جو شخص مر رہا ہو اور یقینی موت نظر کے سامنے آگئی ہو تو اس حالت میں ایمان غیر مفید ہے کیونکہ ایمان بالغیب واجب ہے (مشاہدۂ موت اور معاینۂ ملائکہ موت کی حالت میں ایمان بالغیب نہیں رہتا)

لم تکن آمنت نفسا کی صفت ہے۔ اور کسبت کا عطف آمنت پر ہے (یعنی کسبت بھی نفی کے تحت ہے) بعض علماء قائل ہیں کہ صرف ایمان جو عمل سے بالکل خالی ہو غیر مفید اور ناقابلِ اعتبار ہے کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص پہلے سے ایمان نہ لایا ہو، مرنے کے وقت اس کا ایمان فائدہ بخش نہیں یا ایمان تو پہلے سے لایا ہو مگر اس نے ایمان کے مطابق کوئی عمل نہ کیا ہو، اس کا ایمان بھی غیر مفید ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ آیت کا مفہوم یہ نہیں کہ ایمان کی حالت میں اور مومن ہونے کے بعد اگر کسی نے کوئی نیکی نہ کی تو اس کا ایمان بالکل غیر مفید ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ صرف اس روز اس کا وہ سابقہ ایمان جو عمل صالح سے خالی ہو کار آمد نہ ہوگا۔ یوں بھی جواب دیا جاسکتا ہے کہ اگر دو امور مذکور ہوں اور نکرہ ہوں اور ایک نفی کے دائرہ میں داخل ہو تو نفی کا ورود دوسرے پر بھی قرار دیا جاتا ہے جیسے آیت ولا تطع منہم آثما او کفورا میں آثم اور کفور دونوں کی اطاعت کی ممانعت کی گئی ہے (آثما کے تحت ہے اور کفورا او کے بعد آیا ہے مگر ممانعت اطاعت کا تعلق دونوں سے ہے) اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جو نفس ایمان نہ لایا ہو اس کو بھی موت کے وقت

ایمان لانا مفید نہ ہوگا اور جس نے نیکی نہ کی ہو اس کو بھی مرنے کے وقت ایمان لانے سے فائدہ نہ ہوگا بغوی نے لکھا ہے آیت کا معنی یہ ہے کہ ایسے وقت میں نہ کافر کا ایمان مقبول ہے نہ فاسق کی توبہ۔

اس قول پر فی ایمانہا میں ایمان سے بطور عموم مجاز توبہ مراد ہوگی کیونکہ لفظ توبہ دونوں قسموں کو حاوی ہے کفر سے توبہ گناہوں سے توبہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ نے مغرب میں توبہ کا ایک دروازہ بنایا ہے جس کی چوڑائی ستر سال کے راستہ کے برابر ہے جب تک سورج کا طلوع اس طرف سے نہ ہوگا وہ دروازہ بند نہیں کیا جائیگا یہ ہی مراد ہے اللہ کے اس فرمان کی یوم یاتی بعض ایٰت ربک لا ینفع نفسا ایمانہا لم تکن اٰمنت من قبل (یعنی آیت میں بعض آیات سے مغرب سے آفتاب کا طلوع مراد ہے) رواہ الترمذی وابن ماجۃ من حدیث صفوان بن عسال۔ مسلم نے حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ قبول توبہ کے لئے (رات میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گناہگار (رات کو) توبہ کرلے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گناہگار (دن کو) توبہ کرلے یہ سلسلہ اسوقت تک رہیگا جب آفتاب پچھم کی طرف سے نکلیگا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے مسلم نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس نے مغرب کی طرف سے سورج نکلنے سے پہلے توبہ کرلی اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیگا۔ احمد دارمی اور ابوداؤد نے حضرت معاویہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہجرت منقطع نہ ہوگی جبتک توبہ بند نہ ہوجائے اور توبہ بند نہ ہوگی جب تک سورج مغرب کی طرف سے برآمد نہ ہوجائے۔

ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت لا ینفع نفسا ایمانہا میں ایمان سے مراد توبہ ہے لیکن کچھ احادیث میں ایمان سے توبہ کے علاوہ دوسرا معنی بھی مراد لیا گیا ہے۔ بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا قیامت بپا نہ ہوگی جب تک سورج مغرب کی طرف سے برآمد نہ ہوجائے جب سورج (مغرب سے) نکل آئیگا اور لوگ اس کو دیکھ لینگے تو سب کے سب ایمان لے آئیں گے لیکن جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا یا ایمان کی حالت میں اس نے کوئی نیکی نہ کی ہوگی اس وقت اس کا ایمان لانا مفید نہ ہوگا۔ مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تین امور ہیں جب وہ ظاہر ہوجائیں گے تو جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا یا ایمان کی حالت میں اس نے کوئی نیکی نہ کی ہوگی اس وقت اس کا ایمان مفید نہ ہوگا۔ دجال، دابۃ الارض اور آفتاب کا مغرب سے طلوع۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت لا ینفع نفسا ایمانہا میں ایمان سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اسوقت سے پہلے مؤمن نہ ہوگیا ہو اس وقت اس کا ایمان لانا معتبر نہ ہوگا۔

فائدہ: اس آیت سے بظاہر صرف اتنا معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص بعض آیات کے ظہور سے پہلے

کافر ہوا ایمان نہ لایا ہو اور اس وقت ایمان لائے تو اس کا ایمان قبول نہ ہوگا لیکن جس شخص کی پیدائش ہی بعض آیات کے ظہور کے بعد ہوئی یا علامات کے نمودار ہونے کے بعد وہ عاقل بالغ ہوا اور اس کے بعد ایمان لایا تو ظاہر ہے کہ اس کا ایمان معتبر ہوگا۔ ابن جوزی نے کتاب الوفا میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ بن مریمؑ زمین پر اتریں گے نکاح کریں گے ان کی اولاد ہوگی اور ۴۵ برس زندہ رہیں گے پھر مر جائیں گے اور میرے ساتھ میری قبر میں دفن کئے جائیں گے میں اور عیسیٰ بن مریمؑ ایک قبر سے ابوبکرؓ و عمرؓ کے درمیان اٹھیں گے۔

قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ آپ کہہ دیجئے (اے مکہ والو) تم انتظار رکھو ہم بھی بلاشبہ منتظر ہیں۔ یہ اہل مکہ کو عذاب کی دھمکی ہے یعنی اس وقت ہم کو کامیابی حاصل ہوگی اور تم عذاب میں مبتلا ہوگے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ بلاشبہ جنھوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا۔

یعنی دین کے بعض حصوں پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کر دیا یا یہ مطلب کہ مختلف فرقے بن گئے۔ مجاہد، قتادہ اور سدی نے کہا اس سے یہودی اور عیسائی مراد ہیں کچھ لوگ یہودی بن گئے اور کچھ عیسائی حالانکہ دین (سب کا) ایک ہی تھا۔ یہ قول غلط ہے کیونکہ یہودیت کی بنا حضرت موسیٰؑ کی نبوت و شریعت پر ہے اور نصرانیت کی بنا حضرت عیسیٰؑ کی بعثت پر ہے دونوں کے دینی اصول ایک ہی تھے یعنی حضرت ابراہیم کے دین کے اصول ہی دونوں کے اصول تھے پھر یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا چونکہ انکار کر دیا اس لئے اور عیسائیوں نے حضور اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو نہیں مانا اس لئے وہ بھی کافر ہو گئے مگر آیت کا مطلب یہ نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ انھوں نے اصلی دین حق کے ساتھ اپنی من پسند چیزوں کو شامل کر لیا خواہ شیطانی اغواء سے یا اپنی نفسانی خواہشات کے دباؤ سے۔ بہرحال دین میں خلط ملط کر کے اپنے اپنے گروہ بنا لئے اس مطلب پر تفریق دین کرنیوالوں سے مراد صرف گذشتہ فرقے ہی نہ ہونگے بلکہ سلف ہوں یا اسلام میں بدعتوں کو شامل کرنیوالے سب ہی کو یہ لفظ شامل ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت پر بھی قدم بقدم وہی واقعات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں سے علی الاعلان زنا کیا ہے تو میری امت میں بھی کوئی ایسا ہوگا جو یہ فعل کریگا بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت کے پھٹ کر تہتر فرقے ہو جائیں گے جن میں سے سوائے ایک کے سب دوزخی ہونگے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وہ کونسا فرقہ ہوگا فرمایا وہ فرقہ وہ ہوگا جو اسی (طریقہ) پر ہوگا جس پر میں اور میرے ساتھی ہیں۔ رواہ الترمذی۔ احمد اور ابوداؤد نے حضرت معاویہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے بہتر (فرقے) دوزخ میں اور ایک جنت میں جائیگا اور وہ (جنتی فرقہ) جمہور کا ہوگا عنقریب میری امت میں

ایک ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جن کے اندر نفسانی خواہشات اس طرح نفوذ کر جائیں گی جس طرح کتا اپنے مالک کے ساتھ ہر کوچے اور موڑ میں گھستا پھرتا ہے۔ ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی و حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ یہودیوں کے اکہتر فرقے ہو گئے جن میں سے ایک کے سوا سب گڑھے (دوزخ) میں جائیں گے اور عیسائیوں کے بہتر فرقے ہو گئے جن میں سے ایک کے سوا سب گڑھے (دوزخ) میں جائیں گے اور میری امت پھٹ کر تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے ایک کے سوا سب گڑھے (دوزخ) میں جائیں گے۔ بغوی نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا عائشہؓ جن لوگوں نے دین کو پارہ پارہ کیا اور گروہ گروہ بن گئے وہ اس امت میں بدعتی ہوا پرست ہیں (یعنی اس امت میں جو بدعتی اور اصحاب الہوٰی ہیں وہ اس آیت کے ذیل میں آتے ہیں) اخرجہ الطبرانی وغیرہ بسند جید۔ طبرانی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی عمدہ سند کے ساتھ ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ احمد ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عرباض بن ساریہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی نماز کے بعد ہماری طرف رخ کر کے ایسا بلیغ وعظ فرمایا جس کو سن کر دل ڈر گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ارشاد فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں اور اس بات کی کہ (امیر کی) اطاعت کرنا خواہ وہ حبشی غلام ہی ہو میرے بعد تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ (مسلمانوں میں) بڑا اختلاف دیکھے گا مگر تم میرے طریقہ اور ان خلفاء راشدین کے طریقہ پر جو ہدایت کار اور ہدایت یافتہ ہوں گے جمے رہنا اس پر مضبوط گرفت رکھنا اور اس کو دانتوں سے پکڑے رہنا اور نئی باتوں سے بچتے رہنا کیونکہ (دین کے اندر پیدا کی ہوئی) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں نماز پڑھانے کا ذکر نہیں ہے باقی حدیث موجود ہے۔ صاحب مصابیح نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عظمت والے گروہ کی پیروی کرو جو اس سے الگ ہوا بچھڑ کر دوزخ میں گیا۔ ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت انسؓ کی روایت سے لکھی ہے۔ ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی جمہور پر اللہ کا ہاتھ ہے جو جمہور سے الگ ہوا وہ بچھڑ کر دوزخ میں گیا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پگڈنڈیوں سے (یا مختلف گھاٹیوں سے) پرہیز رکھو اور جماعت وجمہور کو اختیار کرو۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو بالشت بھر جماعت سے علیحدہ ہوا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے نکال دی رواہ احمد وابوداؤد جماعت سے مراد ہے صحابہؓ اور صحابہؓ کے پیچھے چلنے والوں کی جماعت۔

اللہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی کتاب دے کر مبعوث فرمایا اور کتاب کے ساتھ کچھ اور علم بھی وحی کے ذریعہ سے عنایت کیا لیکن اس وحی کے الفاظ اللہ کے نہ تھے معانی کی تعلیم اللہ کی طرف سے تھی (اور الفاظ حضرت جبرئیل کے یا رسول اللہ کے تھے۔ ایسی وحی کو غیر متلو یا غیر منطوق وحی کہتے ہیں) کتاب کے اندر کچھ عبارت اور کلمات تو محکم تھے جنکی مراد (سمجھنے) میں کوئی شبہ نہ تھا کچھ خفی المراد عبارت بھی تھی کچھ مشکل یا مجمل یا متشابہ آیات تھیں مگر ان سب کے مقصد کی وضاحت اللہ نے اپنے پیغمبر کے لئے کردی خود ہی فرمایا ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ، پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو اور صحابہؓ نے اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم دی اور اس طرح یہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ ہم تک پہنچا لہٰذا اللہ کی کتاب اس کے رسول کی سنت اور صحابہؓ و تابعین کے اجماعی اقوال کو ماننا اور ان پر چلنا ہمارے لئے لازم ہے اور جو آیات و احادیث ایسی ہیں جن کی مراد ظاہر نہیں ہے ان کی تشریحی مراد وہی قرار دینا ضروری ہے جو صحابہؓ نے اختیار کی ہو۔ جو لوگ پرستار ان رائے ہیں وہ اپنی رائے اور خواہش کے پیچھے چلتے ہیں قرآن کا جو حصہ ان کی رائے کے مطابق ہوتا ہے اس کو لے لیتے ہیں اور مانتے ہیں اور جس حصہ کا ان کی دانش و رائے سے ٹکراؤ ہوتا ہے اس کا انکار کر دیتے ہیں (یعنی اپنی رائے کے مطابق بنانے کے لئے اس کی تاویلیں کرتے اور رسول و صحابہؓ کی تفسیر سے موڑ دیتے ہیں) چنانچہ آخرت میں اللہ کے دیدار کا عذاب قبر کا، وزنِ اعمال کا پل صراط اور حساب کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کے کلام کو مخلوق کہتے ہیں حالانکہ یہ سب اقوال ایسے ہیں جنکے خلاف کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صراحتیں اور صحابہؓ کا اجماع موجود ہے انھوں نے دین کو چھوڑ دیا اللہ کی کتاب کو پارہ پارہ کر دیا بعض حصہ کو مانا بعض کو نہ مانا، فرقۂ معتزلہ اسی راستہ کا راہی ہے بہت سے معتزلی تو اس کے بھی قائل ہیں کہ اللہ پر وہی کام کرنا واجب ہے جو بندوں کے لئے مفید ہو یہ لوگ تقدیر کے بھی منکر ہیں اور گناہوں کی مغفرت کو بھی ناممکن کہتے ہیں یہ بھی ان کا قول ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اللہ (اگرچہ بندہ کا خالق ہے مگر) بندہ کے افعال کا خالق نہیں ہے اسی لئے اس گروہ کو امتِ اسلامیہ کے مجوسی کہا گیا ہے (مجوسی خیر اور نور کا خالق یزداں کو اور شر و ظلمت کا خالق اہرمن کو قرار دیتے ہیں اس طرح دو طاقتوں کو خالق کہتے ہیں ایک خیر کی طاقت، ایک شر کی طاقت معتزلہ بھی دو خالق مانتے ہیں انکے نزدیک ساری کائنات اور تمام انسانوں کا خالق اگرچہ اللہ ہے مگر بندوں کے افعال کے خالق بندے خود ہیں) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے قدریہ (یعنی معتزلہ جو بندہ کو اپنے تمام افعال کا قادر مطلق جانتے ہیں) اس امت کے مجوسی ہیں اگر یہ بیمار ہو جائیں تو ان کی بیمار پرسی نہ کرو مر جائیں تو جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ رواہ احمد و ابوداؤد من حدیث ابن عمرؓ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے دو قسم کے لوگوں (یعنی دو فرقوں) کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں مرجئہ اور قدریہ (مرجئہ فرقہ قائل ہے کہ صرف ایمان ہر قسم کے عذاب سے بچانے کے لئے کافی ہے عمل کی کوئی ضرورت نہیں، ایمان کی موجودگی میں کوئی گناہ ضرر رساں نہیں) رواہ الترمذی

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا چھ (طرح کے لوگ) ہیں جن پر میں نے بھی لعنت کی اور اللہ نے بھی اور ہر مقبول الدعا نبی نے بھی۔ اللہ کی کتاب میں بیشی کرنے والا۔ تقدیر خداوندی کا انکار کرنے والا۔ زبردستی لوگوں پر تسلط جمانے والا تاکہ جن لوگوں کو اللہ نے عزت دی ہے ان کو ذلیل کر دے اور جن کو اللہ نے ذلت دی ہے ان کو معزز بنا دے۔ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دینے والا میری عترت (اولاد و نسل) کے ساتھ اس عمل کو حلال سمجھنے والا جس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور میرے طریقے کو چھوڑنے والا۔ یہ حدیث رزین نے اپنی کتاب میں اور بیہقی نے المدخل میں ذکر کی ہے

میں کہتا ہوں اللہ کی کتاب میں بیشی کرنے والے رافضی ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ پورا قرآن اس موجودہ مصحف سے زائد تھا کچھ حصہ صحابہؓ نے اس میں سے نکال لیا ہے۔ آیت انا لہ لحافظون پر رافضیوں کا ایمان نہیں ہے۔ اور تقدیر خداوندی کے منکر قدریہ فرقہ والے ہیں (جو انسان کو اپنے افعال کا قادر مطلق جانتے ہیں اور اللہ کو افعال عباد کا خالق نہیں مانتے) اور عترت رسول سے (ممنوعہ) سلوک کو حلال سمجھنے والے خارجی ہیں اور طریقۂ رسولؐ کو چھوڑنے والے تمام بدعتی ہیں جو اپنی رائے پر چلتے ہیں اور قرآن کی آیات متشابہات کی خود ساختہ تاویلیں کرتے ہیں اور سلف صالحین نے ان آیات کی جو تفسیر کی ہے اس کو نہیں مانتے۔ یہ مشبہ اور مجسمہ (اللہ کے اندر مخلوق کی ایسی صفات ماننے والے اور اللہ کا جسم قرار دینے والے) فرقے ہیں اور انہی کی طرح جو دوسرے گروہ ہیں ان کا شمار بھی طریقۂ رسول کے ترک کرنے والوں میں ہے۔ رافضیوں نے تو دین کو ہی چھوڑ دیا کیونکہ دین کا حصول قرآن، حدیث اور اجماع سے ہی ہوتا ہے اور انھوں نے قرآن کو چھوڑ دیا بلکہ اس پر اعتماد کرنے ہی سے منکر ہو گئے انکا قول ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اصل قرآن کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ حذف کر دیا اور جو کچھ بڑھانا چاہا بڑھا دیا انھوں نے سنت رسولؐ کو بھی ترک کر دیا یہ سب صحابہؓ کو کافر اور مرتد کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ رسولؐ کی حدیث کا علم صرف انہی لوگوں کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے جنھوں نے خود سنکر نقل کیا ہو اور نقل کرنیوالے صحابیؓ ہی ہو سکتے ہیں اسلئے حدیث کا علم بغیر صحابہؓ کے ممکن نہیں اور جب صحابہؓ کو کافر مرتد قرار دیدیا تو حدیث کا انکار ہو گیا، انھوں نے اجماع صحابہؓ کا بھی انکار کر دیا اور خود ساختہ احادیث و اقوال کی نسبت حضرت امام جعفر صادقؒ اور حضرت امام محمد باقرؒ اور ان کے اسلاف کرام کی طرف کر دی اور چونکہ تواتر سے ثابت ہو گیا کہ ان سچے اماموں کے اقوال آثار صحابہؓ کے مطابق ہیں (اور اس مطابقت کی کوئی تاویل بن نہ پڑی) تو تقیہ کی فرضیت کا قول گڑھ لیا اور کہدیا

کہ ان سچے اماموں نے تقیہ کر لیا تھا) ان کا ظاہری کلام صحابہؓ کی روایات کے مطابق ہے اور حقیقت میں انہوں نے تقیہ کیا تھا ہمارے اسلاف کو اماموں نے پوشیدہ طور پر اصل حقیقت سے واقف کر دیا تھا اور ہدایت کر دی تھی کہ ان اسرار کو ظاہر نہ کرنا، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں احتیاط رکھنا اور یہ بات ناقابل شک ہے کہ جو بات اخفاء اور اسرار کے طور پر کہی جائے اس کی روایت شہرت و تواتر کی حد تک نہیں ہو سکتی۔ اخبار احاد خواہ ان کے راوی کتنے ہی قابل بھروسہ اور ثقہ ہوں پھر بھی ظن کی حد سے آگے نہیں بڑھتیں اور یقین عطا نہیں کرتیں اور یہاں تو راویوں کے ثقہ ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں۔ مشہور دروغ گو شیطان ان اقوال کے راوی ہیں جنکی نسبت ائمہ کرام کی طرف کی گئی ہے جیسے عبداللہ بن سبا منافق یہودی، ہشام بن سالم، ہشام بن حکم، زید بن جہیم الہلالی، شیطان الطاق اور دیک الجن شاعر وغیرہ ہم نے ان کے اور دوسرے رافضی راویوں کے احوال السیف المسلول میں لکھ دیئے ہیں۔ شاید قرآن کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ اس نے رافضیوں کی طرف جو اپنے آپ کو شیعہ کہتے ہیں آیت ذیل میں اشارہ کر دیا۔

وَكَانُوْا شِيَعًا اور ہو گئے وہ گروہ گروہ، ہر گروہ اپنے خود ساختہ لیڈر کا شیعہ (پیرو و تبع) بن گیا۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ مجھ سے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تیرے اندر عیسیٰ کی (حالت کی) مشابہت ہے عیسیٰ سے یہودیوں نے اتنا بغض کیا کہ ان کی ماں پر بھی تہمت لگائی اور نصاریٰ نے ان سے اتنی محبت کی کہ ان کا اتنا اونچا مرتبہ قرار دیا جو ان کے لئے جائز نہ تھا (یعنی خدا کا بیٹا بنا دیا) حضرت علیؓ نے فرمایا میرے سلسلہ میں دو (قسم کے) آدمی تباہ ہو گئے ایک تو حد سے بڑھ کر محبت کرنے والا جو میرے اندر ایسے (اعلیٰ) اوصاف مانتا ہے جو میرے اندر نہیں ہیں دوسرا مجھ سے بغض رکھنے والا جس کو میری دشمنی اس امر پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ مجھ پر تہمت تراشی کرتا ہے۔ رواہ احمد۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ ہونگے جنکو رافضی کہا جائیگا وہ اسلام کو چھوڑ دینگے۔ رواہ البیہقی

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا عنقریب میرے بعد کچھ لوگ ہونگے جن کو رافضی کہا جائیگا اگر تم ان کو پالو تو قتل کر دینا وہ یقیناً مشرک ہونگے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کی شناخت کیا ہے فرمایا وہ حد سے بڑھکر تمہارے ایسے اوصاف قرار دینگے جو تمہارے اندر نہیں ہیں اور سلف پر نکتہ چینی کرینگے رواہ الدارقطنی۔ دارقطنی نے دوسرے طریق روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے وہ ہماری یعنی ہمارے اہل بیت کی محبت کے مدعی ہونگے مگر واقع میں وہ ایسے نہیں ہونگے ان کی شناخت یہ ہوگی کہ وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کو گالیاں دینگے اس موضوع کی حدیثیں اور

بھی ہیں جن کو السیف المسلول میں ہم نے ذکر کیا ہے۔

لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کا ان سے اور ان کا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔ لست منہم کا یہ مطلب عربی محاورہ کے مطابق ہے۔ عرب محاورہ میں کہتے ہیں اگر تو نے ایسا کیا تو تو مجھ سے اور میں تجھ سے نہیں یعنی میرا تیرا کوئی تعلق نہیں۔ میں تجھ سے الگ اور تو مجھ سے الگ۔

إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ان کی سزا اور بارلے) کا معاملہ اللہ ہی کے ذمہ ہے یعنی حق سے وہ جتنے دور ہو گئے اللہ اتنی ہی ان کو سزا دیگا۔

ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۞ پھر (قیامت کے دن) اللہ ان کو بتا دیگا جو کچھ وہ کرتے تھے یعنی پہلے ان کو دین میں پھوٹ ڈالنے اور بد اعتقاد ہونے کی سزا دیجائیگی پھر بد اعمالی اور گناہ ہونگی۔

مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ جو ایک نیکی لے کر آئیگا اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ملیگا۔ میرے خیال میں اس جگہ ایک شبہ ہو سکتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ نیکی بدی کا بدلہ صرف خدا کا مقرر کردہ ہے رائے اور سمجھ کو اس میں کوئی دخل نہیں کیونکہ کسی عمل اور اس کے بدلہ میں کوئی مشابہت نہیں (نیکی یا گناہ ایک قول یا عمل ہے اور اس کا بدلہ جنت کی نعمت اور دوزخ کے عذاب کی شکل میں ہوگا اور عمل و قول کی نعمت و عذاب سے کوئی مشابہت نہیں) ایک مزدور کو کام کے عوض روپیہ دیا جاتا ہے کام روپیہ کا ہم شکل نہیں ہوتا صرف مزدور اور کام لینے والا کام کی اجرت روپیہ کو قرار دے لیتے ہیں جب اچھائی برائی کے بدلہ کی مقدار اللہ کی مقرر کردہ ہے تو پھر کسی نیکی کے بدلہ کا دس گنا ہونا قابل تصور بھی نہیں ہے اس کا تصور اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب کسی ایک شخص کو نیکی کا بدلہ کسی خاص مقدار میں دیا جائے اور دوسرے آدمی کو اس مقدار کا دس گنا دے دیا جائے مثلاً ایک کام کی اجرت ایک مزدور کو طے شدہ تجویز کے تحت ایک روپیہ دیا جائے اور دوسرے مزدور کو اسی کام کے دس روپیہ دیئے جائیں لیکن اگر سب کو دس دس روپیہ دیئے جائیں تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مزدوری دس گنا دی گئی دس کا اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ایک روپیہ طے شدہ ہو پس کسی نیکی کا دس گنا ثواب اسی وقت دیا جا سکتا ہے جب کسی ایک شخص کو اسی نیکی کا ایک ثواب دیا جائے لیکن جب از روئے آیت حکم میں عموم مانا جائے اور ہر شخص کو ایک نیکی کا دس گنا ثواب قرار دیا جائے تو چونکہ دس گنے کی مقدار کا تعین ہی نہیں کیا جا سکتا اس لئے آیت کا مطلب واضح نہیں ہوتا۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ آیت کے حکم میں عموم نہیں ہے بعض لوگوں کو نیکی کے ثواب کی ادنیٰ مقدار بھی دی جائیگی جو اللہ کے علم میں طے شدہ ہے پھر

دوسرے لوگوں کا جتنا اخلاصِ نیت بڑھتا جائیگا یا اللہ کی مہربانی جس کسی کے حال پر زیادہ ہوتی جائیگی اتنا ہی اجر تفضلی بڑھتا جائے گا جس کو چاہیگا وہ دس گنا دیگا اور جس کو چاہیگا ستر گنا اور جس کو چاہیگا سات سو گنا یا چند در چند ان گنت بے حساب۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث اسی مفہوم پر دلالت کر رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی اپنے اسلام کو خوب ٹھیک کرلے تو پھر اگر ایک نیکی کریگا تو اس کے لئے اس جیسی نیکیاں دس گنے سے لیکر سات سو گنا تک لکھی جائیگی اور اگر کوئی بدی کریگا تو اتنی ہی بدی لکھی جائیگی یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملے متفق علیہ۔ اس فرمان میں رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے چند گنا کرنے کو حسنِ اسلام سے وابستہ کیا اور حسنِ اسلام صرف دل کی صفائی اور نفس کے تزکیہ سے حاصل ہوتا ہے اور ان دونوں کا تعلق اخلاصِ عمل سے ہے تزکیۂ قلب ونفس کے بعد ہی عمل میں اخلاص پیدا ہوتا ہے۔

ایک جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ گذشتہ امتوں کے لئے ایک نیکی کا جتنا ثواب مقرر کیا گیا تھا اس سے دس گنا ثواب اس نیکی کا امت محمدیہ کے لئے مقرر کیا گیا ہے حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تم لوگوں کی میعاد گذشتہ امتوں کی میعاد کی نسبت سے ایسی ہے جیسے عصر سے مغرب تک کا وقت اور یہود ونصاریٰ کی حالت کے مقابلہ میں تم لوگوں کی حالت ایسی ہی ہے جیسے کسی شخص نے کام کرنیکے لئے کچھ مزدور رکھے اور کہدیا کہ جو شخص دوپہر تک کام کریگا اس کو ایک ایک قیراط ملیگا۔ یہودیوں نے اس قول کے مطابق ایک ایک قیراط مزدوری پر آدھے دن کام کیا پھر اس شخص نے کہا اب جو شخص دوپہر سے عصر کی نماز تک کام کریگا اسکو ایک ایک قیراط ملے گا اس قول کے مطابق نصاریٰ نے دوپہر سے عصر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا پھر اس شخص نے کہا اب جو شخص عصر کی نماز سے سورج غروب ہونے تک کام کریگا اس کو دو دو قیراط ملیں گے۔ سنو۔ تم ہی وہ لوگ ہو جو عصر سے مغرب تک کام کروگے اور دوہرا اجر پاؤ گے یہ فیصلہ سن کر یہودی اور عیسائی ناراض ہوگئے اور بولے کام تو ہمارا زیادہ اور اجرت سب سے کم۔ اللہ نے فرمایا تو کیا میں نے تمہاری کچھ حق تلفی کرلی انھوں نے جواب دیا یہ بات تو نہیں ہوئی اس پر اللہ نے فرمایا پھر یہ میری مہربانی ہے جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ رواہ البخاری

میں کہتا ہوں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے نیک عمل کا گذشتہ امتوں کے نیک اعمال سے دوگنا ثواب ملیگا دس گنا ثواب ملنا اس سے ثابت نہیں ہوتا اس لئے اول الذکر جواب ہی زیادہ صحیح ہے بس ایسا ہوسکتا ہے کہ اس امت کے ادنیٰ نیکوکار کو گذشتہ امتوں کے نیکوکاروں کے مقابلہ میں کم سے کم دوہرا ثواب دیا جائے پھر عمل میں جتنا خلوص بڑھتا جائے اور اللہ کی مہربانی میں جسقدر اضافہ ہو اتنی ہی ترتیب میں ترقی ہوتی جائے۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا اور جو بدی لے کر آئیگا اس کو اتنی ہی سزا دیجائیگی۔ کسی کی بدی (کی سزا) میں اضافہ نہیں کیا جائیگا۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ اور ان کی حق تلفی نہیں کی جائیگی (ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا)

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اور میں اس پر زیادتی کرتا ہوں (کہ اللہ نے وحی غیر متلو میں یہ بھی فرمایا ہے) کہ جو شخص بدی لیکر آئیگا اس کی بدی کی سزا بقدر بدی ہوگی اور میں معاف بھی کردونگا (جس کو چاہونگا) جو بالشت بھر میرے قریب آئیگا میں ایک ہاتھ اس کے قریب آجاؤں گا اور جو ایک ہاتھ میرے قریب آئیگا میں ایک گز اس سے قریب ہوجاؤنگا جو میرے پاس معمولی چال سے آئیگا میں اس کے پاس لپک کر آؤنگا اور جو مجھ سے زمین بھر گناہوں کے ساتھ ملیگا بشرطیکہ مشرک نہ ہو میں اس سے اتنی ہی مغفرت کے ساتھ ملونگا۔ رواہ البغوی۔

اس آخری جملہ کا معنی یہ ہے کہ اگر میں چاہونگا تو اتنی ہی مغفرت کے ساتھ اس سے ملونگا یعنی گناہوں کو بخشنا لازم نہیں بلکہ میری مشیت پر موقوف ہے میں چاہوں گا تو سارے گناہ معاف کردونگا اور مغفرت کرنی نہ چاہونگا تو گناہوں کی سزا دونگا، کیونکہ جزاء سیئۃ بمثلہا بھی اللہ کا قول ہے (کہ گناہ کے بقدر گناہ کی سزا ہوگی) بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا آیت میں صدقات کے علاوہ دوسری نیکیاں مراد ہیں کیونکہ صدقات کا ثواب تو سات سو گنا تک چند در چند ہوتا جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عمرؓ کی اس تشریح کی علت یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اور حضرت ابن عمرؓ کے نزدیک یہ حکم صرف صدقات کے ساتھ مخصوص ہے (یعنی اس آیت میں جو سات سو گنا ثواب ملنے کی صراحت فرمائی ہے وہ صرف مالی خیرات سے تعلق رکھتی ہے) حالانکہ مالی صدقات کے ساتھ اس حکم کی خصوصیت نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے ہر تسبیح (ایک بار سبحان اللہ پڑھنا) صدقہ ہے ہر تحمید (ایک بار الحمد للہ کہنا) صدقہ ہے ہر تہلیل (ایک بار لا الٰہ الا اللہ کہنا) صدقہ ہے اور ہر تکبیر (ایک بار اللہ اکبر کہنا) صدقہ ہے۔ رواہ مسلم و ابوداؤد و ابن ماجۃ من حدیث ابی ذرؓ بلکہ اللہ کے ذکر کا ثواب صدقات سے زائد ہے۔ حضرت ابوالدرداؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو تمہارے سارے اعمال سے بہتر اور تمہارے مالک کے نزدیک پاکیزہ تر اور تمہارے درجات کو سب اعمال سے زیادہ اونچا کرنے والی ہے اور سونا چاندی خیرات کرنے سے بھی اعلیٰ ہے اور دشمن کا مقابلہ کر کے ان کی گردنیں کاٹنے اور اپنے گلے کٹوانے سے بھی افضل ہے صحابہؓ نے عرض کیا ضرور فرمایئے

ارشاد فرمایا اللہ کی یاد۔ رواہ ابن ماجۃ والحاکم والترمذی واحمد۔ طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اللہ کے ذکر سے افضل کوئی صدقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے مجھے ایک سیدھا راستہ بتادیا ہے یعنی فطری اور تخلیقی طور پر بھی معصوم بنایا ہے پھر وحی اور دلائلِ واضحہ کے ذریعہ سے بھی ہدایت فرمادی ہے۔

دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ کہ وہ ایک دین ہے مستحکم جو طریقہ ہے ابراہیم کا ابراہیم میں کوئی کجی نہ تھی اور نہ وہ مشرکوں میں سے تھے قِیَمًا مخفف ہے مصدر ہے بمعنی صفت۔ اصل میں قِیْمًا تھا۔ چونکہ مادہ واوی ہے اس لئے قِیَمًا کی اصل بھی قِوَمًا تھی جیسے قیام کی اصل قوام تھی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مستقیم اور قیم ہم معنی ہیں۔ ملۃ ابراہیم عطف بیان ہے اور حنیفًا ابراہیم سے حال ہے۔ یعنی ابراہیم مشرک نہ تھے پس اے اہلِ مکہ تم اپنے باپ کے طریقہ کے خلاف شرک کیوں کرتے ہو تم تو ابراہیم کے طریقہ پر چلنے کے دعویدار ہو۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ آپ کہہ دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔

نسک سے مراد ہے حج وعمرہ میں قربانی مقاتل نے کہا حج مراد ہے بعض نے دین مراد لیا ہے بعض نے عبادت یہ سب معانی قاموس و صحاح میں مذکور ہیں محیا اور ممات مصدر ہیں یعنی موت، وحیات۔ زندگی اور موت کا مالک اللہ ہے یعنی وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے بعض علماء نے کہا مطلب یہ ہے کہ ایمان وطاعت جس پر میں زندہ ہوں اور جس پر میں مرونگا سب اللہ ہی کے لئے ہے، یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مَحْیَا سے مراد ہیں زندگی کی طاعتیں جیسے نماز روزہ وغیرہ اور ممات سے مراد ہیں وہ طاعتیں جن کا تعلق مرنے سے ہے جیسے وصیت اور مرنے کے بعد غلاموں کی آزادی یعنی غلاموں کو مدبر بنانا۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ زندگی میں میری ساری بندگیاں اللہ کے لئے ہیں اور مرنے کے بعد ان کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔ بعض نے اس طرح تفسیر کی کہ عمل صالح کے ساتھ میری زندگی اور ایمان کے ساتھ میری موت اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔

لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ اس کا کوئی شریک نہیں یعنی اس کے ساتھ میں کسی کو شریک نہیں قرار دیتا

وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ اور اسی (اقرار و اخلاص) کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔

وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں یعنی اس امت میں سب سے

پہلا مسلم ہوں اور جس بات کو تم سے پہلے میں حاصل کر چکا ہوں اسی کی تم کو دعوت دیتا ہوں اس سے تم کو سمجھ لینا چاہئے کہ میں تمہارا بہی خواہ ہوں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ کفار قریش رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، سے درخواست کرتے تھے کہ آپ ہمارے مذہب کی طرف لوٹ آئیں اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ استفہام انکاری ہے اور وھو رب کل شئ حال ہے مگر علت انکار کی جگہ اس کو ذکر کیا گیا ہے (گویا واؤ تعلیل کا ہے) مطلب یہ ہے کہ کیا اللہ کی عبادت میں میں کسی اور کو شریک کروں اور دوسرے کو رب بنانے کی خواہش کروں میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور میری طرح کائنات کی ہر چیز اسی کی مربوب ہے معبود ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ سابق آیت میں حکم دیا تھا کہ آپ کہہ دیں میرا دین ابراہیم کا دین ہے اس سے وہم ہو سکتا تھا کہ شاید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین ابراہیم کو بطور تقلید اختیار کیا ہے اور جس طرح کفار آباؤ اجداد کے دین کی تقلید کرتے تھے اسی طرح آپ بھی دین اسلاف کے پابند تھے اس وہم کو اغیر اللہ ابغی ربا وھو رب کل شئ کہہ کر زائل فرما دیا بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ ولید بن مغیرہ کہتا تھا میرے راستہ پر چلو تمہارا بار گناہ اپنے اوپر اٹھانے کا میں ذمہ دار ہوں اس کی تردید میں اللہ نے فرمان صادر فرمایا۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے یعنی جو شخص کوئی جرم کریگا اس کا گناہ اپنے اوپر اٹھائے گا اگر کوئی اللہ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کا طلب گار ہوگا تو اس کا وبال خود اس پر پڑیگا کسی دوسرے کا ذمہ دار رہنا کچھ فائدہ نہیں پہنچائیگا۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ (اپنے اوپر) نہیں اٹھائیگا وازرۃ اور اخریٰ کا موصوف محذوف ہے یعنی نفس وازرۃ اور نفس اخری یعنی گناہگار نفس کے گناہوں کا بوجھ کوئی اپنے اوپر نہیں اٹھائے گا۔

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہوگا پھر وہ تم کو جتلادیگا جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے یعنی قیامت کے دن تم سب کو اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے تمہارے اندر جو دینی اختلاف ہے اس میں کون حق پر ہے کون باطل پر اس کا فیصلہ اس روز اللہ کر دیگا اور ہر ایک کو اسکے عمل اور اعتقاد کے بموجب سزا جزا دے گا۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَٰئِفَ الْأَرْضِ اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین پر (پہلی قوموں کی جگہ) با اختیار بنایا یعنی اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ نے گذشتہ اقوام کی ہلاکت کے بعد تم کو اس زمین کا والی وارث بنا دیا۔

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ ءَاتَىٰكُمْ ۗ اور اس نے تم میں سے بعض کے بعض کے درجے اونچے کئے تاکہ اللہ نے جو کچھ تم کو عطا فرمایا ہے اس میں تمہاری ظاہرا جانچ کرے یعنی جو جاہ و مال تم کو دیا ہے اس میں ظاہر ہو جائے کہ تم شرک کرتے ہو یا شکر۔

إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُۥ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌۢ ﴿۱۶۵﴾ بالیقین آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ بڑی مغفرت اور مہربانی کرنے والا (بھی) ہے۔

یعنی جب چاہیگا اپنے دشمنوں پر فوراً عذاب لے آئیگا موت کے بعد یا قیامت کے دن تک عذاب کو مؤخر کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ عذاب دور ہے کوئی آنے والی چیز دور نہیں ہوتی۔ اللہ نے آیت ان ربک میں سرعت کی نسبت عذاب کی طرف کی (کیونکہ سریع العقاب کا معنی ہے سریع عقابہ) براہ راست اپنی ذات کی طرف نہیں کی (کیونکہ سریع العقاب اللہ کی صفت ہے مگر صفت بحال متعلقہ) اور مغفرت و رحمت کی نسبت اپنی ذات کی طرف مبالغہ کے صیغہ اور لام تاکید کے ساتھ براہ راست کی اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ بذات خود تو رحیم و غفور ہے لیکن صفت ربوبیت کا تقاضا ہے کہ مجموعہ کا نظم درست ہو اس لئے بالعرض سرکشوں کو عذاب دینے والا بھی ہے۔ اس کی رحمت کثیر ہے اور عذاب قلیل بیشتر درگذر فرماتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مجھ پر سورۂ انعام پوری ایک ہی مرتبہ میں اتری اس کی مشایعت میں ستر ہزار فرشتے تھے۔ جن کی تسبیح و تحمید کا ایک غلغلہ تھا۔ رواہ الطبرانی فی المعجم الصغیر و ابو نعیم فی الحلیۃ و ابن مردویہ فی التفسیر۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب سورۃ الانعام نازل ہوئی تو آپ نے سبحان اللہ پڑھا، پھر فرمایا اس سورت کے پیچھے اتنے فرشتے تھے کہ آسمان کے کنارے انہوں نے بند کر دیئے تھے (یعنی پورے آسمان پر کناروں تک چھا گئے تھے) رواہ الحاکم فی المستدرک۔ یہ حدیث بھی دلالت کر رہی ہے کہ سورت انعام یک دم پوری اتری تھی۔ مختلف آیات کے اسباب نزول جو الگ بیان کئے گئے ہیں شاید اس کی صورت یہ ہوئی کہ مختلف واقعات قریب قریب اوقات میں ظاہر ہوئے اور چونکہ بعض آیات کا بعض اسباب سے اور دوسری بعض آیات کا دوسرے اسباب سے ربط اور تناسب تھا اس لئے اس آیت کے نزول کا سبب اس واقعہ کو قرار دے دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ

آیت فلاں واقعہ کے متعلق اور یہ آیت فلاں سبب کے تحت نازل ہوئی (ورنہ احادیثِ مذکورہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ پوری سورت ایک ہی وقت میں نازل ہوئی[1])

۱۹ ربیع الثانی ۱۱۹۹ھ کو اس جگہ تک تفسیر مظہری کی تالیف

ختم ہوئی اور بعون اللہ تعالیٰ ۱۳ جمادی الاول ۱۳۸۲ھ کو یہاں تک

ترجمہ پورا ہوا۔

کتابت ۲۸ ۷/۸ ۸۲ھ

مطابق ۳ دسمبر ۱۹۶۲ء

---

[1] حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا سورت الانعام قرآن مجید کی بزرگ ترین سورتوں میں سے ہے بیہقی نے شعب الایمان میں مجہول سند سے حضرت علی کا قول مرفوعاً نقل کیا ہے کہ سورت الانعام جس بیمار پر پڑھی جائیگی اللہ اس کو شفاء رحمت فرمائیگا۔

سُورَةُ الْاَعْرَافِ

بیشتر آیات مکہ میں نازل ہوئیں کچھ آیات مدنی بھی ہیں کل ۲۰۵ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓمّٓصٓ سورۂ بقرہ میں ایسے الفاظ کی تشریح کردی گئی ہے۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے اوپر اتاری گئی ہے۔ کتابٌ خبر ہے مبتدا محذوف ہے یعنی ھذا الکتابُ یا المص مبتدا ہے اگر اس سے سورت یا قرآن مراد ہو اور کتابٌ اس کی خبر ہے اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔ کتابٌ کی صفت ہے۔

فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہونا چاہیے حرج کا لغوی معنی ہے تنگی۔ مجاہد کے نزدیک اس جگہ شک مراد ہے کیونکہ دل کی تنگی شک کا سبب ہے اور سینہ کی کشائش یقین کا سبب۔ سینہ کی کشائش اور تنگی کی بحث سورۂ انعام کی آیت فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام کی تفسیر کے ذیل میں گذر چکی ہے۔ ابو العالیہ نے کہا کہ تبلیغ قرآن کی راہ میں لوگوں کے خوف کا حائل ہونا حرج ہے یعنی اس بات سے ڈر کر تبلیغ میں کمی نہ کرو کہ لوگ مخالفت کرینگے اور ایذا پہنچائینگے کیونکہ اگر کوئی کام کرنے میں ڈر لگا ہو تو آدمی بشاشت خاطر اور جستی سے اس کام کو نہیں کرتا اور اس کام کے لئے سینہ میں کشائش نہیں پیدا ہوتی بعض نے کہا کہ قرآن کا پورا پورا حق ادا کرنے سے ڈرنا مراد ہے

اصل خطاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے (یعنی آپ ایسا نہ کریں) لیکن ممانعت میں زور پیدا کرنے کے لئے نہی کا رخ حرج کی طرف پھیر دیا گیا (اور فرمایا کہ تمہارے دل میں تنگی نہ ہو) مراد آیت یہ ہے کہ آپ اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے میں شک نہ کریں۔ یا کسی شخص سے نہ ڈریں کسی کی پروا نہ کریں ہم آپ کے محافظ ہیں۔ یا حقوق کتاب کو پورے طور پر ادا نہ کرنے کا آپ اندیشہ نہ کریں ہم آپ کو اس کی سہولت فراہم کردینگے اور ادا حقوق کی توفیق عطا کرینگے۔

لِتُنْذِرَ بِهٖ تاکہ اس کے ذریعہ سے آپ (منکروں اور نافرمانوں کو) ڈرائیں۔ لتنذر کا تعلق اُنزِلَ سے ہے (کتاب اس لئے نازل کی گئی کہ آپ ڈرائیں) یا لا یکن سے مربوط ہے کیونکہ جب رسولؐ کو یقین

ہوجائیگا کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے آئی ہے تو جرأت کے ساتھ لوگوں کو نافرمانی سے ڈرائیں گے یا کافروں سے بالکل خوف نہ کرینگے یا اس بات کا یقین کر لینگے کہ اللہ اس کتاب کی تبلیغ و اقامت میں میری مدد کریگا مجھے توفیق عطا فرمائیگا (یہ تینوں شقیں جدا جدا مؤلف نے حرج کے مرادی معنی کے اختلاف کے پیش نظر بیان کی ہیں)

وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ○ اور اہل ایمان کے لئے یہ یادداشت یعنی نصیحت ہے۔ ذکریٰ کا عطف کتاب پر ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے یا محذوف فعل کا مفعول ہے یا محل تُنذر پر معطوف ہونیکی وجہ سے مجرور ہے۔

اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ (رسول کے ذریعہ سے) جو ہدایت تم پر تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے اس پر چلو۔ خواہ وحی جلی ہو یا خفی۔ ما انزل کے تحت حدیث بھی آگئی۔

وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ط اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع نہ کرو یعنی جن و انس کی اطاعت اللہ کی معصیت میں نہ کرو۔ من دونہ کے لفظ سے انبیاء و اولیاء کے اتباع کی ممانعت آیت کے حکم سے خارج ہوگئی کیونکہ اس مقدس گروہ کی ولایت کا حکم تو اللہ کی طرف سے ہے۔

قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ○ تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو۔

قلیلاً کا موصوف محذوف ہے یعنی تذکّراً قلیلاً یا زماناً قلیلاً۔ لفظ۔ ما۔ کی زیادتی قلت کی تاکید کے لئے ہے یہ ما مصدری نہیں ہے ورنہ قلیلاً۔ تذکرون کا مفعول نہیں ہوسکتا۔ قلتِ تذکّر کا مخاطب پورا انسانی گروہ ہے اس گروہ میں سے کچھ لوگ یعنی اہل ایمان تذکر کی کثرت رکھتے ہیں۔

وَكَم مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ قَائِلُونَ ○ اور بہت بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا اور ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت پہنچا یا ایسی حالت میں کہ دوپہر کے وقت وہ آرام میں تھے۔ ہلاک کرنے سے مراد ہے بستی والوں کو تباہ کرنے کا ارادہ کرنا یا ان کو بے مدد چھوڑ دینا۔ بأس عذاب بیات مصدر ہے بمعنی اسم فاعل (یعنی وہ رات کو آرام کر رہے تھے) قیلولہ دوپہر کو آرام کے لئے لیٹنا نیند ہو یا نہ ہو یا جاءھا بأسنا۔ أهلكناها سے بدل ہے اس صورت میں ہلاک کرنے کی تشریح اور توضیح اس سے ہو رہی ہے جیسے محاورہ میں بولا جاتا ہے تم نے میرے ساتھ احسان کیا کہ مجھے اتنا مال دے دیا۔ خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ بہت بستیاں ایسی تھیں کہ جب ان کے باشندوں کو ہلاک کرنے کا ہم نے ارادہ کیا اور وہ غفلت کی حالت میں پڑے تھے ان کو کوئی اندیشہ نہ تھا بس ان کو رات کے وقت سوتے میں کبھی ہمارے عذاب نے آلیا جیسے قوم لوط پر آیا اور کبھی دوپہر کو آرام کے وقت غیبی عذاب آگیا جیسے قوم شعیب پر آیا رات اور دوپہر کے وقت کا خصوصی ذکر بستی والوں کی انتہائی غفلت کو ظاہر کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔

فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا إِلَّا أَن قَالُوا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ○ سو جس

وقت ان پر ہمارا عذاب آیا اس وقت ان کے منہ سے بجز اس کے کوئی بات نہیں نکلی تھی کہ واقعی ہم ظالم تھے۔ دعویٰ بمعنی قول۔ دعا۔ گڑگڑانا۔ سیبویہ نے کہا عرب کہتے ہیں اے اللہ مسلمانوں کے اچھے دعوے میں تو ہم کو شامل کر دے یعنی اچھی دعاؤں میں۔ مقصد یہ ہے کہ عذاب کو رد کر دینے کی تو ان میں سکت نہیں تھی مجبوراً اپنی ناحق کوشیوں کا ان کو اقرار کرنا پڑا مگر ایسے وقت میں اعتراف سود مند نہ تھا۔

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا اور پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔

بیہقی نے ابوطلحہ کی سند سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہم لوگوں سے پوچھیں گے کہ پیغمبروں کی دعوت کا تم نے کیا جواب دیا اور پیغمبروں سے سوال کریں گے کہ تم نے ہمارے احکام پہنچائے یا نہیں۔ ابن مبارک نے وہب (بن منبہ) کا قول بیان کیا کہ قیامت کے دن اسرافیل کو طلب کیا جائیگا اسرافیل لرزتے کپکپاتے حاضر ہونگے دریافت کیا جائیگا۔ لوح محفوظ نے جو کچھ تم کو دیا تھا تم نے اس کا کیا کیا۔ اسرافیل عرض کرینگے میں نے جبرئیلؑ کو پہنچا دیا جبرئیلؑ کو بلایا جائیگا جبرئیلؑ لرزاں ترساں حاضر ہونگے دریافت کیا جائیگا اسرافیلؑ نے جو کچھ تم کو پہنچایا تھا تم نے اس کا کیا کیا۔ جبرئیلؑ عرض کرینگے میں نے پیغمبروں کو پہنچا دیا پیغمبروں کی پیشی ہوگی اور دریافت کیا جائیگا جبرئیل نے تم کو جو کچھ پہنچایا تھا تم نے اس کے متعلق کیا کیا پیغمبر عرض کرینگے ہم نے لوگوں تک پہونچا دیا۔ یہی مطلب ہے آیت فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ۔ کا۔

مسلمؒ نے حضرت جابرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حج وداع کے خطبہ میں فرمایا تم سے میرے متعلق دریافت کیا جائے گا تم کیا کہو گے۔ حاضرین نے عرض کیا ہم شہادت دینگے کہ آپ نے (اللہ کا پیام) پہنچا دیا ادا کر دیا اور نصیحت کر دی حضور صلعم نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہنا امام احمد نے حضرت معاویہؓ بن جیدہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میرا رب مجھے بلائیگا اور پوچھے گا کیا تو نے میرے بندوں کو (میرا پیام) پہنچا دیا۔ میں جواب دوں گا۔ بیشک میں نے ان کو پہنچا دیا۔ لہٰذا جو لوگ موجود ہیں وہ غیر موجود لوگوں تک یہ پیام پہنچا دیں۔ پھر قیامت کے دن (تم کو طلب کیا جائیگا اس وقت تمہارے منہ بند ہونگے (کچھ بول نہ سکو گے) سب سے پہلے تمہاری ران اور ہتھیلی (بولیگی اور) اظہار حال کرے گی۔

ابوالشیخ نے العظمۃ میں ابوسنان کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن حساب فہمی کے لئے سب سے پہلے لوح کو طلب کیا جائے گا لوح لرزاں ترساں حاضر ہوگی دریافت کیا جائیگا کیا تو نے (میرے احکام) پہنچا دیئے

لوح عرض کریگی جی ہاں! اللہ فرمائیگا تیرا گواہ کون ہے لوح عرض کریگی اسرافیل۔ اسرافیل کو طلب کیا جائیگا وہ لرزتے کپکپاتے حاضر ہونگے اللہ فرمائیگا کیا لوح نے تجھے پہنچا دیا اسرافیل عرض کرینگے جی ہاں اس پر لوح کہیگی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے محاسبہ کے بڑے نتیجہ سے محفوظ رکھا۔

ابن مبارک نے الزہد میں ابو حیلہ کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے اسرافیل کو طلب کیا جائیگا اور اللہ فرمائیگا کیا تو نے میرا حکم پہنچا دیا۔ اسرافیل عرض کرینگے جی ہاں! میں نے جبرئیل کو پہنچا دیا۔ جبرئیل کی طلبی ہوگی اور ان سے اللہ پوچھے گا کیا اسرافیلؑ نے تجھے میرا حکم پہونچا دیا جبرئیلؑ عرض کرینگے جی ہاں اس پر اسرافیل کی چھوٹ ہوجائیگی پھر جبرئیل سے اللہ فرمائیگا تو نے میرے حکم کے متعلق کیا کیا جبرئیل عرض کرینگے پروردگار میں نے پیغمبروں کو پہنچا دیا۔ اس پر پیغمبر بلائے جائینگے اور ان سے دریافت ہوگا کہ کیا میرا حکم جبرئیل نے تم کو پہنچا دیا پیغمبر عرض کرینگے جی ہاں اور دریافت کیا جائیگا پھر تم نے کیا کیا پیغمبر عرض کرینگے ہم نے امتوں کو پہنچا دیا۔ امتوں سے دریافت کیا جائیگا کیا پیغمبروں نے تم کو پہنچا دیا تھا اس پر کچھ لوگ پیغمبروں کے قول کی تکذیب کرینگے اور کچھ تصدیق پیغمبر عرض کرینگے ہمارے پاس اپنے قول کے گواہ ہیں جو ان (تکذیب کرنیوالوں) کے خلاف شہادت دے سکتے ہیں اللہ فرمائے گا وہ کون ہیں پیغمبر عرض کرینگے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت اس پر امتِ محمدیہ کی طلبی ہوگی اور اس سے دریافت کیا جائیگا کیا تم شہادت دیتے ہو کہ پیغمبروں نے اپنی امتوں کو میرا حکم پہنچا دیا تھا۔ امت محمدیہ جواب دیگی جی ہاں! انبیاء کی امتیں کہیں گی جو لوگ ہمارے زمانہ میں نہیں ہوئے وہ ہمارے خلاف کیسے شہادت دیتے ہیں اللہ امتِ محمدیہ سے فرمائیگا تم ان پر کس طرح شہادت دیتے ہو تم تو ان کے زمانہ میں موجود نہ تھے وہ عرض کرینگے اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس پیغمبر بھیجا تھا اور اپنی کتاب بھی اتاری تھی جس میں تو نے بیان فرما دیا تھا کہ پیغمبروں نے اپنی امتوں کو تیرا پیام پہنچا دیا آیت وکذالک جعلنکم امۃ وسطًا الخ کا یہی مطلب ہے۔ سورۂ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت کردہ حدیث جس کا تعلق شہادتِ امت سے ہے ذکر کردی ہے وہاں مطالعہ کرو۔

ولنسئلن المرسلین کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ہم پیغمبروں سے پوچھیں گے تمہاری امتوں نے کیا جواب دیا یہی مضمون دوسری آیت میں آیا ہے فرمایا ہے یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب۔ اس آیت کی تفسیر سورۂ مائدہ میں گذر چکی ہے۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِم بِعِلْمٍ ۖ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ○ پھر چونکہ ہم پوری خبر رکھتے تھے ان کے روبرو بیان کردینگے اور ہم بے خبر نہ تھے۔ یعنی جب پیغمبر کہیں گے ہم کو کوئی علم نہیں یا جب امتیں تبلیغ کا انکار کردیں گی اور امت محمدیہ شہادت دیگی تو ہم پیغمبروں اور ان کی امتوں کے روبرو بیان کردینگے۔ بعلم کا مطلب یہ ہے کہ

ہم کو چونکہ معلوم تھا یا ہم ان کے ظاہر و باطن کو جانتے تھے (اول صورت میں مصدر بمعنی اسم مفعول اور دوسری صورت میں بمعنی اسم فاعل ہوگا) ہم غافل نہ تھے کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبروں کی تبلیغ سے یا امتوں کے جواب اور امتِ محمدیہ کی شہادت سے بے خبر نہ تھے مگر کافروں کو زجر و سرزنش کرنی انبیاء اور مسلمانوں کے شرف کو ظاہر کرنا اور شہادت دلوا کر امت محمدیہ کو فضیلت عطا کرنا چونکہ مقصود ہوگا اس لئے یہ سوالات کئے جائینگے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ج اور ٹھیک ٹھیک تول اس روز ہوگی۔

یعنی جس روز پیغمبروں سے اور ان کی امتوں سے سوال ہوگا اس روز میزانِ عدل سے اعمال کا ٹھیک ٹھیک وزن ضرور ہوگا۔ الوزن مبتدا ہے اور یومئذٍ خبر اور الحق مبتدا کی صفت۔ الحق سے مراد ہے ٹھیک برابر یا الحق خبر ہے اور مبتدا محذوف ہو یعنی وہ حق ہے اس میں کوئی شک نہیں اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

حدیثِ جبرئیلؑ میں حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے آیا ہے کہ حضرت جبرئیل نے کہا محمد ایمان (سے مراد) کیا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا (ایمان یہ ہے کہ) تم اللہ کو اس کے فرشتوں اور اس کے پیغمبروں کو مانو اور جنت دوزخ اور میزان پر یقین رکھو اور مرنے کے بعد حشر جسمانی کو تسلیم کرو اور اس بات پر ایمان رکھو کہ ہر اچھی بری چیز قدر (الہی) کے اندر ہے (یعنی اللہ کی تقدیر سابق سے کوئی چیز خارج نہیں) اگر تم نے ایسا کر لیا تو بس قطعی مومن ہو حضرت جبرئیلؑ نے کہا جی ہاں آپ نے سچ فرمایا۔ رواہ البیہقی فی البعث عن ابن عمر ابن مبارک نے الزہد میں اور اجری نے الشریعۃ میں حضرت سلمان کی روایت سے اور ابوالشیخ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہونگے۔

وزن کس چیز کا اور کس طرح ہوگا اس کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں بعض علماء نے کہا اعمالنامے تولے جائینگے۔ ترمذی ابن ماجہ ابن حبان حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میری امت کا ایک آدمی کو سب کے سامنے لایا جائیگا اور اس کے ننانوے اعمالنامے کھولے جائیں گے ہر اعمالنامہ کی لمبائی بقدر رسائی نگاہ ہوگی اللہ اس سے فرمائیگا کیا تجھے اس میں سے کسی بار، کا انکار ہے، کیا میرے نگراں محرروں نے (لکھنے میں) کچھ تیری حق تلفی کی ہے وہ شخص جواب دیگا نہیں۔ میرے مالک (حق تلفی نہیں کی) اللہ فرمائیگا کیوں نہیں۔ تیری ایک نیکی ہمارے پاس موجود ہے اور آج تجھ پر ظلم نہیں کیا جائیگا اس کے بعد ایک چھوٹا پرچہ نکالا جائیگا جس میں اشهد ان لا الہ الا اللہ واشهد ان محمدا عبدہ ورسولہ لکھا ہوگا وہ شخص عرض کریگا میرے مالک ان دفتروں کے مقابلہ میں اس چھوٹے پرچہ کی کیا حقیقت ہے اللہ فرمائیگا تجھ پر ظلم نہیں ہوگا پھر تمام دفاتر اعمال ایک پلڑے میں اور وہ چھوٹا پرچہ دوسرے پلڑے میں رکھدیا جائیگا اور اعمالناموں والا پلڑا

اوپر اٹھ جائیگا اور پرچہ والا پلڑا بھاری نکلے گا اللہ کے نام سے کوئی چیز بھاری نہیں۔

امام احمد نے حسن سند سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا قیامت کے دن ترازو میں قائم کی جائیں گی پھر ایک آدمی کو لا کر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائیگا اور اس چیز کو بھی اس پلڑے میں رکھ دیا جائیگا جس میں اس کے اعمال کا گنتی کے ساتھ اندراج کیا گیا تھا ترازو اس کو لے کر جھک جائیگی نتیجہ میں اس کو دوزخ کی طرف بھیجدیا جائیگا جونہی اس کی پشت پھرائی جائے گی۔ رحمٰن کی طرف سے ایک منادی بلند آواز سے پکارے گا جلدی نہ کرو ابھی اس کا کچھ رہ گیا ہے چنانچہ ایک چھوٹا پرچہ لایا جائیگا جس میں لا الٰہ الا اللہ لکھا ہوگا وہ پرچہ (دوسرے پلڑے میں) اس آدمی کے ساتھ رکھ دیا جائیگا فوراً ترازو ادھر کو جھک جائیگی۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ کی طرف سے حضرت آدم کے ٹھیرنے کا ایک خاص مقام ہوگا دو سبز کپڑے پہنے وہ ایسے معلوم ہونگے جیسے کوئی کھجور کا لمبا درخت۔ اپنی جگہ کھڑے کھڑے دوزخ کی طرف جانیوالوں کو دیکھتے ہونگے اسی اثنا میں امت محمدی کے ایک شخص کو دوزخ کی طرف لیجاتا دیکھ کر پکاریںگے۔ احمد۔ میں جواب دونگا ابو البشر میں یہ ہوں حضرت آدم کہینگے تمہاری امت کے اس آدمی کو دوزخ کی طرف لیجایا جا رہا ہے میں یہ سنتے ہی فوراً جلد جلد تیاری کر کے فرشتوں کے پیچھے جاؤنگا اور کہونگا اے اللہ کے قاصدو ٹھیر جاؤ فرشتے کہینگے ہم سخت خو اور طاقتور ہیں اللہ جو حکم دیتا ہے اس کے خلاف نہیں کرسکتے جیسا حکم ملتا ہے ویسا ہی کرتے ہیں (راوی نے کہا) جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نا امید ہو جائیں گے تو بائیں ہاتھ کی مٹھی میں ریش مبارک پکڑ کر عرش کی طرف رخ کر کے عرض کرینگے میرے مالک تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے میری امت میں رسوا نہ کریگا فوراً عرش سے ندا آئیگی۔ محمد کا کہنا مانو اور مقام (میزان) کی طرف اس بندہ کو واپس لے آؤ (حضور نے فرمایا) پھر میں پورے برابر ایک سفید پرچہ اپنی گود سے نکال کر بسم اللہ کہہ کے ترازو کے دائیں پلڑے میں ڈالوں گا جس سے نیکیوں کا پلڑہ جھک جائیگا فوراً ندا ہوگی کامیاب ہوگیا۔ اس کی کوشش کامیاب ہوگئی (اس کی نیکیوں کا وزن) بھاری نکلا اس کو جنت کو لیجاؤ وہ شخص (فرشتوں سے) کہیگا اے میرے رب کے کارندو ذرا ٹھیر جاؤ میں اس معزز بندہ سے کچھ دریافت کرلوں جس کی بارگاہ الٰہی میں اتنی عزت ہے پھر رسول اللہ کی طرف رخ کر کے کہیگا آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ آپ کون ہیں آپ کا چہرہ کتنا حسین اور آپ کے اخلاق کتنے اعلیٰ ہیں آپ نے مجھے لوٹا دیا اور میری آبرو پر رحم فرمایا میں۔ جواب دونگا۔ میں تیرا نبی محمد ہوں اور یہ تیری وہ درود ہیں جو تو مجھ پر پڑھتا تھا آڑے وقت میں یہ تیرے کام آئیں۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اعمال کو نہیں اشخاص کو تولا جائیگا صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کچھ بڑے قد آور موٹے آدمی قیامت کے دن ایسے ہونگے

کہ اللہ کے نزدیک انکا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا پھر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت فلا نقیم لھم یوم القیمۃ وزنًا تلاوت فرمائی۔ ابو نعیم اور اجری نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آیت کی تشریح کے ذیل میں فرمایا کہ (بعض) طاقتور قوی الجثہ بہت کھانے پینے والے آدمیوں کو ترازو میں رکھا جائیگا تو ان کا وزن جو برابر بھی نہیں نکلیگا۔ فرشتہ ایسے ستر ہزار آدمیوں کو ایک دم دھکا دیکر دوزخ میں پھینک دیگا۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اعمال کو مجسم بنا دیا جائیگا اور پھر ان کو تولا جائیگا۔ کیونکہ بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں (لیکن) میزان میں بھاری (اور) اللہ کو پیارے ہیں سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم وبحمدہ۔ اصبہانی نے الترغیب میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمار ہے تھے، سبحان اللہ ترازو کے آدھے پلڑے کو اور الحمد للہ پوری ترازو کو بھر دیگا۔ مسلم نے حضرت ابو مالک اشعری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا طہارت نصف ایمان ہے اور الحمد للہ ترازو کو پُر کردے گا۔ ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی ترغیب کی روایت کی طرح حدیث نقل کی ہے۔ بزار اور حاکم نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت نوح نے اپنی وفات کے وقت دو بیٹوں کو بلایا اور فرمایا میں تم کو لا الٰہ الا اللہ (کے یقین رکھنے اور اعتراف کرنے) کا حکم دیتا ہوں کیونکہ آسمانوں اور زمین کو مع اسکی موجودات کے اگر میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں لا الٰہ الا اللہ کو رکھا جائے تو یہ (موخر الذکر) پلڑا بھاری پڑیگا۔ ابو یعلی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ نے (حضرت موسیٰؑ سے) فرمایا موسیٰ اگر تمام آسمان اور میرے علاوہ ان کی ساری موجودات اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں ہوں اور دوسرے پلڑے میں لا الٰہ الا اللہ ہو تو یہ ان (آسمان وزمین) کو لے جھکیگا (یعنی ان کا پلڑا اونچا ہو جائیگا)

طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تمام آسمان وزمین اور ان کے اندر کی موجودات اور دونوں کے درمیان کی کائنات اور زمینوں کے نیچے کی مخلوقات سب کو لاکر میزان کے ایک پلڑے میں اور لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دوسرے پلڑے میں رکھدی جائے تو یہ ان سب سے وزنی ہوگی۔ ابوداؤد، ترمذی اور ابن حبان نے حضرت ابو درداؓ کی روایت سے لکھا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسن اخلاق سے زیادہ بھاری، میزان میں کوئی چیز نہیں (ہوگی)، بزار، طبرانی، ابو یعلی، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حسن سند سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ابوذرؓ سے) فرمایا ابوذر کیا میں تجھے دو

خصلتیں ایسی بتاؤں جو پشت پر تو ہلکی ہیں (یعنی جن کو اٹھانا آسان ہے) مگر میزان میں تمام دوسری چیزوں سے بھاری ہونگی حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ضرور ارشاد فرمائیے۔ فرمایا حسن خلق اور زیادہ خاموشی کو اختیار کر قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان دونوں کے برابر مخلوق کا کوئی عمل نہیں۔ امام احمد نے الزہد میں حازم نامی ایک شخص کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور اقدس کی خدمت میں ایک شخص بیٹھا رو رہا تھا اتنے میں حضرت جبرئیلؑ اترے اور پوچھا یہ کون ہے حضورؐ نے فرمایا فلاں شخص ہے حضرت جبرئیلؑ نے کہا اولاد آدمؑ کے تمام اعمال کا وزن ہو سکتا ہے صرف رونے کا وزن نہیں ہو سکتا اللہ ایک آنسو سے آگ کے سمندر بجھا دیگا۔ بیہقی نے حضرت معقل بن یسار کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب آنکھ آنسو بہاتی ہے تو اللہ تمام جسم کو (اسکی وجہ سے) دوزخ پر حرام کر دیتا ہے اور جب قطرہ رخسار پر بہتا ہے تو اس چہرہ پر بدرونقی اور ذلت نہیں چھائیگی ہر چیز (یعنی عمل) کا ایک اندازہ اور وزن ہے مگر کسی قوم میں سے اگر کوئی شخص (اللہ کے سامنے اس کے خوف سے) روتا ہے تو اس کا ایک آنسو آگ کے سمندروں کو بجھا دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں مذکورۂ بالا احادیث سے بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ نفس اعمال کا وزن کیا جائے گا لیکن ان ہی احادیث کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اعمالناموں کا اور اعمال کرنے والوں کا وزن کیا جائیگا۔ اعمال کو مجسم بنا کر تولے کا ثبوت مندرجۂ ذیل روایات سے ملتا ہے۔

بیہقی نے شعب الایمان میں (بطریق سدی صغیر از کلبی از ابو صالح) حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہونگے نیکیاں اور بدیاں اس میں تولی جائینگی۔ نیکیوں کو حسین ترین شکل میں لاکر میزان کے پلڑے میں رکھ دیا جائیگا اور بدیوں کے پلڑے سے اس کا وزن زیادہ نکلے گا تو اس خوبصورت شکل کو لے کر جنت کے اندر اس کے مقام پر رکھ دیا جائیگا۔ پھر مؤمن سے کہا جائیگا اپنے عمل سے جا کر ملجا مؤمن جنت کی طرف چلا جائیگا اور وہاں اپنا مقام اپنے عمل کی وجہ سے پہچان لے گا کیونکہ اس کا عمل حسین شکل میں وہاں پہلے سے موجود ہوگا، اور بدیوں کو مکروہ ترین شکل میں لاکر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائیگا۔ یہ پلڑا ہلکا نکلیگا اور باطل کا وزن ہلکا ہوتا ہی ہے پھر اس کو جہنم میں اس کے مقام پر پھینک دیا جائیگا اور اس (گنہگار بدکار) سے کہا جائیگا جا دوزخ میں اپنے عمل سے جا کر ملجا وہ دوزخ میں چلا جائیگا اور اپنے عمل کو دیکھ کر ہی اپنا مقام اور طرح طرح کے ان عذابوں کو پہچان جائیگا جو اللہ نے اس کے لئے فراہم کر رکھے ہونگے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو لوگ جمعہ کے دن (جمعہ کی نماز کے بعد) اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں اور اپنے اپنے مقاموں کو پہچان لیتے ہیں۔ دوزخی اور جنتی دوزخ اور جنت کے اندر اپنے اعمال کی موجودگی کی وجہ سے اپنے اپنے مقاموں کو ان نمازیوں سے بھی زیادہ جانتے ہونگے چونکہ اس حدیث کی روایت سدی صغیر کے طریق سند سے ہے اسلئے

یہ حدیث ضعیف ہے۔

ابن مبارک نے حماد بن ابی سلیمان کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو اپنا عمل حقیر دکھائی دیگا اتنے میں ایک چیز بادل کی طرح آکر میزان کے پلڑے میں گر جائیگی اور (فرشتہ یا کوئی اور) کہیگا یہ وہی نیکی ہے جس کی تعلیم تو لوگوں کو دیا تھا۔ تیرے بعد وہ نیکی نسل در نسل چلتی رہی (یہاں تک کہ آج) اسی کا تجھے اجر دیا جا رہا ہے۔ ابن عبدالرزاق نے ابراہیم نخعی کی روایت سے بھی یہ قول نقل کیا ہے۔

طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے جو شخص کسی جنازہ کے ساتھ جائیگا اس کے لئے میزان میں (نیکی کے) دو قیراط جو کوہ کے برابر ہونگے رکھے جائیں گے۔ اصبہانی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرض نماز کا اللہ کے نزدیک ایک وزن ہے جو شخص فرض نماز میں کچھ کمی کریگا اس سے اس کمی کی حساب فہمی ہوگی ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ فرض نماز میں اگر کچھ نقصان ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ (فرشتوں سے) فرماتا ہے دیکھو میرے بندہ کے کچھ نوافل ہیں اگر کچھ نوافل ہوئے تو فرض کی کمی نوافل سے پوری کردی جاتی ہے۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل سے تعلق رکھنے والے جسم کا وزن کیا جائیگا طبرانی نے الاوسط میں حضرت جابرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بندہ کی ترازو میں سب سے پہلے اس نفقہ کو رکھا جائیگا جو بندہ نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا ہوگا۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے وعدہ کو سچا جانتے ہوئے اور ایمان رکھتے ہوئے کوئی گھوڑا (اپنے جہاد یا دوسرے مسلمان مجاہد کے لئے) روک رکھا ہوگا تو اس گھوڑے کا کھانا پینا لید اور پیشاب (سب کچھ) قیامت کے دن اس کی میزان (کے نیکیوں کے پلڑے) میں رکھا جائیگا۔ طبرانی نے حضرت علیؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے کوئی گھوڑا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے باندھ رکھا تو گھوڑے کا چارہ اور نشاناتِ قدم قیامت کے دن اس کی نیکیوں کی میزان میں رکھے جائیں گے۔ اصفہانی نے حسن سند سے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا اٹھو اور اپنی قربانی (ذبح ہونے کے وقت اس کے پاس خود موجود) رہو جو قطرہ اس کے خون کا ٹپکیگا وہ تمہارے لئے ہر گناہ کی مغفرت کا سبب ہوگا۔ خوب سن لو اس کا خون اور گوشت لا کر ستر گنا کر کے تمہاری میزان میں (قیامت کے دن وزن کے وقت) رکھدیا جائیگا یہ سن کر ابوسعید نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا یہ حکم آل محمد کے لئے مخصوص ہے فرمایا آل محمد کے لئے بھی ہے اور

عام مسلمانوں کے لئے بھی۔ بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اور ابن حبان نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے اور ابن عساکر نے ضعیف سند سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کر کے صاف کپڑے سے (وضو کا پانی) پونچھ لیا تو کوئی ہرج نہیں اور اگر ایسا نہیں کیا (یعنی وضو کا پانی نہ پونچھا) تو یہ افضل ہے کیونکہ قیامت کے دن دوسرے اعمال کے ساتھ وضو کو بھی طلب کیا جائیگا ابن ابی شیبہ نے مصنف میں لکھا ہے کہ سعید بن مسیب نے وضو کے بعد رومال کو پسند نہیں کیا اور فرمایا اس کا بھی (نیکیوں کے ساتھ) وزن کیا جائیگا۔

طبرانی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا میں نے ایک اونٹنی اللہ کی راہ میں دیدی پھر اس کا بچہ خرید لینے کا ارادہ کیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا فرمایا رہنے دو، قیامت کے دن یہ اور اسکی اولاد سب تمہاری میزان میں آئے گی۔ ذہبی نے حضرت عمران بن حصین کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن علماء کی روشنائی اور شہیدوں کے خون کا وزن کیا جائیگا۔ علماء کی روشنائی شہیدوں کے خون سے بھاری نکلیگی۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ سو جن لوگوں (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہونگے تو ایسے ہی لوگ (پورے پورے) کامیاب ہونگے۔

موازین موزون کی جمع ہے۔ یعنی تولے جانیوالے اعمال مراد ہیں نیکیاں مجاہد کا یہی قول ہے یا موازین میزان کی جمع ہے اور اس سے مراد ہے میزان کا نیکیوں والا پلڑا اس توجیہ پر یہ ماننا پڑیگا کہ آیت کی روشنی میں ہر شخص کی میزان جدا جدا ہے۔ المفلحون سے مراد یہ ہے کہ وہی لوگ نجات اور ثواب پائیں گے (باقی مسلمان گنہگار جن کی مغفرت ہو جائیگی وہ اگرچہ عذاب سے نجات پالیں گے مگر چونکہ ان کے پاس نیکیاں نہونگی اس لئے ثواب نہیں پائینگے)

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ○ اور جن (کی نیکیوں) کے پلڑے ہلکے ہونگے سو وہ لوگ وہی ہونگے جنھوں نے خود اپنا نقصان کر لیا ہماری آیتوں کی حق تلفی کرنے کے سبب۔

موازین سے اس جگہ بھی نیکیاں یا نیکیوں کا پلڑا مراد ہے۔ بظاہر اس آیت کے عموم میں بدکار کافر بھی داخل ہیں اور وہ مومن بھی جن کی بدیوں کا پلڑا نیکیوں کے پلڑے سے بھاری ہو لیکن اس جگہ صرف کفار مراد ہیں کیونکہ قرآنی بیان کا اسلوب ہی یہ ہے کہ نیکوکار مومنوں کے مقابلہ میں کافروں کا تذکرہ کرتا ہے باقی جو مسلمان مخلوط الاعمال ہیں نیکیاں بھی کرتے ہیں اور بدیاں بھی ان کا ذکر عموماً نہیں کیا جاتا۔ الذین خسروا سے یہ مراد ہے کہ ان لوگوں نے (اپنی پیدائشی فطرت سلیمہ کو کھو دیا اور عذاب آفریں اعمال کا ارتکاب کیا اور آیات کی تصدیق کرنے کی بجائے تکذیب

کرتے تھے اس طرح آیات کے ساتھ ظلم کیا سورۂ القارعہ کی آیت فمن ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ و اما من خفت موازینہ فامہ ھاویۃ کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے حاضر الذکر آیت کے مضمون کی تشریح کردی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات کے وقت حضرت عمر فاروقؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا قیامت کے دن جس کی میزان بھاری ہوگی وہ صرف اس وجہ سے بھاری ہوگی کہ دنیا میں وہ حق کا اتباع کرتا تھا جس میزان میں کل حق کو رکھا جائیگا اس کو بھاری ہونا ہی چاہئے اور جس کی میزان قیامت کے دن ہلکی ہوگی اس کے ہلکے ہونے کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ وہ دنیا میں باطل کا اتباع کرتا تھا اور جس میزان میں باطل کو رکھا جائیگا اسکو ہلکا ہونا ہی چاہئے۔

میں کہتا ہوں اس میں میزان سے مراد ہے نیکیوں کا پلڑا اور باطل سے مراد ہیں وہ باطل عقائد و اعمال جن کو اہل باطل نیکیاں سمجھتے ہیں مگر اللہ کے نزدیک وہ سراسر کفریات اور بدعات ہیں اللہ کے نزدیک ان کا کوئی وزن نہیں جیسے لق ودق بیابان میں سراب جس کو دور سے دیکھنے والا پیاسا پانی سمجھتا ہے اور قریب جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا اسی طرح کافر اور مبتدع کو اللہ کے پاس جا کر کچھ نہیں ملیگا اور اللہ تعالیٰ اس سے پوری پوری حساب فہمی کرے گا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ اور بے شک ہم نے تم کو زمین پر جمایا یعنی زمین پر رہنے کھیتی اور دوسرے کاروبار کرنے کی ہم نے تم کو قدرت عطا کی۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ط اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامان زندگی پیدا کیا۔

معایش مَعِیْشَۃٌ کی جمع ہے یعنی زندگی بسر کرنے کے اسباب کھیتی باڑی مویشی کھانے پینے کا سامان تجارت اور کمائی کے پیشے وغیرہ۔

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ع (مگر) تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ یعنی میرے ان احسانات کا تم تھوڑا شکریہ یا تھوڑے وقت شکریہ ادا کرتے ہو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ اور ہم نے تمہارا اندازہ کیا۔ یعنی اپنے علم میں ہم نے تمہارا اندازہ کر لیا تھا جبکہ تم (عالم وجود و مادیت میں آنے سے پہلے) اعیان ثابتہ (حقائق کونیہ ماہیات امکانیہ اور مرتبہ تقرر) میں تھے (اعیان ثابتہ کا مرتبہ موجود ہونے سے پہلے کا تھا جب کہ ہر ممکن الوجود چیز اللہ کے کشفی اجمالی علم کے اندر اپنی تمام کیفیات وکمیات کے ساتھ متقرر تھی)

ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ پھر تمہاری صورت بنائی یعنی تمہارے باپ آدمؑ کی صورت بنائی مطلب یہ کہ تمہاری تخلیق اور صورت سازی کا آغاز اس طرح کیا کہ تمہارے باپ آدمؑ کا اول علمی اندازہ کیا پھر اس کی صورت بنائی یہی تمہاری تخلیق و صورت گری کی ابتدا ہوئی حضرت ابن عباسؓ، قتادہؒ، ضحاکؒ اور سُدی نے آیت کی تشریح اس طرح کی کہ

ہم نے تمہارے اصول و آباء کو پیدا کیا۔ پھر ماؤں کے پیٹوں میں تمہاری صورتیں بنائیں مجاہد نے کہا ہم نے تم کو یعنی تمہارے باپ آدم کو بنایا پھر آدم کی پشت میں تمہاری صورتیں بنائیں۔ آدم چونکہ ابوالبشر تھے اسلئے انکی تخلیق کو تمام نسل کی تخلیق قرار دیا۔ بعض نے صورنکم کا مطلب اس طرح لکھا ہے کہ روز میثاق میں تمہاری صورتیں پیدا کیں جبکہ چیونٹیوں کی طرح تم کو برآمد کیا۔

عکرمہ نے کہا ہم نے باپوں کی پشت میں تم کو پیدا کیا پھر ماؤں کے پیٹوں کے اندر تمہاری شکلیں پیدا کیں یمان نے کہا تم کے اندر انسان کو بنایا پھر اسکی صورت گری کی۔ کان، آنکھیں اور انگلیاں چیریں۔ بعض علماء کے نزدیک آیت میں لفظ ثمّ (تراخی کے لئے نہیں ہے بلکہ) واؤ کی طرح صرف عطف کے لئے ہے یعنی تم کو پیدا کیا اور تمہاری صورت بنائی (یہ صراحت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ) بعض مخلوقات کو صورت نہیں دی گئی ہے جیسے ارواح اور ہوا ئیں

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے کہ وہ سجدہ کرنیوالوں میں شامل نہوا۔ اگر مخاطب کی ضمیر (جمع) سے صرف آدم مراد ہوں تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں اور اگر نسل آدم مراد ہو تو اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ نسل آدم کو پیدا کرنیکے بعد تو سجدہ کرنے کا فرشتوں کو حکم نہیں دیا گیا) اس وقت توجیہ کرنی ہوگی اس صورت میں بعض کے نزدیک ثمّ مطلق عطف کے لئے ہوگا اور بعض کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم کو پیدا کرنے کے بعد ہم نے تم کو اطلاع دی کہ ہم نے فرشتوں کو سجدۂ آدم کا حکم دیا تھا۔ آیت کی پوری تفسیر سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ اللہ نے فرمایا (اے ابلیس) جب میں نے تجھ کو حکم دے دیا تو سجدہ نہ کرنیکی وجہ مانع کونسی ہے۔ اَلَّا تَسْجُدَ میں لا زائد ہے جیسے لئلا یعلم میں یہ جس فعل پر داخل ہوا ہے اس کو مضبوط کر رہا ہے اور اس بات پر تنبیہ کر رہا ہے کہ ترک سجود موجب سرزنش ہے بعض نے کہا کہ (لا) زائد نہیں ہے جس شخص کو کسی کام سے روک دیا جائے تو وہ اس کام کے مخالف کام کرنے پر مجبور ہوتا ہے گویا اس وقت مطلب اس طرح ہوگا۔ کس چیز نے سجدہ نہ کرنے پر تجھے مجبور کیا۔ بعض نے کہا کلام کا کچھ حصہ محذوف ہے اصل کلام اس طرح تھا تجھے تعمیل حکم سے کس چیز نے روکا اور سجدہ نہ کرنے کا باعث کیا ہے۔ اللہ کو تعمیل حکم نہ کرنے کی وجہ معلوم تھی لیکن باوجود علم کے اسلئے استفسار کیا کہ ابلیس کو سرزنش ہو اور اسکے عناد و کفر اور غرور کا اظہار ہو جائے۔ آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ مطلق امر وجوب کے لئے ہوتا ہے (یعنی امر کا صیغہ اگر استعمال کیا جائے اور خلاف وجوب کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس کی تعمیل لازم ہے)

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ ابلیس نے کہا میں اس سے افضل ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اس کو مٹی سے (یہ کلام بظاہر لفظ کے اعتبار سے تو سوال کا

جواب نہیں ہے مگر معنی کے لحاظ سے سوال کا پورا جواب ہے اسی لئے جملہ کو (بغیر حرفِ ربط کے) بصورت استقلال ذکر کیا گویا ابلیس نے اپنی ہستی کو آدمؑ کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے بہت بعید قرار دیتے ہوئے کہا کہ میرے لئے سجدہ سے مانع میری افضلیت اور برتری ہے فاضل کا مفضول کو سجدہ کرنا زیبا نہیں اس لئے مفضول کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا فاضل کو حکم دینا نامناسب ہے پس ابلیس کے کلام میں اللہ کے حکم پر اعتراض ہے۔ نار سے مراد ہے اوپر کو چڑھنے والا نورانی جوہر اور طین سے نیچے گرنے والی تاریک شئے مراد ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سب سے پہلے ابلیس نے قیاس سے کام لیا اور قیاس میں غلطی کی لہٰذا جو شخص دین کا قیاس اپنی رائے پر کرتا ہے اللہ ابلیس سے اس کا جوڑ لگادے گا۔ ابن سیرینؒ نے فرمایا سورج کی پوجا محض قیاس کے ہی گھوڑے دوڑانے کی بنیاد پر کی گئی۔

میں کہتا ہوں ان دونوں قولوں سے قیاس کا بے حقیقت ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ ابلیس کے قیاس کا غلط ہونا ظاہر کیا گیا ہے (صحیح قیاس کی ممانعت نہیں کی گئی) کیونکہ ابلیس نے نصِ شرع کے مقابل اپنے قیاس سے کام لیا تھا اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا من قاس الدین بشئی من رایہ۔ یعنی شرعی نصوص کے مقابل اور مخالف جس نے اپنی رائے چلائی اس کو اللہ ابلیس کا جوڑی دار بنادیتا ہے پھر بجائے خود بھی یہ بات غلط ہے کہ برتری اور افضلیت کی بنیاد روشنی اور بلندی کی جانب حرکت کو قرار دیا جائے (جیسا کہ آگ میں ہوتا ہے اور اسی علت کو ابلیس نے اپنی دلیل میں پیش کیا) بلکہ عطائے برتری اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے فضیلت سے نوازتا ہے اللہ نے اپنی مشیت سے آدم کو تمام مخلوق پر بزرگی عطا فرمائی اپنے دست قدرت سے خصوصی طور پر انکو بنایا اپنی روح (کا ایک جلوہ) ان کے اندر پھونک دیا ان کو تمام اسماء کو سیکھنے کے قابل بنایا اپنی تجلیات کی پرتو اندازی کی منزل ان کو کردیا تعمیلِ احکام اور اجتناب از ممنوعات کے ساتھ فرائض و نوافل کی ادائیگی کے ذریعہ سے ان کو اپنا قرب عطا فرمایا وہ امانت جس کو برداشت کرنے سے آسمان زمین اور پہاڑ بھی خوف زدہ ہوگئے تھے اس کا حامل ان کو بنادیا۔

ایک شبہ:۔ اجتہادی خطا تو معاف ہے پھر قیاسی غلطی پر شیطان کی کیوں گرفت کی گئی۔

ازالہ:۔ اجتہادی غلطی معاف ہے بشرطیکہ اجتہاد کرنے والا حق کا طلب گار ہو اور حق کی تلاش میں اپنی امکانی اجتہادی کوشش صرف کردے اس شخص کی اجتہادی خطا معاف نہیں جو سرکش ہو بہر طور اپنے حریف پر غالب آجانے کا خواستگار اور اپنے تفوق کا طالب ہو۔ دیکھو انی جاعل فی الارض خلیفۃ کے جواب میں فرشتوں نے بھی تو کہا تھا اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک و نقدس لک اور اس قیاس میں انھوں نے غلطی بھی کی تھی اسی لئے اللہ نے ان کے قول کی تردید میں فرمایا انی اعلم ما لا تعلمون مگر چونکہ

فرشتوں کا قول غرور، تکبر اور سرکشی کے زیر اثر نہ تھا بلکہ طلب حق اور استفہام حکمت کے ماتحت تھا سلئے ان کو مردود نہیں بنایا فرشتوں کے جویائے حق ہونے اور سرکشی نہ کرنے کا ثبوت ان کے آخری قول سے ملتا ہے جس میں انھوں نے کہا تھا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔ اہل دانش کا قول ہے کہ مٹی کی سرشت میں وزن و قار برداشت اور صبر داخل ہے یوں تو آدم کے لئے پہلے سے ہی ازلی سعادت مقدر تھی مگر مٹی کی سرشت ہی ان کو توبہ عجز اور زاری کی طرف لے گئی اور اس فطرت کی وجہ سے ان کو توبہ ہدایت اور برگزیدگی نصیب ہوئی، اور آگ کی فطرت میں ہلکاپن، اضطراب تیزی اور بلند طلبی داخل ہے ابلیس کے لئے یوں تو پہلے سے بدبختی مقدر ہو چکی تھی مگر اس کی آتشیں فطرت نے ہی اس کو تکبر اور ضد پر آمادہ کیا اور لعنت و شقاوت کا مستحق بنایا۔ اس سے آگ پر مٹی کی برتری ثابت ہوتی ہے آگ پر مٹی کی فضیلت اس وجہ سے بھی ہے کہ مٹی اشیاء کو سمیٹتی اور جمع کرتی ہے اور آگ منتشر اور پراگندہ کرتی ہے مٹی نباتات کی زندگی کا سبب ہے اور آگ نباتات کو تباہ کر دیتی ہے۔

انسان کی مکمل ساخت مٹی کی اور شیطان کی پوری بناوٹ آگ کی اگرچہ نہیں ہے لیکن انسان کی ساخت میں بیشتر حصہ مٹی کا اور شیطان کی ساخت میں بیشتر حصہ آگ کا ہے اور دونوں کا غالب عنصر مٹی اور آگ ہی ہوا اس لئے اوّل الذکر کو مٹی کا ساختہ اور مؤخر الذکر کو آگ کا ساختہ قرار دیا۔ من طین کے لفظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ انسان کا امتیازی نشان عالم خلق (یعنی مادی عنصر) ہے عالم امر (یعنی روح اور اس کی غیر مادی طاقتیں) عالم خلق کا تابع ہے اس کو خیر و شر سے متصف عالم خلق کی نیکی و بدی کی وجہ سے بالتبع کر لیا جاتا ہے اور عالم خلق کے رنگ ہی سے عالم امر رنگ جاتا ہے جیسے سورج کا عکس اگر آئینہ پر پڑتا ہے تو آئینہ کی جیسی شکل ہوتی ہے سورج کی روشنی کی بھی وہی شکل ہو جاتی ہے (پس روح سورج کی شعاعوں کی طرح ہے اور جسم آئینہ کی طرح) حضرت مجددؒ نے فرمایا عالم امر کی وجہ سے نفس کی انتہائی ترقی صفات کے پرتو تک ہوتی ہے (صفات تک پہنچ نہیں ہوتی) ہاں مرتبۂ اخفیٰ کی ترقی بعض صفات تک ہو جاتی ہے اور لطائف عالم خلق سے جو کمال نفس کو ملتا ہے اس کی ترقی ظاہر صفات تک ہو جاتی ہے اور ہوا پانی آگ ان تینوں عناصر کی ترقی کا منتہا باطن صفات ہے (ظاہر صفات اور باطن صفات کا فرق یہ ہے کہ ظاہر صفات میں اس بات کا عرفان نہیں ہوتا کہ ان صفات کا قیام کسی ذات سے ہو رہا نہیں اور باطن صفات میں ذات کے ساتھ صفات کا قیام ملحوظ ہوتا ہے) اور مرتبۂ ذات تک ترقی صرف عنصر خاک کے ساتھ مخصوص ہے جیسے آفتاب کی شعاعیں لطیف ترین چیز میں نمایاں نہیں ہوتیں (اندر گھس کر پار نکل جاتی ہیں) اور کثیف جسم پر پڑتی ہیں تو نمایاں ہوتی ہیں۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا پس اللہ نے (ابلیس سے) فرمایا یہاں (یعنی جنت یا آسمان) سے اتر جا یعنی جب تو مغرور ہے تو اتر جا یہ جگہ اہل تواضع اور اطاعت شعار بندوں کی ہے۔

فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا ہو نہیں سکتا کہ آسمان میں رہ کر تو تکبر کرے۔ یعنی تیرے لئے آسمان میں رہ کر تکبر جائز نہیں۔ اس جملہ میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ اہل جنت کے لئے تکبر زیبا نہیں۔ کبریائی تو اللہ ہی کے لئے ہے ابلیس تکبر کی وجہ سے ہی راندۂ درگاہ ہوا اور آسمان سے نکالا گیا حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بڑائی ہوگی جنت میں نہیں جائیگا۔ رواہ مسلم۔ مسلم کی دوسری روایت میں اس کے بعد یہ بھی آیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ بعض لوگ (اپنے لئے) اچھا کپڑا اور اچھا جوتہ پسند کرتے ہیں (کیا یہ بھی غرور کی علامت ہے) فرمایا اللہ (خود) جمیل ہے جمال کو پسند فرماتا ہے غرور تو حق کے مقابلہ میں اکڑنا اور لوگوں کی تحقیر کرنا ہے

حضرت حارثہ بن وہب کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون؟ وہ کمزور آدمی جس کو لوگ کمزور سمجھتے ہیں (یعنی ذلیل سمجھتے ہیں) لیکن اگر وہ اللہ کے اعتماد پر قسم کھا لیتا ہے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دیتا ہے (جنتی ہے) اور ہر بد خلق درشت خو تند مزاج مغرور دوزخی ہے۔ متفق علیہ۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا ارشاد ہے کہ بزرگی میری چادر اور بڑائی میری لنگی ہے جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی مجھ سے کشاکشی کریگا میں اس کو دوزخ میں داخل کردونگا دوسری روایت میں ہے میں اس کو دوزخ میں پھینک دونگا۔ رواہ مسلم

فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ ○ (یہاں سے) نکل جا بلاشبہ تو ذلت پانیوالوں میں سے ہے یعنی اللہ اور اللہ کے دوستوں کی نظر میں ذلیل ہے ہر شخص تجھے برا کہیگا اور ہر زبان تجھ پر لعنت کریگی۔ قاموس اور دوسری لغت کی کتابوں میں ہے کہ صاغر وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے ذلیل مقام پر خوش ہو اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ غرور کرنے اور بڑائی کا جھوٹا دعویٰ کرنے کے لئے ذلت وحقارت لازم ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اللہ کے لئے فروتنی کرتا ہے اللہ اس کو اونچا کرتا ہے وہ خود اپنے کو تو چھوٹا سمجھتا ہے مگر لوگوں کی نظروں میں بڑا ہوتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ اس کو پست کر دیتا ہے وہ اپنے خیال میں تو بڑا ہوتا ہے مگر لوگوں کی آنکھوں میں کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان از عمرؓ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا برا ہے وہ بندہ جو غرور کرتا اور اتراتا ہے اور اللہ بزرگ و برتر کو بھول جاتا ہے ترمذی نے حضرت اسماءؓ کی روایت سے اس حدیث کو نقل کیا ہے لیکن صراحت کر دی ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اس کی سند قوی نہیں ہے

قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ○ ابلیس نے کہا مجھے اس دن تک چھوٹ دیدے جس دن

لوگوں کو اٹھایا جائیگا یعنی تو میری میعادِ زندگی طویل کردے اور روز بعثت تک یعنی اس روز تک کہ دوبارہ صور پھونکا جائے اور لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے مجھ پر موت کو مسلط نہ کر۔

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اللہ نے فرمایا یقیناً تو مہلت پانے والوں میں سے ہے (یعنی تجھے موت سے چھوٹ دیدی گئی)

یہاں وقتِ مہلت کی حد بندی نہیں کی گئی مگر دوسری آیت میں مہلت زندگی کی تعیین فرمادی ہے فرمایا ہے انک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم۔ وقت معلوم کے دن تک تجھے چھوٹ دیدی گئی۔ وقت معلوم سے مراد یا تو وہ وقت ہے جسکی انتہاء اللہ کے علم میں ہے (ہم کو نہیں بتائی گئی) یا وہ وقت مراد ہے جب پہلا صور پھونکنے سے سب لوگ مرجائینگے۔ آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ دعاء کی قبولیت صرف فرماں بردار اور اطاعت گزار کے لئے ہی مخصوص نہیں ہے نہ یہ ضروری ہے کہ دعاء کرنے والا مقبول بندہ ہو بلکہ کبھی کافر کی دعاء تسبیل دینے کے لئے بھی قبول کرلی جاتی ہے اس میں بندوں کا امتحان ہوتا ہے اور در پردہ اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ بہتری اس کی دعاء کے خلاف کرنے میں ہی ہوتی ہے۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ وہ کہنے لگا اب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر ہی دیا ہے تو میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کو گمراہ کرنے کے لئے تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا۔ فَبِمَا میں ف تعقیبیہ اور با سببیہ ہے فعل قسم مقدر ہے اور ما مصدری ہے یعنی اب جب کہ تو نے مجھے مہلت دیدی اور ان انسانوں کے سبب سے گمراہ بنادیا میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ جس طریقہ سے مجھ سے ممکن ہوگا میں ان کو بے راہ کرنے کی کوشش کروں گا چونکہ لاقعدن میں لام تاکیدی موجود ہے اس لئے بما کا تعلق اقعدن سے نہیں ہو سکتا بعض علماء کا قول ہے کہ بما اغویتنی میں ب قسمیہ ہے یعنی تیرے اغوا کرنے کی قسم مراد یہ ہو کہ تیری نافذ الحکم قدرت کی قسم۔

لاقعدن جوابِ قسم ہے اور صراط سے مراد ہے اسلام صراطک میں حرف جر مقدر ہے جیسے عَسَلَ الطَّرِيقَ الثعلب لومڑی راستہ میں تیز بھاگی۔ یا حرف جر نکال لیا گیا ہے اور مجرور کو منصوب کردیا گیا ہے جیسے ضرب زید الظهر و البطن زید نے پشت اور پیٹ پر مارا۔ راستے پر بیٹھنے سے مراد ہے راہ روی سے روکنے کی انتہائی کوشش کرنا جیسے راہزن قافلہ کے لئے بیٹھے ہوتے ہیں۔

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ پھر ان پر حملہ کرونگا ان کے سامنے سے بھی اور پیچھے سے بھی اور ان کے دائیں اور بائیں جانب سے بھی۔ دشمن کے آنے اور حملہ کرنے کی جہات چار ہی ہیں بطورِ تشبیہ ان ہی چہار جہات کا ذکر کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طریقہ سے گمراہ کرنا اور بہکانا ممکن ہوگا میں بہکاؤنگا۔ اسی لئے جہت فوق و تحت کا ذکر نہیں کیا (کیونکہ دشمن کا حملہ عموماً مذکورہ چار جہات

سے ہی ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ جہت فوق کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اوپر سے رحمت آتی ہے اور جہت تحت کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ نیچے سے آنا باعث توحش ہے۔ آگے پیچھے کے ساتھ لفظ من ذکر کیا جو ابتداء غایت کے لئے ہے اور ایمان و شمائل کے ساتھ لفظ عن ذکر کیا کیونکہ عن کا معنی ہے تجاوز کرنا یعنی دائیں بائیں ہٹنا

بغوی نے علی بن طلحہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ من بین ایدیھم سے مراد ہے من قبل الاخرۃ یعنی آخرت کے معاملہ میں ان کو شک میں ڈال دونگا اور من خلفھم سے مراد ہے من دنیاھم یعنی دنیا کی رغبت دلاؤنگا اور عن ایمانھم سے مراد ہے امر دین یعنی امر دین کو مشتبہ بنادوں گا اور عن شمائلھم سے مراد ہیں گناہ یعنی گناہوں کی طرف راغب کردوں گا عطیہ کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا تفسیری قول اس طرح آیا ہے من بین ایدیھم۔ دنیا کی طرف سے یعنی دنیا کو ان کے دلوں میں رچادوں گا۔ من خلفھم آخرت کی طرف سے یعنی ان سے کہونگا کہ نہ جنت ہے نہ دوزخ نہ کبھی حشر ہوگا۔ عَنْ اَیْمَانِھِمْ نیکیوں کی طرف سے۔ عن شمائلھم۔ بدیوں کی طرف سے۔ قتادہ کا قول بھی یہی ہے اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اے انسان ابلیس ہر طرف سے تیرے پاس پہنچا مگر اوپر سے نہیں پہونچا کیونکہ اس میں یہ سکت نہیں کہ اللہ کی رحمت اور تیرے درمیان حائل ہوسکے۔ کذا ذکر السیوطی قول ابن عباسؓ۔

مجاہد نے من بین ایدیھم و عن ایمانھم کی تشریح میں کہا یعنی اُدھر سے آؤنگا جدھر وہ دیکھتے ہونگے اور من خلفھم و عن شمائلھم کی تشریح میں کہا یعنی اس طرف سے آؤنگا جہاں وہ نہیں دیکھتے ہونگے۔ ابن جریج نے مجاہد کے قول کی تشریح میں کہا دیکھتے ہونگے اور نہیں دیکھتے ہونگے یعنی دانستہ خطا کرتے ہونگے یا نادانستہ

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گذار یعنی مؤمن نہیں پائے گا۔ ابلیس نے یہ بات اپنے ظن کے اعتبار سے کہی تھی (اس کو علم غیب نہ تھا) کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ۔ فاتبعوہ الا فریقا (اس آیت میں صراحت ہے کہ ابلیس نے اپنے ظن کو انسانوں کے متعلق صحیح پایا چنانچہ ایک خاص گروہ کو چھوڑ کر اکثر نے شیطان کی پیروی کی)

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ اللہ نے فرمایا جنت یا آسمان سے نکل جا ذلیل و خوار ہوکر۔ قاموس میں ہے۔ ذَاَمَہٗ جیسے مَنَعَہٗ اس کو حقیر کردیا بُرا قرار دیدیا، دھتکار کر نکال دیا رسوا کردیا۔ جوہری نے لکھا ہے ذَاَمَہٗ ذَاْمًا یعنی ہمزہ کے ساتھ اور ذَامَہٗ ذَیْمًا یعنی یاء کے ساتھ اور ذَمَّہٗ ذَمًّا یعنی میم کی تشدید کے ساتھ تینوں ہم معنی ہیں بغوی نے لکھا ہے ذَیْم اور ذَاْم سخت ترین مذمت کرنا (یعنی بغوی کے نزدیک ذَمٌّ کے معنی سے ذیم اور ذام کے معنی میں شدت ہے) مدحور کا معنی ہے دور دور دھتکارا ہوا۔

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اُن میں سے (یعنی آدمیوں

میں سے جو تیرے پیچھے چلیں گے میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ یعنی ابلیس سے اور ابلیس کی پیروی کرنیوالوں سے۔

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ اور اے آدم تم اور تمہاری بی بی جنت میں رہو پھر جس جگہ سے چاہو کھاؤ مگر دونوں اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ ان لوگوں کی شمار میں آجاؤ گے جو بیجا کام کرتے ہیں اس آیت کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے وہاں مطالعہ کرنا چاہئے۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْآتِهِمَا پھر شیطان نے دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کے پردہ کا بدن جو اب تک دونوں سے پوشیدہ تھا دونوں کے روبرو کر دے۔ قاموس میں ہے دل کے اندر پیدا ہونیوالا یا شیطان کا ڈالا ہوا ایسا خیال جو غیر مفید ہو وسوسہ ہے بغوی نے لکھا ہے وسوسہ وہ بات جو شیطان دل میں ڈال دیتا ہے۔ وسوسہ کا اصل لغوی معنی ہے زیور کی آواز اور پست آہٹ۔ لَهُمَا میں لام اجلیہ ہے دونوں کے لئے۔ لِيُبْدِيَ میں لام نتیجہ ہے یا لام غرض کیونکہ کشف ستر کرا کے شیطان کو دونوں سے برائی کرنی مقصود ہی تھی۔ سَوْآتِهِمَا یعنی قابل ستر اعضاء جن کو دونوں میں سے کوئی بھی نہیں دیکھتا تھا نہ اپنے نہ دوسرے کے۔ اس فقرہ سے اس امر پر روشنی پڑ رہی ہے کہ بے ضرورت تنہائی میں ہو یا شوہر کے سامنے اپنی عورت کھولنا طبعاً بھی قبیح ہے اور شرعاً وعقلاً بھی۔

وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ۝ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ۝ اور کہنے لگا تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے اور کسی سبب سے نہیں روکا، مگر صرف اس وجہ سے کہ تم دونوں کہیں فرشتہ ہو جاؤ یا ہمیشہ جینے والوں میں سے ہو جاؤ اور دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ یقین جانئے میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

الا ان تکونا اور تکونا سے پہلے لا محذوف ہے یا لفظ کراہیۃ مقدر ہے۔ یعنی ابلیس نے آدم وحواء سے کہا تمہارے رب نے جو اس درخت کے پاس جانے کی ممانعت کی ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ کی زندگی تم کو نہ مل جائے یا یہ مطلب ہے کہ اس کو تمہارا فرشتہ ہو جانا یا دوامی زندگی پانا پسند نہ تھا صرف اس لئے درخت کے پاس جانے کی ممانعت کر دی۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے انبیاء پر ملائکہ کی فضیلت کو ثابت کیا ہے مگر یہ غلط ہے اس سے انبیاء پر ملائکہ کی بہمہ وجوہ کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آدم وحواء کو ان کمالات وفضائل کی رغبت تھی جو فرشتوں کو حاصل تھے۔ کھانے پینے اور دوسرے لوازم مادی سے بے نیازی ملائکہ کی خصوصیت ہے اور فضیلت عمومی کا معیار یہ نہیں بلکہ اللہ کا مقرب ترین ہونا فضیلت تامہ کا معیار ہے جو ملائکہ کو حاصل نہ تھا آدم کو حاصل تھا۔

فَقَاسَمَهُمَا یعنی ابلیسؑ نے آدم و حوا، کے سامنے اللہ کی پُر زور قسم کھائی قَاسَمَ (باب مفاعلت) کا استعمال مبالغہ کے لئے ہے۔ پورا قصہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ قتادہ نے کہا شیطان نے اللہ کی قسم کھا کر دونوں کو دھوکہ دیدیا اور اللہ کے نام پر مؤمن کبھی فریب بھی کھا جاتا ہے کہنے لگا میں تم سے پہلے پیدا ہوا ہوں اور تم سے زیادہ علم رکھتا ہوں تم دونوں میرے کہے پر چلو میں تمہاری صحیح رہنمائی کرونگا۔ ابلیس نے ہی سب سے پہلے اللہ کی جھوٹی قسم کھائی۔ آدمؑ کا گمان تھا کہ کوئی بھی اللہ کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا اس لئے دھوکہ کھا گئے۔

فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ پس ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا۔

بغوی نے لکھا ہے یعنی ابلیس نے دونوں کو فریب دیا عرب کہتے ہیں مازال فلانٌ یدلّی بفلانٍ بغرور یعنی وہ اس کو برابر فریب دیتا اور اس سے چکنی چپڑی باتیں کرتا رہا۔ غرور سے مراد ہے بے حقیقت (فریب) بعض علماء کا قول ہے کہ دَلّٰهُمَا (کا مصدر) تَدْلِيَةٌ ہے، تَدْلِيَةٌ اور اِدْلَاءٌ کا معنی ہے نیچے اتارنا لٹکانا اس سے مراد یہ ہے کہ ابلیس نے آدمؑ و حواؑ کو اونچے درجے سے نچلے درجہ پر اتار دیا۔ مقام طاعت سے مقام معصیت پر لا گرایا۔

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ پھر جب ان دونوں نے اس درخت (کے پھل) کا مزہ چکھ لیا تو دونوں کے پوشیدہ اعضاء ایک دوسرے پر بے پردہ ہو گئے اور (شرم کے مارے) اپنے برہنہ شدہ اعضاء پر جنت کے پتے چپکانے لگے مطلب یہ ہے کہ پورے طور پر کھانے بھی نہ پائے تھے فقط مزہ ہی چکھا تھا کہ نافرمانی کی نحوست سے دوچار ہو گئے سزا میں پکڑے گئے اور بدن سے (جنت کا) لباس اتر گیا۔ عبد بن حمید نے وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ دونوں کا لباس نور کا تھا۔ ابن ابی حاتم نے بروایت سدی فریابی کا قول اور ابن ابی شیبہ عبد بن حمید ابن جریر، ابن المنذر ابن ابی حاتم، ابوالشیخ ابن مردویہ بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آدم و حوا کا لباس ناخن کا تھا لیکن درخت کا مزہ چکھنے کے بعد وہ کل لباس اتر گیا صرف ناخن رہ گئے۔ جنت کے ورق سے مراد ہیں انجیر کے پتے ابن ابی شیبہ عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، ابن مردویہ، بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آدمؑ درازقامت ایسے تھے جیسے کھجور کا پرانا لمبا درخت سر کے بال بڑے بڑے تھے جب گناہ میں پڑ گئے اور پوشیدہ اعضاء ظاہر ہو گئے اور پہلے کوئی ان اعضاء کو نہیں دیکھتا تھا تو بھاگ کر آپ ایک باغ میں پہنچے باغ کے ایک درخت نے ان کے بالوں کو الجھا لیا آدمؑ نے کہا مجھے چھوڑ دے درخت نے جواب دیا میں تم کو چھوڑنے والا نہیں اس پر اللہ کی آواز آئی آدم کیا

مجھ سے بھاگ رہا ہے آدمؑ نے کہا نہیں میرے رب. بلکہ مجھے تجھ سے شرم آرہی ہے۔

وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ اور ان کے رب نے دونوں کو ندا دی کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت (کے پاس بھی جانے) سے منع نہیں کر دیا تھا اور کیا تم سے نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تم دونوں کا صریح دشمن ہے۔ اس نے خود اقرار کیا تھا کہ میں ان کو گمراہ کرنے کے لئے تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا اس آیت میں ممانعت کی خلاف ورزی کرنے اور دشمن کی بات سے فریب کھانے پر عتاب کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر استحباب، ندب وغیرہ کا قرینہ نہ ہو اور ممانعت غیر مشروط ہو تو اس کا تقاضا وجوب ہے محمد بن قیس نے کہا اللہ نے ندا دی آدمؑ تو نے کیوں کھایا میں نے تو تجھے منع کر دیا تھا آدمؑ نے عرض کیا مجھے حوا نے کھلا دیا۔ اللہ نے حواؑ سے فرمایا تو نے کیوں کھلایا حوا نے عرض کیا مجھے سانپ نے مشورہ دیا تھا۔ سانپ سے سوال ہوا تو نے کیوں مشورہ دیا سانپ نے عرض کیا مجھے ابلیس نے مشورہ دیا تھا۔ اللہ نے فرمایا حوا تو نے درخت کو خون آلود کیا تو بھی ہر ماہ خون آلود رہیگی اور اے سانپ تیرے پاؤں میں کاٹے دیتا ہوں تو منہ کے بل چلیگا اور تجھے جو بھی پائیگا تیرا سر پھاڑ دیگا اور اے ابلیس تو ملعون و مردود ہے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا آدمؑ و حوا، نے عرض کیا پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا۔ گناہ کر کے اور جنت سے نکالے جانے کا سامان کر کے خود اپنا نقصان کیا اپنے کو خود تباہ کیا

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ اگر تو ہماری خطا معاف نہیں کریگا اور ہم پر رحم نہیں فرمائیگا تو ہم تباہ ہو جائینگے۔

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر صغیرہ گناہ معاف نہ کئے تو ان کی سزا ہو سکتی ہے۔ معتزلہ کے نزدیک صغیرہ گناہوں کی سزا نہیں دیجائیگی (خواہ ان کو معاف نہ کیا گیا ہو بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب رکھتا ہو (کبیرہ کا مرتکب نہ ہو)

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ اللہ نے فرمایا تم سب باہم دشمن ہونے کی حالت میں ہی اترو۔ تمہیں زمین میں ہی رہنا اور ایک وقت تک نفع اندوز ہونا ہے۔ اِهْبِطُوا اگرچہ جمع کا صیغہ ہے مگر مخاطب صرف آدمؑ و حواؑ ہیں ابلیس کو اس سے پہلے اتارا جا چکا ہے شاید (دو کے لئے) جمع کا صیغہ اس لئے استعمال کیا گیا کہ ان دونوں کا نزول ساری نسل کے نزول کا سبب ہے (یعنی تم دونوں اور آئندہ ہونیوالی تمہاری نسل سب اترو) بعض کے نزدیک (ابلیس کو بھی ذیلی طور پر اس وقت بھی خطاب میں داخل کر لیا گیا (اور تینوں کو حکم دیگیا)

تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ہمیشہ (دنیا میں) ان کو ساتھ رہنا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الگ الگ جو حکم ان کو دیا گیا تھا اس کے مجموعہ کی خبر اس آیت میں (بصیغۂ جمع) دیدی گئی۔ بعضکم لبعض عدو جملہ حالیہ ہے۔ مستقر یا مصدر ہے (ٹھیرنا) یا ظرف مکان (ٹھیرنے کی جگہ) متاع مصدر ہے (فائدہ اندوز ہونا) الی حین سے مراد ہے مرنے کے وقت تک۔

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۝ یہ بھی فرمایا کہ زمین میں ہی تم زندگی بسر کرو گے وہیں مرو گے اور اسی سے (پھر) نکالے جاؤ گے۔

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ اے اولاد آدم ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہارے واجب الستر اعضا کو چھپاتا بھی ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس سب سے بڑھ کر ہے یہ اللہ کے احکام میں سے ہے تاکہ لوگ یاد رکھیں۔

بغوی نے لکھا ہے جاہلیت کے زمانہ میں لوگ کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کیا کرتے تھے مردوں میں اور عورتیں رات میں۔ ان کا قول تھا کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں ان کو پہنے ہوئے ہم طواف نہیں کریں گے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی قتادہ نے کہا عورت دوران طواف میں اپنی شرمگاہ پر ہاتھ رکھے ہوئے کہتی تھی آج اس کا کچھ حصہ کھلا ہوا یا سب برہنہ ہو میں اس کو کسی کے لئے حلال نہیں کروں گی اس پر اللہ نے کپڑے پہننے کا حکم دیا اور فرمایا ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا ہے۔ سوآتہا قابل ستر اعضا یہ سوءۃ کی جمع ہے واجب الستر جسم کا کھلنا برا معلوم ہوتا ہے اس لئے اس کو سوءۃ کہا جاتا ہے۔ انزلنا سے مراد یہ نہیں ہے کہ براہ راست لباس آسمان سے اترا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اسباب سماوی اور نظام علوی کے زیر اثر ہم نے لباس پیدا کیا ہے ایسا ہی دوسری آیات میں بھی آیا ہے فرمایا ہے وانزل لکم من الانعام تمہارے لئے مویشی اتارے وانزلنا الحدید اور ہم نے لوہا اتارا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تم پر لباس پہننے کا حکم اتارا۔ شاید حضرت آدم کا قصہ اس بات کی تمہید ہو کہ کشف عورت ممنوع ہے شیطان کی طرف سے پہلی مصیبت انسان پر جو آئی وہ بے پردہ ہونے کی شکل میں ہی آئی شیطان نے ہی حضرت آدم و حوا کو اغوا کر کے برہنہ کرایا اور ان کی اولاد کو بھی اسی طرح اغوا کر رہا ہے۔

ریشا عمدہ لباس (قاموس) یا جمال (بیضاوی) یا مال (حضرت ابن عباسؓ مجاہد ضحاک، سدی) تریش الرجل وہ آدمی مالدار ہو گیا۔ لباس تقویٰ سے کیا مراد ہے اس کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں قتادہ اور سدی کے نزدیک لباس تقویٰ ایمان ہے حسن بصری کے نزدیک حیا ہے کیونکہ حیا ہی موجب تقویٰ ہے عطیہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ عمل صالح لباس تقویٰ ہے حضرت عثمانؓ بن عفان کا قول آیا ہے کہ خوبصورت نقشہ مراد ہے

عروہ بن زبیر نے خشیۃ اللہ کو لباس تقویٰ قرار دیا ہے کلبی نے پاکدامنی کو یعنی صاحب تقویٰ کے لئے پاکدامنی سب سے خوبصورت لباس ہے۔ ابن الانباری نے کہا لباس التقویٰ سے مراد وہی لباس ہے جس کا ذکر اس سے پہلے فقرہ میں کیا گیا مگر لانے کی غرض یہ ہے کہ برہنہ طواف کرنے سے کپڑے پہن کر اعضاء پوشیدنی کو چھپانا بہتر ہے اور برہنگی کے گناہ سے بچنے کا سبب لباس ہے زید بن علی نے فرمایا لباس تقویٰ سے مراد جنگی لباس ہے جو جنگ میں حفاظت کیلئے پہنا جاتا ہے زرہ خود بکتر پٹی گیٹس بعض نے کہا لباسِ تقویٰ بالوں کے کھردرے موٹے موٹے کپڑے ہیں جو زاہد لوگ پہنتے ہیں۔

آیات اللہ سے مراد (یا احکام ہیں یا وہ) نشانیاں ہیں جو اللہ کی رحمت و مہربانی پر دلالت کر رہی ہیں یاد رکھنے سے مراد ہے اللہ کی نعمتوں کا اقرار کرنا اور برائیوں سے بچا رہنا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اے اولاد آدم شیطان تم کو دھوکہ نہ دینے پائے (اور گمراہ کر کے جنت سے محروم نہ کر دے) جیسے تمہارے ماں باپ کو (یعنی آدم و حوا کو دھوکہ دیکر) جنت سے نکلوانے کا سبب بنا ایسی حالت میں کہ ان کا لباس بھی ان سے اتروا دیا تاکہ ان کو ان کا پردہ کا بدن دکھائی دینے لگے بظاہر شیطان کو ممانعت ہے لیکن حقیقت میں اولاد آدم کو گمراہ ہونے سے نہی ہے یعنی تم دھوکہ نہ کھاؤ اور شیطان کے پیچھے چل کر راستہ سے نہ بھٹکو شیطان چونکہ آدم و حوا کے بدن سے جنت کا لباس اتروانے کا سبب تھا اس لئے ینزع کی نسبت اس کی طرف کر دی گئی۔

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ بلاشبہ وہ اور اس کے گروہ والے تم کو اس طور پر دیکھتے ہیں کہ تم ان کو نہیں دیکھتے۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک قبیلہ سے مراد ہے ابلیس کی اولاد اور قتادہ کے نزدیک گروہ جن مراد ہے۔ غرض پورا جملہ نہی تحذیری کا ہے جس میں شیطان اور اس کے مددگاروں کی فریب دہی سے ڈرایا گیا ہے کیونکہ وہ ایسا دشمن ہے جو ہم کو نظر نہیں آتا اور جو دشمن ہم کو دیکھ رہا ہو مگر ہم کو نظر نہ آ رہا ہو اس سے اللہ ہی محفوظ رکھے تو حفاظت ہو سکتی ہے۔ ذوالنون نے فرمایا اگر شیطان تم کو دیکھتا ہے اور تم کو نظر نہیں آتا تو تم اس ذات سے مدد کی درخواست کرو جو شیطان کو دیکھ رہی ہے اور شیطان اس کو نہیں دیکھ سکتا۔

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ہم شیطانوں کو ان لوگوں کا رفیق بنائے رکھتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے رفیق بنانے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ باطل کی پیروی اور حق سے نفرت دونوں فریق میں مشترکہ قائم کی جاتی ہے یا شیطانوں کو بے ایمانوں پر مسلط کر دیا جاتا ہے اور قدرت دیدی جاتی ہے کہ وہ ان کو فریب دیتے رہیں اور اس فریب کاری پر ان کو آمادہ رکھیں۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ اور جب لوگ

جب کوئی بیحیائی کا کام (شرک یا برہنہ طواف وغیرہ) کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی پر پایا ہے اور اللہ نے ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ فاحشہ حد سے زیادہ بری بات۔ اس سے مراد ہے شرک۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد کے نزدیک برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرنا مراد ہے۔ بظاہر لفظ فاحشہ کے اندر ہر کبیرہ گناہ داخل ہے۔ یعنی جب وہ حد سے زیادہ کوئی بری حرکت کرتے ہیں اور ان کو منع کیا جاتا ہے تو اس کے جواز کی دو دلیلیں بیان کرتے ہیں کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو یونہی کرتے پایا (لہٰذا یہ عمل صحیح ہے) اور اللہ نے بھی ہم کو اس کا حکم دیا ہے۔ پہلی دلیل کی تردید اس جگہ نہیں کی کیونکہ اس کی بیہودگی ظاہر ہی تھی پھر دوسری جگہ آیت میں اس کی تردید بلیغ اسلوب کے ساتھ آچکی ہے فرمایا ہے اولو کان اباءھم لا یعلمون شیئا ولا یھتدون۔ دوسری دلیل کی تردید مندرجۂ ذیل آیت میں فرمائی۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ آپ کہئے کہ اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیا خدا کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کی سند کا تم کو علم نہیں۔

کیونکہ بری بات کا حکم دینا بھی بُرا ہے اس آیت میں ثبوت ہے اس امر کا کہ اشیاء کی اچھائی برائی اگرچہ خدا کی پیدا کردہ ہے لیکن عقل سے اس کو سمجھا جاتا ہے۔ قبیح سے مراد اس جگہ وہ امر شنیع ہے جس سے طبع سلیم نفرت کرتی اور دانش صحیح جس کو برا سمجھتی ہے۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ آیتِ مذکورہ میں دونوں جملے دو مرتب سوالوں کے جواب ہیں گویا کلام یوں تھا سوال تم نے اس امر قبیح کا ارتکاب کیوں کیا جواب۔ ہم نے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے۔ سوال۔ تمہارے باپ دادا کو کہاں سے حکم ملا جواب۔ ان کو اللہ نے اس کا حکم دیا تھا اور ان کی وساطت سے اللہ کا وہ حکم ہم تک پہنچا پس اللہ ہی نے ہم کو اس کا حکم دیا بہرحال آیت سے اسلاف کا بے دلیل اندھا دھند اتباع ممنوع قرار پاتا ہے لیکن ہر تقلید آبار کی حرمت ثابت نہیں ہوتی (اگر آبار کا قول ازروئے شریعت حق ہو تو اس پر چلنا اور اس کی تقلید کرنا تو ضروری ہے)

اتقولون علی اللہ یعنی کیا تم اللہ پر بغیر یقین آفریں دلیل کے بہتان بندی کرتے ہو۔ یہ استفہام انکاری ہے مگر انکار حکم نہی میں ہے یعنی اللہ پر افترا بندی نہ کرو۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ○ آپ کہدیجئے کہ میرے رب نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ (بھی کہدیجئے) کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو اور اللہ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت (یا اطاعت) کو خالص اللہ ہی کے واسطے رکھا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا القسط سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے ضحاک نے کہا توحید مراد ہے۔ مجاہد اور سدی کے نزدیک عدل مراد ہے۔ لغت میں قسط کا معنی ہے امر متوسط

جس کا جھکاؤ طرفین میں سے کسی ایک کی جانب زیادہ نہ ہو۔ افراط و تفریط کے درمیان امر کا نام قسط ہے۔
اقیموا مفعول ہے فعل محذوف ہو یعنی اللہ نے فرمایا ہے کہ اقامت وجوہ کرو یا قل کا مفعول ہو یعنی آپ یہ جملہ کہہ دیں۔ اقیموا وجوھکم یعنی خالص اللہ کے لئے سجدہ کرو۔ عند کل مسجد یعنی ہر نماز اور سجدہ کے وقت یا ہر مقام سجود میں (اول مطلب پر لفظ مسجد ظرف زمان اور دوسرے مطلب پر ظرف مکان ہوگا) مجاہد اور سدی نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا جہاں بھی ہو نماز کے اندر اپنا منہ کعبہ کی طرف رکھو۔ ضحاک نے کہا اگر تم کسی مسجد کے پاس ہو اور نماز تیار ہو تو مسجد میں جاکر نماز پڑھ لو یہ نہ کہو کہ میں اپنی مسجد میں جاکر پڑھوں گا امام ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے لیکن اتنی تفصیل ہے کہ اگر کوئی کسی دوسری مسجد کا امام ہو یا ایسا شخص ہو کہ اس کی غیر حاضری سے دوسری مسجد کی جماعت کے نظام میں خلل پڑ جائے تو ایسے شخص کے لئے مسجد سے اذان کے بعد بھی چلا جانا درست ہے۔ بعض علماء نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا اللہ کی عبادت کی طرف سیدھے متوجہ ہو جاؤ کسی دوسرے کی طرف رخ نہ موڑو۔ وادعوہ یعنی اس کی عبادت کرو۔ مخلصین لہ الدین اطاعت اور عبادت کو ہر شرک و ریاء اور شہرت طلبی سے پاک صاف رکھ کر۔

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ جس طرح اس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے یعنی جس طرح اس نے پہلے تم کو مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا اسی طرح مرنے کے بعد تم دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور اللہ تمہارے اعمال کے موافق بدلہ دیگا تخلیق ثانی کو تخلیق اول سے تشبیہ دینے کی غرض یہ ہے کہ تخلیق ثانی ممکن ہے اور تخلیق اول کی طرح اللہ تخلیق دوئم پر قادر ہے بعض علماء نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ جس طرح اول بار تم کو برہنہ پا برہنہ بدن غیر مختون پیدا کیا تھا اسی طرح تم اس کے پاس لوٹو گے۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن برہنہ پا برہنہ بدن اٹھائے جاؤ گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مرد بھی اور عورتیں بھی فرمایا عائشہؓ! اس روز معاملہ اس سے بہت سخت ہوگا (یعنی کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہ ہوگی) صحیحین۔
بخاری اور مسلم نے صحیحین میں اور ترمذی نے سنن میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! تم برہنہ پا پیدل برہنہ بدن غیر مختون اللہ کے پاس لیجائے جاؤ گے پھر حضور صلعم نے تلاوت فرمائی کما بدانا اول خلق نعیدہ۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو لباس پہنایا جائیگا۔ اس بحث کی صحیح احادیث بکثرت آئی ہیں۔ لیکن ابوداؤد۔ ابن حبان۔ بیہقی اور حاکم نے نقل کیا اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے انتقال کے قریب

کپڑے طلب کئے اور پہن کر فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ میت کو انہی کپڑوں میں اٹھایا جائیگا جن کو پہنے ہوئے اس کا انتقال ہوا ہوگا۔ ابن ابی الدنیا نے حسن سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل نے نئے کپڑوں کا اپنی ماں کو کفن دلوایا اور فرمایا اپنے مُردوں کو کفن اچھے دیا کرو قیامت کے دن انہی کپڑوں میں ان کو اٹھایا جائیگا۔ سعید بن منصور نے سنن میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا اپنے مردوں کو کفن اچھے دیا کرو قیامت کے دن انہی میں ان کو اٹھایا جائیگا۔ یہ تینوں احادیث قوت میں ان احادیث کی طرح نہیں ہیں جن میں برہنہ اٹھائے جانے کی صراحت آئی ہے۔ اکثر علماء نے موخر الذکر احادیث کا مصداق شہیدوں کو قرار دیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری نے شہید کے متعلق حدیث سنی تھی مگر (اجتہادی غلطی سے) عام مردوں کے لئے اس کو سمجھ لیا۔ بیہقی نے ان متعارض احادیث کو باہم توفیق دینے کے لئے کہا کہ بعض لوگوں کو برہنہ بدن اٹھایا جائیگا اور بعض کو کپڑوں میں۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ قبروں سے نکلتے وقت لوگ کپڑے پہنے ہونگے پھر ان کے کپڑے ابتداء حشر کے وقت بدن سے گر جائینگے اور میدانِ حشر میں ان کو برہنہ لیجایا جائے گا۔ بعض علماء نے کہا یہ جو حدیث آئی کہ میت کو اس کے کپڑوں میں اٹھایا جائیگا اس میں (کپڑوں سے) مراد نیک عمل ہیں جیسے (دوسری آیت میں تقویٰ کو لباس قرار دیا ہے اور) فرمایا ہے ولباس التقوٰی ذٰلک خیر۔

حضرت جابرؓ نے آیت کا معنی یہ بیان کیا کہ جن اعمال پر لوگ مرینگے انہی پر ان کو اٹھایا جائیگا۔ رواہ مسلم فی صحیحہ وابن ماجۃ والبغوی حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بندہ کو اسی حالت پر اٹھایا جائیگا جس پر وہ مرا ہوگا مومن کو ایمان پر اور کافر کو کفر پر۔ حضرت ابن عباسؓ نے آیت کی تشریح میں فرمایا اللہ نے پہلی تخلیق میں اولاد آدم کو مومن اور کافر بنایا فرمایا ھو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مؤمن پھر قیامت کے دن ان کی بعثت بھی گذشتہ ایمان وکفر کی حالت پر ہوگی۔ ابو العالیہ نے تعودون کی تشریح میں فرمایا لوگ اسی حالت کی طرف لوٹینگے جو حالت ان کی اللہ کے علم (ازلی) میں ہوگی۔ سعید بن جبیر نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا جیسا اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے تم ویسے ہی ہو جاؤ گے۔ محمد بن کعب نے کہا جس کی ابتدائی تخلیق اللہ نے بدبختی پر کی ہے وہ مآل کار شقاوت کی طرف چلا جائے گا خواہ اس نے اہل سعادت کے کام کئے ہوں جیسے ابلیس اہل سعادت کے اعمال کیا کرتا تھا، پھر شقاوت کی طرف چلا گیا اور جس کی ابتدائی تخلیق سعادت پر ہوگی وہ سعادت کی طرف (مآل میں) چلا جائیگا خواہ اس نے اہل شقاوت کے کام کئے ہوں جیسے حضرت موسیٰ کے مقابلہ پر آنے والے جادوگر اہل شقاوت کے کام کرتے تھے پھر آخر میں سعادت کی طرف آگئے۔ حضرت سہل بن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آدمی دوزخیوں کے کام کرتا ہے اور جنتیوں

میں ہوتا ہے اور اہل جنت کے کام کرتا ہے مگر دوزخی ہوتا ہے خاتمہ کے اعمال کا اعتبار ہے۔ بخاری ومسلم۔ یہ تشریح
آیت کے آخری حصہ کے بھی مناسب ہے فرمایا ہے۔

فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ۔ بعض لوگوں کو تو اللہ نے ہدایت
کردی ہو اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے یعنی اللہ نے تم میں سے ایک فریق کو اپنے قدیم علم میں ہدایت یاب
کرنے کا ارادہ کرلیا تھا تو اس کو ایمان اور نیک اعمال کی توفیق عطا کردی اور ایک فریق کو گمراہ کردیا جس کے
لئے اللہ کے قدیم سابق فیصلہ میں گمراہی طے ہوچکی تھی۔

إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم
مُّهْتَدُونَ ○ ان لوگوں نے شیطانوں کو رفیق بنایا اللہ کو چھوڑ کر اور خیال ان کا یہ ہے کہ وہ
راہ راست پر چل رہے ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ جہالت عذر نہیں ہے اور کافر خواہ قصداً اور عناداً کافر ہو
یا بلا قصد دونوں مذمت کے مستحق ہیں۔ مسلم نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اسلام سے
پہلے عورتیں برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرتی تھیں اور دوران طواف میں ایک ہاتھ شرمگاہ پر رکھتی تھیں
اور کہتی تھیں آج یہ سب کھل جائے یا کچھ حصہ کھل جائے میں اس کو کسی کے تصرف میں نہیں دے سکتی
اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ اور قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ۔ الخ بھی نازل
ہوئی۔ اے اولاد آدم تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔ باجماع اہل تفسیر زینت سے
مراد وہ لباس ہے جس سے ستر عورت ہو جائے۔ مجاہد نے کہا جس سے تیرا ستر عورت ہو جائے خواہ چوغہ
ہو کلبی کا بھی یہی قول ہے۔ اس آیت کی تشریح میں بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ زینت سے
مراد کپڑے ہیں اور مسجد سے مسجد ہی مراد ہے اسی لئے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ طواف یا نماز
کے لئے ہر مسجد میں لباس لے لو اسی بنیاد پر ابن الہمام نے کہا ہے کہ آیت کا نزول برہنہ طواف کرنے کی حرمت
کے لئے ہوا اعتبار اگرچہ الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے خصوصیت سبب مدار حکم نہیں ہوتی لیکن سبب میں سب سے
پہلے براہ راست حکم کا متحقق ہونا ضروری ہے (اگرچہ حکم کا حصر اس سبب میں ہی نہیں) کیونکہ سب
سے پہلے اسی سبب میں حکم کا تحقق مقصود ہوتا ہے اور پھر بالواسطہ (الفاظ کے عموم کے پیش نظر) دوسری صورتوں
کے لئے بھی وہ حکم عام ہو جاتا ہے اور ہمارے نزدیک طواف کرنے میں ستر عورت ہونا واجب ہے مگر طواف
کی شرط نہیں ہے اگر برہنہ طواف کریگا تو طواف واجب کی ادائیگی ہو جائیگی مگر گنہگار ہوگا اسی طرح

فرض نماز کی ادائیگی بھی برہنہ بدن نماز پڑھنے سے ہو جائے گی کیونکہ نماز کی حالت میں ستر عورت ہونا واجب ہے مگر شرط نہیں ہے ہاں گناہگار ضرور ہوگا (پس آیت سے تو استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ تنہائی میں بھی برہنہ بدن طواف یا نماز کا فرض ادا نہ ہوگا) البتہ اجماع علماء ہے کہ نماز میں ستر عورت ہونا فرض ہے (بغیر ستر عورت کے نماز نہیں ہوتی خلوت میں ہو یا جلوت میں) بعض علماء مالکیہ (جیسے قاضی اسمٰعیل) کا قول اس کے خلاف بھی آیا ہے مگر اجماع کے خلاف منفرد قول ناقابل اعتبار ہے۔ حضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت بھی ہے کہ اللہ بالغہ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں فرماتا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والحاکم وابن خزیمہ۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ مسجد سے مقصد یہی ہے سجدہ کرنا اور اس سے مراد نماز ہے جزء بول کر کل مراد لے لیا جاتا ہے۔ جیسے آیت واركعوا مع الراكعين میں رکوع سے مراد نماز ہے اسی طرح آیت فاقرؤا ما تيسر من القرآن میں قرآن سے مراد بھی نماز ہے (رکوع اور قرأت نماز کے اجزاء ہیں) اس مطلب پر آیت کی عبارت دلالت کر رہی ہے کہ صرف نماز میں ستر عورت واجب ہے (یعنی طواف سے آیت کا کوئی تعلق نہ ہوگا)

عرب دور جاہلیت میں برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن کپڑوں کو پہن کر ہم نے اللہ کی نافرمانیاں کی ہیں ان کو پہن کر طواف نہیں کریں گے عورتیں بھی برہنہ طواف کرتی تھیں یہ کل واقعات آیت يٰبنى ادم قد انزلنا عليكم لباسا يوارى سواٰتكم سے ...... مالبطون تک کے نزول کا سبب تھا۔ بلکہ حضرت آدم کا قصہ بھی اسی کی تمہید کے طور پر ذکر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ سب سے پہلا دکھ جو شیطان کی طرف سے انسان کو پہنچا وہ پوشیدنی اعضاء کی برہنگی کی شکل میں نمودار ہوا۔ تمام آیات بتا رہی ہیں کہ پوشیدنی اعضاء کو چھپانے کے لئے لباس کی تخلیق اللہ کی عظیم الشان نعمت ہے اور یہی تقویٰ ہے بے پردگی اور پوشیدنی اعضاء کی برہنگی عظیم الشر فتنہ اور شیطانی اغواء ہے جس کا شکار ابلیس نے پہلے تمہارے باپ آدمؑ کو کیا اور اب تم کو کر رہا ہے یہی بیحیائی ہے جس کا ارتکاب باپ دادا کی پیروی میں عرب کرتے تھے اور اللہ پر بہتان باندھتے تھے کہ خدا نے ان کو اس کا حکم دیا ہے اللہ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں دیا کرتا اس نے تو ایک فریق کو ہدایت یاب کر دیا اور ایک فریق پر گمراہی کا ثبوت ہو گیا یہ تمام آیات بتا رہی ہیں کہ پوشیدنی اعضاء کی پردہ کشائی بے حیائی ہے مطلقاً حرام ہے شریف طبیعتیں اس کو برا اور قابل عیب جانتی ہیں اور دانش و دین اس کو قبیح سمجھتے ہیں ایسی بیحیائی کا ارتکاب طواف اور دوسری عبادات میں تو اور بھی برا ہے اس کی حرمت تو بدرجہ اولیٰ ہے اور عرب جو دعویٰ کرتے تھے کہ طواف کے وقت کپڑے پہنے رہنا درست نہیں اور حج میں گوشت اور چکنائی کھانا حرام ہے یہ دعویٰ بالکل غلط ہے اللہ نے اس کی تردید میں فرما دیا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ الخ اور فرمایا ہے اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ تمام بیحیائی کی باتیں اللہ نے حرام کر دی ہیں کشف عورت بھی بے حیائی ہے اللہ نے اس کو بھی حرام کر دیا لیکن باوجود کشف عورت کی حرمت اور ستر عورت

کے وجوب کے یہ بات کسی آیت میں نہیں آئی کہ پوشیدنی اعضاء کو چھپائے رکھنا صحت طواف کی شرط ہو کہ اسکے بغیر طواف ادا نہ ہو، اسی لئے امام اعظمؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی برہنہ طواف کرے گا تو گنہگار ضرور ہوگا مگر فرض طواف ادا ہو جائیگا۔ ہاں اکثر ائمہ فرض طواف کی ادائیگی کے بھی قائل نہیں کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ حج وداع سے ایک سال پہلے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا تو آپ نے مجھے ایک جماعت کے ساتھ مقرر فرما کر حکم دیا کہ قربانی کے دن سب لوگوں میں اعلان کردوں اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کریگا اور نہ کوئی برہنہ طواف کریگا متفق علیہ۔ امام اعظمؒ کے خلاف ائمہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ برہنہ طواف کرنے کی شرعاً ممانعت ہے لہٰذا ایسی حالت میں طواف کرنے سے فرض ادا نہ ہوگا جیسے قربانی کے دن روزہ رکھنے سے فرض روزہ کی قضا نہیں ہوتی یا طلوع وغروب اور زوال کے وقت نماز پڑھنے سے قضاء فوائت نہیں ہوتی۔

رہی آیت خذوا زینتکم عند کل مسجد تو اس کا تقاضا صرف اتنا ہے کہ نماز میں ستر عورت شرط ہے ستر عورت کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ عام ستر عورت کا فرض ہونا اور کشف عورت کا حرام ہونا دوسری آیات سے ثابت ہے اس آیت کا کوئی تعلق طواف سے نہیں ہے البتہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی آیا ہے کہ کعبہ کا طواف کرنا بھی نماز ہے مگر اس میں بات کرنا اللہ نے مباح فرمادیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے یہ حدیث ترمذی حاکم دارقطنی ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بیان کی ہے اور ابن خزیمہ و ابن حبان نے اس کو صحیح بھی کہا ہے اس حدیث کو اگر آیت سے ملا دیا جائے تو آیت کا تعلق طواف سے بھی ہو جائیگا اگر یہ مان لیا جائے کہ منجملہ دوسری آیات کے اس آیت کا نزول بھی عام کشف عورت کی برائی ظاہر کرنیکے لئے ہوا اور کعبہ کا برہنہ طواف کرنے کی روایات کو اس آیت کا سبب نزول بھی قرار دیا جائے تب بھی یہ نہیں ثابت ہوتا کہ اس آیت کا نزول بھی طواف ہی کے سلسلہ میں ہوا اگر کسی واقعہ کے متعلق یا کسی سوال کے جواب میں کوئی حکم نازل ہو تو اس واقعہ کا فیصلہ اور اس سوال کا جواب ضرور اس حکم سے معلوم ہو جائیگا لیکن مورد نزول سے آگے بڑھ کر کوئی اور حکم معلوم نہ ہوسکے ایسا کہنا درست نہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ برہنہ طواف نہ کرنیکا حکم اس آیت کے علاوہ دوسری آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے ابن ہمام کا وارد کیا ہوا اشکال درست نہیں۔

مسئلہ:- رحمۃ الامۃ میں ذکر کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ستر عورت نماز کی شرط ہے امام مالکؒ کے شاگردوں میں (امام مالک کے مسلک کے متعلق) روایت کا اختلاف ہے بعض کا قول تو جمہور کے قول کے موافق ہے کہ اگر ستر عورت پر قدرت ہو اور اس کے باوجود پوشیدنی اعضاء کو برہنہ چھوڑ کر نماز پڑھیگا تو نماز صحیح نہ ہوگی گویا ستر عورت صحت نماز کی شرط ہے بعض کا قول ہے کہ ستر عورت اگرچہ بجائے خود واجب ہے لیکن صحت نماز کی ضروری شرط نہیں ہے لہٰذا ستر عورت کی قدرت رکھتے ہوئے اگر کوئی برہنہ

نماز پڑھیگا تو نماز فرض کی ادائیگی ہو جائیگی مگر ستر عورت نہ کرنے کا گناہ اس پر ہوگا۔ متاخرین مالکیہ کے نزدیک بغیر ستر عورت کے کسی حال میں نماز صحیح نہیں۔ ابن ہمام نے اسی قول پر اجماع سلف نقل کیا ہے پچھلے زمانہ میں اگر آراء کا اختلاف ہو جائے تو اس سے اجماع سلف نہیں ٹوٹ سکتا۔

فصل

آیت سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ نماز میں ستر عورت واجب ہے لیکن عورت (یعنی پوشیدنی اعضا) کونسے ہیں اور کن اعضاء کے کتنے حصہ کو چھپانا واجب ہے اس معاملہ میں آیت مجمل ہے احادیث میں اس کا بیان آیا ہے۔

بیان حسب ذیل ہے

مسئلہ ۱۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مرد کے لئے ناف سے زانو تک چھپا رکھنا واجب ہے۔ امام احمدؒ و امام مالکؒ کے دو مختلف قول مروی ہیں ایک قول امام ابوحنیفہ کے موافق ہے اور دوسرے قول میں ہے کہ صرف عضو مخصوص اگلا اور پچھلا چھپا رکھنا واجب ہے اس قول کے استدلال میں حضرت انسؓ کی روایت کردہ حدیث پیش کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر فتح کیا۔ الی آخر الحدیث۔ اس حدیث میں آیا ہے پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ران سے تہبند ہٹایا حضورؐ کی ران کی سفیدی اب بھی میری نظروں کے سامنے پھر رہی ہے۔ رواہ البخاری۔ مسلم اور احمد کی روایت میں ہے پھر تہبند ہٹ گئی۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر دونوں رانیں یا دونوں پنڈلیاں کھولے لیٹے ہوئے تھے اتنے میں حضرت ابوبکرؓ نے داخلہ کی اجازت طلب کی آپ نے اسی حالت پر لیٹے لیٹے اجازت دیدی پھر عمرؓ داخل ہونے کے خواستگار ہوئے آپؐ نے اسی حالت میں ان کو بھی اجازت دیدی کچھ دیر کے بعد عثمان طالب اجازت ہوئے تو آپ کپڑوں کو ٹھیک کر کے بیٹھ گئے۔ رواہ مسلم۔ اس حدیث میں چونکہ رانیں یا پنڈلیاں کوئی ایک لفظ وثوق کے ساتھ نہیں آیا ہے اس لئے ناقابل استدلال ہے مگر امام احمد نے چونکہ صرف رانیں کھولے لیٹنے کا ذکر کیا ہے اور حضرت حفصہؓ کی روایت سے امام احمد نے جو حدیث ذکر کی ہے اس میں بھی صرف رانوں کا لفظ آیا ہے اس لئے حدیث قابل حجت ہے۔

طحاوی اور بیہقی نے ام المؤمنین حفصہؓ بنت عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز میرے ہاں دونوں رانوں سے کپڑا ہٹائے (لیٹے) ہوئے تھے اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آگئے الخ۔

حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت ہے کہ ایک جگہ جہاں پانی موجود تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے یا اپنا زانو کھولے بیٹھے ہوئے تھے جب حضرت عثمان آئے تو حضورؐ نے زانو ڈھانک لیا۔ رواہ البخاری۔

جمہور کے قول کی دلیل حضرت علیؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے ران ظاہر نہ کرو اور کسی زندہ مردہ کی ران نہ دیکھو۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ والحاکم والبزار۔ بعض علماء نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اس کی سند اس طرح ہے ابن جریج از حبیب بن ثابت از عاصم بن ضمرہ۔ حافظ نے لکھا ہے اس سند میں ابن جریج اور حبیب کے درمیان انقطاع ہے۔ ابوحاتم نے العلل میں لکھا ہے کہ ابن جریج اور حبیب کے درمیان واسطہ حسن بن ذکوان ہے اور یہ ضعیف ہے پھر عاصم سے حبیب کا سماع بھی ثابت نہیں یہ دوسری خرابی ہے۔ ابن معین نے کہا حبیب نے عاصم سے خود نہیں سنا دونوں کے درمیان ایک ایسا راوی ہے جو ثقہ نہیں ہے بزار نے کہا دونوں کے درمیان راوی عمرو بن خالد واسطی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک شخص کی طرف سے ہوا اس شخص کی ران کھلی ہوئی تھی حضور صلعم نے فرمایا ران کو ڈھانپ لو ران بھی پوشیدنی حصہ ہے۔ رواہ الترمذی والحاکم واحمد بعض علماء نے اس کو صحیح قرار دیا ہے لیکن اس کی سند میں ابویحییٰ قتات راوی ہے جو ضعیف ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جرہدؓ کی طرف سے گذرے جرہدؓ مسجد میں تھے اور ان کی ران کھلی ہوئی تھی فرمایا جرہدؓ اپنی ران ڈھانک لو ران بھی پوشیدنی حصہ ہے۔ رواہ احمد۔ اس حدیث کی سند میں ابوزرعہ مجہول راوی ہے۔

حضرت محمد بن جحشؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت معمرؓ کی طرف سے گذرے معمر جَبْوَہ[1] بنائے بیٹھے تھے ران کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا۔ حضور (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا معمر اپنی ران ڈھانک لو۔ ران بھی پوشیدنی عضو ہے۔ رواہ احمد و بخاری فی التاریخ والحاکم فی المستدرک۔ حافظ نے کہا اس حدیث کے تمام راوی سوائے ابوکثیر کے صحیح کے راوی ہیں ابوکثیر کی روایت ایک جماعت نے نقل کی ہے اور اس کے متعلق میں نے کسی کی طرف سے جرح اور تعدیل نہیں پائی۔

حضرت ابوایوبؓ کی روایت ہے میں نے سنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے زانو سے اوپر عورت ہے اور ناف سے نیچے عورت ہے۔ رواہ الدارقطنی۔ اس کی سند میں عباد بن کثیر اور سعید بن راشد ہیں اور دونوں متروک ہیں۔ عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی اپنے غلام کا نکاح کرائے الی آخرہ۔ اس حدیث میں ہے کہ ناف کے نیچے سے زانو تک پوشیدنی حصہ ہے۔ رواہ الدارقطنی۔ اس کی سند میں سوار بن داؤد راوی ہے جس کو عقیلی نے نرم (یعنی ضعیف)

---

[1] سرینوں کی نوک پر دونوں پاؤں کھڑے کر کے پنڈلیوں کو رانوں سے ملا کر بیٹھنے کی شکل کو حبوہ کہتے ہیں کمر کے پیچھے سے کسی رومال یا چادر کو گھما کر لانے اور سامنے کے رخ پر پنڈلیوں پر گھما کر لپٹانے سے تکیہ کی طرح پشت کو سہارا لگ جاتا ہے۔

قرار دیا ہے مگر ابن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے

اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ ان احادیث میں سے کوئی حدیث کشف ران والی حدیث سے نہیں ٹکراتی لیکن چونکہ ان احادیث میں سے ایک دوسری کی مؤید ہے اور امت نے اس کو قبول کیا ہے اس لئے بطور احتیاط ہم نے اس کو لے لیا ہے اسی بنیاد پر بخاری نے کہا ہو کہ انسؓ والی حدیث کی سند زیادہ قوی ہے اور جرہد والی حدیث میں احتیاط زیادہ ہے اور چونکہ حضرت انس والی حدیث زیادہ قوی ہے بلکہ وہ احادیث بھی زیادہ قوی ہیں جو حدیث انسؓ کی ہم معنی ہیں اس لئے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا برہنہ آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے شرمگاہ پر ہاتھ رکھ لے اور رکوع سجود کے لئے اشارہ کرے یعنی ستر عورت جو نماز کے اندر اور باہر فرض ہے اس کی رعایت امام اعظمؒ نے کی ہے اور قیام رکوع سجود کو اس کی رعایت سے ترک کرنے کا حکم دے دیا ہے۔

مسئلہ:۔ امام اعظمؒ کے نزدیک زانو بھی پوشیدنی اعضا میں داخل ہے حضرت علیؓ کی روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے زانو پوشیدنی اعضا میں سے ہے اس حدیث کی روایت میں عقبہ بن علقمہ راوی ہے جس کو ابو حاتم رازی اور نصر بن منصور نے ضعیف کہا ہے ابو حاتم نے کہا یہ مجہول ہے منکر احادیث نقل کرتا ہے۔ ابن حبان نے کہا یہ ناقابل حجیت ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمد نے حضرت ابو ایوب اور عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت کردہ احادیث مندرجہ بالا کی بنا پر زانو کو عورت میں داخل نہیں قرار دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں زانو وہ جوڑ کا مقام ہے جہاں بالائی طرف سے پوشیدنی حصہ کی ہڈی اور نچلی طرف سے پنڈلی کی ہڈی ملتی ہے اس سے اوپر کا حصہ کھلا رکھنا حرام ہے اور نیچے کا حصہ کھلا رکھنا جائز ہے ہم نے بطور احتیاط حرمت کو حلت پر ترجیح دی ہے۔

مسئلہ:۔ آزاد عورت کا پورا جسم پوشیدنی ہے امام اعظم کے نزدیک چہرہ دونوں قدم اور (دو گٹوں سے نیچے) دونوں ہاتھ پوشیدنی اعضاء میں داخل نہیں ہیں۔ ایک روایت میں امام شافعی امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے دوسری روایت میں ان ائمہ کے نزدیک صرف چہرہ اور قدم مستثنیٰ ہیں دونوں پنجے یعنی گٹوں سے نیچے ہاتھ عورت ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بالغہ کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کی جاتی۔ یہ بھی فرمایا عورت سراسر پوشیدنی ہے۔ رواہ الترمذی من حدیث ابن مسعودؓ۔ ابوداؤد نے مرسلاً بیان کیا ہے کہ لڑکی جب بالغ ہو جائے تو اس کے چہرے اور پہنچوں سے دونوں ہاتھوں کے علاوہ دیکھا جانا درست نہیں۔

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا۔ کیا عورت صرف کرتہ اور اوڑھنی پہن کر بغیر تہبند پہنے نماز پڑھ سکتی ہے فرمایا (پڑھ سکتی ہے) اگر کرتہ اتنا لمبا ہو کہ قدموں کی پشت

کو ڈھانک رہا ہو۔ رواہ الدارقطنی۔ اس روایت کی سند میں ایک شخص عبد الرحمن بن عبد اللہ ہے جسکو یحییٰ نے ضعیف کہا ہے ابو حاتم نے کہا اس کی روایت ناقابل احتجاج ہے ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث کو مرفوع قرار دینے میں غلطی کی ہے کیونکہ امام مالکؒ اور ایک جماعت نے اس کو حضرت ام سلمہؓ کا قول قرار دیا ہے۔

مسئلہ:۔ النوازل میں ہے کہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کے لئے سبحان اللہ پڑھنا ہے اور عورتوں کے لئے تالی بجانا۔ ابن ہمام نے کہا اگر اسی بنیاد پر کوئی کہے کہ نماز میں عورت اگر جہر کے ساتھ قرأت کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے تو غلط نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ امام اعظمؒ کے نزدیک باندی کے پردہ کے اعضاء مرد کے پردہ کے اعضاء کی طرح ہیں لیکن پیٹ اور پشت بھی پردہ کے اعضاء میں داخل ہیں امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک باندی کے پردہ کے اعضاء بالکل مرد کی طرح ہیں کوئی فرق نہیں (یعنی پیٹ اور پیٹھ پردہ کے اعضاء میں داخل نہیں) بعض اصحاب شافعیؒ نے کہا سر کلائیوں اور پنڈلیوں کے علاوہ باندی کے باقی اعضاء پردہ کے ہیں۔

بیہقی نے بروایت نافع لکھا ہے کہ صفیہ بنت ابی عبید نے بیان کیا کہ ایک عورت اوڑھنی پہنے چادر ڈالے نکلی حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کون ہے جواب دیا گیا آپ ہی کی اولاد میں سے فلاں شخص کی باندی ہے، آپ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیام بھیجا اور فرمایا کیا وجہ کہ تم نے اوڑھنی اور چادر پہنا کر باندی کو بیاہتا آزاد عورتوں جیسا بنا دیا یہاں تک کہ میں اس کو آزاد شوہر والی عورتوں میں سے سمجھنے لگا اور آزاد شوہر والی خیال کر کے قریب تھا کہ میں اس کی گرفت کرتا باندیوں کو آزاد شوہر والی عورتوں جیسا نہ بنایا کرو۔ بیہقی نے لکھا ہے حضرت عمرؓ کے اس کے متعلق اقوال صحیح (الروایۃ) ہیں۔

مسئلہ:۔ امام احمد کے نزدیک فرض نماز میں مونڈھے ڈھانکنا بھی فرض ہے نفل میں مثبت منفی دونوں قول مروی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص ایک کپڑا پہنے اس طرح نماز نہ پڑھے کہ مونڈھوں پر کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو۔ رواہ احمد صحیحین میں بھی ایسی ہی روایت آئی ہے مگر بخاری نے مونڈھوں کی جگہ کندھے کا اور مسلم نے کاندھوں کا لفظ لکھا ہے جمہور کے نزدیک یہ ممانعت تنزیہی ہے (تحریمی نہیں) کرمانی (بظاہر ممانعت کا تقاضا تحریم ہے (کیونکہ جب نہی مطلق ہو تو تحریم ہی پر اس کو محمول کیا جاتا ہے) لیکن مونڈھے کھلے رکھنے کے جواز پر اجماع ہو چکا ہے (اس لئے نہی کو تنزیہی کہا جائیگا) حافظ نے کہا کرمانی نے اس کے بعد خود نووی کا بیان نقل کیا ہے کہ امام احمد مونڈھے کھلے رکھنے کو حرام کہتے ہیں کرمانی کو مذکورہ اعلان کے وقت یہ دوسرا بیان یاد نہیں رہا ورنہ اجماع کا دعویٰ نہ کرتے۔ ابن المنذر نے بھی لکھا ہے کہ محمد بن علی مونڈھے کھلے رکھنے کو ناجائز فرماتے تھے۔ طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس مسئلہ کے متعلق ایک باب مستقل قائم کیا ہے

اور حضرت ابن عمرؓ کا قول بروایت طاؤس ونخعی نقل کیا ہے اور بعض لوگوں نے ابن وہب اور ابن جریر کی روایت سے بھی لکھا ہے (کہ مونڈھے کھلے رکھنا ناجائز ہے) شیخ تقی الدین سبکی نے تو امام شافعیؒ کی عبارت اس کے وجوب کے متعلق نقل کی ہے اور اسی قول کو مختار بھی قرار دیا ہے مگر شوافع کی عام کتابوں میں اس کے خلاف منقول ہے (اور ستر منکبین کو واجب نہیں قرار دیا گیا ہے)

مسئلہ:- اپنے اچھے کپڑے پہن کر نماز پڑھنی مستحب ہے آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آیت میں لباس کی تعبیر لفظ زینت سے فرمائی ہے اور زینت کو پہن کر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے لہٰذا واجب مقدار اگرچہ اتنی ہے جس سے ستر عورت ہو جائے لیکن اس سے زیادہ لباس مستحب ہے طحاوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو دو کپڑے پہن لیا کرے کیونکہ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کے سامنے آنے کے وقت زینت کیجائے (یعنی پورا لباس پہنا جائے) بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف ایک کپڑا پہن کر نماز پڑھنے کا حکم دریافت کیا حضور صلعم نے فرمایا کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہوتے ہیں (یعنی ہر شخص کو تو دو کپڑے اور پورا جوڑا پہننے کی توفیق نہیں پھر ایک کپڑا ہی پہن کر نماز پڑھے گا) پھر مدت کے بعد ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے یہی مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا جب اللہ نے کشائش عطا فرمادی ہے تو لوگوں نے بھی کشائش سے کام لیا لوگوں نے پورے کپڑے پہن کر نماز پڑھی کسی نے تہبند اور چادر پہن کر کسی نے تہبند اور قمیص پہن کر کسی نے تہبند اور قبا پہن کر کسی نے پاجامہ اور چادر پہن کر کسی نے پاجامہ اور کرتہ پہن کر کسی نے پاجامہ اور جوڑہ پہن کر کسی نے تبان اور قبا، تبان اور قمیص پہن کر اور شاید یہ بھی فرمایا کسی نے تبان اور چادر پہن کر۔

بغوی نے کلبی کا بیان نقل کیا ہے کہ (جاہلیت کے زمانہ میں) حج کی مدت میں بنی عامر صرف اتنا کھاتے تھے کہ زندگی باقی رہ جائے اور چربی چکنائی نہیں کھاتے تھے یہ فعل حج کی عظمت کے پیش نظر کرتے تھے مسلمانوں نے کہا (تعظیم حج کے تو) ہم زیادہ مستحق ہیں ہم بھی ایسا ہی کریں گے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی

وَّكُلُوْا اور کھاؤ یعنی گوشت اور چربی کھاؤ۔

وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ اور پیو اور حد سے مت نکلو حد سے نکلنے والوں کو یقیناً اللہ پسند نہیں کرتا۔ یعنی گوشت اور چربی کھانا اور لباس پہننا اللہ نے حلال کیا ہے اس کو حرام بنا کر حد سے نہ نکلو۔

ابن المنذر نے عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ آیت قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم کا نزول قریش کے حمس اور بنی عامر بن صعصعہ اور کنانہ بن بکر کے مختلف بطون کے متعلق ہوا جو حج کے زمانہ میں گوشت

نہیں کھاتے تھے اور گھروں میں دروازوں سے نہیں داخل ہوتے تھے بلکہ گھروں کے پیچھے کی طرف سے جاتے تھے حضرت ابن عباس نے فرمایا جو دل چاہے کھا جو دل چاہے پہن لیکن دو باتوں سے پرہیز رکھ حد سے تجاوز اور اترانا۔ اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف وعبد بن حمید فی التفسیر[1]

حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے کھاؤ اور پیو اور خیرات کرو اور پہنو بغیر اسراف اور اترانے کے رواہ احمد بسند صحیح و ابن ماجۃ والحاکم[2]

روایت میں آیا ہے کہ ہارون رشید کے پاس ایک عیسائی طبیب حاذق تھا ایک روز اس نے علی بن حسن بن واقد سے کہا تمہاری کتاب میں علم طب کے متعلق کچھ نہیں ہے حالانکہ علم دو ہی ہیں بدن کا علم اور دین کا علم۔ علی نے جواب دیا اللہ نے ساری طب کو آدھی آیت میں جمع کر دیا ہے فرمایا ہے کلوا واشربوا ولا تسرفوا طبیب بولا تمہارے رسول (صلعم) کا کوئی قول طب کے متعلق نہیں آیا علیؒ نے کہا ہمارے رسولؐ نے بھی ساری طب کو چند الفاظ میں جمع کر دیا ہے فرمایا ہے معدہ مرض کا گھر ہے پرہیز ہر علاج کا سر ہے ہر بدن کو وہی چیز دو جس کا تم نے اس کو عادی بنا دیا ہو طبیب بولا تمہاری کتاب اور تمہارے رسول نے تو جالینوس کے لئے طب چھوڑی ہی نہیں۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ (اے محمدؐ) آپ کہئے کہ جو زینت اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اس کو حرام کرنے والا کون۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ نے لباس کا میٹر پیدا کیا۔ روئی پوست السی (یعنی نقلی ریشم) زمین سے پیدا کی اون بھیڑ بکری کی کھال سے اور ریشم کیڑے سے پیدا کی۔ بندوں کے لئے پیدا کرنے سے مراد ہے۔ بندوں کے فائدے اور آسائش کے لئے پیدا کرنا۔

وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ اور لذیذ چیزیں کھانے پینے کی پیدا کیں۔

یعنی اللہ جو ان سب کا خالق اور مالک ہے اس نے تو ان چیزوں کو حرام نہیں قرار دیا پھر اور کون ان کو حرام حلال بنا سکتا ہے پس کیا وجہ کہ کافر مشرک دوران طواف میں کپڑے پہنے رہنا

---

[1] حسن کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آخری بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے ان کے پاس گوشت رکھا ہوا تھا پوچھا یہ گوشت کیسا ہے عبد اللہؓ نے جواب دیا یہ گوشت ہے جو مجھے پسند ہے فرمایا جس کو تیرا دل چاہے گا (کیا)، اس کو کھالے گا آدمی کی یہ تو بڑی قید ہے کہ جس چیز کو دل چاہے اس کو کھالے۔

[2] حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا پیٹ بھر کر کھانے پینے سے پرہیز رکھو یہ جسم کا بگاڑ ہے بیماری پیدا کرتا ہے نماز میں سستی کا ذریعہ ہے۔ کھانے پینے میں کمی کا التزام کرو یہ جسمانی تندرستی کا ذریعہ ہے اور اسراف سے بہت دور رکھنے والا ہے اللہ موٹے جسم کو پسند نہیں کرتا۔ آدمی جب تک اپنے دین پر خواہش کو ترجیح نہیں دے گا تباہ نہیں ہوگا۔

اور ایام حج میں گوشت اور چربی کھانا اور سوائب وغیرہ کو کام میں لانا حرام قرار دیتے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر اللہ نے حرام نہ قرار دیا ہو تو ہر چیز (اصل تخلیق کے لحاظ سے) حلال ہے (اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اصل اشیاء میں حلت ہے)۔

قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ آپ کہہ دیجئے کہ یہ چیزیں اس طور پر کہ قیامت کے دن بھی خالص رہیں دنیوی زندگی میں خاص اہل ایمان کے لئے ہیں یعنی یہ لباس آرائش اور پاک لذیذ کھانے پینے کی چیزیں دنیا میں اہل ایمان کے لئے پیدا کی گئی ہیں کہ وہ ان سے فائدہ اندوز ہوں اور ان کو استعمال کر کے اللہ کی عبادت کے لئے جسمانی طاقت حاصل کریں اور اللہ کا شکر ادا کریں۔ براہ راست کافروں کے لئے ان کو نہیں پیدا کیا گیا مسلمانوں کے ساتھ کافروں کو ان نعمتوں میں اللہ نے بطور آزمائش شریک بنا دیا ہے تاکہ ان کو ڈھیل ملتی رہے۔

خالصۃً سے یہ مراد ہے کہ قیامت کے دن یہ نعمتیں ہر کدورت آلائش (خوفِ انقطاع) اور غم سے پاک صاف ہونگی دنیا میں ضرور یہ کدورت آمیز اور غم آگیں ہیں یا خالصۃ کا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن یہ صرف اہل ایمان کو ملینگی کافر محروم رہیں گے (اگرچہ دنیا میں دونوں مشترک ہیں)

كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھداروں کے لئے صاف صاف بیان کرتے ہیں جس طرح ہم نے حرام کو حلال سے جدا کر دیا، حلال کو اختیار کرنے کی اور حرام سے بچنے کی ہدایت کر دی اسی طرح ہم تفصیلِ احکام ان لوگوں کے لئے کرتے ہیں جو اللہ کو وحدہٗ لاشریک جانتے ہیں۔

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے تمام بے حیائی کی باتوں کو ان میں جو علانیہ ہیں ان کو بھی اور جو پوشیدہ ہیں ان کو بھی اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو بھی اور اس بات کو بھی کہ اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک بناؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نہیں نازل کی اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ذمہ کوئی ایسی بات لگاؤ جس کی کوئی سند نہ ہو۔

الفواحش یعنی وہ باتیں جن کے اندر برائی بہت زیادہ ہے ظاہر فواحش جیسے مردوں کا برہنہ ہو کر دن میں طواف کرنا پوشیدہ فواحش جیسے عورتوں کا برہنہ ہو کر رات میں طواف کرنا۔ بعض لوگوں نے کہا چھپ کر اور علانیہ زنا کرنا مراد ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع روایت ہے اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں الخ

اس نے تمام چھپی کھلی بے حیائیوں کو حرام کر دیا ہے اور اللہ سے زیادہ کوئی اپنی تعریف کو پسند کرنے والا بھی نہیں ہے اسی لئے خود اس نے اپنی تعریف کی ہے۔

الاثم سے موجبِ اثم مراد ہے یعنی گناہ اور اللہ کی نافرمانی۔ یہ لفظ عام ہے فواحش بھی اس میں داخل ہیں خاص کے بعد حکم کی ہمہ گیری ظاہر کرنے کے لئے عام کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ ضحاک نے کہا اثم سے مراد ہے وہ گناہ جس کی کوئی سزا مقرر نہیں حسن نے کہا اثم شراب ہے ایک شاعر کا قول ہے میں نے اثم کو اتنا پیا کہ میری عقل غائب ہوگئی اثم سے عقل جاتی ہی رہتی ہے۔

البغی سے مراد ہے ظلم یا غرور یا عادل بادشاہ کے خلاف بغاوت۔ بغیر الحق کا تعلق البغی سے ہے اس سے مفہوم بغی کی معنوی تاکید ہو رہی ہے۔ ان تشرکوا میں ان مصدری ہے شریک قرار دینا۔

سلطانًا دلیل۔ اس لفظ سے مشرکوں کا مذاق اڑایا گیا ہے اور اس امر پر تنبیہ کی گئی ہے کہ بے دلیل بات کا اتباع حرام ہے۔ وان تقولوا علی اللہ یعنی کھیتی یا جانوروں کی (خود ساختہ) حرمت کو اللہ کے ذمہ باندھنا اور برہنہ طواف کو اللہ کا حکم قرار دینا۔ مقاتل نے کہا دین میں بغیر یقین کے کوئی بات کہنے کی اس لفظ نے عمومی تحریم کر دی۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ اور ہر گروہ کے لئے ایک میعاد معین ہے۔ یعنی کافروں کے ہر گروہ پر عذاب نازل ہونے کا اللہ کے علم میں ایک مقرر وقت اور معین مدت ہے۔ یہ اہل مکہ کو عذاب کی دھمکی ہے۔

فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ سو جس وقت ان کی میعاد معین آجائے گی تو ذرا سی دیر نہ پیچھے ہٹ سکیں گے نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

یعنی قلیل ترین وقت کی بھی ان کو مہلت نہیں دی جائیگی خواہ وہ مہلت کے طالب ہوں اور نہ وقت سے پہلے ان پر عذاب آئیگا خواہ وہ نزولِ عذاب کے خواستگار ہوں جیسے کافروں نے کہا تھا اے اللہ اگر یہ تیری جانب سے ہی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دکھ کا عذاب ہم پر نازل کر دے۔[1]

---

[1] سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نیزہ مارا گیا اور آپ زخمی ہو گئے تو حضرت کعبؓ نے کہا اگر حضرت عمر اللہ سے (اپنی) زندگی کے لئے دعا کریں تو اللہ (دعا) رد نہیں کریگا اور آپ کا آیا ہوا وقت ٹل دیگا کعب سے کہا گیا کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ فاذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون آیا ہوا وقت موت آگے پیچھے نہیں ہو سکتا حضرت کعبؓ نے فرمایا اللہ نے یہ بھی تو فرمایا ہے وما يعمر من معمر ولا ينقص من عمره الا في كتاب جس کسی کی عمر زیادہ ہو یا عمر میں کمی کر دی جائے سب کا اندراج لوح محفوظ میں ہوتا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے پیچھے کر دیتا ہے اور جسکو چاہتا ہے آگے کر دیتا ہے پھر جب معین وقت آجاتا ہے تو آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ ابو ملیکہ کی روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ نیزہ سے زخمی ہو گئے تو کعب اگر رونے لگے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ إِمَّا يَأۡتِيَنَّكُمۡ رُسُلٞ مِّنكُمۡ يَقُصُّونَ عَلَيۡكُمۡ ءَايَٰتِي فَمَنِ ٱتَّقَىٰ وَأَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ ○ اے اولاد آدم جب تمہارے پاس (میرے) پیغمبر آئیں گے جو تم میں سے ہونگے (اور) تم سے میرے احکام بیان کرینگے سو جو لوگ پرہیز رکھینگے اور درستی کرینگے ان کو کچھ اندیشہ نہ ہوگا نہ وہ غمگین ہونگے۔

اِمَّا میں ما زائد ہے جس کو تاکید شرط کے لئے زیادہ کیا گیا۔ لفظ اِنْ جو شک کے لئے آتا ہے (باوجودیکہ پیغمبروں کا آنا یقینی تھا) اس لئے استعمال کیا گیا کہ پیغمبروں کو بھیجنا اللہ کے ذمہ واجب نہیں۔ اللہ پر کوئی چیز بھی واجب نہیں (کسی کا اس پر کوئی لازمی واجب الادا حق نہیں جب ہوش حواس عقل فہم اور تمام علمی عملی طاقتیں عطا فرمادیں اور انفسی آفاقی داخلی اور خارجی دلیلیں قائم کردیں تو سوچ سمجھ کر افکار و اعمال کی درستی سب پر واجب ہوگئی ہدایت نامے اور انبیاء کی بعثت ضروری نہیں رہی مگر اللہ نے اپنی مہربانی سے کتابیں اور پیغمبر بھیجے)

مِنْكُمْ یعنی آدمیوں میں سے ایاتی یعنی اللہ کی کتابوں کی آیات۔ فَمَنِ اتَّقٰی یعنی جو شخص شرک اور تکذیب انبیاء سے بچتا رہا۔ وَاَصْلَحَ یعنی اس نے اپنے اعمال کو درست کرلیا اور اللہ کے حکم کے مطابق خالص اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے کام کئے۔ فَلَا خَوْفٌ یعنی قبر میں اور قیامت کے دن جب دوسرے لوگوں کو خوف ہوگا، انکو کوئی خوف نہ ہوگا۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ یعنی جب دوزخ کے اندر دوسرے لوگ حزن میں مبتلا ہونگے (اور گذشتہ زندگی تباہ کرنے کا ان کو غم ہوگا) ان کو کوئی غم نہ ہوگا۔

وَٱلَّذِينَ كَذَّبُواْ بِـَٔايَٰتِنَا وَٱسۡتَكۡبَرُواْ عَنۡهَآ أُوْلَٰٓئِكَ أَصۡحَٰبُ ٱلنَّارِۖ هُمۡ فِيهَا خَٰلِدُونَ ○ اور جو لوگ ہمارے احکام کی تکذیب کرینگے اور ان سے تکبر کرینگے وہ دوزخی ہونگے اور دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ تکبر کرینگے یعنی ایمان لانے سے غرور کرینگے۔ فَلَا خَوْفٌ میں فاء کو ذکر کرنا اور اولٰئِكَ کو بغیر فاء کے لانا (باوجودیکہ دونوں جزاء شرط ہیں) وعدۂ ثواب کی قوت اور وعید عذاب کی سبکی کو ظاہر کر رہا ہے۔

فَمَنۡ أَظۡلَمُ مِمَّنِ ٱفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا أَوۡ كَذَّبَ بِـَٔايَٰتِهِۦٓۚ پس اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ پر دروغ بندی کرتا ہے یا اللہ کی آیات کو جھوٹا قرار دیتا ہے یعنی اللہ کے لئے شریک اور بیوی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۹) اور بولے کاش امیر المومنین اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے قسم کھا لیتے کہ اللہ ان کا آیا ہوا وقت ٹال دیگا تو اللہ ضرور ایسا کردیتا (آپ کی قسم کو اللہ جھوٹا نہ ہونے دیتا)، ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے جاکر کہہ دیا کہ کعبؓ نے ایسی بات کہی ہے امیر المومنین نے فرمایا اس صورت میں تو بخدا میں اللہ سے (تاخیر اجل کی) دعا نہیں کرونگا

بچے قرار دیتا ہے اور سانڈھ اور دوسرے بتوں کے ناموں پر چھوڑے ہوئے جانوروں کی حرمت کا قائل ہے اور برہنہ طواف کرنے کو ضروری کہتا ہے (اور ان احکام کی نسبت اللہ کی طرف کرتا ہے) آیت کے عموم میں وہ رافضی بھی داخل ہیں جو اللہ پر اور اللہ کے پیغمبروں پر دروغ بندی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے تو قرآن میں کچھ آیات اور بھی اتاری تھیں مگر صحابہؓ نے ان کو قرآن سے ساقط کر دیا۔

او کذب بآیاتہٖ میں حرف اَوْ تردید کے لئے ہے لیکن یہ تردید جمع کی نہیں بلکہ خلو کی ہے (یعنی یہ دونوں باتیں ساتھ ساتھ ہو سکتی ہیں کہ ایک شخص اللہ پر دروغ بندی بھی کرے اور جو احکام اللہ کے نہیں ہیں ان کی نسبت اللہ کی طرف کر دے اور واقعی جو اللہ کے احکام ہیں ان کو نہ مانے۔ ہاں اظلم ہونے کیلئے ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کا ہونا لازم ہے یعنی جو ایک کام کرے یا دوسرا وہ ضرور اظلم ہوگا۔

أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوا أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ (دنیا میں) ان کے نصیب کا جو کچھ ہے ان کو مل جائے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے آئیں گے (اور) ان کی جانیں قبض کرینگے تو پوچھیں گے وہ کہاں گئے جن کی پوجا تم اللہ کے علاوہ کرتے تھے۔ فرشتوں کی طرف سے استفہام بطور سرزنش ہوگا یعنی وہ بت وغیرہ کہاں گئے جن کو تم پوجتے تھے۔

قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ○ وہ جواب دینگے (آج) وہ سب غائب ہو گئے اور (معاینۂ عذاب کے وقت) وہ خود اپنے کافر ہونیکا اعتراف کرینگے۔

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ (قیامت کے دن اللہ یا موت کے وقت فرشتہ) کہے گا تم سے پہلے جن و انس کے جو فرقے گذر چکے ہیں ان کے ساتھ شامل ہو کر تم بھی دوزخ میں چلے جاؤ جس وقت بھی (دوزخ میں) کوئی جماعت داخل ہوگی وہ اپنی جیسی دوسری جماعت پر لعنت کریگی۔ یعنی اس جماعت پر لعنت کریگی جو اسی کی طرح گمراہ ہوگی اور جس کی پیروی کی وجہ سے یہ گمراہ ہوئی ہوگی۔ یہودی عیسائیوں پر اور عیسائی یہودیوں پر اور تمام گمراہ پیرو گمراہ کرنیوالے لیڈروں پر لعنت کرینگے۔

حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ○

یہاں تک کہ جب دوزخ کے اندر (پچھلی اور پہلی) سب جماعتیں جمع ہو جائینگی تو پچھلی جماعت پہلی جماعت کے متعلق کہے گی اے ہمارے مالک انھوں نے ہم کو گمراہ کیا ان کو دوزخ کا دُگنا عذاب دے (گمراہ ہونیکا اور

گمراہ کرنے کا، اللہ فرمائیگا تم میں سے ہر ایک کے لئے دوگنا عذاب ہے لیکن تم (ابھی) واقف نہیں۔ یعنی جتنا بظاہر دوسروں کو عذاب نظر آرہا ہے حقیقت میں اس سے دگنا ہے ہر عذاب کی ایک ظاہری شکل و مقدار ہوگی جو دوسروں کو دکھائی دیگی ایک باطنی کیفیت و مقدار ہوگی جو دوسروں کو نہیں دکھائی دیگی اور نہ دیکھنے کی وجہ سے خیال کیا جائیگا کہ اندرونی طور پر اس پر عذاب نہیں ہے یا یہ مطلب ہے کہ گمراہی کا تقاضا جس عذاب کا ہے اس سے دوگنا عذاب ہر فریق پر ہوگا رہنماؤں پر ایک عذاب تو ان کے کفر کا ہوگا اور دوسرا عذاب گمراہ کرنے کا اور رہنماؤں کے متبعین پر ایک عذاب اپنے کفر کا ہوگا اور دوسرا اہل حق کو چھوڑ کر اہل باطل کی تقلید کرنے کا۔

وَقَالَتْ أُولٰهُمْ لِأُخْرٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۞ اور پہلی جماعت پچھلی جماعت سے کہیگی اب تم کو ہم پر کوئی برتری نہیں لہٰذا اپنے کئے کا مزہ چکھو۔ پہلی جماعت اپنے کلام کو اللہ کے کلام پر مرتب کرتے ہوئے کہیگی اللہ کے کلام سے ثابت ہوگیا کہ تم کو ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ سب استحقاق عذاب میں برابر ہیں لہٰذا اپنے کئے کی سزا چکھو فذوقوا العذاب رہنماؤں کے کلام کا جزو ہے یا اللہ کا وہ کلام ہے۔ جو دونوں فریقوں سے ان کی باہمی گفتگو کے بعد اللہ فرمائیگا۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاۗءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان پر ایمان لانے سے سرتابی کی ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہونگے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے۔ یعنی ان کے اعمال اور روحوں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ان کی روحوں کے لئے نہیں کھولے جائیں گے کیونکہ ان کی روحیں گندی ہونگی ان کو اوپر نہیں چڑھایا جائیگا بلکہ نیچے سجین میں پھینک دیا جائیگا۔

امام مالکؒ نسائیؒ اور بیہقیؒ نے حضرت براء بن عازبؓ کی روایت سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں کافر بندے کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سیاہ رو ملائکہ کافر کی روح قبض کرنے کے بعد ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں اس سے بدترین مردار کی ایسی بدبو نکلتی ہے پھر اس کو لیکر اوپر چڑھتے ہیں اور ملائکہ کے جس گروہ کی طرف سے ان کا گذر ہوتا ہے تو وہ پوچھتے ہیں یہ گندی روح کون ہے روح کے قابض ملائکہ اس مردہ کا بدترین دنیوی نام لے کر کہتے ہیں فلاں بن فلاں کی ہے آخر ساتویں آسمان تک اس کو لیجایا جاتا ہے اور دروازہ کھلوانے کی درخواست کی جاتی ہے لیکن دروازہ نہیں کھولا جاتا پھر حضورؐ نے آیت

لا تفتح لہم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط تلاوت فرمائی پھر اللہ فرماتا ہے اس کی کتاب نچلی زمین کے قید خانہ (سجین) میں درج کرو حسب الحکم اس روح کو (سجین میں) پھینک دیا جاتا ہے اس کے بعد حضور نے آیت ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء فتخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق ۵ تلاوت فرمائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

حتی یلج الجمل یعنی اونٹ کی برابر کوئی چیز سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے اور ایسا ہونا تو کبھی ممکن نہیں لہذا ان کا جنت میں داخلہ بھی کبھی ممکن نہیں۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ ۝ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ اور اسی (سخت سزا اور رحمت سے محرومی) کی طرح ہم مجرموں کو سزا دیں گے انکا بچھونا اور اوڑھنا جہنم کا ہوگا۔ اور ایسی ہی ہم ظالموں کو سزا دیں گے مھاد بستر۔ غواش (غاشیہ کی جمع ہے) اوڑھنے کی چیز یعنی آگ ان کو ہر طرف سے محیط ہوگی دوسری آیت میں بھی اسی مضمون کو ادا کیا گیا ہے فرمایا ہے من فوقہم ظلل من النار ومن تحتہم ظلل۔ جنت سے محرومی کے ساتھ مجرمین کا لفظ اور عذاب نار کے ساتھ ظالمین کا لفظ ذکر کیا اس سے اس بات پر تنبیہ ہوگئی کہ ظلم کا درجہ جرم سے بڑا ہے۔

اس سے آگے حسب اسلوب قرآنی اہل ایمان کے ثواب کا ذکر کیا اور فرمایا

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اور جو ایمان لائے اور نیک کام کئے ایسے ہی لوگ جنتی ہیں جنت کے اندر وہ ہمیشہ رہیں گے ہم کسی کو اسکی گنجائش سے زیادہ مکلف نہیں کرتے۔ الصلحت جمع ہے اور جب جمع کے صیغے پر الف لام آجائے تو صیغہ استغراق بن جاتا ہے اس لئے عملوا الصلحت کے کہنے سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جنت کا وعدہ انہی مؤمنوں سے کیا گیا ہے جنھوں نے تمام زندگی نیکیاں کی ہوں کبھی گناہ نہ کیا ہو یا تمام نیکیاں کی ہوں کوئی نیکی نہ چھوڑی ہو اس شبہ کو دور کرنے کے لئے درمیان میں لا نکلف نفسا الا وسعہا بطور جملہ معترضہ فرما دیا (ہم نے اس جملہ کا ترجمہ جملہ کاملہ کے ترجمہ کے بعد اردو زبان کی رعایت سے کیا ہے) وسع سے مراد طاقت بغیر تنگی اور دشواری کے برداشت۔

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اور جو خلش ان کے دلوں میں باہم تھی ہم اس کو نکال دینگے نزعنا بصیغہ ماضی یعنی ہم ضرور نکال دینگے۔ غلّ حسد اور دشمنی جو ان کے آپس میں دنیا میں تھی۔ یہاں تک کہ ان کے آپس میں دوستی ہی دوستی اور محبت ہی رہ جائیگی اگر اللہ ایک کو کسی خصوصی

نعمت سے سرفراز فرمائے گا اور دوسرے کو وہ چیز نہیں عطا کی گئی ہوگی تو اس کو اپنے بھائی سے حسد نہ ہوگا۔ (گویا جذبہ حسد ہی ختم ہو جائے گا) سعید بن منصور، ابو نعیم، ابن ابی شیبہ طبرانی اور ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ میں اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ انہی لوگوں میں سے ہوں گے (یعنی وہ غلش جو دنیا میں باہم ہمارے دلوں میں تھی وہ آخرت میں دور ہو جائے گی اور دل صاف ہو جائیں گے)

میں کہتا ہوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ اس لئے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے فتنہ میں ان بزرگوں کے درمیان کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی۔

بخاری اور اسمٰعیلی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آیت ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین کی تشریح میں فرمایا مؤمنوں کو دوزخ سے الگ کر لیا جائیگا پھر دوزخ اور جنت کے درمیانی پل پر روک لیا جائیگا اور بعض کے حقوق بعض سے دلوائے جائینگے یہاں تک کہ جب سب صاف ستھرے ہو جائیں گے تو ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائیگی۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے دنیا میں ان کو جتنا اپنے گھر کا راستہ معلوم تھا اس سے زیادہ وہ اپنے جنتی مکان کے راستہ سے واقف ہونگے۔ راوی حدیث قتادہؓ نے کہا ان کی حالت ان لوگوں کے مشابہ ہوگی جو جمعہ کی نماز پڑھ کر اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں (اور کوئی اپنے گھر کو یا گھر کے راستہ کو نہیں بھولتا)

ابن ابی حاتم نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے مجھے اطلاع ملی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا صراط سے گذرنے کے بعد اہل جنت کو روک لیا جائیگا یہاں تک کہ جو حقوق ایک کے دوسرے پر ہونگے وہ دلوائے جائیں گے پھر جنت کے اندر اس حالت میں بھیجا جائیگا کہ آپس میں ان کے دلوں میں کوئی غلش باقی نہ ہوگی۔ قرطبی نے لکھا ہے یہ ان لوگوں کے لئے ہوگا جن کو دوزخ میں داخل ہی نہیں کیا گیا ہوگا باقی جو لوگ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد پھر رہائی پا کر آئیں گے ان کا باہم صراط پر یا صراط کے بعد کوئی محاسبہ نہ ہوگا بلکہ جب دوزخ سے نکلیں گے فوراً ان کو جنت میں داخل کر دیا جائیگا۔ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت ابو سعیدؓ کی روایت کردہ حدیث میں جو آیا ہے (مؤمنوں کو دوزخ سے الگ کر لیا جائیگا) اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ سے محفوظ رکھا جائیگا اور دوزخ میں گرنے کے بغیر وہ صراط سے گذر جائیں گے۔ حدیث میں جو لفظ قنطرہ (پل) آیا ہے اس سے مراد بعض کے نزدیک صراط کا وہ کنارہ ہے جو جنت پر ہے بعض کے نزدیک یہ پل صراط سے الگ ہے۔ قرطبی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور سیوطیؒ نے اول کو۔

میں کہتا ہوں وہاں دینار و درہم تو موجود نہ ہوگا آپس کا بدلہ نیکیوں اور بدیوں کے لین دین

کی شکل میں ہوگا اگر ظالم کا کوئی نیک عمل ہوگا تو مظلوم کے حق کے بقدر وہ مظلوم کو دلوا دیا جائے گا اگر ظالم کی کوئی نیکی نہ ہوگی تو مظلوم کے گناہ بقدر حق ظالم پر ڈال دیئے جائینگے بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد اسی طرح نقل کیا ہے۔ مسلم اور ترمذی کی روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح آئے ہیں حقوق کا پورا بدلہ لینے سے پہلے ہی اگر اس کی نیکیاں ختم ہوجائیگی تو مظلوم کے کچھ گناہ لے کر ظالم پر ڈالے جائیں گے پھر اس کو دوزخ میں پھینک دیا جائیگا۔ اور دوزخ میں پھینکا جانا پل صراط سے عبورِ کامل کے بعد ممکن نہیں (اس لئے قنطرہ سے مراد پل صراط کے علاوہ کوئی دوسرا پل ہے)

تنبیہ

سینوں سے غلش کو دور کردینا آپس میں بدلہ دلوانے پر ہی محدود نہ ہوگا بلکہ بقول بغوی اس کے بغیر بھی ہوسکے گا۔ سدی نے اس آیت کی تشریح میں بیان کیا کہ اہل جنت جب جنت کی طرف بڑھینگے تو جنت کے دروازہ کے پاس ان کو ایک درخت ملیگا جس کی جڑ میں دو چشمے ہونگے وہ جب ایک چشمہ کا پانی پئیں گے تو دلوں کے اندر جو باہمی غلش ہوگی وہ نکل جائیگی یہی شراب طہور ہوگی اور دوسرے چشمہ سے غسل کرینگے تو ان پر نضرۃ النعیم (رونق عیش) آجائیگی اس کے بعد کبھی نہ وہ خشک رو پراگندہ مو ہونگے نہ کبھی چہرہ کا رنگ گریگا۔

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ (جنت میں داخل ہونیکے بعد) ان کے (گھروں) کے نیچے نہریں بہتی ہونگی۔ یہ جملہ حالیہ ہے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ اور وہ کہیں گے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا اور ہم کبھی بھی یہاں تک نہ پہنچتے اگر اللہ ہم کو نہ پہونچاتا بے شک ہمارے رب کے پیغمبر سچی باتیں لے کر آئے تھے۔ هدٰنا لهٰذا یعنی اس نے ہم کو جنت تک پہنچایا یا سفیان ثوری نے کہا ایسے عمل کی اس نے ہدایت کی جس کا یہ ثواب ہے۔ لنھتدی میں لام جحود ہے جو مابعد کی نفی کو موکد کرنے کے لئے لایا گیا ہے اور اَنْ ناصبہ مصدریہ محذوف ہے۔ جیسے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ میں ہے۔ لولا کی جزا محذوف ہے جس پر کلام سابق دلالت کر رہا ہے یعنی اگر اللہ نے ہم کو ہدایت نہ کی ہوتی تو ہم ہرگز ہدایت یاب نہ ہوتے۔ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ یعنی اللہ کے پیغمبر برحق آئے تھے اور حق پیام لائے تھے انہی کی رہنمائی سے ہم ہدایت یاب ہوئے۔ پیغمبروں کے دیئے ہوئے وعدہ کے مطابق اپنی آنکھوں سے ثواب کا معاینہ کرنیکے بعد خوش ہوکر اہل جنت یہ بات کہیں گے۔

وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ اور ان سے پکار کر

کہا جائیگا کہ جنت تم کو تمہارے اعمال کے بدلہ میں دیگئی ہے۔ یعنی اہل جنت کو ندا دی جائیگی۔ کہاں سے اور کس وقت ندا دی جائیگی اس کے متعلق علماء کے دو قول ہیں۔

(۱) جب اہلِ جنت دور سے جنت کو دیکھیں گے تو اس وقت یہ ندا دی جائیگی (۲) جنت کے اندر ندا دی جائیگی سیوطیؒ نے بدور سافرہ میں اسی قول کو پسند کیا ہے۔ اور ثتموها بما کنتم تعملون یعنی تمہارے اعمال کے سبب سے یہ جنت تم کو عطا کردی گئی۔ صاحب مدارک نے لکھا ہے کہ عطاء جنت کو لفظ میراث سے تعبیر کیا جا رہا ہے کہ جس طرح میراث بغیر کسی معاوضہ کے مفت وارث کو ملتی ہے اسی طرح جنت بھی محض اللہ کے فضل سے بغیر عملی استحقاق کے دی جائیگی (اگرچہ ظاہر میں اعمال عطاء جنت کا سبب ہونگے مگر حقیقت میں محض اللہ کی مہربانی پر اس کا مدار ہوگا)

مسلم نے حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک منادی پکاریگا آئندہ تمہارے لئے تندرست رہنا ہے کبھی بیمار نہ ہوگے تمہیں زندہ رہنا ہے کبھی نہیں مروگے تمہارے لئے جوان رہنا ہے کبھی بوڑھے نہ ہوگے تمہارے لئے سکھ میں رہنا ہے کبھی دکھ نہیں پاؤگے یہی مطلب ہے اللہ کے فرمان کا ونودوا ان تلکم الجنة اورثتموها بما کنتم تعملون۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے دو گھر ہیں ایک گھر جنت میں ایک گھر دوزخ میں اگر کوئی دوزخ میں چلا جاتا ہے تو اہلِ جنت اس کے (جنتی) گھر کے وارث ہوجاتے ہیں یہی معنی ہے آیت اولئك هم الوارثون کا۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدتُّم مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۖ قَالُوا نَعَمْ ۚ اور جنت والے دوزخ والوں سے پکار کر کہینگے کہ ہمارے رب نے ہم سے جس ثواب کا وعدہ کیا تھا ہم نے تو اس کو واقعی پالیا تو کیا تمہارے رب نے جس عذاب کی تم کو وعید دی تھی تم نے بھی اس کو واقعی پالیا دوزخی کہیں گے۔ ہاں۔ مَا وَعَدَنَا سے مراد ہے ثواب اور مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ سے مراد ہے عذاب۔ اہلِ جنت دوزخ والوں سے مذکورہ بالا سوال صرف اپنی مسرت کو ظاہر کرنے اور دوزخیوں کو جلانے کے لئے کرینگے مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ میں وَعَدَ کا مفعول یعنی کم محذوف ہے۔

فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ۝ پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان پکاریگا کہ اللہ کی پھٹکار ہو ان بیجا حرکتیں کرنے والوں پر جو اللہ کی راہ سے روگرداں تھے (اور دوسروں کو روکتے تھے) اور اسمیں کجی تلاش کرتے رہتے تھے اور وہ آخرت ہی کے منکر تھے۔

یصدون (لازم بھی ہے) اعراض کرتے تھے (اور متعدی بھی) دوسروں کو روکتے تھے حضرت ابن عباسؓ نے یبغونہا عوجا کی تشریح میں فرمایا اللہ کے سوا دوسروں کے (دکھانے کے) لئے نماز پڑھتے تھے اور جس کی تعظیم کا حکم اللہ نے نہیں دیا اس کی تعظیم کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں یصدون سے پہلے کانوا محذوف ہے (اور ماضی بعید کا صیغہ ہے) کیونکہ وہ دنیا میں ایسا کرتے تھے قیامت کے دن ایسا نہیں کریں گے۔ عوج بکسر عین عام ہے کسی طرح کی کجی ہو معانی میں ہو یا ان خارجی موجودات میں جو کھڑے نہ ہوں جیسے دین میں کجی زمین میں کجی لیکن بفتح عین صرف ان خارجی چیزوں کی کجی کو کہتے ہیں جو کھڑی ہوں جیسے دیوار یا نیزہ کی کجی۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے وہ لوگ (اہل جنت اور اہل جہنم میں سے) ہر فریق کو علامات سے پہچان لیں گے۔

بینہما یعنی جنت دوزخ یا اہل جنت واہل جہنم کے درمیان۔ حجاب یعنی وہ آڑ اور دیوار جس کا ذکر سورۂ حدید کی آیت فضرب بینہم بسور لہ باب میں آیا ہے اور وہاں ہم نے اس کی تشریح کردی ہے۔

الاعراف عرف کی جمع ہے یعنی حجاب کی چوٹیاں یہ لفظ عرف الفرس (گھوڑے کی ایال) یا عرف الدیک (مرغ کی کلغی) سے ماخوذ ہے بعض علماء نے کہا عرف کسی چیز کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں کیونکہ (معرفت اور عرفان کا معنی ہے پہچاننا اور) کسی چیز کی چوٹی سب سے نمایاں اور قابلِ شناخت ہوتی ہے۔

اعراف پر کون لوگ ہوں گے علماء کے اقوال اس کے متعلق مختلف ہیں ابن مردویہ نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی۔ نیکیاں جہنم میں جانے سے روکیں گی لیکن اتنی بھی نہیں ہوں گی کہ جنت میں لیجائیں۔ ابن جریر اور بیہقی نے بطریق طلحہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اعراف جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار ہوگی اعراف والے وہ لوگ ہوں گے جن کے بڑے بڑے گناہ ہوں گے جن کی وجہ سے اللہ ان کو اعراف پر روک دیگا چہروں کی سیاہی سے وہ دوزخیوں کو اور سفیدی سے جنتیوں کو پہچان لیں گے۔ اہل جنت کو دیکھ کر جنت میں پہنچ جانے کی ان کو طمع ہوگی لیکن دوزخ کو دیکھیں گے تو اس سے پناہ مانگیں گے۔ آخر اللہ ان کو جنت میں داخل فرما دیگا یہی مراد ہیں آیت هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۚ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ میں۔

ہناد، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے اپنی تفسیروں میں عبداللہ بن حارث کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ

کا قول نقل کیا ہے کہ اعراف جنت و دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہوگی اور اصحاب اعراف وہ لوگ ہونگے کہ جن کو اللہ وہاں روک دیگا پھر جب اللہ ان کو معاف کرنا چاہیگا تو سب سے پہلے ان کو ایک نہر کی طرف لے جائیگا جس کا نام نہر حیات ہوگا جس کے دونوں کنارے سونے کے موتیوں سے جڑے ہوئے ہونگے اور اس کی مٹی مشک کی ہوگی اس نہر میں اصحاب اعراف کو ڈالا جائیگا (نہاتے ہی) انکے رنگ درست ہو جائیں گے اور سینے پر ایک سفید چمکدار تل نمودار ہو جائے گا تو اللہ ان کو طلب فرما کر دریافت فرمائیگا کہ اب تمہاری کیا تمنا ہے جو چاہو مانگو۔ وہ لوگ اپنی تمنا ظاہر کرینگے جب ان کی ساری تمنائیں ختم ہو جائینگی (اور کوئی تمنا کرنا باقی نہ رہیگی) تو اللہ فرمائیگا تم کو وہ چیزیں دی گئیں جن کی تم نے تمنا کی اور اتنی ہی اور بھی اور ستر ہزار گنا مزید۔ چنانچہ وہ جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے مگر ان کے سینوں پر ایک سفید تل چمکتا ہوگا اسی سے ان کی پہچان ہوگی، یہ لوگ مساکین اہل جنت (جنتیوں میں مسکین) کہلائیں گے۔

ابو الشیخ نے ابن منکدر کے طریقہ سے ایک مزنی شخص کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعراف کے متعلق دریافت کیا گیا، فرمایا یہ وہ لوگ ہونگے جو باپ کی اجازت کے بغیر جہاد کو گئے ہونگے اور باپ کی نافرمانی کرنے کی حالت میں ہی جہاد میں شہید ہو گئے ہونگے چونکہ باپ کے نافرمان تھے اس لئے ان کو جنت سے روک دیا جائیگا لیکن راہ خدا میں شہید ہوئے تھے اس لئے دوزخ میں بھی نہیں بھیجا جائیگا۔

طبرانی نے ضعیف سند سے حضرت ابو سعید خدری کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اصحاب اعراف کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا یہ وہ لوگ ہونگے جو باپ کی نافرمانی کی حالت میں راہ خدا میں مارے گئے ہونگے شہادت ان کو دوزخ میں جانے سے روک دیگی اور باپ کی نافرمانی جنت میں نہیں جانے دیگی۔ ان کا گوشت اور چربی پگھل جائیگی یہاں تک کہ اللہ جب سب مخلوق کے حساب سے فارغ ہو جائیگا اور ان کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہیگا تو اس کی رحمت ان کو بھی ڈھانک لیگی اور اپنی رحمت سے ان کو بھی جنت میں داخل فرمائیگا۔

طبرانی اور بیہقی نے نیز حارث بن اسامہ نے اپنی مسند میں اور سعید بن منصور، ابن جریر، ابن ابی حاتم ابن مردویہ اور ابو الشیخ نے اپنی تفسیروں میں حضرت عبد الرحمن مزنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اصحاب اعراف کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا وہ ایسے لوگ ہونگے جو راہ خدا میں مارے گئے ہونگے۔ میں کہتا ہوں شاید ان شہداء سے مراد وہی شہداء ہیں جنھوں نے باپوں کی نافرمانی کی حالت میں جہاد کیا ہوگا۔ اس طرح مذکورۂ بالا دونوں حدیثوں میں مطابقت ہو جائیگی۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ مذکورہ شہداء کا ذکر بطور تمثیل کیا گیا ہے یہ ان لوگوں کی جماعت کے کچھ افراد ہونگے جن کی نیکیاں اور بدیاں

برابر ہونگی یہ مقصد نہیں ہے کہ اصحاب اعراف بس یہی لوگ ہونگے دوسرے نہیں ہونگے اس کا ثبوت بعض ان احادیث سے ملتا ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ اصحاب اعراف وہ لوگ ہونگے جنکی نیکیاں بدیاں برابر ہونگی ابن ابی داؤد اور ابن جریر نے ابن عمرو بن حزم بن جریر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم سے اصحاب اعراف کے متعلق دریافت کیا گیا، فرمایا یہ وہ بندے ہونگے جن کا فیصلہ سب سے آخر میں ہوگا جب رب العلمین تمام بندوں کے فیصلے سے فارغ ہوجائیگا تو ان سے فرمائے گا کہ تمہاری نیکیوں نے دوزخ سے تو تم کو نکال لیا (یعنی بچالیا) اور تم جنت میں بھی نیکیوں کی کمی کی وجہ سے نہیں جاسکے اب تم آزاد ہو جنت میں جہاں چاہو سیر کرتے پھرو۔ سیوطیؒ نے کہا یہ روایت مرسل حسن ہے۔ ابن مردویہ اور ابوالشیخ نے دو طریقوں سے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے ان لوگوں کا حکم پوچھا گیا جن کی نیکیاں بدیاں برابر ہونگی فرمایا یہی اصحاب اعراف ہونگے جو جنت میں نہیں جاسکے ہونگے مگر داخلۂ جنت کی طمع رکھتے ہونگے۔

بیہقی نے حضرت حذیفہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا قیامت کے دن اللہ سب کو جمع کریگا اہل جنت کو جنت میں جانے کا اور دوزخیوں کو دوزخ کا حکم دیدیا جائیگا پھر اصحاب اعراف سے فرمائیگا تم کو کس چیز کا انتظار ہے وہ عرض کرینگے ہم تیرے حکم کے منتظر ہیں ارشاد ہوگا تمہاری نیکیوں نے دوزخ میں جانے سے تو تم کو بلاشبہ بچالیا (مگر) تمہارے جرائم جنت میں جانے سے بھی تمہارے لئے آڑ بن گئے اب جاؤ میری مغفرت اور رحمت سے (جنت میں) چلے جاؤ سعید بن منصور ابن جریر ابوالشیخ بیہقی، ہناد اور حذیفہ کا بیان ہے کہ اعراف والے وہ لوگ ہونگے جنکی بدیاں جنت میں پہونچانے سے قاصر ہونگی اور نیکیاں دوزخ سے ان کو بچالیں گی ایسے لوگوں کو ٹھیرالیا جائیگا یہاں تک کہ اللہ جب لوگوں کا فیصلہ کرچکے گا تو اچانک ان کو دیکھ کر فرمائیگا اٹھو تم بھی جنت میں چلے جاؤ میں نے تمہیں بخشدیا۔

عبدالرزاق نے حضرت حذیفہ کا قول نقل کیا ہے کہ اعراف والے وہ لوگ ہونگے جن کی نیکیاں بدیاں برابر ہونگی وہ جنت و دوزخ کی درمیانی دیوار پر فروکش ہونگے اور جنت میں داخلہ کے آرزومند (آخر) جنت میں داخل ہوجائیں گے۔ بغوی نے اپنی سند سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کا حساب ہوگا بدیوں سے جس کی ایک نیکی بھی زائد ہوگی وہ جنت میں چلا جائیگا اور جس کی بدیاں زائد ہونگی وہ دوزخ میں پہنچ جائیگا اللہ نے فرمایا ہے فمن ثقلت موازینہ فاولٰئک ھم المفلحون ومن خفت موازینہ فاولٰئک الذین خسروا انفسھم۔ پھر فرمایا دانہ برابر وزن کی نیکیوں اور بدیوں سے بھی میزان میں ہلکا بھاری پن ہوجائیگا پھر آپ نے فرمایا جس کی نیکیاں بدیاں برابر ہونگی وہ اعراف والے ہونگے۔ صراط کے آخری سرے پر ان کو روک لیا جائیگا (جہاں سے) وہ اہل جنت

اور اہل نار کو پہچان لینگے جب جنتیوں کو دیکھیں گے تو پکار کر کہیں گے سلام علیکم اور جب دوزخیوں کی طرف نظر کر کے دیکھیں گے تو کہینگے اے ہمارے رب ہم کو ان ظالموں کے ساتھ نہ کر دینا نیکیوں والوں کو ایک نور عطا فرمایا جائیگا جو ان کے دائیں طرف اور سامنے کی جانب رواں ہو گا اس روز ہر بندہ کو نور دیا جائیگا جب لوگ پل صراط پر آئیں گے تو اللہ ہر منافق مرد و عورت کا نور سلب کرے گا۔ منافقوں کی اس حالت کو دیکھ کر مؤمن عرض کرینگے اے ہمارے رب ہمارے نور کو کم نہ فرمانا۔ رہے اصحاب اعراف تو ان کے سامنے کا نور سلب نہیں کیا جائیگا لیکن ان کے گناہ ان کو چلنے سے روک دینگے مگر سامنے کا نور چونکہ سلب نہیں ہو گا اس لئے ان کے دل میں طمع باقی رہیگی اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے لم یدخلوھا وھم یطمعون آخر ان کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائیگا جنت کے اندر سب سے آخر میں داخل ہونے والے یہی ہونگے۔

ہناد نے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ اصحاب اعراف وہ لوگ ہونگے جو نیکوکار فقہاء اور علماء ہونگے اور اعراف جنت و دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہوگی شاید اس قول کی مراد یہ ہے کہ وہ مؤمن فقہاء اور علماء جنھوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہوگا اور جن کی نیکیاں بدیاں برابر ہونگی اچھے برے عمل مخلوط ہونگے امید ہے کہ اللہ ان پر رحم فرمادے گا۔

بیہقی نے ابو مجلز کا قول نقل کیا ہے کہ اعراف ایک اونچی جگہ ہوگی جہاں ملائکہ فروکش ہونگے اور وہاں سے اہل جنت اور اہل نار کو دیکھکر ہر فریق کو اس کی علامات سے پہچان لینگے۔ یہ قول غلط ہے کیونکہ اصحاب اعراف کو رجال (مرد) فرمایا اور ملائکہ مرد نہیں۔ علاوہ ازیں مذکورہ بالا احادیث بھی اس قول کی تردید کر رہی ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اصحاب اعراف انبیاء یا اولیاء یا شہداء ہونگے جو اہل جنت و اہل نار کو دیکھ کر پہچان لینگے اس قول کی تردید بھی گذشتہ احادیث اور آئندہ آیات سے ہوتی ہے۔

بعض کے نزدیک مشرکوں کے بچے اہل اعراف ہونگے یہ قول بھی غلط ہے اللہ نے اصحاب اعراف کو رجال فرمایا ہے اور گذشتہ احادیث بھی اس قول کے خلاف ہیں۔

سیما یا سام اِبِلَہٗ سے ماخوذ ہے (اونٹوں کو چراگاہ میں نشان لگا کر چھوڑ دیا) وَسَمَ عَلَی القلب سے ماخوذ ہے (دل پر نشان لگادیا) اس آخری صورت میں مادہ مثال واوی (وسم) ہوگا جیسے جاہ وجہ سے بنایا گیا ہے۔

وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ○ اور اہل اعراف جنت والوں سے پکار کر کہیں گے تم پر سلامتی ہو (اس وقت تک) وہ جنت میں داخل نہیں ہوئے ہونگے مگر (داخلہ کے) آرزومند ہونگے حسن نے کہا اللہ ان کو امید دلائیگا کیونکہ ان پر کرم کرنا مقصود ہو گا (ورنہ کافروں کی امید تو منقطع ہی کر دیگا) لم یدخلوھا الجملہ مستانفہ

ہے ماقبل سے اس کا تر کیبی اختلاط نہیں ہے یا رجال کی صفت ہے یا نادوا کی ضمیر فاعل سے حال ہے جو لوگ قائل ہیں کہ اصحاب اعراف انبیاء اور ملائکہ ہونگے ان کے نزدیک اصحاب الجنۃ سے حال ہوگا۔

وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ اور جب ان کی نگاہیں دوزخ والوں کی طرف موڑ دی جائینگی تو وہ (اللہ کی پناہ مانگینگے رحمت کی درخواست کرینگے اور) کہینگے اے ہمارے رب ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر دینا۔ یعنی کافروں کے ساتھ دوزخی نہ بنا دینا۔

صُرِفَتْ کا لفظ اشارہ کر رہا ہے کہ اصحاب اعراف کی نظروں کو دوزخیوں کی طرف پھیرنے والا کوئی اور ہوگا (یعنی خدا تعالیٰ) تاکہ وہ دوزخیوں کے حال کو دیکھیں اور پناہ مانگیں۔

رفتارِ کلام بتا رہی ہے کہ اعراف والے امید و بیم کی حالت میں ہونگے یہی ان کی نیکیوں اور بدیوں کے برابر ہونے کا تقاضا ہوگا اور یہ حالت انبیاء شہداء اور صلحاء کی نہیں ہو سکتی ان کو تو اس روز نہ کوئی خوف ہوگا نہ رنج۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُم بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ۝ اور اعراف والے کچھ لوگوں کو ان کی علامات سے پہچان کر پکار کر کہینگے کہ (آج) تمہارے جتھے اور وہ چیزیں جن پر تم غرور کیا کرتے تھے تم کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ غرور کرنے سے مراد ہے حق کو حقیر سمجھ کر اعراض کرنا یا مخلوق کے مقابلہ میں غرور کرنا۔ اعراف والے جن لوگوں سے یہ کلام کرینگے وہ وہی کافر ہونگے جو دنیا میں بڑے مانے جاتے تھے۔ جَمْعُ سے مراد ہے قوم برادری اولاد اور مددگاروں کے جتھوں کی کثرت اور مال جمع کرنا۔ کلبی نے کہا وہ دیوارِ اعراف پر سے پکارینگے اے ولید بن مغیرہ، اے ابوجہل بن ہشام اے فلاں اے فلاں پھر جنت کی طرف دیکھیں گے تو اس کے اندر وہ فقراء اور کمزور لوگ نظر آئیں گے جن سے کافر استہزاء کرتے تھے جیسے سلمان فارسیؓ، صہیبؓ رومی، بلالؓ حبشی خبابؓ تو اس وقت دوزخی کافروں سے کہینگے۔

أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ۚ کیا یہ وہی (کمزور حقیر) لوگ ہیں (جن کے متعلق) تم قسم کھا کر کہتے تھے کہ ان کو اللہ کی رحمت نہیں پہنچیگی اور وہ جنت میں داخل نہ ہونگے۔ پھر اہلِ اعراف سے کہا جائے گا۔

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنتُمْ تَحْزَنُونَ ۝ (اب تم جنت میں چلے جاؤ تمہارے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ تم رنجیدہ ہوگے۔

ع ۱۲

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ الخ بھی اصحاب اعراف کے کلام کا تتمہ ہو یعنی اعراف والے کہیں گے کہ کیا یہ کمزور ضعیف لوگ وہی ہیں جن کے متعلق تم نے کہا تھا کہ اللہ کی رحمت ان کو نہیں مل سکتی حالانکہ ان کو تو (آج) حکم دے دیا گیا کہ جنت میں چلے جاؤ اور کوئی خوف و حزن نہ کرو۔

بغوی نے لکھا ہے کہ بعض علماء تفسیر نے ایک اور مطلب بیان کیا ہے وہ یہ کہ اصحاب اعراف جب اہل جہنم سے مذکورہ بالا بات کہیں گے تو وہ جواب دیں گے اگر وہ (ضعفاء) جنت میں چلے گئے تو تم کو کیا تم تو نہیں جا سکے اور نہ جا سکتے ہو وہ قسم کھائیں گے کہ تم دوزخ میں ضرور آؤ گے یہ سن کر وہ ملائکہ جو اصحاب اعراف کو پل صراط پر روکے ہوئے ہونگے اہل نار سے کہیں گے کیا یہ اصحاب اعراف وہی لوگ ہیں جن کے متعلق تم نے کہا تھا کہ انکو اللہ کی رحمت نہیں ملیگی پھر اصحاب اعراف کی طرف رخ کر کے کہیں گے جاؤ تم جنت میں بے خوف و رنج چلے جاؤ۔

بغوی نے عطاء کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اصحاب اعراف جب جنت میں چلے جائیں گے تو دوزخیوں کو بھی کچھ کشود کار کی طمع پیدا ہو جائیگی اور عرض کرینگے پروردگار ہمارے کچھ رشتہ دار جنت میں ہیں ہمیں اجازت مل جائے کہ ہم ان کو دیکھ لیں اور کچھ بات چیت کر لیں چنانچہ (اجازت کے بعد) وہ اپنے جنتی قرابت داروں اور ان کی راحت و عیش کی حالت کو دیکھ لیں گے اور ان کو پہچان لیں گے مگر وہ ان دوزخیوں کے چہروں کی سیاہی کی وجہ سے ان کو نہیں پہچانیں گے۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۚ اور دوزخ والے اہل جنت (کے نام لے کر ان) کو پکار کر (اپنی رشتہ داریاں بتا کر) کہیں گے کہ ہماری طرف کو بھی کچھ پانی بہا دو اور جو اللہ نے تم کو عطا فرمایا ہے ہم کو بھی اس میں سے کچھ دیدو۔ مارزقکم اللہ سے مراد یا شربت ہے کیونکہ افیضوا (بہادو) کا لفظ اسی کو چاہتا ہے یا طعام جنت مراد ہے جیسے عربی محاورہ میں آتا ہے عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَمَاءً بَارِدًا میں نے اونٹنی کو کھلایا بھوسہ اور ٹھنڈا پانی۔

قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٥٠﴾ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ وہ کہیں گے اللہ نے قطعاً یہ دونوں چیزیں ان کافروں کے لئے حرام کر دی ہیں جنھوں نے اپنے دین کو کھیل کود بنا رکھا تھا اور دنیوی زندگی نے ان کو فریب دے رکھا تھا۔ بیضاوی نے لکھا ہے حَرَّمَ سے مراد یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں اللہ نے کافروں سے روک دی ہیں (ممانعت فرما دی ہے) جیسے مکلف کو حرام چیز کی ممانعت کر دی جاتی ہے۔ صاحب مدارک نے لکھا ہے یہاں تحریم بمعنی منع ہے جیسے وحرمنا علیہ المراضع میں حَرَّمْنَا کا معنی ہے مَنَعْنَا۔ میں کہتا ہوں آیت حرام علیٰ قریۃ اھلکناھا انھم لا یرجعون میں بھی حرام کا معنی منع ہی ہے

ابن ابی الدنیا اور ضیا نے زید بن رفیع کا بیان نقل کیا ہے کہ دوزخی دوزخ میں داخل ہو کر مدت تک آنسوؤں سے روئیں گے پھر مدت تک لہو کے آنسو بہائیں گے۔ دوزخ کے کارندے ان سے کہیں گے بدبختو تم دنیا میں نہیں روئے آج تم کس سے فریاد کر رہے ہو وہ چیخ کر پکاریں گے اے جنت والو اے گروہ پدران و مادران! اے اولاد! ہم قبروں سے پیاسے نکلے تھے، میدان حشر میں بھی پوری مدت پیاسے رہے اور آج بھی پیاسے ہیں، اللہ نے پانی اور جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے ہماری طرف بھی اس میں سے کچھ بہادو۔ چالیس (دن یا مہینے یا سال) تک مانگتے رہیں گے مگر کوئی جواب نہیں دیگا آخر ان کو جواب ملیگا تم کو دیونہی یہاں ہمیشہ رہنا ہے یہ سن کر وہ ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اسی آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ آدمی اپنے بھائی کو پکاریگا اور کہے گا بھائی میری فریاد رسی کریں جل گیا وہ جواب دے گا ان اللہ حرمهما على الكافرين۔

فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝

پس آج ہم بھی ان کو ایسے ہی فراموش کر دیں گے جیسے انھوں نے اس دن کی پیشی کو فراموش کر دیا تھا اور جیسے ہماری آیات کا انکار کر دیا تھا۔ فراموش کر دینے سے مراد ہے دوزخ میں ڈال کر چھوڑ دینا اور قیامت کے دن کی پیشی کو بھولنے سے مراد ہے ایسے اعمال ترک کر دینا جو قیامت کے دن فائدہ رساں ہوں۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

ہم نے ان کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی ہے جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت ہی واضح کر کے بیان کر دیا ہے ذریعۂ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آئے ہیں۔

بِكِتٰبٍ یعنی قرآن۔ فَصَّلْنٰهُ یعنی ہم نے معانی کی وضاحت کر دی، حرام حلال کو الگ الگ کر دیا ہدایات اور قصے بیان کر دیئے اور صحیح غلط عقائد کی صراحت کر دی۔ عَلٰى عِلْمٍ یعنی وجوہ تفصیل کا علم رکھتے ہوئے یا انسانوں کے مصالح کو جانتے ہوئے۔ دونوں صورتوں میں فصلنا کی ضمیر فاعل سے حال ہوگا۔ یا وہ کتاب علم کو حاوی ہے اس وقت فصلناہ کی ضمیر مفعول سے حال ہوگا۔ هدًى اور رحمةً بھی حال ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف آخری نتیجہ کا انتظار ہے جس

روز اس کا آخری نتیجہ (سامنے) آجائے گا اس روز جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے یوں کہیں گے کہ ہمارے رب کے پیغمبر بے شک سچی سچی باتیں لائے تھے۔ سو اب کیا کوئی ہمارا سفارشی ہے کہ ہماری سفارش کردے یا (دنیا میں) ہم کو لوٹا دیا جائے کہ ہم پہلے کئے ہوئے اعمال کے برخلاف اعمال کرلیں (اس وقت) وہ یقیناً خود خسارہ میں پڑ چکے ہونگے اور جو باتیں وہ تراشتے تھے سب غائب ہوجائیں گی۔

هل ینظرون یعنی قرآن پر ایمان لانے کے لئے ان کو اور کسی بات کا انتظار نہیں ہے۔ تاویلہ یعنی قرآن نے جو وعدہ و وعید بیان کیا ہے اور جس نتیجہ اور انجام کی صراحت کی ہے اس کے سامنے آنے کے منتظر ہیں۔ مجاہد نے کہا تاویل سے مراد ہے سزا جزا۔

یوم یاتی تاویلہ یعنی مرنے کے دن یا قیامت کے دن جب سزا جزا یا نتیجہ سامنے آجائیگا۔ نسوہ یعنی انھوں نے اس کو ایسا چھوڑ دیا تھا جیسے کوئی بھولنے والا چھوڑ دیتا ہے اور اس پر ایمان نہیں لائے تھے۔ قد جاءت یعنی ان پر پیغمبروں کی سچائی کھل جائیگی اس لئے پیغمبروں کی صداقت کا اقرار کرینگے مگر اس وقت یہ اقرار بیکار ہوگا فنعمل غیر الذی کنا نعمل یعنی شرک و معصیت کو چھوڑ کر اللہ کی توحید کا اقرار کرینگے۔ قد خسروا انھوں نے اپنی عمریں کفر میں گذار دیں اس صرفِ عمر میں ان کو خسارہ ہوگا۔ ضَلَّ نابود ہوجائیگا کھو جائیگا۔ ماکانوا یفترون جو کچھ خود افترا بندی کرتے تھے کہ اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے یا اللہ کا شریک قرار دیتے تھے ایسی انکی افترا پردازی تھی۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا۔ دنیا کے انہی چھ دنوں کے برابر وقت میں یا آخرت کے چھ دنوں کے برابر مقدار میں آخرت کا ہر دن دنیا کے ہزار برس کے برابر ہوگا۔ سعید بن جبیر نے فرمایا اللہ سارے آسمان اور زمینیں ایک آن اور ایک پل میں پیدا کرسکتا تھا مگر لوگوں کو ہر کام میں آہستہ روی اور ہر عمل کو دھیرے دھیرے انجام دینے کی تعلیم کے لئے اس نے اس کائنات ارضی و سماوی کو چھ روز میں بنایا حدیث میں آیا ہے آہستہ روی رحمٰن کی طرف سے ہے اور عجلت پسندی شیطان کی طرف سے رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرفوعاً عن انسؓ بن مالک۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ قف پھر عرش پر متمکن ہوگیا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ معتزلہ کے نزدیک استویٰ سے مراد ہے غلبہ پانا تسلط جمانا اہل سنت کہتے ہیں کہ عرش پر استواء اللہ کی ایک صفت ہی جو بے کیف ہے (یعنی اس کی کیفیت حالت ہیئتِ وضع نہیں سمجھی جاسکتی) اس پر ایمان لانا واجب ہی اور اس کا علم اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔

ایک شخص نے امام مالک بن انسؒ سے الرحمٰن علی العرش استویٰ کی کیفیت پوچھی امام نے کچھ دیر سر جھکایا

پھر فرمایا استواء کا معنی معلوم ہے کیفیت مجہول ناقابلِ فہم ہے اس پر ایمان واجب ہے اور اسکو پوچھنا بدعت (خلافت سنت اور اختراع نفسانی) ہے اور میرے خیال میں تو گمراہ ہے پھر آپ نے حکم دیکر اس کو اپنی مجلس سے نکلوا دیا۔ سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعید، سفیان بن عیینہ اور عبداللہ وغیرہ تمام علماء سنت کا قول ان آیات کے متعلق جن کے اندر صفات متشابہات کا بیان ہے یہی ہے کہ ان کو اسی طرح بلاکیف ماننا چاہیے جس طرح وہ آئی ہیں۔ لغت میں عرش تختِ حکومت کو کہتے ہیں اور عرشِ خداوندی ایک عظیم ترین مخلوق ہے جو اللہ کے نزدیک بڑی باعزت ہو تجلیات الٰہیہ سے اس کا خصوصی تعلق ہے اسی لئے اس کو عرش الرحمٰن کہا جاتا ہے۔ یہ اضافت مکانی نہیں بلکہ صرف اعزازی ہے جیسے کعبہ کو بیت اللہ بطور احترام کہا جاتا ہے۔ عرش کے متعلق بعض احادیث کا تذکرہ ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت الکرسی کی تفسیر کے ذیل میں کر دیا ہے۔

يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ وہ رات سے دن کو چھپا دیتا ہے اس طور پر کہ رات دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور ستاروں کو ایسے طور سے پیدا کیا کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔

یغشی رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور چونکہ یہ معلوم ہی تھا کہ دن کو بھی رات پر ڈھانک دیا جاتا ہے اس لئے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا یا یوں کہا جائے کہ جملہ میں دونوں احتمال ہو سکتے ہیں (اللیل مفعول اول اور النہار مفعول دوئم یا النہار مفعول اول اور اللیل مفعول دوئم) بغوی نے کہا یہاں دوسرا جملہ محذوف ہے اصل کلام یوں تھا یغشی اللیل النہار ویغشی النہار اللیل۔ پہلے جملہ سے دوسرا جملہ معلوم ہو رہا تھا اس لئے اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یَطْلُبُهٗ یعنی اس کے پیچھے آتا ہے جب ایک دوسرے کے پیچھے پیچھے چلا آرہا ہو تو ایسا ہی لگتا ہے کہ پیچھے والا آگے والے کو طلب کر رہا ہے۔ حَثِیْثًا تیز بغیر وقفہ کے۔ بامرہٖ یعنی اللہ کے فیصلہ اور حکم کے تابع۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا۔

یعنی وہی سب کا خالق ہے اس کے سوا کوئی خالق نہیں اور حکومت بھی اسی کی ہے اسی کے ہاتھ میں حکم ہے جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے کوئی اس سے پرسش نہیں کر سکتا۔ صوفیہ کا قول ہے کہ الخلق سے مراد ہی عالمِ خلق یعنی عالم جسمانی، عرش تمام آسمان اور زمینیں اور آسمان و زمین کی تمام مادی کائنات اور سارے عناصر اور عناصر سے بنائی ہوئی نباتی معدنی اور حیوانی مخلوق کے نفوس یعنی وہ لطیف اجسام جو کثیف اجسام میں جاری ساری ہیں۔ اور الامر سے مراد ہے عالم امر یعنی مجردات قلب، روح، سر خفی اخفی یہ تمام مجردات عرش سے بالاتر ہیں مگر انسانی اور ملکی اور شیطانی نفوس میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہیں جیسے آئینہ کے اندر سورج چونکہ

اللہ نے ان کو بغیر مادہ کے صرف لفظ کُن سے پیدا کیا ہے اس لئے ان کو عالم امر کہا جاتا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے فرمایا خلق اور امر میں فرق ہے جس نے دونوں کو ایک کہا وہ کافر ہو گیا۔

تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ بڑی خوبیوں سے بھرا ہوا ہے اللہ جو سارے جہان کا رب ہے۔

یعنی وحدت الوہیت میں برتر اور ربوبیت میں منفرد ہے یہ لفظ بَرَکَۃٌ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے بڑھوتری اور بڑھوتری کے لئے عظمت و برتری لازم ہے اس لئے برکت کا معنی ہو گیا۔ برتری اور عظمت پس تبارک کا ترجمہ ہوا (برتر ہے عظمت والا ہے)

بعض نے کہا تبارک کا یہ مطلب ہے کہ برکت اس کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ ہر برکت کو لایا ہے حسن نے کہا برکت اس کی طرف سے ہے۔ بعض نے کہا تبارک یعنی وہ پاک ہے برکت کا معنی ہے قدس اور قدس کا معنی ہے پاک ہونا۔ بعض نے کہا اللہ کا نام مبارک ہے اور ہر چیز میں اسکی برکت ہے اہل تحقیق نے لکھا ہے معنی یہ ہے کہ اللہ دائم الوجود لازوال ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہیگا۔ کیونکہ برکت کا اصل معنی ہے جما رہنا (جو پانی اکٹھا کر لیا جائے اور ہر طرف سے گھیر کر اس کو جمع کر لیا جائے یعنی حوض یا تالاب بنا لیا جائے اس کو) برکہ اسی مناسبت سے کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تبارک اللہ کہنا تو درست ہے مگر لفظ مبارک کا اطلاق اللہ پر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اللہ کے تمام اسماء صفات سمعی ہیں اور یہ لفظ ان ناموں میں شامل نہیں ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اپنے رب سے دعا کیا کرو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے۔

یعنی اس کا ذکر کرو، اس کی عبادت کرو، اس سے دعا کرو۔ تَضَرُّعًا مصدر بمعنی اسم فاعل ہے اس کا مجرد ضَرَعٌ ہے۔ ضَرَعَ الرَّجُلُ ضَرَاعَۃً وہ آدمی کمزور اور عاجز ہو گیا۔ ضارعٌ اور ضراعٌ کمزور عاجز تَضَرَّعَ اس نے کمزوری اور عاجزی ظاہر کی (زاری کی گڑگڑایا) قاموس میں ضَرَعَ اِلَیْہِ ضَرَعًا و ضَرَاعَۃً اس کے سامنے خضوع کیا عاجزی کی اور مسکنت کا اظہار کیا۔ خُفْیَۃً پوشیدہ عبادت اور دعا خلوص کی دلیل ہے۔ اور ریاکاری کے شائبہ سے پاک ہے اس لئے خفیہ دعاء کا حکم دیا۔ اگر ذکر سری ہو یا جہری ہو مگر ریاکاری کی اس میں آمیزش نہ ہو تو عبادت ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں اپنے بندہ کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں اگر وہ میری یاد دل میں کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر اپنے باطن میں کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر جماعت میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر ایسی جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے برتر ہوتی ہے (یعنی ملائکہ کی جماعت) متفق علیہ۔

اس حدیث سے ذکرِ جہری و خفی دونوں کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس حدیث سے جہری ذکر کی سری ذکر سے برتری ثابت ہوتی ہے مگر یہ استدلال غلط ہے۔ اللہ کسی کا ذکر سری کرے یا جماعت کے سامنے دونوں برابر ہیں بلکہ ذکر سری کو جہری پر فضیلت حاصل ہے ایک اور آیت ہے اللہ نے فرمایا ہو فاذکروا اللہ کذکرکم آباءکم او اشد ذکرا اس میں بھی جہری ذکر مراد نہیں ہے، بلکہ کثرتِ ذکر کا حکم ہے۔

علما کا اجماع ہے کہ سری ذکر افضل ہے اور جہری ذکر بدعت ہے اس چند مقامات میں جہری ذکر کی ضرورت ہے جیسے اذان، اقامت تکبیراتِ تشریق، امام کے لئے نماز میں تکبیرات انتقال (نیز تکبیر تحریمہ) اگر نماز کے اندر کوئی حادثہ ہو جائے تو مقتدی کا سبحان اللہ کہنا، حج میں لبیک۔ ہدایہ وغیرہ ہدایہ کے حواشی میں ابن ہمام نے لکھا ہے کہ تکبیرات تشریق (ذی الحجہ) میں امام ابو حنیفہؒ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کے مسلک کو اختیار کیا ہے آپ عرفہ کے دن (یعنی نو ذی الحجہ) کی فجر سے یوم نحر کی نماز عصر تک تکبیر کہتے تھے رواہ ابن ابی شیبہؒ اور صاحبینؒ نے حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کے مسلک کو اختیار کیا ہو آپ یوم عرفہ کی فجر کے بعد سے آخری ایام تشریق کی نماز عصر تک تکبیر کہتے تھے رواہ ابن ابی شیبہ۔ وکذا روی محمد بن الحسن عن ابی حنیفۃ بسندہ۔ اس کے بعد ابن ہمام نے لکھا ہے جو شخص صاحبین کے قول پر فتوی دیتا ہے وہ تقاضاء ترجیح کے خلاف کرتا ہے کیونکہ امام اور صاحبین کا اختلاف محض تکبیر کہنے میں نہیں ہے بلکہ بلند آواز سے یعنی جہری تکبیر کہنے میں بھی ہے (صاحبین جہر کے اور امام صاحب سر کے قائل ہیں) اور ذکر میں اصل اخفاء ہے جہر سے ذکر کرنا بدعت ہے اور جب جہر اور اخفاء میں تعارض پڑ جائے (دونوں کا روایتی ثبوت ملتا ہو) تو اخفاء قابلِ ترجیح ہے (لہٰذا صاحبین کے قول پر فتوی تقاضاءِ ترجیح کے خلاف ہے)

سری ذکر افضل ہے صحابہؓ اور تابعینؒ کا اسی پر اتفاق رہا ہے حسنؒ کا قول ہے کہ سری دعا اور جہری دعا میں ستر درجہ کا فرق ہے مسلمان بہت لگن سے دعائیں کرتے تھے مگر ان کی آواز قطعاً سنائی نہیں دیتی تھی صرف لبوں کی سرسراہٹ محسوس ہوتی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ اور عبد صالح کے تذکرہ میں فرمایا ہے اذ نادی ربہ نداء خفیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہترین ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو بقدر کفایت ہو۔ رواہ احمد وابن حبان فی صحیحہ والبیہقی فی شعب الایمان۔

حضرت ابو موسیٰؓ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر پر جہاد کیا تو راستہ میں مسلمان ایک وادی سے گذرے اور انھوں نے چلا کر تکبیریں کہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے لئے سکون اختیار کرو۔ تم کسی بہرے یا غیر حاضر کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا ہے اور قریب ہے۔ رواہ البغوی۔

میں کہتا ہوں اس حدیث سے اگرچہ ذکر خفی کی افضلیت ثابت ہوتی ہے مگر اپنے لئے سکون اختیار کرو کا لفظ بتا رہا ہے کہ ذکرِ خفی کا حکم اور ذکرِ جہری کی ممانعت صرف تقاضائے شفقت کے زیرِ اثر تھی یہ وجہ نہ تھی کہ ذکر جہری جائز ہی نہ ہو۔

فصل

ذکر کے تین اقسام ہیں (۱) بلند آواز سے چیخ کر۔ یہ عام صورتوں میں باجماعِ علماء مکروہ ہے ہاں خاص صورتوں میں اگر مصلحت و دانش کا تقاضا ہو تو درست (بلکہ ضروری) ہے اور اخفاء سے افضل ہے جیسے اذان کہنی اور حج میں لبیک پڑھنی، شاید چشتی صوفیہ نے مبتدی کو جہری ذکر کی تلقین مصلحت ہی کے تحت کی ہو شیطان کو بھگانا غفلت دور کرنا نسیان کو زائل کرنا، دل میں گرمی پیدا کرنا، آتشِ محبت کو ریاضت کے ذریعہ سے تیز کرنا اور دوسرے فوائد اس سے وابستہ ہیں لیکن ریاکاری اور شہرت طلبی سے اجتناب ضروری ہے۔

(۲) زبان سے چپکے چپکے ذکر کرنا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے، ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تیری زبان تروتازہ رہے۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ اس حدیث میں یہی ذکر مراد ہے۔ امام احمدؒ اور ترمذی کی روایت ہے کہ عرض کیا گیا سب سے بڑھیا عمل کونسا ہے فرمایا (سب سے افضل عمل) یہ ہے کہ دنیا کو چھوڑتے وقت تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تروتازہ ہو حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں گھومتے اور اہل ذکر کو تلاش کرتے رہتے ہیں اگر کچھ لوگوں کو ذکرِ خدا میں مشغول پاتے ہیں تو باہم ایک دوسرے کو پکارتا ہے ادھر آؤ مقصد مل گیا چنانچہ سب آکر اہلِ ذکر کو اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں اور دنیوی آسمان تک یونہی سلسلہ جوڑ لیتے ہیں ان کا رب ان سے پوچھتا ہے باوجودیکہ وہ خود ان سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ میرے بندے کیا کہہ رہے تھے فرشتے عرض کرتے ہیں وہ تیری پاکی تیری بڑائی تیری حمد اور تیری بزرگی بیان کر رہے تھے (یعنی سبحان اللہ اللہ اکبر الحمد للہ اور الحمد للہ کہہ رہے تھے) اللہ فرماتا ہے کیا انھوں نے مجھے دیکھا ہے فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں بخدا انہوں نے تجھے نہیں دیکھا۔ اللہ فرماتا ہے پھر اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ تجھے دیکھ پاتے تو تیری عبادت اور قوت سے کرتے تیری بزرگی بہت زیادہ بیان کرتے اور تیری پاکی کا اظہار اور کثرت سے کرتے اللہ فرماتا ہے وہ کیا مانگتے تھے فرشتے عرض کرتے ہیں وہ تجھ سے جنت کے خواستگار تھے اللہ فرماتا ہے کیا انھوں نے جنت کو دیکھا ہے فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں پروردگار انھوں نے جنت کو نہیں دیکھا اللہ فرماتا ہے پھر اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ جنت کو دیکھ پاتے تو ان کو جنت کی حرص رغبت اور طلب اور زیادہ ہو جاتی اللہ فرماتا ہے وہ کس چیز سے پناہ مانگتے

تھے فرشتے عرض کرتے ہیں دوزخ سے۔ اللہ فرماتا ہے کیا انھوں نے دوزخ کو دیکھا ہے فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں پروردگار بخدا انھوں نے دوزخ کو نہیں دیکھا۔ اللہ فرماتا ہے پھر اگر وہ دیکھ پاتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی فرشتے عرض کرتے ہیں اگر دیکھ پاتے تو دوزخ سے فرار و خوف ان کا اور زیادہ ہو جاتا۔ اللہ فرماتا ہے تم گواہ رہو کہ میں نے ان کو بخش دیا۔ جماعت ملائکہ میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے۔ اہل ذکر میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو ذکر میں شریک نہ تھا اپنے کسی کام سے آیا تھا اللہ فرماتا ہے وہ سب ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھنے والا بدنصیب نہیں ہو سکتا۔ رواہ البخاری۔ مسلم نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

(۳) بغیر زبان کے صرف قلبی اور روحی اور نفسی ذکر کرنا۔ یہی ذکر خفی ہے جس کو اعمالنامے لکھنے والے فرشتے بھی نہیں سن پاتے۔ ابو یعلی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ ذکر خفی جسکو اعمالناموں کے لکھنے والے فرشتے بھی نہیں سن پاتے (ذکر جلی سے) ستر ہزار درجے فضیلت رکھتا ہے جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ حساب کے لئے سب لوگوں کو جمع کریگا اور فرشتے اعمالنامے اور تمسکات لے کر حاضر ہونگے تو اللہ ان سے فرمائیگا دیکھو (اس بندہ کی) کوئی چیز رہ تو نہیں گئی فرشتے عرض کرینگے ہم کو جو کچھ معلوم ہوا اور ہماری نگرانی میں جو کچھ ہوا ہم نے سب کا احاطہ کر لیا اور لکھ لیا کوئی بات نہیں چھوڑی اللہ فرماتا ہے اس کی ایک نیکی ایسی بھی ہے جس کا تم کو علم نہیں۔ میں تم کو بتاتا ہوں وہ نیکی ذکر خفی ہے۔

میں کہتا ہوں اس ذکر کا سلسلہ نہیں ٹوٹتا نہ اس میں کوئی سستی آتی ہے (یعنی ذکر قلبی ہمہ اوقات جاری رہ سکتا ہے)

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ؏ اللہ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو (دعا میں) حد (ادب) سے نکل جاتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک معتدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایسی بیکار دعائیں کرتے ہیں جن کا ہونا نہ عقل میں آتا ہے نہ ضابطۂ قدرت میں جیسے منازل انبیاء کی طلب آسمان پر پہنچ جانے کی دعا مرنے سے پہلے جنت میں پہنچ جانے کا سوال۔ بغوی نے اپنی سند سے ابو داؤد و بحستانی کے سلسلہ سے حسب روایت ابو نعامہ بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو یوں دعا مانگتے سنا اے اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ جب میں جنت میں جاؤں تو مجھے جنت کے دائیں جانب سفید محل عطا فرمانا حضرت عبداللہؓ نے فرمایا بیٹے اللہ سے جنت کی دعا کر اور دوزخ سے اس کی پناہ طلب کر میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا آپ فرما رہے تھے اس امت میں آئندہ کچھ ایسے لوگ ہونگے جو طہارت اور دعا میں حد (سنت) سے آگے بڑھ جائیں گے۔ کذا روی ابن ماجۃ وابن حبان فی صحیحہ۔

ابو یعلی نے مسند میں حضرت سعدؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا عنقریب

کچھ لوگ ایسے ہونگے جو دعاء میں حدود (سنت) سے تجاوز کرینگے آدمی کے لئے اتنا کہنا کافی ہے اے اللہ میں تجھ سے جنت کا اور اس قول وعمل کا جو جنت سے قریب کردے خواستگار ہوں اور دوزخ سے اور دوزخ کے قریب لیجانیوالے قول وعمل سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ابویعلی نے کہا۔ آدمی کے لئے اتنا کہنا کافی ہے۔ آخر کلام تک۔ معلوم نہیں یہ حضرت سعد کا قول ہے یا فرمان نبوی کا حصہ ہے۔

عطیہ نے کہا المعتدین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ناجائز طور پر مسلمانوں کے لئے بددعائیں کرتے ہیں۔ (مثلاً) یوں کہتے ہیں اے اللہ ان پر لعنت بھیج۔ ایسی بددعائیں کرنے میں سب سے آگے رافضی ہیں جو صحابہ کرام اور بعض اہل بیت پر لعنت کرتے ہیں۔ ابن جریج نے کہا اعتداء سے مراد ہے چیخ چیخ کر دعاء کرنا جس کی ممانعت اس فرمان رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں آئی جو حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے منقول ہے حضور نے فرمایا اپنے اوپر نرمی اختیار کرو تم نہ کسی بہرے کو پکار رہے ہو۔ نہ کسی غیر حاضر کو۔

میں کہتا ہوں اعتداء سے مراد ہے حد شریعت سے تجاوز کرنا اس کے اندر تمام مذکورۂ بالا صورتیں بھی آجاتی ہیں اور ایسی دعاء کرنا بھی اس میں شامل ہے جس میں کوئی گناہ یا قطع رحم ہو رہا ہو اور یہ الفاظ بھی اعتداء ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ میں نے دعاء کی مگر میری دعا قبول نہ ہوئی۔ میں دعاء کر رہا ہوں اور میری دعاء ضرور قبول ہوگی۔ یا اللہ سے ایسے نام لے کر کرے جو شریعت (قرآن وحدیث) میں مذکور نہیں ہیں (مثلاً بھگوان، پرماتما، ایشور وغیرہ)۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا اور دنیا میں درستی کردینے کے بعد فساد (بگاڑ) نہ پیدا کرو۔ یعنی جب اللہ نے پیغمبروں کو بھیجدیا، شریعت واضح کردی اللہ کی اطاعت کی دعوت دیدی اور دعاء میں حدود سے تجاوز کرنے کی ممانعت کردی اور اس طرح زمین کی اصلاح کردی تو اس کے بعد کفر معصیت بغاوت اور غیر اللہ کی اطاعت کی دعوت دیکر اس میں بگاڑ نہ پیدا کرو بغوی نے حسن ضحاک سدی اور کلبی کے قول کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ عطیہ نے آیت کے مطلب کی توضیح اس طرح کی کہ (اللہ کی نافرمانی نہ کرو ورنہ اللہ بارش روک لے گا اور تمہارے گناہوں کے سبب کھیتی کو تباہ کردیگا (اور اس طرح زمین میں بگاڑ پیدا ہوجائیگا) اس توضیح پر بعد اصلاحھا کا مطلب یہ ہوگا کہ جب اللہ نے بارش اور سبزی سے زمین کی درستی کردی تو اس کے بعد اس کی تباہی نہ کرو۔

وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ○ اور بیم و امید کی حالت میں اللہ کی عبادت کرو بے شک اللہ کی رحمت نیک کام کرنے والوں سے قریب ہے۔ اس آیت میں امید کی بیم پر ترجیح کا اظہار ہے اور ذریعۂ اجابت دعاء یعنی حسن عمل پر تنبیہ ہے اور

اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کریم و رحیم مالک کی طرف سے دعا کو رد کر دینا محض تمہاری بد اعمالی کی نحوست اور نیکو کاری کو ترک کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے (ورنہ وہ رحیم اور داتا ہے کسی کی دعا رد نہیں کرتا)

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ایک بار کسی شخص کا (بطور تمثیل) ذکر فرمایا کہ طویل سفر کرتا ہو پراگندہ مو اور غبار آلود چہرہ والا ہے آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر دعا کرتا ہے اے میرے رب اے میرے رب مگر اس کا کھانا حرام کا ہے اس کا پینا حرام کا ہے اس کا لباس حرام کا ہے اس کی پرورش ہی حرام سے ہے ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہوگی۔ رواہ مسلم والترمذی من حدیث ابی ہریرۃؓ۔ مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا بندہ کی دعا برابر قبول ہوتی ہے بشرطیکہ وہ گناہ کی اور قطع رحم کی دعا نہ کرے اور دعا میں جلد بازی سے بھی کام نہ لے عرض کیا گیا یارسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جلد بازی سے کیا مراد ہے فرمایا (مثلاً) کہنے لگے میرے خیال میں دعا قبول نہیں ہوگی یہ خیال کر کے تھک کر دعا کرنی چھوڑ دے۔ امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا دل ظروف ہیں بعض بعض سے زیادہ سمائی والے ہیں لوگو! اللہ سے دعا کرتے وقت یقین رکھا کرو کہ تمہاری دعا ضرور قبول ہوگی اللہ اس بندہ کی دعا قبول نہیں کرتا جو بے توجہ دل سے سطحی طور پر کرتا ہے ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول دعا کا یقین رکھتے ہوئے دعا کی جائے لیکن المعتدین کی تفسیر میں بیان کیا گیا تھا کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میری دعا قبول ہو جائے گی۔ یہ ایک شبہ کیا جاسکتا ہے جس کا ازالہ یہ ہے کہ قبول دعا کا یقین رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ کریم ہے سخی ہے بخل نہیں کرسکتا لیکن دعا کے قبول نہ ہونے کا سبب انسان کی معصیت اور خطا کاری ہے گویا اللہ کی رحمت وجود پر نظر رکھتے ہوئے تو دعا قبول ہونے کا یقین رکھا جائے اور اپنے اعمال کی نحوست کو دیکھتے ہوئے دعا کے رد ہونے کا اندیشہ دل گیر رہے۔

قریب کو بصیغۂ مذکر لانے کی وجہ یا یہ ہے کہ رحمت بمعنی رحم ہے یا موصوف مذکر محذوف ہے۔ یعنی امر قریب۔ یا یوں کہا جائے کہ فعیل (صیغۂ صفت) فعیل مصدری کے (وزن میں) مشابہ ہے جیسے نقیض (اور فعیل مصدری مذکر بھی ہے اور مؤنث بھی) یا یہ کہا جائے کہ قربت نسبی سے جو لفظ قریب آتا ہے وہ مذکر ہے اور قرب مسافت سے جو لفظ قریب بنتا ہے وہ مذکر بھی ہے اور مؤنث بھی (اور یہاں قرب مکانی ہی مراد ہے) ابوعمرو بن العلاء نے کہا اگر قرابت نسب مقصود ہو تو عورت کے لئے قریبۃ کہا جاتا ہے اور قرب مسافت مراد ہو

توعورت کے لئے بھی قریب بولا جاتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ اور وہ اللہ ایسا ہی ہے کہ بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری دینے کے لئے ہواؤں کو بھیجدیتا ہے۔

بُشْرًا یہ لفظ بُشُرًا کا مخفف ہو اور بشرا بشیر کی جمع ہے۔ رحمت سے مراد بارش۔ بادِ مشرق (پُروا ہوا) ابر کو اٹھاکر لاتی ہے بادِ شمالی ابر کو جمع کرتی ہے بادِ جنوبی ابر کو چکر دیتی ہے اور بادِ مغرب (پچھوا ہوا) بادل کو منتشر کردیتی ہے حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے تھے ہوا اللہ کی بھیجی ہوئی راحت ہے یہ رحمت کو بھی لاتی ہے اور عذاب کو بھی (اس کو برا نہ کہو اور اللہ سے اس کی خیر کی طلب کرو اور اس کی خرابی سے اللہ کی پناہ کے خواستگار رہو۔ رواہ البخاری فی الادب والبوداؤد والحاکم ورواہ البغوی من طریق الشافعی وعبدالرزاق. حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۚ یہاں تک کہ جب ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھالیتی ہیں تو کسی خشک سرزمین کی طرف ہم ان کو ہانک لیجاتے ہیں پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل پیدا کرتے ہیں۔

اَقَلَّتْ ہوائیں اٹھاکر لاتی ہیں یہ لفظ قلت سے ماخوذ ہے کسی چیز کو اٹھانے والا اس کو قلیل (اور آسان و حقیر) سمجھتا ہی ہے ثقالاً پانی کی وجہ سے بوجھل۔ یہ لفظ ثقیل کی جمع ہے چونکہ سحاب سحائب کے معنی میں ہے اس لئے ثقالاً بصیغۂ جمع ذکر کیا۔ سقناہ چونکہ لفظ سحاب مفرد ہے اس لئے واحد مذکر کی ضمیر ذکر کی لبلد سرزمین کے لئے یا اس کو سرسبز کرنے کے لئے یا سیراب کرنے کے لئے۔ بعض کے نزدیک لبلد میں لام بمعنی الی ہے یعنی خشک زمین کی طرف۔ میت وہ زمین جس میں سبزی نہ ہو۔ فانزلنا بہ یعنی بالبلد اس وقت باء سببیت کے لئے ہوگی۔ یا بہ کی ضمیر سحاب یا روانگی سحاب یا ریح کی طرف راجع ہے اس وقت باء الصاق کی ہوگی یعنی بادل یا ہوا کے ساتھ ہم نے پانی اتارا۔ فاخرجنا بہ۔ یہ ضمیر اگر بلد کی طرف راجع قرار دی جائے تو باء ظرفیت کے لئے ہوگی یعنی خشک زمین میں۔ اور اگر سحاب یا ریح یا روانگی سحاب کی طرف راجع ہو تو باء سببیت کے لئے ہوگی۔

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ یوں ہی ہم مردوں کو نکال کھڑا کریں گے یہ بیان اس لئے کیا تاکہ تم سمجھو۔

کذلک یعنی پھلوں کو پیدا کرنے یا خشک زمین کو سرسبز بنانے کی طرح۔ نخرج الموتٰی یعنی قبروں سے مردوں کو

نکالیں گے۔ تذکرون تاکہ تم سمجھو اور اس امر پر استدلال کرو کہ اللہ کو جب اس کائنات کو پیدا کرنے کی قدرت ہے تو آخرت میں دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت بھی ہونی ہی چاہئے (ثانوی تخلیق اول تخلیق سے مشکل نہیں) بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب سب لوگ اول صور پھونکنے سے مر جائیں گے تو اللہ زیرین عرش سے پانی برسائے گا جس کا نام آب حیات ہوگا۔ جیسے مردوں کی منی۔ اس بارش سے لوگ قبروں کے اندر کھیتی کی طرح اگیں گے جب اجسام کی تکمیل ہو جائیگی تو ان کے اندر روح پھونک دیگا پھر ان پر ایک نیند طاری کر دی جائیگی جس کی وجہ سے وہ قبروں سے اٹھیں گے اس وقت سروں اور آنکھوں میں ان کو نیند کا اثر محسوس ہو رہا ہوگا اور کہیں گے ہائے افسوس ہم کو خواب گاہ سے (یا خواب سے) کس نے اٹھا دیا صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دونوں مرتبہ صور پھونکنے کی درمیانی مدت چالیس ہوگی لوگوں نے پوچھا ابوہریرہ کیا چالیس دن کی مدت ہوگی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا مجھے اس سے انکار ہے لوگوں نے کہا تو کیا چالیس مہینے کی فرمایا مجھے اس سے بھی انکار ہے لوگوں نے کہا تو کیا چالیس سال کی فرمایا میں یہ بھی نہیں کہتا (یعنی رسول اللہ نے چالیس کا لفظ فرمایا دن مہینہ یا برس کی صراحت نہیں فرمائی) پھر اللہ آسمان سے پانی برسائیگا جس سے انسان سبزی کی طرح اگیں گے انسان کی ہر چیز فنا ہو جاتی ہے صرف ایک ہڈی رہ جاتی ہے دم گزے کی ہڈی اسی سے قیامت کے دن تمام (اعضاء اور اجزاء) جوڑے جائیں گے۔ ابن ابی داؤد نے بھی البعث میں یہ حدیث نقل کی ہے انسؓ کی روایت میں اتنی صراحت ہے کہ دونوں مرتبہ صور پھونکنے کی درمیانی مدت چالیس سال کی ہوگی اسی چلہ میں اللہ بارش کریگا۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ دونوں مرتبہ صور پھونکنے کی درمیانی مدت میں جو چالیس کی ہوگی زیرین عرش سے پانی کا ایک نالہ جاری ہو جائیگا (یعنی بارش ہوگی) جس سے انسان چوپایہ اور پرندے کا بر فنا شدہ حصہ جسم اگ آئیگا اگر پہلے کسی نے ان کو دیکھا ہوگا تو اُگنے کے بعد دیکھ کر پہچان لے گا پھر روحوں کو چھوڑ کر اجسام سے ان کا جوڑ لگایا جائیگا آیت واذا النفوس زوجت کا یہی معنی ہے۔ ابن جریر نے سعید بن جبیر کی روایت سے بھی یہ اثر نقل کیا ہے حلیمی نے کہا تمام روایات کا اتفاق ہے کہ دونوں مرتبہ صور پھونکے جانے کی درمیانی مدت چالیس سال ہوگی۔ ابن مبارک نے مرسلاً حسن کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ۝ اور جو سرزمین ستھری ہوتی ہے اس کی پیداوار اس کے رب کے حکم سے (خوب) نکلتی ہے اور جو (زمین) خراب ہے اس کی سبزی نہیں نکلتی (اگر نکلی

بھی) تو تھوڑی سی اسی طرح ہم دلائل کو طرح طرح سے ان لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں جو قدر کرتے ہیں۔

البلد الطیب اچھی مٹی والی زمین باذن ربہ اللہ کی مشیت اور توفیق سے۔ اس لفظ سے یہ بتانا ہے کہ اس زمین کی پیداوار زیادہ اچھی اور فائدہ بخش ہوتی ہے اس کے مقابل جو الذی خبث فرمایا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یخرج نباتہ باذن ربہ سے پیداوار کی کثرت اور خوبی بیان کرنا مقصود ہے۔ الذی خبث یعنی بری شور کلر زمین۔ نکدًا قلیل غیر مفید۔ قاموس میں ہے نکد بالضم۔ قلتِ عطاء بالفتح بھی آیا ہے، عطاءٌ منکودٌ قلیل عطاء۔ نکدَ عیشہم اِن کی زندگی سخت اور تنگ ہو گئی نکدَ البئرُ کنویں کا پانی کم ہو گیا نکدَ زیدٌ حاجتہٗ زید نے اس کی حاجت پوری نہیں کی اس کو منع کر دیا نکدَ زیدٌ فلانًا زید نے اس کا سوال پورا نہیں کیا کچھ تھوڑا دیا۔ رجلٌ نکدٌ بدنصیب منحوس تنگدست یشکرون جو اللہ کی نعمت کا شکر کرتے ہیں۔

سابقہ آیات میں اللہ کی قدرت کاملہ اور رحمت شاملہ کا اظہار کیا گیا تھا اس آیت میں یہ بتایا کہ رب فیاض کی رحمت اگرچہ عمومی ہے لیکن قبول کرنے والوں میں قابلیت کا تفاوت ہے قبول فیض کی کمی قابلیت کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے بارش کا فیضان ایک جیسا ہے لیکن زمین کی صلاحیت وقابلیت کے تفاوت کی وجہ سے پیداوار میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

اسی طرح اظہار آیات بیانِ دلائل اور بعثتِ انبیاء اگرچہ سب انسانوں میں عمومی رحمت ہے مگر اس رحمت سے بہرہ اندوز ہونا صرف ان مؤمنوں کی خصوصیت ہے جو ان نعمتوں کے قدرداں ہیں جن کی فطری صلاحیتیں اللہ کے اسمِ ہادی کے پرتو سے مستفاد ہیں اور انہی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے ذریعہ سے وہ ہدایت یاب ہوتے دلائل پر غور کرتے اور آیات سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے جو ہدایت و علم عطا فرما کر مجھے بھیجا ہے اس کی مثال کثیر بارش کی طرح ہے جو زمین کے کسی اچھے ٹکڑے پر برستی ہے تو وہ خطہ اس کو قبول کر لیتا ہے جس سے سبزہ اور چارہ خوب پیدا ہوتا ہے اور کسی خشک بنجر خطے پر برستی ہے تو وہ بھی (اپنے احاطہ میں) پانی کو روک لیتا ہے (مگر پی نہیں سکتا اس لئے اس میں سبزہ نہیں پیدا ہوتا بلکہ) آدمی اس کو پیتے جانوروں کو پلاتے اور کھیتوں کو سینچتے ہیں اور ایک تیسرے ٹکڑے پر برستی ہے جو چٹیل سخت ہموار میدان ہوتا ہے وہ نہ تو (اپنے احاطہ میں) پانی کو روکتا ہے (کہ دوسروں کو ہی فائدہ ہو) نہ خود پیتا ہے کہ سبزہ پیدا ہو جائے پس یہ مثال ہے ان لوگوں کی جو دینی سمجھ رکھتے ہیں۔ میری لائی ہوئی ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں خود سمجھتے ہیں دوسروں کو سکھاتے ہیں اور ان لوگوں کی جو میرے پیام کی طرف قطعًا التفات نہیں کرتے اور خدا کی عطا کی ہوئی ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ بلاشبہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا۔

لقد ارسلنا محذوف قسم کا جواب ہے یہ لام تقریباً بغیر قد کے مستعمل نہیں کیونکہ اس قسم کا جملہ سننے کے بعد مخاطب کو مضمون جملہ کے وقوع کی توقع ہو جاتی ہے لہٰذا قد کا آنا ضروری قرار پایا۔ حضرت نوحؑ کا نسب نامہ حسب ذیل ہے نوحؑ بن لملک یا لمک بن متشوشخ یا متوشخ بن خنوخ یا اخنوخ۔ ماں کا نام عوفہ یا قینوس بنت براکیل بن قتشوشخ تھا۔ اخنوخ کا اسلامی نام ہی حضرت ادریس تھا آپ ہی سب سے پہلے نبی ہیں جنھوں نے قلم سے لکھنے کی ایجاد کی۔ اخنوخ بن مہلیل یا مہلائیل تھے مہلیل کا باپ قینن یا قینان یا قانن، قانن کا باپ انوش یا مانیش تھا اور مانیش کے باپ حضرت شیثؑ بن حضرت آدم (علیہ السلام) تھے۔

مستدرک میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ نوحؑ سے آدمؑ تک دس پشتیں تھیں۔ طبرانی نے حضرت ابوذر کی روایت سے مرفوعاً بھی یہی لکھا ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ حضرت ادریس حضرت نوح سے پہلے تھے اکثر صحابہؓ کا یہی مسلمہ ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت نوح کا نام سکن یا شاکر یا یشکر تھا حضرت آدمؑ کے بعد آپ ہی کی ذات کی طرف لوگوں کا رجوع ہوا آپ سب کے ماوی اور سکن تھے اس لئے سکن نام ہو گیا۔ سیوطی نے اتقان میں مستدرک کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نوحؑ کا نام عبد الغفار تھا چونکہ آپ نے اپنے اور اپنی قوم کے لئے کثرت سے گریہ کیا اس لئے نوح لقب ہو گیا یا قیامت کے خوف سے آپ پر گریہ کی کیفیت بہت طاری رہتی تھی اس لئے نوحؑ کہا گیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ نے ایک بدصورت کتے کو دیکھ کر فرمایا زنم اقلبیا یعنی برا کتا ہے اللہ نے کتے کو گویا کر دیا اور کتے نے کہا عیب میرا خود ساختہ ہے یا خالق کی طرف سے ہے؟ یہ کلام سنتے ہی حضرت نوح بیہوش ہو گئے اور پھر ہوش آنے کے بعد خوب روئے بغوی نے لکھا ہے کہ آپ نے کوئی جذامی کتا دیکھا اور فرمایا خبیث دور ہو اس پر وحی آئی کہ تو نے کتے پر عیب لگایا یا مجھ پر بعض نے کہا چونکہ آپ نے اپنی قوم کے لئے بددعا کی تھی (اور سب کو غرق کرادیا تھا) اس لئے خوب روئے۔ یا اس بات پر گریہ کرتے تھے کہ میں نے اپنے بیٹے کنعان کو ڈوبنے سے بچانے کے لئے اللہ سے گفتگو میں لوٹ بدل کیوں کی۔

چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا مستدرک میں حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ چالیس سال کی عمر میں اللہ نے نوح کو نبی بنایا اور نو سو پچاس برس تک آپ اپنی قوم میں رہے اور اس کے لئے بددعا کرتے رہے اور طوفان کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے۔

خلاصۃ السیر کی بعض روایات میں آیا ہے کہ پچاس برس کی عمر میں آپ کو نبوت ملی اور طوفان کے بعد ۳۵۰ برس

زندہ رہے کل عمر ۱۴۵۰ برس ہوئی بعض کا قول ہے چار سو پچاس یا ساٹھ برس کی عمر میں نبی ہوئے یا نبوت کے وقت ۲۵۰ برس کے تھے اور طوفان کے بعد ۲۰۰ برس رہے کل عمر ۱۴۵۰ برس کی ہوئی۔ مقاتل کا قول ہے کہ سو سال کی عمر میں نبوت ملی ابن جریر کا بیان ہے کہ حضرت نوحؑ کی پیدائش حضرت آدمؑ کی وفات سے ۱۲۶ سال بعد ہوئی میں کہتا ہوں کہ اس حساب سے حضرت نوحؑ کی وفات حضرت آدمؑ کی پیدائش سے ۲۴۵۶ برس بعد ہوئی کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت آدمؑ کی عمر ۹۶۰ برس ہوئی کیونکہ آپ نے اپنی ہزار سالہ عمر میں سے ۴۰ برس حضرت داؤدؑ کو دیدیئے تھے نووی نے تہذیب میں ذکر کیا ہے کہ تمام انبیاء سے آپ کی عمر زیادہ ہوئی۔

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ پس نوحؑ نے کہا اے میری قوم اللہ واحد کی عبادت کرو تمہارا اس کے سوا کوئی معبود نہیں (اگر اللہ واحد کی بلا شرکت پوجا نہ کرو گے تو) مجھے ایک بڑے سخت دن (یعنی روز قیامت یا روز طوفان) کا تمہارے متعلق خوف ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ قوم کے سرداروں نے کہا ہم جانتے ہیں کہ تم صریح گمراہی میں پڑ گئے ہو۔ الملأ سرداران جماعت جب ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو لوگوں کی آنکھوں میں ان کی ہیبت بھر جاتی ہے اسی لئے ان کو ملأ کہا جاتا ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○

نوحؑ نے کہا اے میری قوم مجھے کوئی بہکاوا نہیں بلکہ میں پروردگار عالم کا پیامبر ہوں تم کو اپنے رب کے احکام پہنچا رہا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور خدا کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں کیا (تم مجھے جھوٹا کہتے ہو اور) اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے رب کی طرف سے تم میں سے ہی ایک آدمی کی معرفت تمہارے پاس ایک یادداشت آگئی تاکہ وہ تم کو (اللہ کی نافرمانی سے) ڈرائے اور تم پرہیزگار بن جاؤ اور تم پر رحم کیا جائے۔

ضلالۃٌ۔ کوئی ادنیٰ گمراہی۔ ضلال گمراہی۔ چونکہ قوم والوں نے زوردار الفاظ میں حضرت نوحؑ کو گمراہ قرار دیا تھا اس لئے آپ نے بھی پرزور لہجہ میں گمراہی کی بالکل نفی کر دی اور فرمایا مجھ میں ذرا سی بھی گمراہی نہیں گویا قوم والوں پر تعریض کی کہ گمراہ تم ہو۔ ولکنی رسول یہ نفی گمراہی کی پرزور تاکید ہے اللہ کا رسول جو اللہ کے احکام کا پیام بر ہو لامحالہ ہدایت یافتہ اور صراط مستقیم پر گامزن ہوگا (اس کا گمراہ ہونا ناممکن ہے)

رِسٰلٰتِ یہ رسالت کی جمع ہے رسالت کو بصیغہ جمع ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اوقات رسالت مختلف

تھے وہ معانی رسالت میں تنوع تھا کسی کا عقیدہ سے تعلق تھا کسی کا عمل سے کوئی وعظ تھا کوئی حکم تھا یا مراد
وہ تمام پیامات و ہدایات ہیں جو گذشتہ انبیاء کو دیئے گئے تھے مثلاً حضرت شیث اور حضرت ادریس کے صحیفے۔
وانصح نصح کا معنی ہے کسی کی خیر خواہی خواہ فعلی ہو یا قولی بغوی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ بہتری اور
خیر ہوتی ہے جو آدمی اپنے لئے پسند کرتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی اسی کا طلب گار ہوتا ہے۔
باب نصح بغیر لام کے بھی متعدی ہوتا ہے مگر لام کا اضافہ خلوص خیر خواہی پر دلالت کر رہا ہے۔ من اللہ
سے مراد یا تو من جہۃ اللہ ہے یعنی اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعہ سے۔ یا یہ مراد ہے کہ میں اللہ کی ذات کو
اور ثواب و عذاب پر اس کی قدرت کو اور نا قابل رہائی گرفت کو اتنا جانتا ہوں کہ تم نہیں جانتے او عجبتم میں ہمزہ
استفہام انکار کے لئے ہے اور واؤ عاطفہ ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے یعنی کیا تم مجھے جھوٹا قرار دیتے ہو اور تعجب کرتے ہو۔
ذکر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی نصیحت بعض نے کہا بیان بعض نے کہا رسالت پیام۔ علی رجل منکم
تمہاری جماعت میں سے یا تمہاری نوع میں سے یعنی ایک آدمی پر۔ کفار کو آدمی کے پیغمبر ہونے سے تعجب ہوتا
تھا وہ کہتے تھے اگر اللہ چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا ایسی بات تو ہم نے پچھلے باپ دادا میں ہوتی نہیں سنی لینذرکم
تاکہ تم کو کفر و معصیت کے برے انجام سے ڈرائے۔ ولتتقوا اور تاکہ تم اس عذاب سے ڈرو جو کفر و معصیت
کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ ولعلکم ترحمون اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے جب کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ لعل حرف امید
اس لئے ذکر کیا کہ تقویٰ موجب رحمت نہیں۔ رحمت تو اللہ کی ایک مہربانی ہے جس کے حصول کا ذریعہ
اللہ نے تقویٰ کو بنا دیا ہے ورنہ تقویٰ سے قطعی طور پر مستحق رحمت ہو جانا اور رحمت کا واجب ہو جانا ضروری
نہیں (متقی کو اپنے تقویٰ پر کامل اعتماد کر کے بے غم نہ ہونا چاہیئے بلکہ تقوے کے باوجود اللہ کے عذاب سے ڈرتے
رہنا چاہیئے۔

ابو نعیم نے حضرت علیؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے بنی اسرائیل کے
ایک پیغمبر کے پاس وحی بھیجی کہ تمہاری امت میں جو طاعت گذار لوگ ہوں ان سے کہہ دو کہ اپنے اعمال پر
بھروسہ نہ کریں۔ قیامت کے دن حساب کے وقت میں جس کو عذاب دینا چاہوں گا عذاب دوں گا
اور تمہاری امت میں جو گناہ گار ہیں ان سے کہہ دو کہ اپنے کو خود ہلاکت میں نہ ڈالو یعنی ہلاکت کا یقین کر کے رحمت
سے مایوس نہ ہو) کیونکہ میں بڑے بڑے گناہ بخشدونگا اور مجھے پروا نہ ہوگی۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ۝ پھر انہوں نے نوح کی تکذیب کی (تو ہم نے طوفان بھیجدیا) پس نوح کو
اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں بچا لیا اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھوٹا قرار دیا تھا ان کو غرق کر دیا بے شبہ

ع ۱۵

وہ اندھے لوگ تھے۔

فانجیناہ۔ ہم نے نوح کو طوفان سے بچالیا والذین معہ۔ یہ چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں یا آٹھ مرد یا دس مرد یا بہتر آدمی یا صرف تین بیٹے سام، حام، یافث اور ان کی تین بیویاں یا تین بیٹے اور چھ دوسرے مؤمن۔ یہ مختلف اقوال آئے ہیں۔ فی الفلک اس کا تعلق معٗہ سے ہے یعنی نوح کے ساتھ جو لوگ کشتی میں تھے یا اَنْجَیْنَا سے تعلق ہے یعنی ہم نے کشتی میں نوح کو اور ان کے ساتھیوں کو بچالیا۔ قوما عَمِیْنَ یعنی کافر جن کے دل اللہ کی معرفت اور حق و باطل میں امتیاز کرنے سے اندھے تھے۔ عمین (عمی کی جمع ہے) اصل میں عمیین تھا تخفیفاً ایک یاء کو حذف کردیا۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۔ اور ہم نے بھیجا (قوم) عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو۔

عاد سے مراد قبیلۂ عاد ہے عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوحؑ کی ذریت عاد اولی کہلاتی ہے اخاھم ھودًا یعنی نسب (اور قومیت) کے اعتبار سے بھائی۔ دین کے لحاظ سے بھائی ہونا مراد نہیں ہے۔

حضرت ہود کا باپ عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد بن عوص تھا ابن اسحاق نے ہود کو شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح کا بیٹا کہا ہے۔ شیخ ابوبکر نے شرح خلاصۃ السیر میں لکھا ہے کہ ہود کا نام عابر یا عابر یا عُبَیر یا عُبَیر تھا اور آپ شالخ بن قینان بن ارفخشذ بن ہشام بن نوح کے بیٹے تھے۔ تمام کتب الانساب میں اسی طرح آیا ہے لیکن ایک شاذ روایت یہ بھی آئی ہے کہ ہود بن خالد بن خلود بن عیص بن عملیق بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوحؑ تھے۔ ہود کی ماں کا نام مکعبہ بنت عویلم بن سام بن نوح تھا حضرت ہود کی پیشانی میں رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نور چمکتا تھا جس کو دیکھ کر لوگ کہتے تھے یہ شخص اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریگا، بتوں کو توڑیگا، اس خیال کے زیرِ اثر لوگ آپ کی تعظیم کرتے تھے آپ کے بعد سو برس تک کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا سو برس کے بعد حضرت صلح کی بعثت ہوئی اس درمیانی زمانہ میں راجا اور پرجا سب بت اور سورج کی پوجا کرتے تھے اور کچھ لوگ آتش پرست بھی تھے آخر اللہ نے حضرت صلحؑ کو ثمود کی ہدایت کے لئے بھیجا حضرت ہود، حضرت نوح (علیہ السلام) کی شریعت پر تھے آپ کی عمر ۴۶۴ برس یا ۴۶۰ برس ہوئی تاریخ شامی میں ابن حبیب کا قول نقل کیا ہے کہ ہودؑ کی عمر ۴۱۲ سال ہوئی۔ ابن کلبی نے ۴۶۴ برس کی عمر بتائی ہے اور ماں کا نام مرجانہ لکھا ہے آپ کی قبر حضرموت میں اور بعض کے نزدیک مکہ میں ہے۔ انتہی کلام الشیخ ابی بکر۔

بغوی نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی روایت سے لکھا ہے کہ ہود کی قبر حضرموت میں سرخ ٹیلے پر واقع ہے عبدالرحمٰن بن سابط کا بیان ہے کہ رکن اور مقام اور زمزم کے درمیان ننانوے پیغمبروں کی قبریں ہیں انہی

ہیں ہود صالح اور شعیبؑ کی بھی قبریں ہیں یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ جب کسی پیغمبر کی امت (عذاب سے) تباہ ہو جاتی تو وہ پیغمبر مومنوں کی جماعت لیکر مکہ میں چلا آتا تھا اور اس جگہ مرتے دم تک سب لوگ اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے اور یہیں مرکر دفن ہو جاتے تھے۔ بھائی ہونے سے مراد ابن اسحاق کے نزدیک تو نسبی بھائی ہے اور شیخ ابو بکر کے نزدیک قوم عاد کا ہم جنس ہونا، عاد میں سے ہی ایک شخص کو پیغمبر بنانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اپنے آدمی کی بات کو خوب سمجھ سکتے تھے اس کے حال کو خوب جانتے تھے اور اسی کی پیروی کرنے کی ان کو رغبت ہو سکتی تھی (غیر کی بات نہ کوئی سمجھتا ہے نہ اس کے حال کو جانتا ہے نہ حمیت جاہلی کسی غیر کی پیروی کرنے دیتی ہے)

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ ہودؑ نے کہا اے میری قوم (تنہا) اللہ کی پوجا کرو اس کے سوا تمہارا کوئی واقعی معبود نہیں کیا تم (دوسروں کی پوجا کرتے ہو اور اس کے عذاب سے) نہیں ڈرتے قوم ہود کے کافروں میں سے زور دار لوگوں نے جواب دیا کوئی شک نہیں کہ ہم تم کو حماقت میں مبتلا پاتے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ تم جھوٹوں کے گروہ میں سے ہو۔

قَالَ يٰقَوْمِ جملہ استینافیہ ہے اسی لئے فَقَالَ نہیں فرمایا تتقون کا مفعول محذوف ہے یعنی کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔ حضرت ہودؑ کی قوم حضرت نوحؑ کی قوم سے ملتی جلتی تھی۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الملأ کی صفت تقییدی ہے اس شرط کو بڑھانے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ہودؑ کی قوم کے کچھ سردار ایمان لے آئے تھے جیسے مرثد بن سعد اور حضرت نوحؑ کی قوم کا کوئی سردار ایمان نہیں لایا تھا (اس لئے حضرت نوحؑ کے قصہ میں الملأ کے بعد کَفَرُوْا کی شرط لگانے کی ضرورت نہیں تھی) فی سفاھۃ سفاہت سبک سری، حماقت یعنی سرداروں نے کہا تم احمق ہو اپنی قوم کے دین کو تم نے چھوڑ دیا اور ایک ناممکن امر یعنی رسالت کا دعویٰ کر بیٹھے یہ سبک سری ہے فی سفاھۃ کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ سفاہت پر تم جم گئے یہ سبک سری تم سے کبھی دور نہیں ہوگی۔ من الکاذبین یعنی رسالت کا دعویٰ کرنے میں تم جھوٹے ہو۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ○ ہودؑ نے کہا اے میری قوم مجھ میں کوئی حماقت نہیں ہے بلکہ میں تو رب العلمین کا پیغامبر ہوں اپنے رب کے احکام تم کو پہنچا رہا ہوں اور تمہارا بھی خواہ ہوں اور (پیام رسالت کا) امین ہوں۔

وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ یعنی میں جس امر کی تم کو دعوت دے رہا ہوں اس میں تمہارا مخلص خیر خواہ ہوں، کافروں نے جملہ اسمیہ بولا تھا اور کہا تھا اِنَّا لَنَظُنُّكَ اس کے مقابلہ میں حضرت ہود نے بھی ناصحٌ بصیغہ اسم فاعل فرمایا۔ کلبی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں آج تک تمہارے اندر رہا اور امین رہا لہٰذا اب مجھ پر جھوٹے ہونے کی بدگمانی کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرات انبیاء واقف تھے کہ کافر انتہائی گمراہ اور احمق ہیں لیکن انھوں نے تہذیب اور حلم سے کام لے کر مقابلہ سے پہلوتہی کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء اپنی امتوں کے کتنے بہی خواہ کافروں پر کتنے مہربان، قوت برداشت میں کتنے کامل اور حسن خطاب کے ذریعہ دلوں کو ہدایت کی طرف کس قدر کھینچنے والے تھے اس گفتگو کو نقل کر کے اللہ نے بندوں کو تعلیم دی ہے کہ بے وقوفوں سے کس طرح خطاب کیا جائے۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ کیا (تم نے تکذیب کی اور) اس بات سے تمہیں تعجب ہوا کہ تم میں سے ہی ایک آدمی پر تمہارے رب کی طرف سے ایک یادداشت آگئی تاکہ وہ تم کو (کفر و معصیت کے عذاب) ڈرائے یاد کرو کہ قوم نوح (کو ہلاک کرنے) کے بعد اس نے تم کو اس کا جانشین بنایا اور ڈیل ڈول میں تم کو لمبائی چوڑائی زیادہ عطا کی اللہ کے ان احسانات کو یاد کرو تاکہ تم کو فلاح حاصل ہو۔

بصطۃً لمبائی اور قوت۔ کلبی اور سدی نے کہا قوم ثمود میں سب سے لمبا آدمی سو ہاتھ کا اور سب سے چھوٹا ستر ہاتھ کا ہوتا تھا ابوحمزہ یمنی نے صرف ستر ہاتھ کہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول میں اسّی ہاتھ مروی ہے۔ مقاتل نے بارہ ہاتھ کی لمبائی بتائی ہے وہب نے کہا بعض آدمیوں کے سر گنبد معلوم ہوتے تھے اور آنکھیں اور ناک کان کے سوراخ اتنے بڑے تھے کہ بجو اسمیں بچے دیں۔ الاٰء کا واحد اِلیٰؔ ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ یعنی نعمت کو یاد کرو۔ نعمت کی یاد موجب شکر ہوگی اور شکر موجب فلاح۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ قوم والوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس (کہیں باہر سے یا آسمان سے) اس لئے آیا ہے کہ ہم صرف اللہ ہی کی پوجا کریں اور جن (بتوں وغیرہ) کی ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے ان کی پوجا چھوڑ دیں اگر تو سچا ہے تو جس (عذاب) کی تو ہم کو دھمکی دے رہا ہے اس کو ہم پر لے آ۔ ناتُنَا سے مراد ہیں بت۔ اور آنے سے مراد ہے کہیں دوسری جگہ سے آنا یا آسمان سے آنا۔ موخر الذکر معنی اس وقت مراد ہوگا جب یہ لفظ کافروں نے بطور استہزاء کہا ہو۔ یا قصد کرنا بطور مجاز ہو یعنی تیرا ارادہ یہ ہے

کہ ہم بتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ کی پوجا کریں۔ ما تعدنا سے عذاب کی وہ دھمکی مراد ہے جو افلا تتقون سے مستنبط ہو رہی ہے یہ ممکن ہے حضرت ہودؑ نے ان کو دھمکی صراحۃً دی ہو۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ○ ہودؑ نے کہا بس اب تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب آیا ہی چاہتا ہے کیا تم مجھ سے ایسے (فرضی معبودوں کے) ناموں کے باب میں جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (خود ہی) رکھ لئے ہیں اللہ نے انکی (صداقت و حقانیت کی) کوئی دلیل نہیں اتاری سو تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ قد وقع یعنی عذاب واجب ہو چکا یا استحقاقِ عذاب ہو چکا یا عنقریب آنے والا ہے گویا آ ہی گیا۔ مستقبل میں یقینی ہونیوالے فعل کی تعبیر ماضی سے کر لی جاتی ہے۔

رجس عذاب یہ لفظ ارتجاس سے نکلا ہے جس کا معنی ہے اضطراب۔ بعض اہلِ لغت کے نزدیک رجس کا سین بجائے ز کے آیا ہے اصل لفظ رجز ہے صحاح میں ہے رجسؔ اور رجزؔ کا معنی ہے دھماکہ، چیخ۔ غضبؔ یعنی انتقام کا ارادہ۔ اسماءؔ یعنی وہ بت جن کے نام رکھ لئے ہیں گویا اسم سے مراد مسمّٰی ہے۔ یا اسماء سے مراد ایسے نام ہیں جن کے مسمّٰی محض فرضی اور بے حقیقت ہیں جیسے یونانی فلاسفہ نے عقولِ عشرہ (دس عقلیں)، یا ہندوؤں نے دیبی اور بھوانی جیسے نام خود گھڑ لئے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ یہ فرضی حقیقتیں ان بتوں کے اندر حلول کئے ہوئے ہیں۔

سلطٰن دلیل اور برہان جو ان کا معبود ہونا یا مستحقِ عبادت ہونا ثابت کر رہی ہو اس قول کی بنیاد یہ ہے کہ وہ اللہ کو آسمان و زمین کا خالق تو مانتے تھے مگر الوہیت اور خالقیت یا استحقاقِ عبادت میں دوسروں کو بھی شریک سمجھتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں بعض مخلوق اللہ سے ان کی سفارش کرنے والی تھی لہٰذا پوجا کی بھی مستحق قرار پاتی تھی۔ حضرت ہودؑ نے اس پر فرمایا تمہارے اس دعوے کی کوئی عقلی نقلی دلیل اللہ کی طرف سے نہیں یہ سب تمہاری اور تمہارے باپ دادا کی من گھڑت ہے۔ بس جس عذاب کی میں نے تم کو دھمکی دی ہے اور جس کے آنے کی تم درخواست کر رہے ہو اس کے منتظر رہو۔

فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝ غرض (عذاب آیا) اور ہم نے ہودؑ کو اور ہودؑ کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے (عذاب سے) بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور ایماندار نہ تھے۔

(ابو جڑ یا پیچھے آنے والی نسل) جڑ کاٹ دینے سے مراد ہے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا اور سب کو ہلاک کر دینا کہ کوئی بھی باقی نہ رہا۔ وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ اس سے در پردہ ان لوگوں کی حالت کا بیان ہو گیا جو ایمان لے آئے تھے اور اس بات پر تنبیہ بھی ہو گئی کہ ایمان ہی نجات و ہلاکت کے درمیان فارق تھا (مومن کو بچا لیا گیا اور غیر مومن کو ہلاک کر دیا گیا)

قوم عاد کا قصہ

محمد بن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ احقاف یعنی عمان و حضر موت کے درمیان ریگستان میں قوم عاد رہتی تھی اللہ نے اس کو ڈیل ڈول اور جسمانی طاقت بہت زیادہ عطا فرمائی تھی لیکن انھوں نے خداداد طاقت سے ملک میں تباہی مچا رکھی تھی اور چاروں طرف کے لوگوں کو روندڈالا تھا۔ یہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے ان کے تین بت تھے صدا۔ صمود۔ ہبا اللہ نے ان کے ایک درمیانی خاندان کے ایک شخص ہودؑ کو ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا حضرت ہودؑ اگرچہ متوسط النسب تھے مگر اخلاق و فضائل ذاتی میں سب سے برتر تھے حضرت ہودؑ نے قوم کو توحید کی دعوت دی اور حکم دیا کہ کسی پر ظلم نہ کرو اس سے زیادہ اور کسی بات کا حکم نہیں دیا۔ قوم نے آپ کی تکذیب کی اور بولے ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے ان لوگوں نے عظیم الشان عمارتیں اور کارخانے بنائے تھے اور جابرانہ اقتدار پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اس سرکشی کی پاداش میں اللہ نے تین برس تک ان سے بارش روک لی جس کی وجہ سے لوگ سخت دکھ اور بے چینی میں مبتلا ہو گئے اس زمانہ کا دستور تھا کہ جب کوئی لاینحل مصیبت آتی تو (مشرک بھی) اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے اور کعبہ کو جا کر مسلم اور مشرک سب مختلف المذاہب لوگ حرم میں جمع ہو کر دعا کرتے تھے مکہ میں اس زمانہ میں عمالقہ یعنی عملیق بن لاود بن سام بن نوح کی اولاد رہتی تھی جن کا سردار معاویہ بن بکر تھا معاویہ کی ماں کلہدہ بنت الخیبری بھی قوم عاد ہی کا ایک فرد تھا گویا معاویہ بن بکر کی ننھیال قوم عاد میں کی تھی اسی ناطہ سے قیل بن عنز اور یقیم بن ہزال بن ہزیل اور عتیل بن ضد بن عاد اکبر اور مرثد بن سعد بن عفیر (یہ شخص در پردہ مومن تھا) اور معاویہ بن بکر کا ماموں جلہمہ بن خیبری ہر ایک اپنے اپنے قبیلہ کے کچھ لوگوں کو لیکر مکہ کو چل دیا پھر لقمان بن عاد اصغر بن عاد اکبر کو عاد والوں نے بھیجدیا غرض مجموعی تعداد ستر ہو گئی سب لوگ مکہ پہنچکر معاویہ بن بکر کے پاس ٹھہرے اور ایک مہینہ تک ٹھیرے رہے روز شرابیں پیتے اور معاویہ بن بکر کی دو خوش آواز گانے والی باندیاں جن کو جرادتین کہا جاتا تھا ان کو گانا سناتی تھیں۔ اس طرح دو مہینے گذر گئے ایک مہینہ میں تو پہنچے ہی تھے اور ایک مہینہ قیام میں گذرا معاویہ بن بکر نے کہا یہ لوگ آئے تو فریاد اور دعا کرنے مگر غفلت میں پڑے ہوئے ہیں وہاں میرے ننھیالی تباہ ہو رہے ہیں لیکن کیا کیا جائے یہ مہمان ہیں ان کو نکالتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے اگر میں ان سے کہتا ہوں کہ

جس کام کے لئے آئے تھے اس کی تکمیل کے لئے جاؤ تو یہ خیال کریگے کہ میں ان کی مہمانی سے تنگ آگیا ہوں اُدھر لوگ بھوک پیاس سے مر رہے ہونگے اسی ششش وپنج میں تھا کہ اپنی باندیوں سے مشورہ طلب کیا باندیوں نے کہا آپ کچھ شعر کہہ دیں، ہم وہ شعر یاد کر کے ان کے سامنے گائیں گی، گانا سن کر ضرور ان میں حرکت پیدا ہوگی اور معلوم بھی نہ ہو کہ ان شعروں کا تصنیف کرنے والا کون ہے معاویہ نے اس رائے کو پسند کیا اور حسب ذیل شعر کہے۔

اے قیل اور ہیثم اٹھو شاید اللہ بارش سے ہم کو سیراب فرما دے جس سے قوم عاد سیراب ہو ان لوگوں کی تو ایسی حالت ہوگئی ہے کہ سخت پیاس کی وجہ سے بات بھی نہیں کر سکتے نہ بوڑھے کی امید ہے نہ بچے کی پہلے عورتیں عافیت سے تھیں مگر اب عورتیں بھی سخت پیاسی ہوگئیں۔ قوم عاد کو کھانے کے لئے علی الاعلان درندے گشت کر رہے ہیں اور کسی عاد والے کے تیروں کا ان کو اندیشہ نہیں اور تم لوگ یہاں مزے میں سارے دن رات گذار رہے ہو اے وفد والو تمہارا برا ہو تم کو سلامتی اور خوش آمدید نصیب نہ ہو۔

باندیوں نے یہ اشعار گائے تو وفد والے آپس میں کہنے لگے تم کو قوم نے آئی ہوئی مصیبت کو ٹالنے کی دعا کرنے بھیجا تھا اور تم نے یہاں تاخیر کر دی اب حرم میں چلو اور قوم کے لئے بارش کی دعا کرو۔ مرثد بن سعد بن عفیر جو در پردہ مومن ہو گیا تھا بولا خدا کی قسم تمہاری دعاؤں سے بارش نہیں ہوگی ہاں اگر اپنے نبی کا حکم مانو گے اور اپنے رب سے توبہ کرو گے تو بارش ہوگی۔ اس وقت مرثد نے اپنا اسلام ظاہر کر دیا اور مندرجۂ ذیل شعر کہے۔

عاد نے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی جس کی وجہ سے پیاسے ہوگئے آسمان ان پر ایک قطرہ نہیں برساتا ان کا ایک بت ہے جس کو صمود کہا جاتا ہے اور اس کے سامنے صدار اور ہبا بھی ہیں۔ اللہ نے رسول کے ذریعہ سے ہم کو راہِ ہدایت دکھائی ہم نے سیدھا راستہ دیکھ لیا اور نابینائی جاتی رہی جو معبود ہود کا ہے وہی میرا معبود ہے اللہ ہی پر بھروسہ ہے اور اسی سے آس ہے۔

اہلِ وفد نے معاویہ بن بکر سے کہا مرثد کو روک لو یہ ہمارے ساتھ مکہ کو نہ جائے لیکن مرثد بن سعد معاویہ کے گھر سے نکل گیا اور وفد والوں کو دعا کرنے سے پہلے ہی جا پکڑا جس مصیبت کو دور کرنے کی دعا کرنے کے لئے نکلے تھے اگر دعا کر چکتے تو اس سے سنگین مصیبت میں سب گرفتار ہو جاتے۔ مگر دعا کرنے سے پہلے ہی مرثد پہنچا اُدھر اہلِ وفد دعا کرنے کھڑے ہوئے اور اُدھر مرثد نے علیحدہ دعا کرنی شروع کی اے اللہ تنہا میرا سوال میرے لئے پورا کر دے اور وفد والے جو دعا کر رہے ہیں اس میں مجھے شامل نہ فرما۔ قیل بن عنز وفد کا سردار تھا اس لئے وفد والوں نے دعا کی اے اللہ قیل کی دعا قبول فرما اور ہماری درخواست کو اس کی دعا کے ساتھ شامل کر دے۔ بس دعا

کے وقت لقمان بن عاد جو قوم عاد کا ایک سردار تھا الگ رہا جب وفد والے دعاء کر چکے تو لقمان نے دعا کی الٰہی میں تیرے سامنے تنہا اپنی گذارش لے کر آیا ہوں میری دعا قبول فرما یہ کہہ کر لقمان نے اپنے لئے درازی عمر کی دعا کی چنانچہ اس کی عمر سات گدوں کی برابر ہوئی۔ قیل بن عنز نے دعا کی تھی، الٰہی اگر ہودؑ سچے ہیں تو ہم کو سیراب فرما ہم مرے جا رہے ہیں دعا کے نتیجہ میں اللہ نے تین رنگ کے بادل نمودار کرائے سفید، سرخ، سیاہ اور ابر میں سے ایک منادی نے ندادی اے قیل اپنے اور اپنی قوم کے لئے ان بادلوں میں سے ایک کا انتخاب کر لے۔ قیل نے کہا میں کالے بادل کا انتخاب کرتا ہوں کالی گھٹا سے خوب بارش ہوتی ہے۔

منادی نے ندادی تو نے راکھ پسند کی، قوم عاد میں سے کوئی باقی نہیں رہیگا اس کے بعد وہ کالا بادل جس کا انتخاب قیل نے کیا تھا اپنے سارے عذاب کو لے کر عاد کی طرف روانہ ہو گیا اور قوم کی بستیوں پر پہنچ کر کالی گھٹا بن گیا لوگ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے اس ابر سے ہم پر ضرور بارش ہوگی۔ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا نہیں بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کے جلد آجانے کے تم خواستگار تھے یہ ایک آندھی ہے جسکے اندر دردناک عذاب ہے یہ آندھی اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر دیگی بادل کے اندر سب سے پہلے ایک عورت کو جس کا نام مہدر تھا تباہ کن طوفان دکھائی دیا اور طوفان کو دیکھ کر وہ بیہوش ہو گئی کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئی اور لوگوں نے پوچھا تجھے کیا نظر آیا تو کہنے لگی میں نے آگ کے شعلوں کی طرح ایک آندھی دیکھی جس کو کچھ لوگ دجانور کی طرح) کھینچ کر لا رہے تھے اللہ نے یہ طوفان قوم عاد پر سات رات اور آٹھ دن مسلط رکھا جس نے ہر چیز کو تباہ کر دیا۔ قوم عاد میں سے کوئی زندہ نہ بچا البتہ حضرت ہود اور آپ کے مومن ساتھی ایک باڑہ بنا کر اس کے اندر بیٹھ کر امن سے رہے طوفانی ہوا اندر آتی تو نرم نرم ہوا بن کر بدن پر لگتی اور بر فشاط تنفس کا سبب بنجاتی تھی اور لدی ہوئی اونٹنیوں کو لگتی تو اٹھا کر اوپر لیجاتی اور کہیں پتھروں سے جا پٹکتی تھی دعاء کرنے کے بعد مکہ سے لوٹ کر عاد کا وفد پھر معاویہ بن بکر کے پاس جا کر ٹھیر گیا عاد کی مصیبت کو تیسرا روز تھا کہ ایک اونٹنی سوار چاندنی رات میں وفد کے پاس آپہونچا اور واقعہ کی اطلاع دی اہل وفد نے پوچھا جب تم روانہ ہوئے تھے تو ہود اور ان کے ساتھی کہاں تھے مخبر نے کہا میں نے ان کو سمندر کے ساحل پر چھوڑا تھا لوگوں کو اسکے بیان میں شک ہوا لیکن ہر ملہ بنت بکر نے کہا رب مکہ کی قسم اس نے سچ کہا ہے۔

اہل روایت نے لکھا ہے کہ مرثد بن سعد لقمان بن عاد اور قیل بن عنز کی دعائیں مکہ میں قبول ہو گئی تھیں اور ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ تمہاری درخواستیں منظور ہیں تم اپنے لئے سوال کا انتخاب کر لو ہاں موت ضرور آئے گی دوامی زندگی حاصل ہونے کا کوئی راستہ نہیں۔ چنانچہ مرثد نے دعاء کی الٰہی مجھے سچائی اور نیکی عطا کر

اس کی دعا قبول ہو گئی۔ لقمان نے دعا کی الٰہی مجھے عمر عطا کر دریافت کیا گیا جتنی پسند کرو۔ لقمان نے سات گدوں کی عمر پسند کی دعا قبول ہوئی لقمان نے یہ دستور بنالیا کہ گدھ کا نو بچہ انڈے سے نکلا ہوا پکڑ لیتا تھا اور اسکو اپنے پاس رکھتا تھا جب اپنی عمر پر وہ مرجاتا تو دوسرا بچہ پکڑ لیتا تھا اس طرح سات بچے اس نے ایک کے بعد ایک پکڑ کر پالے ہر گدھ کی عمر اسی سال ہوئی آخری گدھ لُبد تھا جب لُبد بھی مر گیا تو لقمان کا بھی اس کے ساتھ انتقال ہو گیا۔ قیل نے کہا جو حال میری قوم کا ہو وہی میرا ہو۔ ندا آئی ان کے لئے تو ہلاکت مقدر ہے قیل نے کہا مجھے پروا نہیں ان کے بعد مجھے زندہ رہنے کی ضرورت نہیں چنانچہ جو عذاب قوم پر آیا تھا وہی اس پر آیا اور یہ بھی ہلاک ہو گیا۔

سدی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بغیر بارش کا ایک طوفان مسلط کیا تھا جب انھوں نے دیکھا کہ اونٹوں کو ان کے بار سمیت طوفان اٹھا کر آسمان اور زمین کے درمیان لیجا رہا ہے تو بھاگ کر گھروں میں گھس گئے اور دروازے بند کر لئے مگر طوفان نے وہاں بھی نہ چھوڑا دروازے اکھاڑ کر اندر گھس کر سب کو ہلاک کر دیا اور لاشوں کو باہر لاکر پھینکدیا اس کے بعد اللہ نے سیاہ رنگ کے کچھ پرندے بھیجدیئے اور پرندوں نے لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں جا پھینکا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ طوفان نے ان پر ریت پاٹ دیا سات رات اور آٹھ دن وہ ریت میں دبے رہے ریت کے اندر سے ان کے کراہنے کی آواز آتی تھی پھر ہوا نے انکے اوپر سے ریت اڑا دیا اور اٹھا کر انکو سمندر میں جا گرایا ہمیشہ ہوا ایک خاص اندازہ سے چلتی ہے مگر اس روز اس کی رفتار کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا اندازہ کرنے والے بھی اندازہ کرنے سے عاجز ہو گئے۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۘ اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے (نسبی) برادر صالح کو بھیجا۔ دینی بھائی مراد نہیں ہے۔ ثمود بن عاثر بن ارم بن سام کی اولاد قبائل ثمود کے نام سے موسوم ہے پانی کی کمی کی وجہ سے اس قبیلہ کا نام ثمود ہوا کیونکہ ثمد الماءُ کا معنی ہے پانی کم ہو گیا۔ ثمود کی بستیاں حجاز اور شام کے درمیان حجر میں وادی قریٰ تک تھیں۔ حضرت صالح عبید بن آسف بن ماسح یا رباح بن جید بن حاذر بن ثمود کے بیٹے تھے۔

قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ ۖ صالح نے کہا اے میری قوم (تنہا) اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

قَدْ جَآءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِۦ نَاقَةُ ٱللَّهِ لَكُمْ ءَايَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِىٓ أَرْضِ ٱللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرا کرے اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی نہ لگانا کبھی تم کو دردناک عذاب

آپہنچا ہے۔ بینۃ واضح دلیل جو معجزہ ہونے کی وجہ سے سچائی پر دلالت کر رہی ہے۔ ھٰذِہٖ نَاقَةُ اللّٰہِ جملہ استینافیہ ہے ناقۃ اللہ میں اضافت اونٹنی کی عظمت کو ظاہر کر رہی ہے یا اللہ کی اونٹنی ہونے کا یہ معنی ہے کہ بغیر معمولی اسباب اور مقررہ ذرائع کے براہِ راست اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے۔ اسی بناء پر وہ اللہ کی قدرت کی خاص نشانی ہے۔ اٰیۃً حال ہے۔ تاکل فی ارض اللہ (مفعول محذوف ہے) یعنی اللہ کی زمین میں چارہ کھاتی رہے۔ لا تمسوھا بسوء کسی قسم کا دکھ پہنچانے سے پہلے ہاتھ لگانا ضروری ہے اور جب برائی کے ساتھ چھونے کی ممانعت کر دی تو ہر قسم کا دکھ دینے کی بدرجۂ کامل ممانعت ہو گئی۔ فیاخذکم یہ نہی کا جواب ہے (ورنہ تم کو آپکڑیگا)

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ اور تم یہ حالت یاد رکھو کہ اللہ نے تم کو عاد کے بعد آباد کیا اور تم کو زمین پر رہنے کو ٹھکانا دیا کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بناتے ہو سو اللہ کے ان احسانوں کو یاد کرو اور زمین میں تباہی پھیلاتے مت پھرو۔

بوّاکم تم کو جگہ دی تم کو بسایا۔ فی الارض یعنی حجر کی سرزمین میں۔ تتخذون تم بناتے ہو تعمیر کرتے ہو۔ من سھولھا یعنی میدانی زمین میں (من بمعنی فی ہے) یا نرم زمین سے یعنی نرم زمین کی اینٹیں کچی یا پکی بنا کر۔ تنحتون پہاڑوں کے اندر سوراخ اور غار بناتے ہو بیوتا یعنی پہاڑوں کے اندر کھود کر کمرے بنا لیتے ہو۔ تنحتون کے اندر چونکہ تجعلون کا معنی موجود ہے اس لئے بیوتا مفعول بہ ہو جائیگا یا بیوتا حال مقدرہ ہے جیسے خطت ھذا الثوب قمیصا قوم ثمود والے گرمی کے زمانہ میں مٹی (کچی پکی اینٹوں) کے مکانوں میں رہتے تھے اور سردی میں پہاڑوں کے اندر غار کھود کر ان کو کمروں کی طرح بنا کر رہتے تھے۔ ولا تعثوا عثوٌ (مصدر) سخت ترین فساد۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝

صالح کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انھوں نے غریب لوگوں میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے تھے کہا کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح اپنے رب کے فرستادہ ہیں غریب مومنوں نے کہا بیشک ہم تو اس پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کو دیکر بھیجا گیا ہے متکبر لوگ کہنے لگے تم کو جس بات کا یقین ہو گیا ہے ہم اسکے منکر ہیں

الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا سے بڑے سردار اور لیڈر مراد ہیں جو حضرت صالحؑ پر ایمان لانے کو اپنی ذلت سمجھتے تھے اور اس سے ناک بھوں چڑھاتے تھے۔ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا سے کمزور غریب طبقہ مراد ہے جن کو مغرور لوگ

حقیر وضعیف سمجھے تھے۔ لِمَنْ اٰمَنَ یا الّذین استضعفوا سے بدلِ کل ہے یعنی الّذین استضعفوا وہی مومن لوگ تھے یا بدل بعض ہے یا کمزوروں اور غریبوں میں سے صرف مومنوں سے کہتے تھے۔ اتعلمون ان صالحا یہ بات انھوں نے صرف استہزاء کے طور پر کہی تھی۔ قالوا انا اس تفصیلی جواب کی ضرورت نہ تھی صرف ہاں کہہ دینا کافی تھا لیکن تفصیلی جواب دیکر اہلِ ایمان یہ بتا دینا چاہتے تھے کہ صالح کی نبوت تو ایسی یقینی چیز ہے کہ کسی سمجھدار آدمی کو اس میں شک کرنا ہی نہ چاہئے۔ قال الّذین استکبروٓا یہ بطور مقابلہ مومنوں کے قول کی تردید ہے اُرسِلَ بہٖ کی جگہ اٰمَنْتُمْ بِہٖ کہنے سے اس بات پر تنبیہ تھی کہ جو تمہارا مسلمہ ہے وہ محض مفروضہ ہے جو واقع کے خلاف ہے۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ غرض انھوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے اے صالح جس (عذاب) کی تو ہم کو دھمکی دیتا تھا اس کو ہم پر لے آ اگر تو پیغمبر ہے۔

عقروا یعنی انھوں نے قتل کر دیا ازہری نے کہا عقر کا معنی ہے اونٹ کی کونچیں کاٹ دینا پھر اونٹ کو ذبح کرنے کو بھی کہا جانے لگا کیونکہ بپا اونٹ بھاگ جاتا تھا اول اس کی کونچیں کاٹی جاتی تھیں پھر اس کو قتل کیا جاتا تھا بغیر کونچ کاٹے وہ قابو میں نہ آتا تھا۔ قاموس میں ہے عقر زخمی کر دینا اور اونٹ یا گھوڑے کی ٹانگ کو مجروح کر دینا صحاح میں ہے عقر الدار اصل مکان عقر الحوض حوض کی جڑ۔ اسی سے ہے عقرت النخل میں نے کھجور کا درخت جڑ سے کاٹ دیا۔ عقرت البعیر میں نے اونٹ کو نحر کر دیا۔

قتل کرنیوالا اگرچہ صرف قدار بن سالف تھا لیکن چونکہ سب کی رضامندی سے یہ فعل ہوا تھا اسلئے قتل کی نسبت سبکی طرف کر دی۔ قدار ایک ٹھگنا نیلی آنکھوں والا سرخ رنگ کا آدمی تھا جیسے فرعون تھا۔ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے فرمایا تھا گذشتہ لوگوں میں سب سے بڑا شقی صالح کی اونٹنی کو قتل کرنیوالا تھا اور آنیوالے لوگوں میں سب سے بڑا شقی تیرا قاتل ہوگا۔

عتوا عتو کا معنی ہے باطل میں غلو کرنا۔ حد سے زیادہ باطل میں گھس جانا۔ عتی یعتو عتوًّا مغرور ہو گیا قاموس میں ہے عتو عتوًا عُتُوًّا عتیًا (تینوں مصدر ہیں) غرور کرنا حد سے آگے بڑھ جانا۔ عن امر ربھم یعنی اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرنے سے۔ حکم وہی تھا جو حضرت صالحؑ نے ان کو پہنچایا تھا اور فرمایا تھا۔ فذروھا تاکل الخ

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ○ پس زلزلہ نے ان کو آپکڑا جس کی وجہ سے وہ اپنے گھر (بستی) میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔

الرجفۃ زلزلہ بھونچال۔ قوم ثمود کی ہلاکت ایک سخت چیخ (کڑک) اور زلزلہ سے ہوئی تھی۔ دارھم دار سے مراد ہے دنیا بعض کے نزدیک ان کی سرزمین اور ان کی بستی مراد ہے (یعنی مکان مراد نہیں ہے) اسی لئے

دار بصیغۂ مفرد ذکر کیا ہے (اگر مکان اور گھر مراد ہوتا تو دیار یا دور بصیغۂ جمع ذکر کیا جاتا) جاثمین بے جان مردے
قاموس میں ہے جثم الطائر والانسان پرندہ اور انسان اپنی جگہ چمٹ کے رہ گیا اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکا
بعض کے نزدیک جاثمین سے مراد یہ ہے کہ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے جیسے بیٹھے تھے ویسے ہی مرے رہ گئے۔
الناس جثم کا معنی یہ ہے کہ لوگ سن بیٹھے ہیں جن میں کوئی حرکت نہیں نہ کوئی بات کرتا ہے بعض
نے کہا سب کے سب مردہ ہو کر منہ کے بل گر پڑے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ○ اس وقت صالح ان سے منہ موڑ کر چلے اور کہا اے میری قوم
میں نے تو تم کو اپنے رب کا حکم پہنچا دیا تھا اور تمہاری خیر خواہی کی تھی لیکن تم خیر خواہوں کو ہی پسند نہیں کرتے تھے

ایک شبہ

زلزلے سے ساری قوم ہلاک ہو چکی تو پھر ان مردوں کو حضرت صالح نے کس طرح مخاطب بنایا اور
لقد ابلغتکم الخ کس سے فرمایا۔

ازالہ:- مردوں سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کیا تھا بدر کے مقتولین کو
جب ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا تو رسول اللہؐ نے نام لے لے کر ان کو مخاطب بنایا۔ صحیحین میں حضرت ابوطلحہ
کی روایت سے آیا ہے کہ بدر سے تیسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنی کسوانے کا حکم دیا اونٹنی
پر پالان باندھ دیا گیا پھر آپ صحابہؓ کو لیکر پیدل چل دیئے صحابہؓ کو خیال ہوا کہ کسی ضروری کام سے کہیں تشریف لے جا رہے
ہیں لیکن آپ جا کر اس کنویں کے کنارے کھڑے ہو گئے (جس کے اندر مقتولین کی لاشیں پھینک دی گئی تھیں)
اور پکارنے لگے اے ابوجہل بن ہشام اے امیہ بن خلف اے عتبہ بن ربیعہ اے شیبہ بن ربیعہ کیا تمہارے
لئے اس وقت یہ امر باعث مسرت ہوتا کہ کاش تم نے اللہ اور اس کے رسول کا حکم مان لیا ہوتا اللہ اور
اس کے رسول نے جس چیز کی تم کو وعید کی تھی کیا تم نے اس کو صحیح پا لیا میں نے تو اس وعدہ کو حق پا لیا
جو اللہ نے مجھ سے کیا تھا تم اپنے نبی کے لئے بد ترین قبیلہ ہو تم نے میری تکذیب کی اور دوسرے لوگوں
نے مجھے سچا جانا تم مجھ سے لڑے اور دوسرے لوگوں نے میری مدد کی۔ اے گروہ شر تم کو اللہ نے میری طرف سے سزا دیدی میں
امین تھا تم نے مجھے خائن قرار دیا میں سچا تھا تم نے مجھے جھوٹا کہا حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کیا تین روز کے بعد آپ ان کو پکار رہے ہیں بیجان لاشوں سے آپ کس طرح کلام فرما رہے ہیں فرمایا تم میری
بات کو ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں اس وقت وہ سن رہے ہیں لیکن لوٹا کر
جواب نہیں دے سکتے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت صالح نے مردوں کو خطاب اس لئے کیا کہ آنیوالے

لوگوں کو عبرت ہو بعض کا قول ہو کہ آیت میں تقدیم تاخیر ہے (جو واقعہ پہلے ہوا ترتیب عبارت میں اسکو پیچھے ذکر کیا ہے اور جو واقعہ پیچھے ہوا ترتیب عبارت میں اسکو پہلے ذکر کر دیا) اصل کلام اصل تھا فتولی عنہم وقال یٰقوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی و نصحت لکم ولکن لا تحبون النٰصحین فاخذتہم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جٰثمین ۰

قصۂ ثمود

محمد بن اسحاق کو ہب بن منبہ ابن جریر اور حاکم نے اسناد کے ساتھ حضرت عمرو بن خارجہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قوم عاد تباہ کر دی گئی تو ثمود ان کی بستیوں میں بس گئے اور ان کے جانشین ہو گئے یہ خوب پھلے پھولے انھوں نے لمبی لمبی عمریں پائیں لوگ مٹی (کچی پکی اینٹوں) کے مکان بناتے تھے مکان گر جاتے تھے مگر بنانے والا زندہ رہتا تھا مجبور ہو کر انھوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر غاروں کے اندر مکان بنالئے معاش کی طرف سے یہ لوگ بڑی کشائش میں تھے آخر ملک میں انھوں نے تباہی پھیلائی اور اللہ کے سوا دوسروں کو پوجنے لگے۔ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے صالح کو پیغمبر بناکر بھیجا یہ لوگ خالص عرب تھے اور صالح نسبی لحاظ سے متوسط درجہ کے تھے مگر اخلاقِ فاضلہ کے لحاظ سے سب سے برتر تھے صالح ابتداء رسالت کے وقت نوجوان تھے اور قوم کو اللہ کی طرف بلاتے بلاتے سفید مو ہو گئے مگر سوائے قلیل آدمیوں کے کسی نے آپ کی پیروی نہیں کی اور قلیل بھی وہ تھے جن کو کمزور سمجھا جاتا تھا (یعنی غریب تھے) صالح برابر جمے رہے اور تبلیغ کرتے رہے اور اللہ کے عذاب سے بہت زیادہ ڈراتے اور خوف دلاتے رہے آخر قوم والوں نے کہا کوئی ایسی نشانی دکھاؤ جس سے تمہارے قول کی سچائی ثابت ہو حضرت صالحؑ نے فرمایا کونسی نشانی چاہتے ہو قوم والوں نے کہا کل تم ہمارے ساتھ ہمارے تہوار کے میلے میں چلو یہ تہواری میلہ سال میں ایک معین دن ہوتا تھا جہاں لوگ اپنے بتوں کو لے کر جاتے تھے۔ پھر تم اپنے معبود سے دعا کرو اور ہم اپنے معبودوں سے دعائیں کریں اگر تمہاری دعا قبول ہو گئی تو ہم تمہارے ساتھ ہو جائینگے اور اگر ہماری دعا قبول ہو گئی تو تم ہمارے ساتھ ہو جانا حضرت صالحؑ نے فرمایا بہت اچھا چنانچہ قوم والے میلہ کو بت لے کر گئے اور صالح بھی انکے ساتھ گئے قوم والوں نے بتوں سے دعائیں کیں کہ صالحؑ کی دعا قبول نہ ہو۔ پھر جندع بن عمرو بن جواس نے جو ثمود کا سردار تھا حضرت صالح سے کہا یہ پتھر جو حجر کے ایک گوشہ میں الگ تھلگ پڑا ہے جس کو کاثبہ کہا جاتا ہے اس کے اندر سے بختی اونٹ کی شکل کی ایک بڑے پیٹ والی دس ماہہ گابھن خوب بالوں سے بھرپور اونٹنی برآمد کر دو اگر ایسا کر دو گے تو ہم تم کو سچا مان لیں گے اور تم پر ایمان لے آئیں گے حضرت صالحؑ نے ان سے ایمان کا پختہ وعدہ لے لیا تو کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھی اور اپنے مالک سے دعا کی۔ یکایک پتھر میں سے ایک ایسی آواز نکلنے لگی جیسی پیدائش کے وقت بیاہنے والی اونٹنی کی نکلتی ہے پھر اس ٹیلہ سے وہی آواز

نکلنے لگی یکدم پتھر شق ہوگیا اور اس کے اندر سے فرمائش کے مطابق اونٹنی برآمد ہوگئی اس کے دونوں پہلوؤں کی درمیانی چوڑائی بہت زیادہ تھی پھر اس کے پیٹ سے اسی کی طرح ایک بچہ پیدا ہوا یہ دیکھ کر جندع بن عمرو اور اس کے قبیلہ کے کچھ لوگ مسلمان ہوگئے اور سرداران ثمود نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کر لیا لیکن ذوآب بن عمرو بن لبید اور حباب مجاور اصنام اور رباب بن صعر کاہن نے ان کو منع کر دیا یہ تینوں شخص ثمود کے سردار تھے حضرت صالح نے قوم والوں سے کہا ایک دن یہ اونٹنی پانی پئے گی اور ایک دن تمہارے جانوروں کو پانی کا کوٹہ ملیگا اس کے بعد کچھ مدت تک اونٹنی اپنے بچہ کے ساتھ آزاد پھرتی درختوں کی پتیاں چرتی اور پانی پیتی رہی مگر ایک دن ناغہ کر کے پانی پیتی تھی اور اس طرح پیتی تھی کہ کنوئیں میں سر ڈال کر سب پانی پی جاتی۔ ایک قطرہ بھی باقی نہ چھوڑتی تھی اور اس دوران میں ٹانگیں چیر کر کھڑی ہو جاتی تھی اور لوگ جتنا چاہتے اس کا دودھ دوہ لیتے، جتنا پیا جاتا پیتے اور جتنے برتن تھے سب بھر کر رکھ لیتے تھے پھر اونٹنی بغیر ٹانگیں چیرے باہر نکل آتی۔ معاملہ یونہی چلتا رہا۔ گرمی کے زمانے میں اونٹنی وادی کے اوپر آجاتی اور اس کے خوف سے تمام مویشی بکریاں گائے اور اونٹ بھاگ کر وادی کے اندر چلے جاتے اور سردی کے زمانہ میں اونٹنی وادی کے اندر اتر جاتی تو تمام جانور اوپر آجاتے (اس طرح اونٹنی تو گرمی سردی کی تکلیف سے بچ جاتی اور) تمام جانور گرمی اور سردی کی طرف سے دکھی رہتے اس سے مویشیوں کو نقصان پہنچا اور لوگوں کو یہ بات اتنی کھلی کہ وہ اللہ کے حکم سے سرکشی کرنے لگے اور اونٹنی کو قتل کر ڈالنے کے درپے ہوگئے یہاں تک کہ اونٹنی کو مار ڈالنے پر متفق الرائے ہوگئے قبائل ثمود میں دو عورتیں تھیں ایک کا نام صدوف اور دوسری کا نام عنیزہ تھا۔ عنیزہ کی کنیت ام غنم تھی یہ غنم بن مجاز کی بیٹی اور ذواب بن عمرو کی بیوی تھی اور بڑھیا سال خوردہ ہو گئی تھی اس کی متعدد خوبصورت بیٹیاں تھیں اس کے پاس اونٹ گائے اور بکریاں بھی بہت تھیں بڑی مالدار تھی۔ صدوف مختار کی بیٹی تھی اور خوبصورت جوان تھی اس کے پاس بھی اونٹ گائے اور بکریاں بہت تھیں بڑی مالدار تھی دونوں کو حضرت صالح سے سخت عداوت تھی اور چونکہ اونٹنی سے ان کے جانوروں کو سخت ضرر پہنچا تھا اس لئے اونٹنی کو قتل کرا دینے کی دونوں خواستگار تھیں۔ صدوف نے ایک ثمودی شخص کو جس کا نام حباب تھا آمادہ کیا اور کہا تو اگر اونٹنی کو قتل کر دے تو میں تیری ہو جاؤں گی حباب نے انکار کر دیا صدوف نے اپنے چچا کے بیٹے سے جس کا نام مصدع بن مہرج بن مختار تھا یہی کہا اور چونکہ صدوف بہت حسین اور بڑی مالدار تھی اس لئے مصدع نے صدوف کی درخواست مان لی۔ ادھر عنیزہ بنت غنم نے قدار بن سالف سے کہا اگر تو اونٹنی کو قتل کر دے تو پھر میری جس بیٹی کو چاہے لے لینا۔ قدار سرخ رنگ نیلگوں چشم پستہ قد آدمی تھا۔ اہل روایت کا خیال ہے کہ وہ حرامی تھا، سالف کے بستر پر پیدا ہوا تھا اس لئے

اس کو قدار بن سالف کہا جاتا تھا یہ شخص قوم میں باعزت اور طاقتور تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت اذا انبعث اشقاھا کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا تھا وہ ابوزمعہ کی طرح اپنی قوم میں باعزت صاحب حرم اور طاقتور تھا۔ رواہ البخاری من حدیث عبداللہ بن زمعۃ۔ غرض مصدع اور قدار تیار ہو گئے قبیلۂ ثمود میں سے اپنی مدد کے لئے سات آدمی انھوں نے اور اپنے ساتھ لئے اور چل پڑے قدار اونٹنی کی واپسی کی راہ میں ایک پتھر کی آڑ لیکر گھات لگاکر بیٹھ گیا اور مصدع دوسرے راستہ میں جا چھپا، اونٹنی مصدع کی طرف سے گذری مصدع نے تیر مارا جس سے اونٹنی کی ٹانگ کا عضلہ چھد گیا ادھر ام غنم عنیزہ اپنی حسین ترین بیٹی کو لیکر قدار کے پاس پہنچی اور قدار کو بھڑکایا اور گھات کی جگہ سے اس کو اٹھا کر لے آئی، قدار نے آتے ہی اونٹنی پر تلوار کا وار کیا جس سے اس کی کونچ کھل گئی اونٹنی بھاگی اور اپنے بچہ کو تنبیہ کرنے کے لئے اس نے ایک چیخ ماری قدار نے اس کے سینہ پر برچھا مارا اور اونٹنی کو قتل کر دیا پھر بستی والوں نے آکر اس کا گوشت بانٹ لیا اور پکایا، بچہ نے ماں کی یہ حالت دیکھی تو بھاگ کر ایک محفوظ پہاڑ پر چلا گیا اس پہاڑ کا نام کسی نے صور لکھا ہے اور کسی نے فارہ حضرت صالح تشریف لائے تو بستی والوں نے کہا یا نبی اللہ ہمارا کوئی قصور نہیں فلاں شخص نے اونٹنی کو قتل کیا ہے حضرت صالحؑ نے فرمایا بچہ کی تلاش کرو اگر وہ تم کو مل جائیگا تو ممکن ہے تم سے عذاب ٹل جائے لوگ بچہ کی تلاش میں نکلے اور پہاڑ کے اوپر دیکھ کر پکڑنے کے لئے گئے، مگر اللہ نے پہاڑ کو اتنا اونچا کر دیا کہ پرندے بھی اس کی چوٹی تک نہ پہنچ سکیں۔

روایت میں آیا ہے کہ بچہ نے حضرت صالحؑ کو دیکھا تو آنسوؤں سے رو دیا اور تین چیخیں ماریں پھر ایک پتھر پھٹا اور بچہ اس میں گھس گیا حضرت نے فرمایا بچہ کی ہر چیخ تمہارے لئے ایک دن کی مہلت (کی طرف اشارہ) ہے صرف تین دن تک گھروں میں رہ سکتے ہو یہ وعدۂ عذاب غلط نہیں ہو سکتا۔

ابن اسحاق کی روایت میں آیا ہے کہ جو نو آدمی اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے نکلے تھے ان میں سے چار شخص بچہ کو قتل کرنے نکلے ان میں مصدع بن مہرج اور اس کا بھائی ذاب بن مہرج بھی تھا مصدع نے اس کے تیر مارا جس سے اس کا دل چھد گیا مصدع نے اس کو ٹانگ پکڑ کر کھینچا اور سب نے نیچے لاکر ماں کی طرح اس کا گوشت بھی آپس میں بانٹ لیا۔ حضرت صالحؑ نے فرمایا تم لوگوں نے حرمتِ خداوندی کو توڑا اب اللہ کے عذاب اور انتقام کے لئے تیار ہو جاؤ۔ لوگوں نے آپ کی بات کا مذاق بنایا اور استہزاء کے طور پر کہنے لگے صالح عذاب کب آئے گا اس کی علامت کیا ہو گی ثمودیوں کی زبان میں اتوار کو اول پیر کو اھون منگل کو دبار بدھ کو جبار جمعرات کو مونس جمعہ کو عروبہ اور سنیچر کو شیار کہتے تھے بدھ کے روز انھوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا۔ حضرت صالح نے جواب میں فرمایا جب مونس کی صبح ہو گی تو تمہارے چہرے

زرد ہو نگے عروبہ کی صبح کو اٹھو گے تو تمہارے چہرے سرخ ہو نگے اور شیار کی صبح کو تمہارے منہ کالے ہو جائینگے
پھر اول (اتوار) کے دن صبح کو تم پر عذاب آجائے گا یہ بات سن کر وہ نو آدمی جنھوں نے اونٹنی کو قتل کیا
تھا آپس میں کہنے لگے آؤ صالح کو ہی ختم کردیں اگر یہ سچا ہے تو (عذاب آنے سے) پہلے ہی ہم اس کو قتل کر چلینگے
اور جھوٹا ہے تو اونٹنی کے پاس اس کو بھیج دینگے اس مشورہ کے بعد رات کو شبخون مارنے کے لئے حضرت صالح
کے مسکن پر پہنچے لیکن فرشتوں نے پتھر مار مار کر ان کو دفع کردیا جب ان کے ساتھ والوں نے دیکھا کہ دیر ہو گئی
اور وہ واپس نہیں لوٹے تو صالح کے گھر پہونچے دیکھا کہ ان کے آدمی پتھروں سے کچلے پڑے ہیں کہنے لگے صالح
تو نے ان کو قتل کیا ہے یہ کہہ کر حضرت صالح کو قتل کرنیکا ارادہ کیا لیکن دوسرے ساتھ والوں نے جو
مسلح تھے ان سے کہا تم صالح کو کبھی قتل نہیں کر سکتے۔ صالح نے وعدہ کیا ہے کہ تین روز کے بعد
تم پر عذاب آئیگا اگر یہ سچے ہیں تو ان کو قتل کرنے کا ارادہ کر کے تم اپنے رب کے غضب کو اور بھڑکا رہے
ہو اور اگر یہ جھوٹے ہیں تو جو کچھ تم ارادہ کر رہے ہو وہ اس کے بعد ہو جائیگا یہ تقریر سن کر لوگ اسی رات
کو منتشر ہو گئے پھر جمعرات کی صبح ہوئی تو ان کے چہرے زرد ہو گئے معلوم ہوتا تھا کہ چھوٹے بڑے
عورت مرد ہر ایک کے چہرہ پر خلوف (ایک زرد خوشبو) لی ہوئی ہے یہ علامت دیکھ کر ان کو عذاب کا یقین
ہو گیا اور سمجھ گئے کہ صالح نے صحیح بات کہی تھی (پھر توبہ کرنے کے بجائے) حضرت صالح کو قتل کرنے کے لئے
تلاش کرتے لگے لیکن آپ بھاگ کر ثمود کے قبیلہ بنی غنم میں پہنچکر قبیلہ کے سردار کے پاس جس کا نام نفیل تھا
اور کنیت ابو ہدب جا ٹھیرے تھے یہ شخص مشرک ضرور تھا مگر اس نے آپ کو چھپا لیا اس لئے تلاش کرنیوالوں
کی دست رس سے آپ باہر رہے اور صبح کو حضرت صالح کے مومن ساتھیوں کے پاس جا کر ان کو طرح طرح سے
اذیتیں دیکر صالح کا پتہ پوچھنے لگے ایک شخص نے جس کا نام مدع بن ہرم تھا حضرت سے دریافت کیا یا نبی
اللہ یہ لوگ آپ کا پتہ بتانے کے لئے ہم کو اذیتیں دے رہے ہیں کیا ہم ان کو آپ کا پتہ نشان بتادیں آپنے
فرمایا ہاں تم کہہ دو کہ میرے پاس صالح ہے مگر تم اس پر دست رس نہیں پاسکتے (اس شخص نے حسب
اجازت کہدیا مگر) وہ لوگ اس کو چھوڑ کر چلے گئے اور جس عذاب میں مبتلا تھے اس نے ان کو آگے کچھ کرنے
کا موقعہ ہی نہیں دیا بلکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر اس کے چہرے کی زردی بتاتا تھا اسی میں شام ہو گئی
تو سب چیخ پڑے (میعاد مقرر کا ایک دن گذر گیا جب دوسرے دن کی صبح ہوئی تو ان کے چہرے سرخ
ہو گئے معلوم ہوتا تھا خون سے رنگے ہوئے ہیں یہ دیکھ کر چیخنے چلانے اور رونے لگے شام ہوئی تو چیخ کی میعاد
کے دو دن گذر گئے اب عذاب آہی پہنچا تیسرے دن کی صبح ہوئی تو سب کے منہ کالے ہو گئے جیسے
تار کول مل دیا گیا ہو، یہ دیکھ کر (مزید) روئے پیٹے شام ہوئی تو حضرت صالح مسلمانوں کو اپنے ساتھ لیکر

شام کی طرف چل دیئے اور فلسطین کے ایک ریگستان میں جاکر فروکش ہو گئے اتوار کی صبح ہوئی تو لوگوں نے کفن پہن لئے، مردہ کی خوشبو مل لی اور زمین پر پڑ گئے کبھی آسمان کی طرف دیکھتے تھے کبھی زمین کی طرف سمجھ نہ سکے کہ عذاب کدھر سے آئیگا جب خوب دن چڑھ گیا تو زلزلہ نے آدبوچا اور سب گھروں کے اندر پڑے کے پڑے رہ گئے۔ اور ایک ایسی زور کی چیخ آسمان کی طرف سے آئی جس میں ابر کی ہر کڑک اور زمین کی ہر ترک سے زیادہ قوت تھی جس سے سب کے دل سینوں کے اندر پھٹ گئے اور ہر بچہ بڑا ہلاک ہو گیا صرف ایک اپاہج لڑکی بچ گئی جس کا نام ذریعہ بنت سلف تھا یہ کافر تھی اور حضرت صالح سے اس کو سخت دشمنی تھی عذاب کو دیکھنے سے اس کے پاؤں یک دم کھل گئے اور تیزی سے بھاگ کر یہ قرح یعنی وادی القری میں پہنچ گئی اور عذاب کی جو کیفیت اس نے دیکھی تھی وادی القری کے باشندوں سے بیان کردی پھر پانی مانگا اور پانی پیتے ہی مر گئی۔

سدی نے قتل ناقہ کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ اللہ نے حضرت صالح کے پاس وحی بھیجی تیری قوم عنقریب اونٹنی کو قتل کردیگی حضرت نے قوم سے یہی بات کہدی قوم والوں نے کہا ہم ہرگز ایسا نہیں کرسکتے حضرت صالح نے فرمایا اس مہینہ میں ایک لڑکا پیدا ہوگا اور آئندہ وہ قتل کریگا اور اسی کے سبب تمہاری ہلاکت ہوگی کہنے لگے اس مہینہ میں ہمارا جو بچہ پیدا ہوگا ہم اس کو قتل کر دینگے چنانچہ اس مہینہ میں دس لڑکے پیدا ہوئے نو کو تو انھوں نے قتل کردیا ایک نیل گوں چشم سرخ رنگ والا بچہ بچ گیا اور اس کا بڑھاؤ بہت تیزی سے ہوا مقتول بچوں کے باپ جب اس کو دیکھتے تو کہتے ہمارے بچے بھی اگر زندہ ہوتے تو ایسے ہی ہوتے یہ سوچ سوچ کر ان کو حضرت صالح پر غصہ آیا کہ یہی شخص ہمارے بچوں کے قتل کا سبب ہے پھر انھوں نے قسم کھا کر باہم معاہدہ کرلیا کہ ہم رات کو جاکر اس کو اور اس کے گھر والوں کو ضرور مار ڈالیں گے پھر مشورہ ہوا کہ ہم کو بستی سے نکل جانا چاہئے لوگ ہم کو جاتے دیکھ کر خیال کرینگے کہ ہم سفر کو جارہے ہیں ہم باہر جاکر کہیں غار میں چھپ جائینگے اور صالح جس وقت رات کو مسجد کو جائیں گے ہم آکر ان کو قتل کردینگے پھر لوٹ کر غار میں چلے جائیں گے پھر صبح کو، گھروں کو واپس آجائیں گے اور کہیں گے ہم تو قتل کے وقت موجود بھی نہ تھے لوگ ہم کو سچا سمجھینگے کیونکہ ان کا تو یہی خیال ہوگا کہ ہم سفر کو گئے ہوئے تھے۔

حضرت صالح قوم کے ساتھ بستی میں نہیں سوتے تھے بلکہ اپنی مسجد میں جس کو مسجد صالح کہا جاتا تھا جاکر رات گذارتے تھے اور صبح کو آکر لوگوں کو وعظ نصیحت کرتے تھے شام ہوتی تو پھر مسجد کو جاکر رات کو وہیں رہتے غرض وہ لوگ جن کے بچے قتل ہوئے تھے بستی سے باہر جاکر ایک غار میں گھس گئے اور اللہ کے حکم سے غار ان پر گر پڑا اور سب مر گئے اسی کو اللہ نے فرمایا ہے فمکروا مکرا و مکرنا مکرا و ہم لا یشعرون ٥

کچھ لوگ جو اس بات سے واقف تھے نکل کر گئے جا کر دیکھا کہ سب لوگ کچلے پڑے ہیں تو انھوں نے بستی میں آکر شور مچا دیا اللہ کے بندو! صالح نے بچوں کے قتل پر ہی بس نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کو بھی مار ڈالا یہ سن کر بستی والے اونٹنی کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے۔ ابن اسحاق نے کہا اونٹنی کو قتل کرنے کے بعد ان نو آدمیوں نے شبخون مار کر حضرت صالح کو قتل کرنے کا معاہدہ کیا تھا۔ یعنی قتلِ ناقہ کا واقعہ حضرت صالح کو قتل کرنے کے معاہدہ سے پہلے ہو چکا تھا۔

سدی وغیرہ کا بیان ہے دسواں بچہ قدار جب قتل ہونے سے بچ گیا تو تیزی سے بڑھنے لگا ایک دن میں اتنا بڑھ جاتا جتنا دوسرے بچے ایک ہفتہ میں بڑھتے ہیں اور ایک ماہ میں اتنا بڑھ جاتا جتنا دوسرے بچے ایک سال میں بڑھتے ہیں جب بڑا ہو گیا تو لوگوں کے ساتھ ایک روز شراب پینے بیٹھا اور شراب بنانے کے لئے پانی کی ضرورت ہوئی اور چونکہ وہ دن اونٹنی کے پانی پینے کا تھا اس لئے پانی نہیں ملا، یہ بات ان لوگوں کو بہت کھلی اور کہنے لگے ہم دودھ کا کیا کریں ہمیں تو اس پانی کی ضرورت ہے جو یہ اونٹنی پی جاتی ہے تاکہ مواشیوں کو پلائیں اور کھیتیاں سینچیں۔ قدار بولا کیا میں تمہارے لئے اس اونٹنی کو قتل کر دوں۔ اہلِ مجلس نے کہا ہاں! چنانچہ سب نے اونٹنی کو قتل کر دیا۔

عبداللہ بن دینار کے چچا کے بیٹے کی روایت سے بخاری نے صحیح میں بیان کیا ہے کہ غزوۂ تبوک میں جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حجر میں فروکش ہوئے تو حکم دیا لوگ یہاں کے کنویں کا پانی نہ پئیں، نہ جانوروں کو پلائیں لوگوں نے عرض کیا ہم نے تو اس پانی سے آٹا گوندھ لیا ہے اور پانی لے بھی لیا ہے فرمایا گوندھے ہوئے آٹے کو پھینک دو اور پانی کو بہا دو۔

بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ حجر کے کنویں سے لیا ہوا پانی بہا دیں اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیں اور اس کنویں کا پانی لیں جس کا پانی اونٹنی پیتی تھی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ ابوالزبیر نے حضرت جابرؓ کا قول نقل کیا کہ جب غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر حجر سے ہوا تو صحابہ کو حکم دیا تم میں سے کوئی اس ویران بستی میں نہ جائے نہ ان کا پانی پیو ان عذاب یافتہ لوگوں کی طرف سے گذرو تو روتے ہوئے ڈرتے ڈرتے کہیں تم پر بھی وہی عذاب نہ آجائے جو ان پر آیا تھا پھر فرمایا تم اپنے رسول سے معجزات نہ طلب کرو۔ صالح کی قوم تھی جس نے اپنے رسول سے معجزہ طلب کیا تھا تو اللہ نے ایک اونٹنی برآمد کر دی جو اس پہاڑی راستہ سے پانی پر جاتی اور (پانی پی کر) اس راستہ سے واپس آتی تھی اور اپنی باری کے دن ان کا (سارا) پانی پی جاتی تھی ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی اور اونٹنی کو قتل کر دیا نتیجہ میں اللہ نے ان سب لوگوں کو ہلاک کر دیا جو اس

سرزمین میں مشرق سے لیکر مغرب تک آسمان کے خیمہ کے نیچے رہتے تھے صرف ایک آدمی بچا جس کو ابو رغال کہا جاتا تھا یہی قبیلۂ ثقیف کا مورث اعلیٰ تھا یہ اس وقت حرم کے اندر تھا اور حرم میں ہونیکی وجہ سے اللہ کے عذاب سے بچ گیا لیکن جب حرم سے باہر نکلا تو اس پر بھی وہی عذاب آیا جو دوسروں پر آیا تھا اور وہیں دفن ہو گیا دفن ہونے کے وقت اس کے پاس سونے کی ایک سلاخ بھی تھی جو اسی کے ساتھ زمین میں دب گئی حضورؐ نے صحابہ کو ابو رغال کی قبر بھی دکھائی اور لوگوں نے تلواروں سے (کرید کر) زمین کھود کر سونے کی وہ ونڈی برآمد کرلی۔ قوم ثمود میں سے جو لوگ حضرت صالح پر ایمان لائے تھے ان کی تعداد چار ہزار تھی حضرت صالح ان لوگوں کو لے کر حضر موت چلے گئے۔ حضر موت میں پہونچ کر آپ کی وفات ہوگئی اسی لئے اس بستی کا نام حضر موت ہو گیا پھر ان لوگوں نے ایک بستی بسائی جس کا نام حاصورا ہوا۔ بعض علماء روایت کا قول ہے کہ حضرت صالح کی وفات مکہ میں ہوئی وفات کے وقت آپ کی عمر ۵۸ سال کی تھی آپ صرف بیس سال اپنی قوم میں رہے تھے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ اور ہم نے لوطؑ کو بھیجا جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے سارے جہان میں کسی نے نہیں کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو حقیقۃً تم حد (انسانیت) ہی سے گذر گئے ہو۔ لوط بن ہارس (یا ہاران) بن تارخ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔ قوم لوط سے مراد سدوم والے ہیں۔

لوطا۔ اَرْسَلْنَا محذوف کا مفعول ہے اور اذ قال اس کا ظرف ہے یا اُذکر محذوف ہے (یاد کرو) اور اذ قال اس سے بدل ہے۔ اتاتون میں زجر آمیز انکار استفہامی ہے۔ الفاحشۃ یعنی مردوں سے لواطت بہا میں ب تعدیہ کی ہے من احد میں من زائد ہے مگر نفی میں تاکید اور عموم پیدا کر رہا ہے۔ من العٰلمین میں من تبعیضیہ ہے۔ عمرو بن دینار کا قول ہے کہ دنیا میں کوئی نر کسی نر پر نہیں دیکھا گیا قوم لوط سے ہی اس فعل کی ابتدا ہوئی انکم سے (اتاتون الفاحشۃ کے انکار و زجر کی مزید کامل تاکید ہو رہی ہے۔ لتاتون الرجال یعنی مردوں سے جماع کرتے ہو۔ اتی المرءۃ اس عورت سے جماع کیا یہ عرب کا محاورہ ہے۔ شہوۃً مفعول لہ ہے یعنی محض شہوت رانی کے لئے بغیر کسی مصلحت وخوبی کے۔ یا مفعول مطلق ہے جو بجائے حال کے واقع ہوا ہے یعنی ناکارہ بے سود شہوت رانی کے طور پر۔ من دون النساء۔ دون بمعنی غیر ہے یعنی عورتوں کو چھوڑ کر دوسروں سے مراد یہ ہے کہ عورتوں سے قربت میں تو حکمت ہے اولاد کی پیدائش اور نسل کا بقاء وغیرہ اور مردوں

سے قربت میں کچھ فائدہ نہیں اس ٹکڑے میں قومِ لوط کی انتہائی مذمت ہے کہ تم دانسانی فکر و دانش سے بالکل خالی محض (بے عقل) جانور ہو۔ اس آیت سے بطور دلالت نص ثابت ہو رہا ہے کہ عورتوں سے لواطت بھی حرام ہے کیونکہ گندہ اور بے سود ہونا دونوں کا ایک ہی طرح ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل سورۂ بقرہ کی آیت فاتوا حرثکم انی شئتم کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ بل انتم قوم مسرفون یعنی تمہاری عادت ہی ہے کہ شریعت و دانش کی حدود سے نکل جاتے ہو کہ حدودِ نکاح سے تجاوز کر کے تم نے ایسے فعل کی طرف توجہ کی جو انسانی عادت کے خلاف اور فائدہ سے خالی ہے۔ اس آیت میں انکار سے اعراض اور اخبار کی طرف کلام کا رخ پھیر دیا گیا ہے یا انکار سے مذمت کی طرف اعراض ہے یا اصل کلام اس طرح تھا کہ اس قبیح فعل کا تمہارے پاس کوئی عذر نہیں صرف یہی نہیں بلکہ تمہاری عادت ہی حدِ انسانیت سے تجاوز کر چکی ہے۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ○ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ○ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ع اور ان کی قوم سے کوئی جواب بن نہ پڑا سوائے اس کے کہ آپس میں کہنے لگے ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں سو (اول) ہم نے لوط کو اور ان کے متعلقین کو بچالیا سوائے لوط کی بیوی کے وہ انہی لوگوں میں رہی جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے ان پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا سو دیکھ لو مجرموں کا کیسا انجام ہوا۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ یعنی کوئی ایسی بات پیش نہ کر سکے جو صحیح جواب بن سکتی۔ اِلَّا اَنْ قَالُوا اس میں الا کا معنی ہے لیکن اخرجوھم یعنی لوط کو اور اس کے مؤمن ساتھیوں کو۔ انھم اناس یتطھرون یعنی یہ فحش کاموں سے پاک بنتے ہیں۔ یہ کلام انھوں نے بطور استہزاء کہا تھا۔ واھلہ اہل سے مراد مؤمن ساتھی بعض نے کہا حضرت لوط کی دو بیٹیاں مراد ہیں۔ الا امرأته یہ اھلہ سے استثناء ہے حضرت لوط کی یہ بیوی منافق تھی دل میں کفر چھپائے ہوئے تھی۔ من الغابرین یعنی ان لوگوں میں سے تھی جو اپنے گھروں میں رہ گئے تھے اور عذاب سے ہلاک کر دیئے گئے تھے۔ یا ان لوگوں میں سے تھی جو عذاب میں رہ گئے تھے یا ان بوڑھے معمر لوگوں میں سے تھی جو مدتِ دراز سے زندہ تھے پھر ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گئی۔ مطرا مفعول مطلق ہے یعنی عجیب طرح کی بارش۔ کنکریلے پتھروں کی بارش جن میں سے ہر پتھر ہر مجرم کے لئے نشان زدہ تھا۔ وہب نے کہا گندھک اور آگ کی بارش۔ ابو عبیدہ کی تحقیق ہے کہ عذاب کے لئے اَمْطَرَ (باب افعال سے) اور رحمت کے لئے مَطَرَ (ثلاثی مجرد سے) بولا جاتا ہے۔ المجرمین مجرموں سے مراد ہیں کافر۔

روایت میں آیا ہے کہ حضرت لوطؑ اپنے چچا حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ بابل سے ہجرت کر کے شام کی طرف جاتے ہوئے اردن میں اتر گئے اللہ نے ان کو پیغمبر بنا کر سدوم کو بھیجا تاکہ اہل سدوم کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیں اور ان کی ایجاد کردہ بے حیائی سے باز داشت کریں آپ نے تبلیغ کی مگر وہ باز نہ آئے آخر اللہ نے ان پر پتھروں کی بارش کی اور سب ہلاک ہو گئے۔

اسحٰق بن بشیر اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کا یہی بیان نقل کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے وطن میں مقیم تھے ان کو تو زمین کے اندر دھنسا دیا گیا یعنی زمین ان کو لے کر دھنس گئی اور جو کہیں سفر میں تھے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔

محمد بن اسحٰق کا بیان ہے کہ اہل سدوم کے پھلدار باغات اور سرسبز بستیاں ایسی تھیں جو اس سرزمین میں کہیں نہیں تھیں لوگ ان کو آکر دکھ پہنچاتے (اور ان کے باغوں سے پھل لوٹتے اور چراتے تھے) آخر ابلیس آدمی کی شکل میں ان کے پاس آیا اور مشورہ دیا کہ اگر ان لوگوں کے ساتھ تم ایسی حرکت کرو گے تو پھر تمہاری حفاظت ہو جائیگی۔ اہل سدوم نے اس مشورہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن جب (چوروں) اپنی حرکتوں پر جمے رہے تو اہل سدوم نے بھی ان کے لڑکوں بالوں کو پکڑ کر ان کے ساتھ یہ حرکت کی اور اس طرح یہ خباثت ان میں جم گئی حسن نے کہا وہ صرف عورت سے نکاح کرتے تھے کلبی کا قول ہے کہ سب سے پہلے قوم لوط کی حرکت ابلیس نے کی۔ بات یہ ہوئی کہ اہل سدوم کا ملک بڑا سرسبز تھا، دوسری بستیوں والے وہاں جانور چرانے (اور غلہ پھل لینے) آجاتے تھے (سدوم والے ان سے تنگ تھے) ابلیس ایک نوجوان کی شکل میں ان کے سامنے آیا اور دبر کی طرف اشارہ کیا اس طرح لواطت ہونے لگی نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے حکم سے آسمان نے ان پر پتھر برسائے اور زمین نے انکو اپنے اندر دھنسا لیا۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ اور ہم نے مدین کی طرف ان کے (نسبی) برادر شعیبؑ کو بھیجا۔ مَدْيَنَ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے کا نام تھا۔ یہاں مدین کی نسل مراد ہے۔ بغوی نے لکھا یہی اصحاب الایکۃ (بن والے) تھے۔

عطاء کا قول ہے کہ حضرت شعیبؑ توبہ بن حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے تھے محمد ابن اسحاق نے کہا میکیل کے بیٹے تھے اور میکیل یشجر کے اور یشجر مدین کے اور مدین حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے تھے۔ ابن اسحاق کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ میکیل حضرت لوطؑ کی بیٹی کا نام تھا۔ بعض کے نزدیک حضرت شعیبؑ یثرون بن نوس بن مدین کے بیٹے تھے۔ حضرت شعیبؑ نابینا (ہو گئے) تھے چونکہ (اپنی قوم سے خطاب کرنے میں آپ کو کمال تھا اسلئے آپ کا لقب خطیب الانبیاء ہوا۔ آپ کی قوم کافر بھی تھی اور ناپ تول میں بھی کمی کرتی تھی۔ ابن عساکر نے

حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حضرت شعیبؑ کا ذکر کرتے تھے تو فرماتے تھے وہ خطیب الانبیاء تھے اس لئے کہ اپنی قوم سے خطاب اچھے اسلوب سے کرتے تھے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ شعیبؑ نے کہا اے میری قوم! اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آچکی سو تم ناپ تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں (کو تول ناپ کر دینے) میں نقصان کیا کرو اور روئے زمین پر درستی کے بعد بگاڑ نہ پیدا کرو یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر مومن ہو (تو اس ہدایت کو مانو)

اُعْبُدُوا اللّٰہ یعنی تنہا اللہ کی پوجا کرو۔ بینۃ یعنی معجزہ (یا واضح دلیل) قرآن مجید میں حضرت شعیبؑ کے کسی معجزہ کا ذکر نہیں کیا گیا بعض کے نزدیک بینۃ سے مراد ہے حکمت نصیحت اور حضرت شعیبؑ کا کلام حق باسلوب بلیغ۔ المیزان میعاد کی طرح میزان بھی مصدر ہے بمعنی وزن۔ یا میزان سے مراد ہے ترازو اور وزن محذوف ہے یعنی وزن المیزان۔ یا کیل سے مراد ہے پیمانہ۔ کیل (مصدر) محذوف ہے۔ کیل کا اطلاق کیال پر رسا ہی ہے جیسے عیش کا اطلاق معاش پر ہوتا ہے۔ بخس کے دو مفعول آتے ہیں یہاں الناس پہلا مفعول اور اشیاء ھم دوسرا مفعول ہے محاورہ میں بولا جاتا ہے بَخَسْتُ زَيْدًا حَقَّهٗ میں نے زید کا پورا حق دینے میں کمی کر دی۔ اشیاء کا لفظ عموم پر دلالت کر رہا ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ لوگ بڑی چھوٹی اور تھوڑی بہت سب چیزوں کے ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ لوگ ذخیرہ اندوز تھے ہر چیز کی ذخیرہ اندوزی کرتے تھے۔

وَلَا تُفْسِدُوا اور بگاڑ نہ پیدا کرو یعنی کفر اور ظلم۔ بعد اصلاحھا درستی کے بعد یعنی جب اللہ نے پیغمبر کو مبعوث فرما دیا جو تم کو بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے۔ ذٰلکم یعنی یہ بات جو بات میں نے تم سے کہی اور جس بات کا تم کو حکم دیا۔ خیر لکم تمہارے لئے ظلم کرنے اور ناپ تول میں کمی کرنے سے بہتر ہے۔ اگرچہ ناپ تول میں کمی کرنے سے بظاہر کچھ مالی فائدہ ہو جاتا ہے مگر حقیقت میں دنیا اور آخرت دونوں میں یہ نقصان کا سبب ہے اور حضرت شعیب نے جو ان کو حکم دیا اس میں دنیا اور آخرت دونوں کا فائدہ تھا اس لئے ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا ذلکم خیر لکم فرمایا۔ ان کنتم مؤمنین یعنی اگر تم مجھے سچا جانتے ہو تو جو حکم میں دے رہا ہوں اس کی تعمیل کرو۔ اور وہ لوگ واقف ہیں کہ شعیبؑ جھوٹ کبھی نہیں بولتے (ان کا یہ خیال حضرت شعیبؑ

کی نبوت سے پہلے تھا۔ نبوت کے دعوے میں وہ جھوٹا ہی سمجھتے تھے)

روایت میں آیا ہے کہ اہل مدین سر راہ بیٹھ جاتے اور جو شخص مسلمان ہونے کے لئے حضرت شعیب کے پاس جانا چاہتا اس کو روکتے اور کہتے شعیب بڑا جھوٹا ہے کہیں تجھے دین کی طرف سے بگاڑ نہ دے۔ یہ لوگ مسلمانوں کو بھی ڈراتے اور قتل کر ڈالنے کی دھمکیاں دیتے تھے کذا اخرج ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم عن ابن عباس (رضی اللہ عنہما)

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ اور تم راستوں پر اس غرض سے نہ بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو دھمکیاں دو اور اللہ کی راہ سے روکو اور اس میں کجی کی تلاش کرو اور یاد کرو کہ جب تم کم تھے تو اللہ نے تمہاری تعداد بڑھادی اور دیکھ لو کہ تخریب کاروں کا انجام کیسا ہوا۔

توعدون اور تصدون دونوں جملے تقعدوا کی ضمیر فاعل سے حال ہیں۔

تبغونھا عوجا یعنی اللہ کی راہ میں کجی کی تلاش کرتے ہو مطلب یہ ہے کہ اس میں شبہے ڈالتے ہو یا لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہو کہ یہ راستہ ٹیڑھا ہے (بہر حال لوگوں کو بہکاتے ہو)

بعض علماء کے نزدیک صراط سے مراد ہے دین کا راستہ۔ دین کا راستہ اگرچہ ایک ہی ہے لیکن اس کی شاخیں متعدد ہیں عقائد و معارف کی شاخ احکام کی شاخ حدود و تعزیرات کی شاخ (گویا راہ دین کی ہر شاخ ایک راستہ ہے) قوم شعیب والے جب کسی کو دین کی کسی شاخ میں کوشش کرتے دیکھتے تو مار ڈالنے اور دکھ دینے کی دھمکی دیتے تھے اس صورت میں تصدون عن سبیل اللہ۔ کل صراط کا بیان ہوگا اس سے ان کی حرکت شنیعہ کی انتہائی خرابی اور اپنی راہ پر قائم رہنے کی مذمت مستفاد ہوگی قلیلاً تعداد میں کم یا سامان میں کم۔ فکثرکم اللہ نے تم کو بڑھایا یعنی اولاد و مال میں برکت عطا فرمادی۔ عاقبۃ المفسدین یعنی گذشتہ سرکش قوموں کا انجام جیسے حضرت لوط کی قوم کا اور دوسری تخریب کار قوموں کا انجام کیسا ہوا۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اور اگر تم میں سے بعض لوگ اس حکم پر جس کو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے ایمان لے آئے ہیں اور بعض لوگ ایمان نہیں لائے ذرا تو ٹھیرے رہو اللہ ہمارے درمیان (عنقریب) فیصلہ کئے دے رہا ہے وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

فاصبروا تو ٹھیرے رہو یعنی انتظار کرو۔ حتی یحکم اللہ بیننا کہ اللہ فیصلہ کردے جو اہل حق

ہیں ان کو فتحیاب کردے گا جو باطل پرست ہیں ان کو تباہ کر دے گا۔ اس میں اہل ایمان کے لئے (کامیابی کی) بشارت اور کافروں کے لئے (تباہی کی) دھمکی ہے۔ هو خير الحاكمين

وہ سب سے اچھا حاکم ہے اس کے حکم

کو کوئی پلٹ نہیں سکتا۔

آٹھواں پارہ بعونہ ختم ہوا۔ اس سے

آگے نواں پارہ شروع ہے

بتوفیقہ تو



نواں پارہ شروع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ شعیبؑ کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا اے شعیب ہم تم کو اور تمہارے ساتھ جو ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے ضرور نکال دینگے ورنہ تم سب ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ شعیبؑ نے جواب دیا کیا تم ہم کو اپنے مذہب میں لوٹا لوگے خواہ ہم دل سے چاہیں یا گوارا نہ کریں یعنی دو کاموں میں سے ایک کام ضرور ہونا ہے یا بستی سے تمہارا نکالا جانا یا دوبارہ کفر میں لوٹ آنا)۔

حضرت شعیبؑ اگرچہ کبھی مذہب کفر پر نہ تھے (اس لئے ان کا کفر کی طرف واپس آجانا کوئی معنی نہیں رکھتا) انبیاء کا کبھی کافر ہونا خواہ نبوت سے پہلے ہی ہو درست نہیں لیکن حضرت شعیبؑ پر ایمان لانیوالے اکثر اشخاص چونکہ کفر چھوڑ کر ایمان لائے تھے اس لئے خطاب میں انہی کی حالت کو ترجیح دی گئی اور آئندہ جواب میں بھی حضرت شعیب نے اسی کو پیش نظر رکھا بعض کے نزدیک لتعودن کا معنی ہے لَتَدْخُلُنَّ۔ عاد بمعنی صار کے آتا ہے یعنی یا ہم تم کو نکال دینگے یا تم ہمارے مذہب میں آجاؤ۔ اَوَلَوْ كُنَّا میں ہمزہ انکار کے لئے اور واؤ حال بلکہ عطف کے لئے ہے اور پورا جملہ حالیہ ہے اصل کلام اس طرح تھا کیا تم ہم کو اپنے مذہب میں لوٹا لوگے خواہ ہم پسند کریں یا ناپسند کریں۔ اول ٹکڑے کو حذف کردیا گیا اور استفہام کا تعلق دوسرے جملہ سے کردیا گیا تاکہ نفی حکم کامل طور پر ہوجائے۔

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝ ہم اللہ پر بڑی جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں گے اگر خدا نہ کرے ہم تمہارے مذہب میں آجائیں بعد

اس کے کہ اللہ نے ہم کو اس سے نجات دیدی ہے اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں آجائیں ہاں اگر اللہ ہی کی مشیت ہو جو ہمارا مالک ہے (تو دوسری بات ہے) ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اے ہمارے مالک ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے موافق فیصلہ کر دے تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

قد افترینا ہم گھڑ لینگے دروغ بندی کرینگے۔ علی اللّٰہ کذبا کہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک قرار دینگے اذ نجٰنا یہ شرط ہے جس کے جواب پر سابق جملہ (یعنی قد افترینا) دلالت کر رہا ہے۔ افترینا ماضی کا صیغہ ہے مگر مستقبل کے معنی میں ہے تحقق وقوع کی وجہ سے مستقبل کی تعبیر ماضی کے صیغے سے کر لی گئی ہے اور چونکہ ماضی قریب مراد ہے جو حال سے متصل ہے اس لئے قَدْ کا لفظ استعمال کیا یعنی جب اللہ نے کفر سے ہم کو نجات دیدی اور ظاہر فرمادیا کہ جس مذہب پر ہم پہلے تھے وہ باطل ہے اور جو مذہب ہم نے اختیار کیا ہو وہ حق ہے تو اب اگر سابق مذہب کی طرف ہم نے لوٹنے کا ارادہ کیا تو ہم دروغ باف اور اللہ پر تہمت تراشنے والے ہونگے۔ مایکون لنا یعنی ہمارے لئے کبھی ممکن نہیں ایسا ہم سے کبھی نہیں ہوسکتا یہ اظہار ہے اسلام پر قائم رہنے اور کفر سے اجتناب رکھنے کے عزم کا۔ اور چونکہ اس جملہ سے کسی قدر اپنے آپ کو پاک سمجھنے کی بو آرہی تھی اور مآل کی طرف سے لاپرواہی کا ترشح ہو رہا تھا اس لئے آگے استثناء کر دیا اور کہہ دیا الا ان یشاء اللّٰہ مگر ہمارے مقدر میں ہی اگر اللہ نے کفر کو لکھدیا ہو اور ہمارے مرتد ہو جانے کی اسی کی مشیت ہو اور وہی ہماری مدد نہ کرے تو بات دوسری ہے۔ یہ استثناء بتا رہا ہے کہ کفر بھی اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے (پس معتزلہ کا قول غلط ہے جو امر اور مشیت میں فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ کفر اور گناہ اللہ کی مشیت سے نہیں ہوتا کیونکہ اس نے کفر و گناہ کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے) بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ جملہ استثنائیہ بول کر کافروں کو ناامید بنا دینا مقصود ہے کیونکہ حضرت شعیب نے اپنی جماعت کے ارتداد کو ایسی چیز سے وابستہ کیا جو کبھی ہونے والی نہ تھی (اور شرط اگر مستحیل الوقوع ہو تو مشروط کا وقوع بھی ناممکن ہوتا ہے) وسع ربنا یعنی اللہ کا علم ہمہ گیر ہے وہی جانتا ہے کہ آخر کار کون بندہ کفر کی طرف جاتا ہے اور کون اسلام کی طرف آتا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے صحیحین میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ (ساری عمر) دوزخیوں کے کام کرتے رہیں یہاں تک کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان صرف ہاتھ بھر فاصلہ رہجاتا ہے (آخر میں) کتاب کا لکھا غالب آتا ہے اور وہ اہل جنت کے عمل کرنے لگتے ہیں اور جنت میں چلے جاتے ہیں۔ علی اللّٰہ توکلنا اللہ ہی پر ہمارا اعتماد ہے کہ وہ ہم کو ایمان پر قائم رکھیگا اور یقین میں زیادتی کی توفیق دیگا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام بنی آدم کے دل ایک دل

کی طرح رحمٰن کی چٹکی میں ہیں جس طرف کو چاہتا ہے موڑ دیتا ہے پھر آپ نے دعا کی اے اللہ! اے دلوں کو موڑنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت پر موڑ دے. رواہ مسلم۔

حضرت شعیب جب کافروں کی طرف سے مایوس ہو گئے تو بددعا کی اور کہا ربنا افتح اے ہمارے رب ہمارا فیصلہ کر دے. افتح فتاحۃ سے مشتق ہے فتاحۃ فیصلہ کر دینا حکم دیدینا فتاح وہ حاکم جو الجھے امر کا فیصلہ کرتا ہے یا افتح سے مراد ہے اپنے امر کو ظاہر کر دے کہ حق کا ظہور ہو جائے دودھ پانی سے جدا ہو جائے اس وقت لفظ افتح فتح المشکل (مشکل کو کھول دیا) سے ماخوذ ہوگا۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ۝ شعیب کی قوم کے کافروں نے (نچلے اور زبردست طبقہ سے) کہا اگر تم شعیب کے پیچھے چلو گے (اور اپنے مذہب کو چھوڑ کر اس کا دین اختیار کرو گے) تو بلاشبہ اس صورت میں گھاٹے میں ہوگے اپنی سیدھی چال کو چھوڑ کر اس کی لائی ہوئی گمراہی اختیار کر لو گے یا یہ مطلب کہ جو دنیاوی فائدے تم کو حاصل ہوتے ہیں ناپ تول میں کمی کر کے جو نفع ملجاتا ہے وہ جاتا رہے گا۔

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ۝ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو زلزلہ نے آپکڑا اور اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے جنھوں نے شعیب کو جھوٹا کہا تھا ان کی ایسی حالت ہو گئی گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے یہ تکذیب کرنے والے ہی سراسر خسارہ میں رہے۔

الرجفۃ کلبی نے کہا اس سے مراد ہے زلزلہ. فی دارھم یعنی اپنی بستی میں. جاثمین مردہ مرے رہ گئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے ان پر جہنم کا دروازہ کھول دیا اور ایسی سخت گرمی میں مبتلا کر دیا کہ دم گھٹنے لگے نہ سایہ سے فائدہ ہوتا تھا نہ پانی سے ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے تہ خانوں میں گھستے تھے اور وہاں اوپر سے زیادہ گرمی پا کر پھر باہر نکل آتے تھے اور بھاگ کر میدانوں میں چلے جاتے تھے ایک بار باہر میدان میں بھاگ کر پہونچے تو اللہ نے ایک بادل بھیجدیا جس کے اندر بڑی خوشگوار ہوا تھی ابر نے ان پر سایہ کر لیا الظلہ جس کا ذکر دوسری آیت میں آیا ہے ایسی ابر تھا. ابر کے نیچے کچھ خنکی اور ہوا محسوس ہوئی تو ایک نے دوسرے کو پکار کر سب کو ابر کے نیچے جمع کر لیا جب سب عورتیں مرد بچے بڑے جمع ہو گئے تو بادل کے اندر سے اللہ نے آگ کے شعلے پیدا کر دیئے. نیچے زمین تپ رہی تھی اور اوپر سے آگ تھی. سب بھنی ہوئی ٹڈی کی طرح جل بھن کر رہ گئے۔

یزید جریری کا قول ہے کہ (اول) سات روز تک اللہ نے ان پر ہوا کے طوفان کو مسلط رکھا پھر گرمی چھا گئی سامنے دور سے ایک پہاڑ نظر آیا ایک آدمی نے جا کر دیکھا تو وہاں نہریں اور چشمے جاری تھے سب پہاڑ کے نیچے جمع ہو گئے پھر پہاڑ ان پر گر پڑا اسی کو یوم الظلہ کہا گیا ہے (یعنی الظلہ سے مراد ہے پہاڑ کا سایہ) قتادہ کا قول ہے اللہ نے شعیب کو اصحاب الایکہ کی ہدایت کے لئے بھی بھیجا تھا اور اصحاب مدین کی طرف بھی ایکہ (بن میں رہنے) والے تو (ابر یا پہاڑ کے) سایہ (میں جمع ہو کر اس) سے ہلاک کئے گئے اور مدین والوں کو زلزلہ نے آپکڑا جبرئیل نے ایک چیخ ماری جس سے سب ہلاک ہو گئے۔

کان لم یغنوا یعنی بیخ و بن سے ان کی بربادی ہو گئی، ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہاں رہتے ہی نہ تھے وہاں کوئی آبادی ہی نہ تھی۔ غنیت بالمکان میں نے اس جگہ قیام کیا۔ مغانی مکانات قیامگاہیں اس کا واحد مغنے ہے۔ ھم الخسرین یعنی دنیا اور آخرت میں خاسر ہو گئے۔ ہاں جن لوگوں نے حضرت شعیبؑ کی تصدیق کی اور آپ کے پیچھے چلے وہ دونوں جہان میں فائدے میں رہے قوم شعیبؑ کے خاسر ہونے کی علت اور تخصیص خسران کے سبب پر متنبہ کرنے کے لئے الذین کذبوا شعیبا دو بار فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ شعیب کی تکذیب ہی خسران کی علت تھی۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۠ (جب عذاب آگیا تو حضرت شعیبؑ نے عالم تحیر میں) ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا اے میری قوم میں نے تم کو اپنے رب کے پیام پہنچا دیئے تھے اور تمہاری خیر خواہی کی تھی اب کس طرح میں کافر قوم (کے ہلاک ہو جانے) کا رنج کروں۔ کیونکہ جو عذاب ان پر آیا وہ اسی کے مستحق تھے کوئی حق نہیں رکھتا کہ اس کے ہلاک ہونے کا رنج کیا جائے (حضرت شعیبؑ نے نصحت لکم تک جو کچھ فرمایا وہ انتہائی رنج اور افسوس کے ماتحت تھا لیکن پھر سنبھل گئے اور خود اپنے خلاف فیصلہ کیا اور آخری جملہ فرمایا یا یہ آخری فقرہ اپنی شدت حزن کی معذرت کے طور پر فرمایا مطلب یہ کہ میں نے اللہ کے احکام پہنچانے اور تمہاری خیر خواہی کرنے کی حد کر دی مگر تم نے میرا کہا نہ مانا اور عذاب کو خود پسند کیا اب میں ایسے لوگوں کے مرنے کا کیا افسوس کروں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ وہاں کے رہنے والوں کو ہم نے محتاجی اور بیماری میں نہ پکڑا ہو تاکہ وہ ڈھیلے

پڑجائیں پھر ہم اس بدحالی کی جگہ خوش حالی لے آئے کہ ان کو خوب ترقی ہوئی اور اس وقت وہ کہنے لگے ہمارے باپ دادا کو بھی دکھ سکھ پیش آیا تھا اب ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور انکو خبر بھی نہ تھی

وما ارسلنا فی قریۃ من نبی اس جگہ ایک جملہ محذوف ہے یعنی کسی بستی میں ہم نے کوئی نبی نہیں بھیجا (پھر بستی والوں نے اس کی تکذیب کی) مگر اہل قریہ کی ہم نے گرفت کی۔ بالباساء والضراء بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک باساء سے مراد فقیری اور ضراء سے مراد بیماری ہے بعض کے نزدیک باساء سے جنگ اور ضراء سے قحط مراد ہے۔ لعلھم یضرعون تاکہ وہ گڑگڑائیں توبہ کریں اللہ کی طرف رجوع کریں۔ اس جگہ لفظ لعلّ کا استعمال بتارہا ہے کہ ان لوگوں کا قول غلط ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ کے کلام میں عسیٰ کاد اور لعلّ کا استعمال جس جگہ ہوا ہے اس کا وقوع ضروری ہے (اللہ کے لئے لفظ امید شاید عنقریب کا استعمال درست نہیں اللہ کی قدرت اور ارادہ اور علم ہمہ گیر ہے۔ امید یا شک یا ظن تو اس کو ہوتا ہے جو ناقص القدرۃ ضعیف الارادہ اور ناقص العلم ہو لہٰذا اللہ نے جس جملہ کو لفظ عسیٰ یا کاد یا لعل سے بیان کیا ہے اس سے مراد مفہوم جملہ کا وقوع ہوتا ہے شک یا ظن مراد نہیں ہوتا) کیونکہ اس جگہ لفظ لعل کا استعمال ایسے جملہ کے لئے ہوا ہے جو وقوع پذیر نہیں ہوا (اکثر لوگوں نے مالی اور جسمانی دکھ میں مبتلا ہو کر بھی توبہ نہیں کی)

السیئۃ مالی اور جسمانی دکھ الحسنۃ مال کی کثرت اور سرسبزی۔ یعنی ان کو ڈھیل دی گئی اور دکھ سکھ دونوں طرح سے ان کی جانچ کی گئی حتیٰ عفوا یہاں تک کہ ان کی تعداد خوب بڑھ گئی اور مال کی بھی فراوانی ہوگئی۔ عَفَتِ النباتُ سبزہ خوب ہوگیا۔ اعفاءُ اللحیۃ داڑھی خوب بڑھانا۔ قالوا قد مس یعنی انھوں نے کہا کہ یہ دکھ سکھ کا دور ہمارے باپ دادا پر بھی آتا رہا ہے زمانہ کا دستور ہی یہی ہے کبھی دکھ کبھی سکھ باری باری سے آتا رہتا ہے وہ لوگ خالق کو بھول گئے اور راحت و مصیبت کو پیدا کرنیوالے کا انھوں نے تصور بھی نہ کیا۔ وھم لا یشعرون اور ان کو عذاب آنے کا دھڑکا بھی نہ تھا (احساس بھی نہ تھا)

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور ڈرتے رہتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انھوں نے تو پیغمبروں کی تکذیب کی اس لئے ہم نے بھی ان کے کرتوت کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔

القریٰ میں الف لام عہد خارجی کا ہے یعنی انہی بستیوں والے جن کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ واتقوا اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے جس کی صورت یہ تھی کہ اس کے حکم پر چلتے اور نافرمانی کو ترک کر دیتے۔

من السماء والارض یعنی ہر طرف سے ہم خیر کے دروازے ان پر کھول دیتے اور اس خیر کو قائم رکھتے۔ بعض علماء کے نزدیک آسمان کی برکتوں سے مراد ہے بارش اور زمین کی برکتوں سے مراد ہے سبزی، پھل، غلہ، برکت کا لغوی معنی ہے زیادتی اور کسی چیز کا زوال نہ ہونا۔ ولکن کذبوا الرسل مگر انھوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ فاخذناھم تو ہم نے انکو سزا میں گرفتار کیا۔ بما کانوا یکسبون اس کفر و معصیت کی سزا میں جو وہ کرتے تھے۔

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ۝ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝ کیا پھر بھی ان بستیوں میں رہنے والے اس بات سے بے فکر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب جب کہ یہ رات میں غافل پڑے سوتے ہوں آجائے اور کیا ان (موجودہ) بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن دوپہری میں آپڑے جب کہ وہ کھیل کود میں ہوں۔

افامن اس کا عطف فاخذناھم بغتۃ پر ہے دونوں کے درمیان کی عبارت معترضہ ہے مطلب یہ ہو کہ گذشتہ انبیاء کی تکذیب کرنے والی بستیوں کی تباہی اور عذاب میں گرفتاری کے بعد بھی کیا ان کافروں کو ڈر نہیں لگتا جو محمد رسول اللہ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں کہ رات کو سوتے میں یا دن کو کھیل کود میں غافل ہونے کے اوقات میں ان پر اللہ کا عذاب ناگہانی آجائے۔ اس جگہ اہل القریٰ سے مراد ہیں مکہ اور اطرافِ مکہ کے رہنے والے۔

بیاتا یا تبییت (مصدر تفعیل) کے معنی میں ہو یا وقت بیات مراد ہو یعنی رات یا اسم فاعل کے معنی میں ہے اور باسنا سے حال ہے یا اسم مفعول کے معنی میں ہے اور ھم سے حال ہے (مطلب بہر طور قریب قریب ہی) اصل میں لفظ بیات (مصدر لازم) بیتوتت کے معنی میں ہے لیکن جس طرح لفظ سلام (لازم) بمعنی تسلیم (مصدر متعدی) کے آجاتا ہے اسی طرح لفظ بیات بمعنی تبییت (متعدی) بھی آتا ہے وھم نائمون سے مراد ہے غفلت کی حالت میں ہونا، عذاب کی طرف سے غافل ہونا۔

افامن اور اوامن میں استفہام زجری ہے ضحیٰ سے مراد دن ہے اس کا لغوی معنی ہے دھوپ چڑھنے کا وقت۔ وھم یلعبون یعنی جب کہ وہ غفلت کی حالت میں بیہودہ کاموں میں مشغول ہوں۔

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ۝ع کیا یہ لوگ اللہ کی ناگہانی پکڑ سے بے فکر ہو گئے (سو یاد رکھو کہ) اللہ کی نامعلوم پکڑ سے صرف وہی لوگ بے فکر ہوتے ہیں جن کی شامت آگئی ہو۔

مکر اللہ اللہ کی دی ہوئی ڈھیل کہ ایک وقت تک راحت و نعمت میں رکھتا ہے پھر اچانک

نا معلوم راستہ سے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے جس طرح کہ پہلی قوموں سے اس نے کیا۔ القوم الخاسرون یعنی جنہوں نے کفر و معصیت کا ارتکاب کیا اور نظر و بصیرت سے کام لے کر اپنے حال کا گذشتہ اقوام کے حال سے توازن نہیں کیا۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ أَهْلِهَا أَن لَّوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ○ اور کیا ان لوگوں کو جو اس زمین پر سابق باشندوں کی جگہ رہتے ہیں ان واقعات نے یہ بات ہنوز نہیں بتائی کہ اگر ہم چاہتے تو ان کے جرائم کی پاداش میں ان کو تباہ کر ڈالتے۔ ہم ان کے دلوں پر بند لگائے ہوئے ہیں اسی لئے وہ (حق کی آواز) نہیں سنتے۔

یرثون الارض زمین کے وارث ہوتے ہیں یعنی سکونت کے اعتبار سے (ملک مراد نہیں ہے) من بعد اھلہا یعنی پچھلے باشندوں کی ہلاکت کے بعد چونکہ اس جگہ ہدایت کا معنی ہے بیان کرنا اس لئے یَھْدِ کے بعد لام آیا ہے اَنْ لَّوْ اَنْ مخففہ ہے اور اس کے بعد والا جملہ (بتاویل مفرد ہو کر) یَھْدِ کا فاعل ہے۔ اصبناھم یعنی عذاب اور سزا میں ان کو پکڑ لیتے بذنوبھم ان کے گناہوں کے بدلے میں۔ ونطبع علی قلوبھم اس جملہ کا عطف اس مفہوم پر ہے جو اولم یھد للذین سے مستفاد ہو رہا ہے یعنی وہ غفلت کرتے ہیں اور ہم ان کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں۔ زجاج نے کہا یہ جملہ بالکل علیحدہ ہے (سابق پر عطف نہیں ہے واؤ استینافیہ ہے۔ عاطفہ نہیں ہے) فھم لا یسمعون پس وہ ڈرانے کو نہیں سنتے اور نصیحت کو نہیں قبول کرتے۔

تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِن قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ○ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ ۖ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ○ ان بستیوں کے کچھ کچھ واقعات ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں ان سب کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لیکر آئے تھے پھر جس بات کو پہلی بار انھوں نے جھوٹا کہہ دیا (پیغمبروں کے بعد بھی) اس پر ایمان لانے والے نہ ہوئے اللہ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتا ہے اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفاءِ عہد نہ دیکھا اور اکثر لوگوں کو ہم نے بے حکم ہی پایا۔

تلک القریٰ یعنی گذشتہ اقوام کی بستیاں قومِ نوح، قوم عاد، قومِ ثمود، قومِ لوط اور قومِ شعیب کی بستیاں من انبائھا۔ مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی کچھ واقعات بعض خبریں۔ البینٰت معجزات اور وہ دلائل جو ان کی رسالت کو ثابت کرتی ہیں۔ ماکانوا لیؤمنوا ان یومنوا تھا اَنْ مصدری کو حذف کر دیا گیا۔ لامِ جحود تاکیدِ نفیِ ایمان کے لئے ہے اور مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی وہ ایماندار نہ تھے۔ بماکذبوا من قبل یعنی پیغمبروں کی بعثت سے پہلے جو توحید کی تکذیب کرتے تھے اس پر برابر قائم رہے ایمان نہ لائے۔ یا یہ

مطلب کہ پیغمبر جس شریعت اور رسالت کو لیکر ان کے پاس پہونچے۔ انھوں نے اس کی تکذیب کی اور پھر اس تکذیب پر ساری عمر قائم رہے پیغمبروں کی دعوت نے ان پر کوئی اثر نہ پیدا کیا نہ پیہم معجزات سے انکی انکاری حالت بدلی

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور سدی نے آیت کے مطلب کی توضیح اس طرح کی ہے کہ بروز میثاق جو اُن سے ایمان کا عہد لیا گیا تھا اور زبانوں سے انھوں نے اقرار کیا تھا مگر دلوں میں تکذیب پوشیدہ رکھی تھی تو پیغمبروں کی بعثت کے بعد بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے نہ ایمان لائے۔ بس اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ مجاہد نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہلاک کئے جانے سے پہلے جس طرح انھوں نے تکذیب کی تھی اگر ہم ہلاکت کے بعد ان کو پھر زندہ کر دیتے تب بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے تقریباً ایسا ہی مضمون دوسری آیت میں آیا ہے فرمایا ہے ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ۔

یمان بن ذباب نے توضیح مطلب اس طرح کی ہر نبی نے اپنی قوم کو عذاب سے ڈرایا لیکن انھوں نے پیغمبر کی تصدیق نہیں کی نتیجہ میں اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا پھر ان کے بعد دوسری قومیں آئیں اور ان کو پیغمبروں نے عذاب سے ڈرایا لیکن انھوں نے بھی گذشتہ اقوام کی طرح اس چیز کی تکذیب کی جسکی تکذیب گذشتہ قومیں کرتی چلی آئی تھیں۔ اسی کی مثل دوسری آیت آئی ہے فرمایا ہے مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ۔

كَذٰلِكَ اسی طرح یعنی جس طرح گذشتہ کافروں کے دلوں پر ہم نے بند لگا دیئے تھے اسی طرح اگلی قوم کے کافروں کے متعلق ہم نے لکھ دیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ لہٰذا تمام نشانیاں اور ڈراوے دیکھنے کے بعد بھی ان کے دل نرم نہیں پڑیں گے وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ یعنی اکثر لوگوں کا یا ہلاک کردہ قوموں میں سے اکثر کا۔ اول صورت میں یہ جملہ مستقل اور اعتراضیہ ہو جائیگا۔ مِنْ عَهْدٍ (مضاف محذوف ہے) یعنی ایفاء عہد۔ عہد سے مراد ہے۔ عہد میثاق جو حضرت آدمؑ کی پشت سے تمام ذریات کو نکال کر لیا گیا تھا یا وہ عہد مراد ہے کہ مصیبت اور دشمنوں کے خوف سے گھر کر جب ان لوگوں نے کہا تھا لئن انجیتنا من ھذہ لنکونن من الشکرین اگر تو ہم کو اس سے بچا لیگا تو ہم شکر ادا کرنے والوں میں سے (یعنی مؤمنوں اور اطاعت گذاروں میں سے) ہو جائیں گے۔

وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ علماء کوفہ کا قول ہے کہ ان جگہ نافیہ ہے اور لا بمعنی الا ہے (یعنی استثنائیہ ہے)۔ علمائے بصرہ کے نزدیک یہ اِنْ مخففہ ہے اس صورت میں وَجَدْنَا کا معنی ہوگا علمنا کیونکہ اِنْ مخففہ صرف ان افعال پر داخل ہوتا ہے جو مبتدا خبر پر داخل ہوئے ہوں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝ پھران کے بعد ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیاں دیکر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا لیکن انھوں نے ہماری نشانیوں کا بالکل حق ادا نہ کیا سو دیکھ لو ان تخریب کاروں کا کیسا انجام ہوا۔ من بعدھم۔ ھم ضمیر پیغمبروں کی طرف راجع ہے یعنی نوحؑ ہودؑ صالحؑ لوطؑ شعیبؑ کی طرف راجع ہے ان کا ذکر آیت وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ الخ میں آچکا ہے۔ موسیٰؑ کے والد کا نام عمران تھا۔

بآیتنا آیات سے مراد معجزات ہیں جکا ذکر آئندہ آیات میں کیا گیا ہے فرعون شاہ مصر کا لقب فرعون تھا جیسے شاہ فارس کا لقب کسریٰ تھا اس فرعون کا نام قابوس یا ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ ملاء شرفاء قوم، سرداران امراء خلفوا بہا ظلم کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو بے محل رکھ دینا۔ آیات واضحہ کا تقاضا تھا کہ ان پر ایمان لایا جاتا لیکن فرعونیوں نے ان کو نہ مانا اور بجائے ایمان کے کفر کیا اس لئے یہ ظلم ہوگیا۔ کیف کان عاقبۃ المفسدین۔ مفسدوں کا انجام کیسا ہوا دیکھ لو سب کو دریا میں غرق کردیا گیا۔

وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَن لَّا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُم بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ قَالَ إِن كُنتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ اور موسیٰؑ نے فرعون سے کہا اے فرعون میں رب العٰلمین کا رسول (فرستادہ) ہوں (اللہ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے) میرے لئے یہی زیبا ہے کہ بجز حق کے اللہ کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل بھی لیکر آیا ہوں لہٰذا بنی اسرائیل کو چھوڑ دے اور میرے ساتھ (ارض مقدسہ کو چلے جانے کے لئے آزاد کردے۔ فرعون نے کہا اگر تو کوئی معجزہ لیکر آیا ہے تو پیش کر اگر سچا ہے (تو ثبوت سامنے لا) وقال موسیٰ یعنی جب حضرت موسیٰؑ فرعون کے پاس پہنچے تو کہا حقیق علی بعض علماء کا خیال ہے کہ علی اس جگہ عَلَیَّ تھا چونکہ خلاف مقصود کا کلام میں وہم بھی نہیں ہوسکتا تھا اسلئے یاء متکلم کو حذف کردیا گیا یا علی حرف جر ہے حقیق کے بعد اگرچہ ب آنا چاہئے تھی اور حقیق بی کہنا چاہئے تھا لیکن شدت تمکن اور پورے جماؤ کے مفہوم کو ظاہر کرنے کیلئے علیٰ کو ذکر کیا جیسے رَمَیْتُ بالقوس (میں نے کمان سے تیر پھینکا) کی جگہ رَمَیْتُ علی القوس (میں نے کمان کو مضبوط پکڑ کے تیر پھینکا) بولا جاتا ہے یا یوں کہا جائے کہ چونکہ اس جگہ حقیق کے اندر حریص کا معنی بھی ہے (میں حریص ہوں اور مجھ پر لازم ہے) اسلئے حقیق کے بعد علیٰ ذکر کردیا گیا کیونکہ حریص کے بعد علیٰ آتا ہی ہے بینۃ یعنی ایسا ثبوت جو میرے رسول ہونے کی شہادت دے رہا ہے۔ فارسل معی یعنی بنی اسرائیل کو چھوڑ دے ارض مقدسہ کو چلے جانے کی ممانعت اٹھا لے وہ ان کے اسلاف کا اصلی وطن ہے فرعون نے بنی اسرائیل کو گویا قیدی بنا رکھا تھا اینٹیں بنانے اٹھانے اور مٹی ڈھونے اور ہر طرح کے سخت محنت کرنے کے کام ان سے لیتا تھا اور یہ سب خدمتیں جبریہ تھیں گویا سب کو غلام یا قیدی سمجھتا تھا۔ قَالَ فرعون نے موسیٰؑ کو جواب دیا۔ ان کنت من الصدقین اگر تو اپنے دعوائے رسالت

میں سچا ہے۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ پس موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ دفعۃً ایک کھلا ہوا اژدہا بن گیا اور (جیب کے اندر سے) اپنا ہاتھ نکالا تو دیکھنے والوں کو وہ سفید گورا (بہت ہی خیرہ کن روشنی والا) دکھائی دینے لگا۔

ثُعْبَانٌ۔ نر اژدہا۔ یہ چھوٹے سانپ کی طرح لہراتا اور حرکت کرتا تھا اسی لئے دوسری آیت میں آیا ہے کَاَنَّهَا جَآنٌّ گویا وہ حرکت کرتا ہوا چھوٹا سانپ تھا۔ حضرت ابن عباسؓ اور سدی کی طرف اس قول کی نسبت کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی اژدہا بن گئی۔ یہ اژدہا زرد رنگ کا تھا اس کے اوپر بال تھے سر کلغی تھی اتنا منہ کھولے تھا کہ دونوں جبڑوں کے درمیان اسی ہاتھ کا فاصلہ تھا ایک میل زمین سے اونچا تھا نچلا جبڑا زمین پر اور بالائی جبڑا قصر کی دیوار کے اوپر رکھے ہوئے تھا، اور اوپر کھڑا ہو کر فرعون کی طرف بڑھتا تھا۔ روایت میں آیا ہے کہ اژدہے نے فرعون کا قبہ منہ میں بھر لیا اور فرعون کو دبا کر بھاگا اور ڈر کے مارے اس کو چار سو بار اسہال ہوئے۔ سانپ نے لوگوں پر حملہ کر دیا لوگ چیخیں مار کر بھاگے۔ پچیس آدمی آپس میں کچل کر مر گئے فرعون گھر میں گھس گیا اور چیخا۔ موسیٰ میں تجھے اسی کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تجھے بھیجا ہے کہ اس کو پکڑ لے میں تجھ پر ایمان لے آؤنگا اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھی بھیجدوں گا۔ حضرت موسیٰ نے سانپ کو پکڑ لیا تو وہ پھر سابق کی طرح لاٹھی بن گیا۔

معمر کے طریق سے قتادہ کا بیان عبد الرزاق، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ پھر فرعون نے کہا کیا تیرے پاس کوئی اور معجزہ بھی ہے حضرت موسیٰ نے فرمایا ہاں۔ وَنَزَعَ يَدَهٗ اور گریبان کے اندر ہاتھ ڈال کر باہر نکالا۔ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ تو وہ ہاتھ بالکل گورا تھا جس کی سفیدی غیر معمولی تھی اس کی شعاعیں چکاچوند پیدا کر رہی تھیں اور سورج کی کرنوں سے تیز تھیں لیکن ناگوار نہ تھیں، دیکھنے والوں کے لئے جاذب نظر تھیں۔ پھر حضرت موسیٰ نے گریبان کے اندر ہاتھ ڈال لیا تو ہاتھ جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝ قوم فرعون کے سرداروں نے (آپس میں) کہا کوئی شک نہیں کہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے جو تم کو تمہارے ملک سے نکال باہر کر دینا چاہتا ہے اب تم لوگوں کا (اس کے متعلق) کیا مشورہ ہے انھوں نے کہا اس کو اور اس کے بھائی کو ابھی مہلت دو اور شہروں میں (جادوگروں کو) جمع کرنیوالے آدمیوں کو بھیجدو تاکہ وہ تمہارے پاس بڑے سے بڑے ماہر جادوگر کو لے آئیں۔

عَلِیْمٌ سے مراد ہے ماہر جادوگر جو نظر بندی کرکے لوگوں کو لاٹھی کا سانپ، اور ہاتھ کی معمولی جلد کو چمکدار شعاع ریز بناکر دکھاتا ہو اور غیر واقعی چیز کو دیکھنے میں واقعی بنا دیتا ہے اس جگہ اس قول کا قائل سرداروں کو قرار دیا اور سورۂ الشعراء میں اس قول کی نسبت فرعون کی طرف کی گئی ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول بطریقِ مشورہ سب کا تھا فرعون کا بھی اور سرداروں کا بھی یا فرعون نے شروع میں کہا تھا اور سرداروں نے یہی بات آپس میں مشورہ میں طے کر دی اور اپنے ماتحتوں سے بھی کہہ دی۔ یرید ان یخرجکم یہ چاہتا ہے کہ اے قبطیو! تم کو یہاں سے نکال دے۔ ارضکم یعنی مصر۔ فماذا تامرون یہ کلام یا تو اسی قول کا حصہ ہے جو سرداروں نے فرعون سے اور خاص خاص امراء سے کہا تھا اس صورت میں امر بمعنی حکم حقیقۃً ہوگا (کیونکہ حقیقت میں فرعون اور اس کے خاص امراء کے ہاتھوں میں قوتِ آمرہ تھی) یا یہ آخری فقرہ انھوں نے آپس میں اور اپنے ماتحتوں سے کہا تھا تو اس وقت امر کا معنی ہوگا مشورہ دینا کیونکہ مشورہ دینے والا راستہ بتاتا ہے مشورہ طلب بات کی تعلیم دیتا ہے گویا حکم دیتا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فماذا تامرون ان لوگوں کا قول ہو جن سے سرداروں نے کہا تھا ان ھذا لساحر علیم۔ یعنی سرداروں نے کہا یہ بڑا جادوگر ہے تو انھوں نے جواب دیا پھر آپ لوگوں کا کیا مشورہ یا کیا حکم ہے (کیا تدبیر کی جائے) اس صورت میں یہ فرعون کا یا اس کے دوسرے سرداروں کا قول ہوگا یا اول فرعون کا پھر دوسرے لوگوں کا کلام ہوگا اور آخر میں بالاتفاق سب کا مشورہ ہوگیا اور سب نے فرعون سے کہا ارجِہ وَاَخَاہُ اس کو اور اس کے بھائی کو مہلت دیدو (ارجہ اصل میں ارجئہ تھا) صاحب قاموس نے لکھا ہے اَرْجَأَ الْاَمْرَ اس کام کو موخر کر دیا یعنی موسیٰؑ پر نہ ایمان لانے میں جلدی کرو نہ اس کو قتل کرنے میں عجلت سے کام لو (ابھی کچھ مدت یونہی رہنے دو) تاکہ حقیقتِ امر ظاہر ہو جائے۔ فی المدائن یعنی صعید علاقۂ مصر کی بستیوں میں کچھ سپاہیوں اور سرکاری آدمیوں کو بھیجدو۔ اس علاقہ میں بڑے بڑے جادوگر رہتے تھے حٰشرین یعنی پولیس اور دوسرے کارندوں کو جو جادوگروں کو جمع کریں۔

یاتوکَ یہ جواب امر ہے یعنی اگر آپ بھیجدینگے تو وہ بڑے سے بڑے جادوگروں کو جمع کر لائیں گے۔ انکے مقابلہ میں اگر موسیٰ غالب ہوگیا تو ہم اس پر ایمان لے آئینگے اگر جادوگروں کو غلبہ حاصل ہوگیا تو ہم سمجھ لیں گے موسیٰ جادوگر ہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ سدی اور ابن اسحٰق کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب فرعون نے موسیٰ کی لاٹھی میں اللہ کی قوت دیکھ لی تو کہنے لگا ہم موسیٰؑ کی قوم کے آدمیوں کے بغیر اس پر غالب نہیں آسکتے چنانچہ بنی اسرائیل کے کچھ لڑکوں کو غرباء نامی بستی میں جادو سیکھنے بھیجدیا جادوگروں نے ان کو خوب جادو سکھایا ادھر موسیٰ سے کچھ مدت ٹھیرے رہنے کا معاہدہ کر لیا جب وہ لوگ جادو سیکھ گئے تو ان کو استاذ سمیت طلب کیا اور پوچھا تم نے کیا کیا انھوں نے جواب دیا ہم نے جو جادو سیکھا ہے روئے زمین کے سارے جادوگر اسکا مقابلہ

نہیں کر سکتے ہاں اگر کوئی آسمان سے آئی ہوئی چیز ہو تو ہم میں مقابلہ کی طاقت نہیں اس کے بعد فرعون نے اپنی قلمرو کے تمام جادوگروں کو جمع کیا مقاتل نے ان کی تعداد ۷۲ بتائی ہے جن میں ستر اسرائیلی اور دو قبطی تھے قبطیوں میں سے ایک شمعون تھا جو سب کا سرگروہ تھا کلبی نے کہا یہ جادوگر ستر تھے اور ایک ان کا سرگروہ تھا انھوں نے ان دو آدمیوں سے جادو سیکھا تھا جو نینوا کے باشندے تھے مگر فرعون کے جیل خانہ میں بند تھے۔ کعب نے بارہ ہزار سدی نے کچھ اوپر تیس ہزار عکرمہ نے ستر ہزار اور محمد بن منکدر نے اسی ہزار تعداد بیان کی ہے۔

وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ○ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ○ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَن تُلْقِيَ وَإِمَّا أَن نَّكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ○ قَالَ أَلْقُوا ۖ اور وہ جادوگر فرعون کے پاس آئے اور کہنے لگے اگر ہم غالب آگئے تو ہمارا بہت بڑا صلہ ہوگا فرعون نے کہا ہاں (بہت بڑا انعام ملیگا) اور (مزید یہ کہ) تم مقرب لوگوں میں سے ہو جاؤ گے پھر جادوگروں نے موسیٰ سے کہا یا آپ (پہلے) ڈالئے اور یا ابتداء میں ڈالنے والے ہم ہی ہوں موسیٰ نے کہا تم ہی ڈالو۔

وَجَاءَ السَّحَرَةُ یعنی سپاہیوں اور کارندوں کے ساتھ جادوگر فرعون کے پاس آگئے۔ قَالُوا یہ جملہ استینافیہ ہے ایک محذوف سوال کا جواب ہے گویا کسی نے پوچھا، پھر جادوگروں نے کیا کہا تو جواب دیا کہ جادوگروں نے یہ بات کہی۔ اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا یہ کلام خبری ہے یعنی اگر ہم غالب آجائیں تو ہمارا حق الخدمت بہت بڑا ہو۔ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ اس جملہ کا عطف محذوف جملہ پر ہے یعنی فرعون نے کہا تمہارا حق الخدمت بہت بڑا ہوگا اور تم میرے مقربوں میں سے ہو جاؤ گے تمہارا رتبہ اونچا ہو جائیگا فرعون نے جواب میں اضافہ ان کو مقابلہ کی ترغیب دینے کے لئے کیا (ورنہ نعم کہہ دینا کافی تھا)

مقاتل کا بیان ہے کہ فرعون کی موجودگی میں حضرت موسیٰ نے ان کے بڑے جادوگر سے کہا اگر میں غالب آجاؤں گا تو کیا تو ایمان لے آئیگا جادوگر نے جواب دیا میں ایسا جادو پیش کروں گا کہ کوئی جادوگر اس پر غالب نہیں آسکتا۔ لیکن اگر آپ غالب آگئے تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ قَالُوْا جادوگروں نے کہا۔ اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ یا آپ پہلے اپنی لاٹھی پھینکیں۔ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ یا ہم ہو جائیں اپنی لاٹھیاں اور رسیاں پھینکنے والے جادوگروں کے دلوں میں تو یہ حرص تھی کہ انہی کو جادو پھینکنے کا موقع پہلے مل جائے مگر جرأت کا مظاہرہ کرنے کے لئے انھوں نے حضرت موسیٰ کو اختیار دیا۔ طرز کلام کا بدل دینا خبر کو معرف باللام لانا اور ضمیر فصل کو تاکید کے لئے درمیان میں لانا ان کی اس اندرونی خواہش کی غمازی کر رہا ہے۔ حضرت موسیٰ کے لئے انھوں نے صرف جملہ فعلیہ بولا اور اپنے لئے مذکورہ شان کے ساتھ جملہ اسمیہ استعمال کیا۔ قَالَ اَلْقُوْا حضرت موسیٰ کو اپنے اوپر کامل اعتماد تھا اور جادوگروں کو وہ اپنے سامنے حقیر سمجھتے تھے اس لئے فرمایا (میں نہیں بلکہ) تم پھینکو۔

فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ○ وَ

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ۝ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صَاغِرِينَ ۝ پس جب انھوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں زمین پر) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں کو جادو زدہ کر دیا اور ڈرایا اور (بظاہر) ایک بڑا جادو دکھلا دیا اور ہم نے موسیٰؑ کو وحی کے ذریعہ سے حکم دیا کہ تم اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈالو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے (اژدہا بن کر) ان کے سارے جھوٹے بنے بنائے کھیل کو نگلنا شروع کر دیا اور حق غالب آگیا اور جو کچھ انھوں نے بنایا تھا وہ سب بیکار ہو کر رہ گیا بس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور ذلیل ہو کر واپس چلے گئے۔ فَلَمَّا أَلْقَوْا یعنی جب جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں زمین پر پھینکیں سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ تو لوگوں کی نظر پر جادو کر دیا یعنی اصل حقیقت کو دیکھنے اور جاننے سے پھیر دیا لوگوں کے خیال میں رسیاں اور لاٹھیاں اژدہے محسوس ہونے لگے ان کو نظر آیا کہ دور دور تک پہاڑوں کی طرح اونچے سانپ ہی سانپ ہیں۔ اسْتَرْهَبُوهُمْ اور لوگوں کو انھوں نے خوف زدہ کر دیا۔ بِسِحْرٍ عَظِيمٍ یعنی فن کے لحاظ سے انھوں نے بڑا جادو پیش کیا۔ وَأَوْحَيْنَا اور جب موسیٰؑ کو اپنے دل میں کچھ خوف محسوس ہوا تو ہم نے اس کو وحی کی کہ تم بھی اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو اور کچھ خوف نہ کرو تم ہی غالب رہو گے انھوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ جادو کی شعبدہ بازی ہے۔ اور شعبدہ باز کو کہیں بھی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ موسیٰؑ نے فوراً اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی۔ فَإِذَا هِيَ تو وہ دفعۃً ایک بہت بڑا اژدہا بن گئی جس نے افق کو گھیر لیا اور ہر طرف دوڑنا شروع کر دیا ابن زید نے کہا یہ اجتماع اسکندریہ میں ہوا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اژدہے کی دُم جھیل (بحیرہ) کے پار پہنچی تھی۔ پھر اس نے اسّی ہاتھ منہ کھول دیا۔ مَا يَأْفِكُونَ اور ان کے جھوٹے بنائے ہوئے کھیل کو یہ اژدہا نگلنے لگا۔

يَأْفِكُونَ افک سے ماخوذ ہے افک کا معنی ہے کسی چیز کو الٹے بنا موڑ دینا۔ روایت میں آیا ہے کہ اژدہا سب رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا پھر اہل اجتماع کی طرف اس نے رخ کیا لوگ سرپٹ گرتے پڑتے بھاگے کہ بہت سے لوگ مر گئے پھر موسیٰؑ نے اس کو پکڑ لیا تو وہ حسب سابق لاٹھی بن گیا جادوگروں نے کہا اگر موسیٰ کی لاٹھی جادو کی لاٹھی ہوتی تو ہماری لاٹھیاں اور رسیاں تو اصلی حالت پر باقی رہتیں لاٹھیوں اور رسیوں کا معدوم ہونا بتا رہا ہے کہ موسیٰؑ کی لاٹھی اللہ کی طرف سے معجزہ ہے۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ پس حق ثابت اور ظاہر ہو گیا۔ فَغُلِبُوا یعنی فرعون اور اس کے گروہ والے ہار گئے وَانْقَلَبُوا اور شہر کو لوٹ گئے صَاغِرِينَ ذلیل و مغلوب ہو کر۔

وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ۝ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝ قَالَ فِرْعَوْنُ آمَنْتُمْ بِهِ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَمَكْرٌ

مَكْرٌ مَّكَرْتُمُوهُ فِي الْمَدِينَةِ لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ○ اور ساحر سجدہ میں بے اختیار گر پڑے، کہنے لگے ہم رب العالمین پر یعنی موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے فرعون بولا میری اجازت کے بغیر تم موسیٰ پر ایمان لے آئے حقیقت میں یہ تم سب کی سازش تھی جو تم نے شہر میں اس لئے کی تھی کہ یہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو۔ اب تم کو ذرا اپنے اس جرم کی حقیقت معلوم ہو جائیگی۔

القی السحرۃ ساجدین گرا دیئے گئے یعنی اللہ نے ان کو سجدہ میں گرا دیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہ سجدہ میں گر گئے بلکہ فعل مجہول استعمال کیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ظہور حق نے ان کو بے اختیار سجدہ میں گرا دیا اور وہ بے قابو ہو گئے بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں سجدہ میں گر پڑنے کا ارادہ پیدا کر دیا جسکی وجہ سے وہ سجدہ میں گر پڑے۔ اخفش نے کہا وہ فوراً ایسی سجدہ میں گر پڑے معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے ان کو سجدہ میں گرا دیا۔

رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ۔ رب العلمین کے بعد رب موسیٰ و ہارون کہنے سے اس خیال کو دور کرنا مقصود ہے کہ شاید رب العلمین سے ان کی مراد فرعون ہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب جادوگر ایمان لے آئے تو حضرت موسیٰ کے پیرو چھ لاکھ بنی اسرائیل ہو گئے۔ اٰمنتم بہ یعنی اللہ پر یا موسیٰ پر تم ایمان لے آئے۔ ان ھذا حقیقت میں یہ فعل ایک سازش تھی جو تم نے اور موسیٰ نے مل کر تیار کی تھی۔ فی المدینۃ یعنی تاریخ مقررہ پر یہاں آنے سے پہلے مصر کے اندر تم نے یہ سازش کی تھی۔ لتخرجوا منہا اھلہا تاکہ مصر سے اہل مصر یعنی قبطیوں کو نکال دو اور ملک مصر تمہارا اور بنی اسرائیل کا ہو جائے۔ فسوف تعلمون تم نے جو حرکت کی اس کا نتیجہ تم کو ابھی معلوم ہو جائیگا اس جملہ میں فرعون نے مبہم دھمکی دی جس کی توضیح آگے کلام میں کر دی۔

لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ○ قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ○ وَمَا تَنقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَتْنَا ۚ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ○ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دونگا پھر تم سب کو سولی پر چڑھا دونگا انھوں نے جواب دیا کچھ پروا نہیں ہم اپنے رب کے پاس ہی ضرور لوٹ کر جائیں گے اور تو نے ہم میں کونسا عیب دیکھا بجز اس کے کہ ہم نے اپنے رب کے احکام کو مان لیا جب وہ احکام ہمارے پاس آگئے۔ اے ہمارے رب ہم پر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال۔

ع

من خلاف یعنی ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پاؤں۔ لاصلبنکم یعنی دریائے مصر کے کنارے درختوں کے تنوں میں تم کو صلیب پر لٹکا دوں گا تاکہ تمہاری رسوائی اور دوسروں کو عبرت ہو۔

حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول ابن جریر ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے سولی

چڑھانے کا طریقہ فرعون نے ہی ایجاد کیا۔ قالوا یعنی جادوگروں نے فرعون سے کہا انا الی ربنا منقلبون ہم کو تیری دھمکی کی پروا نہیں مرنے کے بعد آخر ہمیں اپنے رب کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم کو تم کو سب کو رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے وہی ہمارا آپس کا فیصلہ کریگا۔ وما تنقم یعنی تجھے ہمارے اندر اور کوئی بات بری نظر نہیں آئی صرف اتنی بات ہوئی کہ ہم ایمان لے آئے اور ایمان بہترین عمل ہے اس کو عیب قرار دینا جائز نہیں۔ لہٰذا تیری خوشنودی حاصل کرنے اور تیری دھمکی سے مرعوب ہونے کی وجہ سے ہم ایمان سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ پھر اللہ کی طرف انھوں نے کلام کا رخ موڑا اور دعا کی۔ افرغ علینا صبرا ہم پر صبر بہا دے۔ صبر کا فیضان کر دے۔ تاکہ فرعون کی دھمکی ہم کو ایمان سے نہ روک سکے۔ وتوفنا مسلمین۔ اور مرنے کے وقت ہم کو ایمان پر ثابت قدم رکھ۔ کلبی کا بیان ہے کہ دھمکی کے مطابق فرعون نے مومن جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کٹوا لیے اور صلیب پر لٹکوا دیا لیکن دوسرے علماء کا قول ہے کہ فرعون ایسا نہ کرسکا۔ کیونکہ اللہ نے فرما دیا تھا لا یصلون الیکما انتما ومن اتبعکما الغالبون انکی دسترس تم دونوں تک نہ ہوگی تم دونوں اور تمہاری پیروی کرنے والے ہی غالب رہیں گے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ○

قوم فرعون کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کیا آپ موسیٰ کو اور اس کی قوم کو یونہی آزاد چھوڑے رکھیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے رہیں اور آپ سے اور آپ کے معبودوں سے بیزار رہیں فرعون نے کہا آئندہ ہم ان کے (نوزائیدہ) لڑکوں کو قتل کرا دیں گے اور ان کی (نوزائیدہ) لڑکیوں کو جیتا چھوڑ دینگے ہم ان پر پورا قابو رکھتے ہیں۔ لیفسدوا فی الارض یعنی تیرے خلاف لوگوں کو آمادہ کرتے اور بگاڑتے رہیں۔ وآلہتک یعنی تیری دیویوں کو مقصد یہ کہ نہ تیری پوجا کریں نہ تیری دیویوں کی۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ فرعون کے پاس ایک گائے تھی جس کی وہ پوجا کرتا تھا اور اسے حکم دے رکھا تھا کہ جو خوبصورت گائے ملے تو اس کی پوجا کی جائے (گویا تمام قبطی ہندوؤں کی طرح گائے کے پجاری تھے) اسی لئے سامری نے بچھڑا بنا کر بنی اسرائیل کو اس کی پوجا کرنے کا مشورہ دیا تھا حسن کا بیان ہے فرعون نے اپنے گلے میں ایک صلیب لٹکا رکھی تھی جس کی پوجا کرتا تھا۔ سدی نے کہا فرعون نے کچھ بت بنوا کر رکھوا دیئے تھے اور اپنی قوم کو ان کی پوجا کرنے کا حکم دیدیا تھا اور کہہ دیا تھا یہ تمہارے معبود ہیں مگر تمہارا اور ان سب کا رب میں ہوں اسی لئے اس نے قوم سے کہا تھا انا ربکم الاعلیٰ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قبطی ستارہ پرست یا سورج پرست تھے۔

سنقتل باب تفعیل تکثیر کے لئے ہے یعنی ہم ان کے بہت بچوں کو قتل کر دینگے۔ ونستحیی اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دینگے جیسا ہوائے کی پیدائش سے پہلے کرتے تھے۔ وانا فوقہم قاہرون ہم ان پر غالب ہیں وہ ہمارے

زبردست ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ موسیٰ کی پیدائش کے سال فرعون بچوں کو قتل کراتا تھا اب فرعون نے پھر قتلِ اطفال کا حکم دیدیا تاکہ بنی اسرائیل کو معلوم ہو جائے کہ موسیٰؑ وہ ہستی نہیں جس کے متعلق نجومیوں نے پیش گوئی کی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں فرعون کی حکومت تباہ ہوگی اگر موسیٰ وہی شخص ہوتا تو اب جب کہ موسیٰؑ موجود ہے) قبطی بنی اسرائیل پر کیوں غالب رہتے۔

فرعون نے جب قتلِ بنی اسرائیل کا دوسرا دور شروع کردیا تو بنی اسرائیل نے اپنا یہ دکھ حضرت موسیٰؑ سے بیان کیا۔

قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد کی دعا کرو اور صبر رکھو بلاشبہ ساری زمین اللہ کی ہے وہی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے (لیکن) اچھا انجام پرہیزگاروں کا ہوتا ہے۔

استعینوا یعنی اللہ سے گڑگڑا کر مدد کی دعا کرو اور اس پر بھروسہ رکھو۔ واصبروا یعنی فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے جو دکھ اور اذیت تم کو پہنچ رہی ہے اس پر صبر کرو یہ سب کچھ اللہ کے ارادے مشیت اور امتحان کے زیر اثر ہو رہا ہے۔ ان الارض للہ یعنی سارا ملک اللہ کا ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے کوئی کافر ہو یا مسلم سب کو وہی دیتا ہے اس پر اعتراض کرنا درست نہیں۔ والعاقبۃ للمتقین یعنی نیکیوں کا لازوال ثواب اور دوامی سعادت اور جنت متقیوں کے لئے ہے لہٰذا دارِ آخرت کی طلب کرو جو لازوال ہے اور دنیوی مصائب پر صبر کرو جو فنا پذیر ہیں۔

عقبٰے اور عاقبت پیچھے آنے والی چیز فعل کے بعد اس کا بدلہ آتا ہے اس لئے اس کو عقبیٰ یا عاقبت کہا جاتا ہے عرف عام میں عقبیٰ عاقبت اور عقب کے الفاظ صرف اچھے بدلے اور ثواب کے لئے مستعمل ہیں اور عقوبت معاقبت اور عقاب کا استعمال صرف عذاب سزا اور برے عوض کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اولئک لہم عقبی الدار ونعم عقبی الدار۔ وخیر عقبا (یعنی ثواب وجزاء) فحق عقاب۔ شدید العقاب۔ وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ (یعنی دکھ اور تکلیف) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الارض سے مراد ملکِ مصر ہو یعنی فرعون کے بعد ملکِ مصر کا وارث اللہ تم کو کردیگا اور آخر میں تم کو کامیابی اور فتح حاصل ہوگی۔

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ انہوں نے کہا ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے آپ کے آنے سے پہلے بھی اور آپ کے آنے کے بعد بھی موسیٰ نے کہا بہت جلد

ع ۱۶

اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کردیگا اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا مالک بنادیگا پھر تمہارا طرز عمل دیکھے گا۔

من قبل ان تاتینا یعنی آپ کے پیغمبر ہوکر آنے سے پہلے ہم کو دکھ پہنچایا گیا۔ ہمارے (نوزائیدہ) لڑکوں کو قتل کیا گیا ومن بعد ما جئتنا اور اب آپ کے آنے کے بعد بھی دوبارہ وہی اذیت ہم کو پہنچائی جارہی ہے۔ بعض علماء کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ آپ کی بعثت سے پہلے ہم سے آدھے دن بیگار لی جاتی تھی اور اب آپ کی بعثت کے بعد پورے دن بیگار لی جاتی ہے۔ کلبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی بعثت سے پہلے فرعون بنی اسرائیل سے اینٹیں پاتھنے کی خدمت لیتا تھا مگر مٹی گارا فراہم کرنے کا انتظام خود کرتا تھا اور حضرت کی بعثت کے بعد حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل خود اپنے پاس سے مٹی گارے کا بھی انتظام کریں اور اینٹیں بھی پاتھیں۔

ویستخلفکم یعنی فرعون کو ہلاک کرکے ملک میں ان کی جگہ تم کو قائم کردے فینظر کیف تعملون اور پھر دیکھے کہ تم شکر اور طاعت کرتے ہو یا ناشکری اور معصیت۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو فتحیاب بنانے اور انکی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا لیکن اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ ان کی آزمائش دونوں طرح سے کی جائیگی راحت سے بھی اور تکلیف سے بھی حصول خیر کے وقت شکر واجب ہے اور مصیبت آنے پر صبر ضروری ہے یہ وعدہ اللہ نے پورا کردیا فرعون کو غرق کردیا قبطیوں کے ملک، اور مال وجائداد کا مالک بنی اسرائیل کو کردیا لیکن انھوں نے بچھڑے کی پوجا کی۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں مصر پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہوا

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ۝ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ اور ہمنے فرعون والوں کو قحط سالیوں میں اور پھلوں کی پیداوار کی کمی میں مبتلا کردیا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں لیکن جب ان پر خوش حالی آتی تو کہتے یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہئے اور اگر کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے یاد رکھو ان کی نحوست کا سبب اللہ کے علم میں تھا مگر ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے تھے

بالسنین قحط سالی، کال۔ السنۃ سال تغلیب استعمال میں اس کا معنی ہو گیا قحط سالی خشک سالی کیونکہ قحط سالی ہی آئندہ کے لئے یادگاری سال اور زندگی وقت ہو جاتا ہے۔ پھر السنۃ سے مشتقات استعمال کئے جانے لگے مثلاً کہا جاتا ہے سنت القوم وہ لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے مَسَّتْهُمُ السَّنَۃُ ان پر کال پڑ گیا بعض اہل تفسیر نے السنین کو بصیغۂ جمع ذکر کرنے سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ آیت میں پیہم کال مراد ہے یعنی سال در سال مسلسل قحط نقص من الثمرات پھلوں کی کمی یعنی مختلف ارضی وسماوی، آفات وہلکات کے ذریعہ پھلوں کی بربادی قتادہ نے کہا قحط سالی (یعنی غلہ کی پیداوار میں کمی) تو دیہاتیوں کیلئے ہوئی اور پھلوں کی پیداوار کی

شہر لوں کے لئے تعلیم یذکرون تاکہ وہ متنبہ ہو جائیں اور سمجھ جائیں کہ یہ قحط سالیاں اور پھلوں کی بربادیاں ان کے کفر و معصیت کی نحوست کی وجہ سے آئی ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ان کے دلوں میں نرمی پیدا ہو جائے اور وہ اللہ سے توبہ کریں۔ الحسنۃ سرسبزی خوش حالی عافیت۔ قالوا یعنی فرعون والوں نے کہا۔ لنا ھذہ یہ ہماری وجہ سے ہے ہم اس کے مستحق ہیں ہم یونہی فراخ حال چلے آئے ہیں ہماری یہ معمولی حالت ہے مطلب یہ کہ انھوں نے فراخحالی کو اللہ کی دین اور نعمت نہ سمجھا نہ شکر گذار ہوئے۔ سیئۃ کوئی ناگوار مصیبت کال بدحالی۔ بموسیٰ ومن معہ یعنی جب تک یہ لوگ نہ تھے ہم پر کبھی یہ مصیبت نہیں آئی معلوم ہوا کہ موسیٰ اور اس کی قوم کی نحوست ہی کی وجہ سے ہم پر یہ بلا آئی۔

سعید بن جبیر اور محمد بن منکدر کا بیان ہے کہ فرعون کی بادشاہت چار سو برس رہی اور چھ سو چھبیس برس کی عمر میں اس کو کبھی کوئی دکھ نہیں ہوا اگر کسی دن اس کو بھوک یا بخار، یا گھڑی بھر کے لئے بھی درد کی تکلیف پہونچ جاتی تو وہ رب ہونے کا دعویٰ نہ کر سکتا مگر اس کا یہ دعویٰ اور فرعون والوں کا مندرجۂ آیت قول اس بات کی علامت تھی کہ وہ انتہائی حماقت میں مبتلا تھے اور ان کے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے تھے کہ پیہم مشاہدۂ آیات بھی ان پر کوئی اثر نہ ڈالتا تھا وہ نہ سمجھے کہ حالات کا فروغ اور خوش معاشی تو اللہ کی مہربانی اور امتحان ہے جب اللہ کی اس نعمت کا شکر انھوں نے ادا نہیں کیا اور اللہ کے رسول نے شکر و اطاعت کی ان کو دعوت دی اور معجزات بھی پیش کئے مگر انھوں نے اس دعوت کو بھی ٹھکرا دیا اور برابر عصیان کوشیوں میں غرق رہے تو اللہ نے بطور سزا ان کے اعمال کی نحوست کی وجہ سے ان پر قحط کو مسلط کر دیا۔

انما طائرھم عند اللہ یعنی ان کی نحوست ان کے کفر اور گناہ کی وجہ سے (بصورت قحط) اللہ کی طرف سے آئی ہے کذا قال ابن عباسؓ۔ ولکن اکثرھم لا یعلمون لیکن ان میں سے اکثر لوگ اپنی انتہائی حماقت کے سبب نہیں جانتے کہ جو قحط وغیرہ ان پر مسلط کیا گیا وہ اللہ کی طرف سے عذاب ہے۔ یا طائر سے مراد ہے نصیب خیر وشر جو من عند اللہ ہے قاموس میں ہے۔ کہ طائر کا معنی ہے اچھا برا شگون نصیب، آدمی کا عمل آدمی کا رزق۔ یا سبب خیر و شر مراد ہے یعنی اللہ کا حکم۔ یا سبب نحوست مراد ہے یعنی ان کی وہ بداعمالیاں جو اللہ کے پاس لکھی ہوئی ہیں اور جو ان بدحالیوں کا سبب ہیں بعض علماء کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی بڑی بدبختی تو وہ ہے جو اللہ کے پاس ہی ہے یعنی دوزخ کا عذاب۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ الحسنۃ کو لام تعریف کے ساتھ ذکر کیا اور سیئۃ کو بصورت نکرہ۔ پھر الحسنۃ کے ساتھ اذا ذکر کیا جو فعل کے تحقق وقوع پر دلالت کرتا ہے اور سیئۃ کے ساتھ ان ذکر کیا جو شک کو ظاہر کرتا ہے اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ بھلائی کا وقوع تو بکثرت ہوتا رہتا تھا اور اللہ نے اپنی وسیع رحمت

کے سبب بالارادہ ان کو بھلائی عطا فرمائی تھی اور برائی کا وقوع نادر تھا اور بلا واسطہ ارادۂ الٰہیہ کا تعلق بھی اس سے نہ تھا، اس لئے اول کو لام تعریف اور اذا کے ساتھ اور ثانی کو بصورتِ نکرہ اور ان کے ساتھ ذکر کیا۔

وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ○ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُفَصَّلَاتٍ تف انھوں نے کہا تم جو عجیب بات بھی ہم پر جادو کرنے کیلئے پیش کرتے ہو ہم اس کی سچائی کا یقین کرنے والے نہیں پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور گھن کے کیڑے اور مینڈکیں اور خون کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے۔

قالوا یعنی فرعون اور اس کے گروہ نے حضرت موسیٰ سے کہا۔ من آیۃ یعنی معجزہ اور دعوئے رسالت کی سچائی کی نشانی۔ حضرت موسیٰ کے پیش کئے ہوئے معجزہ کو انھوں نے آیت (علامتِ صداقت) یا تو اس لئے کہا کہ حضرت موسیٰ کا یہی دعویٰ تھا یا بطور استہزاء کہا اسی لئے آئندہ فقرہ میں اس کو سحر قرار دیا لتسحرنا بہا تاکہ تم ہماری نظر بندی کردو اور ہم کو ہمارے مذہب سے پھیر دو۔ بمؤمنین ہم ہرگز تصدیق نہیں کرینگے۔ بہ ضمیر مذکر بہا ضمیر مؤنث، مہما کے اندر جو ما ہے اس کی طرف راجع ہے لفظ ما مذکر ہے۔ لہٰذا مذکر کی ضمیر راجع کی۔ اور معنوی اعتبار سے ما سے مراد آیت ہے اس لئے مؤنث کی ضمیر راجع کی۔ مفصلات واضح نشانیاں جن کے عذاب الٰہی ہونے میں کسی عقل مند کو شبہ نہیں ہو سکتا تھا یا مفصلات سے مراد ہے الگ الگ کچھ کچھ فصل سے۔ ابن ابی حاتم اور سعید بن جبیر نے کہا ہر دو معجزات کے درمیان ایک ماہ کی مدت ہوتی تھی۔ ابن المنذر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ہر نوع کا عذاب سنیچر سے سنیچر تک ایک ہفتہ رہتا تھا پھر ایک مہینہ کے لئے اٹھا لیا جاتا پھر دوسرا عذاب آتا تھا یہ بھی روایت ہے کہ جادوگروں کے مغلوب ہونے کے بعد حضرت موسیٰ ان کے اندر بیس برس تک رہے اور کچھ کچھ وقفہ کے بعد معجزہ دکھاتے رہے۔

حضرت ابن عباسؓ قتادہؒ، سعید بن جبیر اور محمد بن اسحاق کا بیان بغوی نے نقل کیا ہے کہ جب جادوگر ایمان لے آئے اور فرعون اور اس کے ساتھی سب شکست کھا کر واپس چلے گئے اور کفر و شر سے کسی طرح باز نہ آئے تو اللہ نے پے در پے قحط سالیوں میں مبتلا کر دیا اور پھلوں کی پیداوار گھٹ گئی اس طرح چار آیاتِ قدرت یعنی عصائے موسیٰ، ید بیضا، قحط سالیاں اور پیداوار کی کمی دیکھنے کے بعد بھی ان کو عبرت نہ ہوئی اور کفر پر بدستور اڑے رہے تو حضرت موسیٰؑ نے بددعا کی اے اللہ زمین پر تیرا بندہ فرعون مغرور اور سرکش ہوگیا اور حد سے آگے بڑھ چکا اور اس کی قوم نے بھی تیرے عہد کو توڑ دیا اب تو ان کو عذاب میں گرفتار کردے جو ان کے لئے سزا اور میری قوم کیلئے

نصیحت اور آنیوالے لوگوں کے لئے ایک نشان اور عبرت ہو۔ حضرت موسیٰ کی بد دعا قبول ہوئی اور اللہ نے طوفان بھیج دیا۔ طوفان آبی تھا ایسی بارش ہوئی کہ قبطیوں کے گھروں میں پانی بھر گیا نہ لیٹنے کی جگہ رہی نہ بیٹھنے کی (سب گھروں کے اندر پانی میں کھڑے ہو گئے بنی اسرائیل اور قبطیوں کے مکان باہم متصل اور مخلوط تھے مگر (بنی اسرائیل کے مکان محفوظ رہے اور قبطیوں کے گھروں کے اندر پانی رک کر کھڑا ہو گیا اور کھیتوں میں بھی پانی ٹھیر گیا کہ نہ زمین جوت سکتے تھے نہ کچھ بو سکتے تھے یہ طوفان سنیچر سے سنیچر تک سات روز رہا۔ مجاہد اور عطاء نے کہا طوفان سے مراد موت ہے ابن جریر نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے یہی قول مرفوعاً نقل کیا ہے وہب نے کہا یمنی زبان میں طوفان طاعون کو کہتے ہیں ابو قلابہ نے کہا طوفان سے مراد ہے چیچک سب سے پہلے چیچک کے عذاب میں قبطی ہی مبتلا ہوئے پھر چیچک کا مرض اس زمین پر رہ گیا (اور سب لوگ مبتلا ہونے لگے) مقاتل نے کہا ایک آبی طوفان تھا جو ان کے کھیتوں پر چڑھ گیا تھا ابو ظبیان نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ طوفان اللہ کا ایک حکم تھا جس کو طائف کہا گیا ہے فرمایا ہے فطاف علیہم طائف من ربك وهم نائمون۔

علمائے کوفہ نے صراحت کی ہے کہ رجحان اور نقصان کی طرح طوفان بھی مصدر ہے جس کی جمع نہیں آتی علماء بصرہ کے نزدیک طوفان جمع ہے اس کا واحد طوفانۃ ہے۔

آخر قبطیوں نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ اپنے رب سے بارش بند ہو جانے کی دعا کیجئے اگر ہمارے سر سے بارش کی یہ مصیبت ہٹ گئی تو ہم آپ پر ایمان لے آئینگے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ چھوڑ دینگے حضرت موسیٰ نے دعا کی اللہ نے طوفان دور کر دیا اور اس سال ایسی کھیتی پھل اور گھاس اللہ نے پیدا کی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی تمام ملک سرسبز ہو گیا قبطی یہ حالت دیکھ کر کہنے لگے یہ پانی تو ہمارے لئے نعمت ثابت ہوا تمام ملک سرسبز ہو گیا (ہرگز یہ عذاب اور موسیٰ کو نہ ماننے کا نتیجہ نہ تھا) غرض ایمان نہ لائے اور ایک ماہ چین میں رہے۔ اس کے بعد اللہ نے ان پر ٹڈی دل بھیجا۔ ٹڈیوں نے قبطیوں کی تمام کھیتیاں پھل درختوں کے پتے ترکاریاں، گھاس اور سبزی کھالی یہاں تک کہ لکڑی کے کیواڑ، مکانوں کی چھتیں کڑیاں تختے گھر کا سامان اور کیواڑوں میں لگی ہوئی لوہے کی کیلیں بھی چٹ کر گئیں اور پھر بھی ان کو سیری نہ ہوئی یہ مصیبت صرف قبطیوں پر پڑی۔ بنی اسرائیل امن سے رہے قبطی چیخ پڑے اور اللہ کا واسطہ دیکر مضبوط عہد و پیمان کر کے حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ اپنے رب سے دعا کر کے اس مصیبت کو دور کرا دیجئے اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم آپ پے ایمان لے آئیں گے۔ قبطیوں پر ٹڈی دل کا عذاب سنیچر سے سنیچر تک سات دن رہا آخر حضرت نے دعا کی اور اللہ نے عذاب دور فرما دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ہر ٹڈی کے سینہ پر لکھا ہوا تھا۔ اللہ کا بڑا لشکر یہی ٹڈی

ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے شہر کے باہر میدان میں نکل کر مشرق و مغرب کی طرف اپنی لاٹھی سے اشارہ کیا فوراً ٹڈی دل جس طرف سے آیا تھا اسی طرف واپس ہو گیا اس عذاب سے کچھ کھیتیاں غلہ اور پیداوار بچ بھی رہا تھا کیونکہ تکمیل عذاب سے پہلے حضرت موسیٰؑ کی دعاء سے عذاب ٹل گیا تھا، قبطی کہنے لگے خیر اتنا تو رہ گیا جو ہماری گذر بسر کے لئے کافی ہے ہم اپنے مذہب کو نہیں چھوڑیں گے چنانچہ انھوں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا اور بد اعمالی پر بدستور قائم رہے اور اس طرح چین سے ایک مہینہ گذر گیا۔ ایک ماہ کے بعد اللہ نے قُمّل کا عذاب مسلط کیا سعیدؒ بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ قمل سے مراد گیہوں کا گھن ہے۔ مجاہدؒ سدی قتادہؒ اور کلبیؒ نے کہا قمل چھوٹی ٹڈیاں تھیں جن کے پر نہ تھے اور ٹڈی دل بڑی پردار ٹڈیوں کا تھا۔ عکرمہ نے قمل کو ٹڈیوں کے مادین بچے کہا ہے ابو عبیدہ نے کہا قمل حمنان کو کہتے ہیں اور حمنان ایک قسم کی چچڑی ہوتی ہے۔ عطا خراسانی نے کہا قمل کا معنی ہے جوں۔

روایت میں آیا ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ قریۂ عین الشمس علاقۂ مصر میں (فلاں) ریتیلے خاکستری رنگ کے ٹیلہ کی طرف جاؤ۔ حضرت موسیٰؑ نے حکم کی تعمیل کی وہ ٹیلہ ریگ رواں کا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے اس پر لاٹھی ماری فوراً قمل اس کے اندر سے نکل کر پھیل گئیں اور قبطیوں کی جو کچھ کھیتیاں درخت اور سبزیاں رہ گئی تھیں سب کو چٹ کر گئیں کپڑوں کے اندر گھس کر بدن کو کاٹتی تھیں اور کھانا کھاتے میں کھانے میں بھر جاتی تھیں۔ سعیدؒ بن مسیب کا قول ہے کہ قمل سے مراد غلہ کا گھن ہے اگر کوئی شخص دس قفیز گیہوں چکی کو لیجاتا تھا تو تین قفیز آٹا واپس نہ لاتا تھا ایسی مصیبت قبطیوں پر کبھی نہیں آئی تھی بدن کے بال گر گئے پلکوں اور ابرو کے بال جھڑ گئے بدن کی کھال پر قمل چیچک کی طرح بھر گئی اور سونا آرام کرنا حرام کر دیا قبطی چیخ پڑے اور فریاد لے کر موسیٰؑ کے پاس گئے اور درخواست کی ہم توبہ کرتے ہیں آپ اپنے رب سے دعا کر دیجیے کہ وہ یہ مصیبت دور کر دے حضرت موسیٰؑ نے دعا کر دی اور اللہ نے ایک ہفتہ تک عذاب قمل میں مبتلا رکھنے کے بعد عذاب سے نجات دیدی یہ عذاب بھی سنیچر سے سنیچر تک رہا۔ قبطیوں نے پھر بھی عہد شکنی کی اور بدترین اعمال میں منہمک ہو گئے اور کہنے لگے موسیٰؑ کے جادوگر ہونے کا یقین ہم کو اتنا پہلے نہیں ہوا تھا جتنا اس مرتبہ ریت کو کیڑوں کی شکل میں بدل دینے سے پیدا ہو گیا ایک مہینہ تک سکھ سے رہے۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر بد دعا کی اور اللہ نے مینڈکوں کا عذاب بھیجا تمام گھر آنگن میدان، کھانے، برتن، مینڈکوں سے بھر گئے ہر کھانے اور ہر برتن میں مینڈک ہی مینڈک نظر آنے لگے آدمی ٹھوڑی تک مینڈکوں میں بیٹھتا تھا بولنے کے لئے لب کھولے اور مینڈک کود کر منہ میں پہنچا کود کود کر ہانڈیوں اور چولھوں میں جا پڑتے کھانوں کو برباد کر دیتے اور آگ کو بجھا دیتے آدمی سونے کو لیٹتا تو مینڈکیاں اس پر چڑھ جاتیں اور مینڈکوں کا ایک تودہ جم جاتا کہ وہ کروٹ بھی نہ لے سکتا کھانا کھانے کے

لئے منہ کھولتا تو لقمہ سے پہلے مینڈک منہ میں کود کر گھس جاتی آٹا گوندھا جاتا تو بکثرت مینڈکیاں اس میں کچل جاتیں غرض ایک عظیم دکھ تھا جو کسی طرح دور نہ ہوتا تھا عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ مینڈک پہلے خشکی کا جانور تھا لیکن جب فرعون کی قوم پر اللہ نے ان کو مسلط کیا اور انھوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل اس حد تک کی کہ ابلتی ہانڈیوں اور بھڑکتے تنوروں میں گرنے سے بھی تامل نہ کیا تو اللہ نے اس حسن اطاعت کے عوض انکو پانی کا جانور بنا دیا (اور وہ آرام سے پانی میں رہنے لگے)

قبطیوں نے مینڈکوں کے عذاب کا دکھڑا حضرت موسیٰؑ سے رویا اور کہنے لگے ہم اس مرتبہ (پکی) توبہ کرتے ہیں دوبارہ ایسی حرکتیں نہیں کریں گے حضرت موسیٰؑ نے پختہ عہد و پیمان لیکر بارگاہ الٰہی میں دعا کی اور سات روز کے بعد اللہ نے اس عذاب کو بھی دور کر دیا یہ عذاب بھی سنیچر سے سنیچر تک رہا مصیبت دور ہونے کے بعد وہ لوگ ایک مہینہ تک چین سے رہے لیکن پھر عہد توڑ دیا اور کفر کی طرف لوٹ گئے آخر حضرت موسیٰؑ کی بد دعا سے اللہ نے خون کا عذاب مسلط کر دیا۔ ان کے لئے دریائے نیل خون ہو گیا کنویں اور نہریں خون بن گئیں کنوؤں اور نہروں سے جو پانی لیتے تھے وہ خالص تازہ خون ہوتا تھا۔ فرعون سے شکایت کی تو اس نے کہا موسیٰ نے تم پر جادو کر دیا ہے (یعنی تمہاری نظر بندی کر دی ہے) لوگوں نے کہا جادو کہاں کر دیا ہم تو اپنی آنکھوں سے بجائے پانی کے خون ہی خون دیکھتے ہیں (یہ نظر بندی نہیں) یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ اسرائیلی اور قبطی ایک برتن میں پانی (آمنے سامنے ہو کر) پیتے تھے قبطی کی طرف کا پانی خون ہو جاتا تھا اور اسرائیلی کی طرف کا پانی پانی ہی رہتا تھا ایک کنویں پر (ایک ساتھ) کھڑے ہو کر اسرائیلی اور قبطی پانی کھینچتے تھے اسرائیلی کا نکالا ہوا پانی پانی ہوتا تھا اور قبطی کا نکالا ہوا پانی خون۔ پیاس سے بیتاب ہو کر قبطی عورت اسرائیلی عورت کے پاس آتی تھی اور پینے کے لئے پانی مانگتی اسرائیلی عورت قبطی عورت کے برتن میں پانی انڈیل دیتی تھی مگر اس کے برتن میں پہنچکر پانی خون ہو جاتا تھا قبطی عورت اسرائیلی عورت سے کہتی تھی پانی اپنے منہ میں لیکر میرے منہ میں کلی ڈال دے، اسرائیلی عورت ایسا کر دیتی تھی مگر قبطی عورت کے منہ میں پہنچکر کلی کا پانی خون ہو جاتا تھا فرعون بھی پیاس سے اتنا بے تاب ہوا کہ درختوں کی تر ٹہنیاں چبانے لگا لیکن چباتے ہی ٹہنیوں کا عرق بالکل نمکین پانی ہو جاتا تھا خون پینے کی یہ کیفیت ان کی سات روز رہی۔ زید بن اسلم کے نزدیک خون سے مراد ہے نکسیر پھوٹنا اللہ کی طرف سے نکسیر کا مرض قبطیوں پر مسلط ہو گیا تھا آخر کار مجبور ہو کر پھر حضرت موسیٰؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذاب دور ہونے کی دعا کی درخواست کی اور کہا آپ اپنے رب سے دعا کریں یہ مصیبت دور ہو جائیگی تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو چھوڑ دینگے حضرت موسیٰؑ کی دعا سے یہ عذاب بھی اللہ نے دور کر دیا لیکن

فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ۝ پھر بھی (موسیٰ پر ایمان لانے سے) انھوں نے غرور کیا اور وہ تھے ہی مجرم لوگ۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يٰمُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو کہتے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو جس کا اس نے آپ سے وعدہ کر رکھا ہے اگر آپ ہم سے اس عذاب کو اٹھا دینگے تو ہم ضرور ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ جانے دینگے پھر جب ہم ان سے اس عذاب کو ایک وقت خاص تک کہ اس تک ان کو پہنچنا تھا ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی وعدہ کے خلاف کرنے لگتے۔

ولما وقع علیہم الرجز اور جب ان پر عذاب مذکور یعنی طوفان وغیرہ نازل ہو گیا۔ سعید بن جبیر کے نزدیک رجز سے مراد طاعون ہے پانچ آیات کے ظہور کے بعد یہ چھٹی آیت عذاب تھی جس سے ایک دن میں ستر ہزار آدمی مر گئے اور باہم دفن کرتے کرتے ان کو شام ہو گئی بخاری و مسلم نے صحیحین میں اور ترمذی و بغوی نے حضرت اسامہؓ بن زید کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا طاعون ایک عذاب ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل پر اور تم سے پہلی قوموں پر بھیجا تھا اس لئے اگر کسی جگہ طاعون ہو تو خود وہاں نہ جاؤ اگر وہاں پیدا ہو جائے جہاں تم ہو تو وہاں سے مت بھاگو۔ امام احمد اور بخاری نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا طاعون ایک عذاب ہے جس پر چاہتا ہے اللہ بھیجدیتا ہے مگر مؤمنوں کے لئے اللہ نے اس کو رحمت بنا دیا ہے۔ اگر کسی بستی میں طاعون پڑا ہو اور کوئی (مسلمان) وہاں بامید ثواب صبر کے ساتھ رکا رہے اور یہ یقین رکھتا ہو کہ اللہ نے جو کچھ لکھدیا ہے وہی اسکو پہنچے گا (اور طاعون میں مبتلا ہو کر مر جائے) تو اس کو شہید کی طرح ثواب ملیگا۔

میں کہتا ہوں یہ دونوں حدیثیں بتا رہی ہیں کہ طاعون بنی اسرائیل پر بھیجا گیا تھا قبطیوں پر بصورت عذاب آنا ان حدیثوں سے نہیں معلوم ہوتا۔ شاید فرعون کے بعد بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب آیا ہو اگر سعید بن جبیر کا قول صحیح مان لیا جائے تو عصا اور ید بیضاء کے بعد تیسرا معجزہ کال اور پھلوں کی بربادی قرار پائیگا، کال دیہات والوں کے لئے اور پھلوں کی تباہی شہریوں کے لئے اس کے بعد طوفان سے رجز تک چھ معجزات ہونگے آیت ولقد اٰتینا موسٰی تسع اٰیات میں یہی نو نشانیاں مراد ہیں۔

قالوا یعنی فرعون اور اس کے ساتھیوں نے کہا۔ بما عھد عندک یعنی اس وعدہ کے مطابق جو اللہ نے آپ سے کیا ہے کہ اگر ہم ایمان لے آئیں گے تو اللہ عذاب دور کر دیگا۔ عطاء کے نزدیک بما عھد عندک سے مراد ہے نبوت۔ بعض کے نزدیک ما عھد عندک سے مراد ہے موسیٰ کی دعا کے قبول ہونے کا وعدہ۔ بہر حال

بِمَا کا تعلق اُدْعُ سے ہے یا ادع کی ضمیر سے حال ہے یعنی اپنی نبوت یا قبول دعا کے وعدہ کا سہارا لے کر دعا کرو یا فعل محذوف سے تعلق ہے یعنی ہماری درخواست بحق نبوت قبول کیجئے یا بِمَا عہد میں بِ قسمیہ ہے جس کا جواب لئن کشفت ہے یعنی ہم اس عہد کی قسم کھاتے ہیں جو اللہ نے آپ سے کیا ہے کہ اگر آپ عذاب دور کروا دینگے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ ولنرسلن اور ہم ملک شام کو آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دینگے۔ فلما کشفنا یعنی جب موسیٰ کی دعا سے ہم نے دور کر دیا۔ الی اجل یعنی اس وقت تک کے لیے جس میں ان پر عذاب کا آنا یا ہلاک ہونا مقدر تھا یعنی غرق ہونے یا مرنے کے وقت تک کے لئے۔ بعض کے نزدیک الی اجلٍ سے وہ وقت مراد ہے جو انھوں نے اپنے ایمان کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ اذاھم ینکثون یہ لَمَّا کا جواب ہے یعنی جب ہم نے عذاب دور کر دیا تو وہ فوراً بلا توقف عہد سے پھر گئے اور کفر پر جمے رہے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ○ پھر ہم نے ان سے بدلہ لے لیا یعنی دریا میں ان کو غرق کر دیا کیونکہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی بے توجہی کرتے تھے۔

فانتقمنا یعنی ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا نقمۃ عذاب فی الیم انتہا سمندر میں ہم نے ان کو ڈبو دیا یم سے مراد ہے بحر شور کا گنڈ اور وسطی گہرا حصہ یہ کا لفظ تیمم سے ماخوذ ہے تیمم کا معنی ہے قصد کرنا۔ سمندر سے فائدہ اٹھانے والے سمندر کا سفر بالارادہ کرتے ہیں۔ بِاَنَّھُم میں با سببیہ ہے اور عنہا کی ضمیر آیات کی طرف راجع ہے وہ ہماری آیات سے غافل تھے یعنی آیات پر انھوں نے کبھی غور نہیں کیا تو گویا غافلوں کی طرح تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عنہا کی ضمیر نقمۃ کی طرف راجع ہے جس پر فانتقمنا کا لفظ دلالت کر رہا ہے۔

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَاءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ○ اور ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے اس سرزمین کا پورب سے لیکر پچھم تک وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور آپ کے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا۔

القوم یعنی بنی اسرائیل۔ الذین کانوا یستضعفون جن کو غلام بنایا جاتا تھا ان کی عورتوں سے خدمت لیجاتی تھی اور لڑکوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ الارض یعنی مصر و شام کی سرزمین۔ التی بارکنا فیہا جس کے اندر ہم نے برکت پیدا کی تھی یعنی دریا تھے درخت اور پھل تھے سرسبزی اور راحت زندگی بھی ارزانی تھی

فرعون کے بعد مصر میں اور عمالقہ کے بعد شام میں بنی اسرائیل کو اقتدار حاصل ہوا اور ان ملکوں کا سارا علاقہ ان کے قبضہ میں آگیا۔

الحسنٰی یہ کلمہ کی صفت ہے اس کا مذکر احسنُ ہے تمت یعنی اللہ کی بات پوری ہوگئی محاورہ میں کہا جاتا ہے تمَّ الامرُ فلاں کام پورا ہوگیا کامیابی سے ہم کنار ہوگیا یہاں کلمہ حسنٰی سے مراد ہے بنی اسرائیل کو فتحیاب اور کامران کرنے کا وعدہ جس کا ذکر سورۂ القصص کی آیت وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ ..... مَا کَانُوْا یَحْذَرُوْنَ میں اور آیت عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّهْلِکَ عَدُوَّکُمْ وَیَسْتَخْلِفَکُمْ فِی الْاَرْضِ میں کیا گیا ہے۔ بِمَا صَبَرُوْا یعنی چونکہ بنی اسرائیل اپنے دین پر جمے رہے اور فرعون و قوم فرعون کے شدائد و مصائب پر صبر کیا اس لئے اللہ کی طرف سے نصرت و کامیابی کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ ما کانوا یصنعون یعنی محلات اور اونچی اونچی عمارتیں ما کانوا یعرشون حسن نے کہا وہ بیلیں جن کو باغوں میں وہ ٹٹیوں پر چڑھاتے تھے جیسے انگور کی بیلیں مجاہد نے کہا اونچی عمارتیں مراد ہیں جیسے ہامان کی بنائی ہوئی عمارت اور دوسرے قصور و محلات۔

فرعون اور اس کی قوم کا قصہ اس آیت پر ختم ہوگیا اس سے آگے بنی اسرائیل کی بدترین حرکات اور اعمالِ شنیعہ کا بیان ہے جب کہ اللہ نے ان کو اپنی آیات قدرت دکھا دیں اور عظیم الشان نعمتیں عطا فرما دی تھیں پھر بھی انھوں نے نافرمانی کی اس سے غرض یہ ہے کہ قوم کی طرف سے لائے ہوئے شدائد پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسکین خاطر حاصل ہو جائے اور مسلمان ہر وقت بیدار رہیں اپنے اعمال کا جائزہ لینے اور نفس کی نگرانی رکھنے سے غفلت نہ کریں۔ بما صبروا کا لفظ صبر کی ترغیب دے رہا ہے اور یہ بات بتا رہا ہے کہ جو شخص شدائد کا مقابلہ صبر سے کرتا ہے اللہ مصائب کو دور کر دیتا ہے اور اس کے دشمن کو تباہ کر دیتا ہے اور جو گھبرا کر بے صبر ہو جاتا ہے اللہ اس کی مدد سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے اور اس کو اسی کے حوالے کر دیتا ہے۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار کر دیا پھر ان کا گذر ایسے لوگوں کی طرف سے ہوا جو اپنے بتوں کی عبادت پر جمے ہوئے تھے۔ کلبی کا بیان ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو عاشورہ کے دن دریا کے پار لیکر پہنچے تھے۔ اور آپ نے عاشوراء کا روزہ اس کے شکریہ میں رکھا تھا۔

یعکفون قائم تھے جمے ہوئے تھے۔ اصنام لہم۔ ابن جریج نے کہا یہ گائے کی مورتیاں تھیں۔ گوسالہ پرستی کی اول بنیاد اسی سے پڑی۔ ابن جریر اور ابن المنذر نے ابن جبیر کا قول بھی یہی نقل کیا ہے اس روایت میں نحاس کا لفظ آیا ہے یعنی وہ مورتیاں تانبے پیتل کی تھیں۔ جس قوم کو بنی اسرائیل نے بت پرستی میں مشغول دیکھا تھا بعض علماء کے نزدیک وہ عمالقہ تھے اور ابن ابی حاتم نیز ابو الشیخ نے ابن عمران جونی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ

لخم وجذام کے قبائل تھے بغوی نے قتادہ کا قول لکھا ہے کہ وہ لخم کا قبیلہ تھا۔

قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ کہنے لگے موسیٰ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی معبود مقرر کر دو جیسے ان کے معبود ہیں موسیٰ نے جواب دیا یقیناً تم لوگ جاہل ہو یہ لوگ جس (مذہب) میں ہیں وہ تباہ ہونے والا ہے اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ بے حقیقت اور بیکار ہے۔

یعنی اللہ کا قرب اس سے نہیں ملیگا۔ الٰہا یعنی مورتی جس کی ہم پوجا کریں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کی یہ درخواست اس بناء پر نہ تھی کہ ان کو اللہ کی وحدانیت میں کوئی شک تھا بلکہ وہ اپنی عقل کی کمزوری اور انتہائی جہالت سے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اس عمل سے دینداری میں کوئی خرابی نہیں آئیگی اور ہم مقرر کردہ مورتی کی تعظیم کر کے اللہ کے مقرب ہو جائینگے۔ اتنی آیاتِ قدرت دیکھنے کے بعد جب بنی اسرائیل نے ایسی جاہلانہ درخواست کی تو حضرت موسیٰؑ نے بطور تعجب قال کہا کہ حقیقت میں تم جاہل ہو۔ مُتَبَّرٌ تباہ و برباد یعنی اللہ ان کے دین کو تباہ کر دیگا اور ان کی مورتیوں کو ڈھا دیگا اور ریزہ ریزہ کر دیگا۔

ما کانوا یعملون یعنی یہ جو مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں بے حقیقت اور باطل ہے مُتَبَّرٌ اور بَاطِلٌ دونوں خبروں کو مبتدا سے پہلے ذکر کرنا یہ بتانے کے لئے ہے کہ ان کی بربادی ضرور ہوگی اور ان کی گذشتہ عبادت گذاریاں نابود اور ناقابل اعتبار ہونگی درحقیقت یہ بات بنی اسرائیل کو ان کی درخواست سے باز داشت کرنے اور روکنے کے لئے حضرت موسیٰؑ نے فرمائی۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ○ موسیٰؑ نے (بطور زجر و تعجب) کہا کیا میں تمہارے لئے کوئی دوسرا معبود طلب کروں حالانکہ اللہ ہی نے تمکو (اس زمانہ کے سب لوگوں پر برتری عطا فرمائی ہے یعنی تم کو ایسی نعمتوں سے نوازا ہے کہ اس زمانہ میں کسی کو ایسا نہیں نوازا حضرت موسیٰؑ کے اس قول میں تنبیہ ہے کہ تم نے اللہ کی ان نعمتوں کا جو اس نے صرف تم کو عطا فرمائیں اور بغیر استحقاق کے محض اپنے کرم سے عطا فرمائیں برا بدلہ دیا کہ اللہ کی ذلیل مخلوق کو استحقاقِ معبودیت میں اللہ سے جا ملایا حالانکہ اس کی کوئی مثل نہیں۔ حضرت واقد لیثی کا بیان ہے کہ ایک بار حنین کی جانب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب جا رہے تھے راستہ میں ہمارا گذر سدرہ کی طرف سے ہوا جاہلیت کے زمانہ میں کفار اپنے اسلحہ سدرہ (درخت بیر) سے لٹکا کر گرد اگرد طواف کرتے تھے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے کافروں کے لئے انواط والی (بیری) معبود ہے ہمارے لئے بھی آپ کوئی ذات انواط درخت بیر جس پر اسلحہ لٹکائے جاتے ہوں) مقرر فرما دیجئے حضور صلعم نے فرمایا اللہ اکبر یہ قول تو ایسا ہی ہے جیسا بنی اسرائیل

نے موسیٰ سے کہا تھا اجعل لنا الٰہا کما لہم الٰہۃ تم لوگ یقیناً پہلوں کے راستہ پر چلوگے۔ رواہ البغوی

وَاِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ۠ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمکو فرعون والوں کے ظلم سے بچالیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو بکثرت مار ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو (اپنی بیگار اور خدمت کے لئے) زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔

واذ اور اس احسان کو یاد کرو جو اللہ نے تمہارے ساتھ کیا تھا (یعنی اس وقت کے واقعات کو یاد کرو)

یقتلون باب تفعیل سے ہے اور باب تفعیل کبھی تکثیر کے لئے آتا ہے یعنی بکثرت قتل کرتے تھے۔ یقتلون کا پورا جملہ یسومونکم سوء العذاب کا بیان ہے۔ وفی ذلکم اور اس میں یعنی دکھ اور اذیت میں یا تمہاری نجات میں۔ بلاء آزمائش تھی، اول صورت میں بصورت دکھ آزمائش تھی۔ اور دوسری صورت میں بصورت نعمت۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس شب کا وعدہ کرلیا اور (مزید) دس راتوں کو تیس کا تتمہ کردیا اس طرح اللہ کا مقرر کردہ وقت چالیس شب ہوگیا۔

ابن ابی حاتم نے ابو العالیہ کا قول لکھا ہے کہ ایک چلہ ہوگیا یعنی ذیقعدہ کا ایک مہینہ اور ذی الحجہ کے دس دن۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ اللہ نے موسیٰ سے ایک ماہ پورا ہونے کے بعد کلام کرنے کا وعدہ کیا تھا بغوی نے لکھا ہے جب بنی اسرائیل مصر میں تھے تو حضرت موسیٰؑ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ جب اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کردیگا تو تم کو ایک کتاب عطا فرمائیگا جس میں تمام اوامر و نواہی کا بیان ہوگا پھر جب اللہ نے دشمن کو ہلاک کردیا تو حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے کتاب نازل فرمانے کی درخواست کی اللہ نے تیس روزے رکھنے کا حکم دیا جب تیس دن ہوگئے تو حضرت موسیٰؑ کو منہ میں کچھ بدبو محسوس ہوئی تو آپ نے کسی نرم لکڑی سے مسواک کرلی ابو العالیہ نے کہا کسی درخت کی چھال کو چبایا تھا فرشتوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا پہلے ہم کو آپ کے منہ سے مشک کی خوشبو آتی تھی آپ نے مسواک کر کے اس کو خراب کردیا اس پر اللہ نے ذی الحجہ کے دس دن کے روزے رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کیا تم کو نہیں معلوم کہ روزہ دار کے منہ کی بو میرے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ بنی اسرائیل کا فتنہ اسی عشرہ میں اٹھا تھا دیلمی نے اسی کی ہم معنی روایت حضرت ابن عباسؓ کی طرف بھی منسوب کی ہے فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖ یعنی کلام کرنے اور کتاب عطا کرنیکے وعدہ کا وقت

وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ

الْمُفْسِدِينَ ۝ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ۙ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ

اور موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہدیا تھا کہ میرے بعد میری جگہ ان لوگوں کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بدعمل لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب مجھے اپنا دیدار کرادے کہ میں ایک نظر تجھے دیکھ لوں اللہ نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو سو اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی دیکھ سکو گے۔

وَقَالَ مُوسیٰ یعنی مناجات کے لئے پہاڑ کی طرف جاتے وقت موسیٰؑ نے کہا اخلفنی یعنی میرا قائم مقام ہو جا۔ واصلح اور جن امور کی اصلاح کی ضرورت پڑے ان کی درستی کرنا۔ یا مصلح بنجا۔ یا بنی اسرائیل کی صلاح کرتا رہنا اور ان کو اللہ کی اطاعت کی ترغیب دیتا رہنا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اصلح فرمانے سے حضرت موسیٰؑ کی مراد یہ تھی کہ بنی اسرائیل سے نرمی کرنا اور ان سے حسن سلوک رکھنا۔ ولا تتبع یعنی نافرمانوں کی راہ پر نہ چلنا اور جو لوگ معصیت کی راہ پر لیجانا چاہیں ان کی بات نہ ماننا۔ ولما جاء یعنی جب موسیٰؑ طور سینا پر آئے۔ لمیقاتنا اس میں لام تخصیص کا ہے یعنی ہمارے مقرر کردہ وقت پر۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام طہارت کر کے پاک کپڑے پہن کر اللہ کے وعدہ کے مطابق تیار ہو گئے۔ وکلمہ ربہ اس واقعہ کی تفصیل میں آیا ہے کہ اللہ نے سات فرسخ تک تاریکی ہی تاریکی کر دی اس حصہ سے شیاطین کو باہر نکال دیا۔ زمین کے کیڑوں کو بھی ہٹا دیا اور دونوں فرشتوں کو بھی الگ کر دیا اور آسمان تک فضا کو صاف کر دیا اس وقت حضرت موسیٰ نے فرشتوں کو خلا میں کھڑا دیکھا اور عرش کھلا ہوا سامنے نظر آیا اس وقت اللہ نے موسیٰؑ سے کلام کیا جس کو موسیٰؑ نے تو سن لیا مگر موسیٰؑ کے ساتھ جو اس وقت جبرئیل موجود تھے ان کو کچھ سنائی نہیں دیا یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ نے قلم چلنے کی آواز بھی سنی۔

بیضاوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ ہر طرف سے کلام سن رہے تھے میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ کسی جہت سے نہیں سن رہے تھے یعنی وہ کلام کسی جہت کا محتاج نہیں تھا تمام جہات و اطراف کی قیود سے آزاد تھا جس طرف رخ کرتے تھے وہی کلام بے جہت سنتے تھے اس طرح موسیٰؑ پر کلام رب کا انکشاف ہو گیا۔ اور اس سے آگے دیدار کے مشاہدہ کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ اَرِنِیْ یعنی مجھے اپنا دیدار دکھا دے ارِ کا مفعول محذوف ہے۔ انظر الیک حسن نے کہا موسیٰ کا شوق دیدار اتنا جوش میں آیا کہ انھوں نے رویت آخرت پر قیاس کرتے ہوئے اس دنیا میں بھی دیدار ہونے کا گمان کر لیا یعنی جذبۂ شوق سے مجبور ہو کر حضرت موسیٰؑ نے انظر الیک کہا تھا۔

قال لن ترانی اللہ نے فرمایا تو ہرگز مجھے نہیں دیکھ پائیگا نہ کوئی انسان دنیا میں میری طرف نگاہ کر سکتا ہے جو شخص میری طرف دیکھے گا مرجائیگا۔ موسیٰؑ نے کہا الٰہی میں تیرا کلام سن کر تیرے دیدار کا مشتاق ہوا اگر میں تیری طرف دیکھ لوں اور مرجاؤں تو بغیر دیدار زندہ رہنے سے مجھے زیادہ پسند ہے۔ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ لن ترانی (تو مجھے نہیں دیکھ پائیگا) فرمایا لا اریٰ (میں نہیں دیکھا جا سکتا) نہیں فرمایا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا دیدار فی نفسہٖ محال نہیں ہے (اگرچہ اس عالم میں اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا)

الی الجبل مدین میں یہ سب سے بڑا پہاڑ تھا جس کو زبیر کہا جاتا تھا۔ سدی کا بیان ہے کہ جس وقت اللہ نے موسیٰؑ سے کلام کیا تھا اس وقت ابلیس نے زمین کے اندر گھس کر اور پھر موسیٰ کے دونوں قدموں کے درمیان سے زمین چیر کر اوپر کو سر نکال کر موسیٰ کے دل میں وسوسہ ڈالا تھا کہ یہ کلام کرنے والا اللہ نہیں شیطان ہے اس وقت حضرت موسٰے نے دیدار کی درخواست کی۔

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ دنیا میں اللہ کا دیدار (فی نفسہٖ) ممکن ہے انبیاء ناممکن چیز کی طلب نہیں کر سکتے، خصوصاً ایسی ناممکن چیز کی طلب جس سے معرفت خداوندی میں جہالت لازم آتی ہو۔ ہاں لن ترانی کا لفظ یہ ضرور بتا رہا ہے کہ موسیٰؑ کو اس دنیا میں دیدار ملا نہیں لیکن کبھی نہیں ملیگا اس کا کوئی ثبوت آیت میں نہیں۔ دوامی عدم وقوع ہی آیت سے ثابت نہیں۔ عدم امکان کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

ایک شبہ

کیا موسیٰ اللہ کے معاملہ میں اتنے نادان تھے کہ ان کو معلوم ہی نہ تھا کہ اللہ کا دیدار ہو سکتا ہے یا نہیں اور اس نادانی ہی کی وجہ سے وہ دیکھنے کی درخواست کر بیٹھے۔

ازالہ

لن ترانی کے نزول سے پہلے حضرت موسیٰؑ کا بعض احکام سے ناواقف ہونا لازم آتا ہے اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔ حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کی نجات کی دعا کی تھی اور ان کو معلوم نہ تھا کہ وہ ڈوبنے سے بچایا جائیگا یا نہیں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کی مغفرت کی دعا کی تھی اور آپ کو معلوم نہ تھا کہ مشرک کی مغفرت نہیں ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوطالب کی مغفرت کی درخواست کی تھی جس پر آیت ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ نازل ہوئی۔ بعض منافقوں کی بخشش کی دعا بھی حضور صلعم نے کی تھی جس پر آیت استغفر لھم اولا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم اور آیت ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہٖ نازل ہوئی یہ تمام دعائیں اس

وقت کی گئیں جب کہ یہ معلوم نہ تھا کہ کافروں کے لئے مغفرت کی دعا ناقابلِ قبول ہے۔

(معتزلہ کے نزدیک) دیدارِ الٰہی ناممکن ہے نہ دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں) دلیل یہ ہے کہ لن ترانی فرمادیا اور لَنْ کا لفظ تابید کے لئے ہے (تو کبھی مجھے نہیں دیکھے گا) ہم کہتے ہیں لن تابید کے لئے نہیں بلکہ دنیا میں رویت کی نفی کی تاکید کے لئے ہے (تو ہرگز مجھے نہیں دیکھے گا۔ ہرگز سے تاکیدِ نفی ہوتی ہے اور کبھی سے نفی رویت کا دوام) دیکھو یہودیوں کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے ولن یتمنوہ ابدا (یہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے کیونکہ) آخرت میں کافروں کو موت کی تمنا ہوگی اللہ نے خود فرمادیا ہے ونادوا یا مالک لیقض علینا ربک (وہ پکاریں گے اے مالک کاش تیرا رب ہم کو تمام ہی کردیتا، ہماری موت کا حکم ہی دیدیتا) اور فرمایا یالیتہا کانت القاضیۃ (کاش پہلی موت ہی تمام کر دینے والی ہوتی) ویقول الکافر یالیتنی کنت ترابا (اور کافر کہے گا کاش میں خاک ہوگیا ہوتا)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ موسیٰؑ نے دیدارِ الٰہی کی درخواست قوم کی زبان بندی کے لئے کی تھی کیونکہ انھوں نے ارنا اللہ جھرۃً کہا تھا۔ مگر یہ خیال قطعاً غلط ہے یہ واقعہ ہی دوسرا ہے اس گستاخانہ سوال کی پاداش میں تو ان پر عذاب آگیا تھا اور ان پر بجلی گر پڑی تھی فاخذتہم الصاعقۃ بظلمہم۔ وہ ایسی بات کہنے کا حق نہیں رکھتے تھے اسی لئے پکڑے گئے۔

جس وقت حضرت موسیٰؑ نے رب سے اور اللہ نے توریت عطا فرمائی اور موسیٰؑ نے دیدار کی درخواست کی اس وقت تو وہاں کوئی بھی نہ تھا اور چونکہ موسیٰ غیر مستحق نہ تھے (اور درخواست گستاخانہ نہ تھی) اس لئے اللہ کی طرف سے اس درخواست پر کوئی عتاب بھی نہیں ہوا، صرف رویت سے انکار کردیا گیا کیونکہ موسیٰ میں رویت کو برداشت کرنے کی طاقت نہ تھی اور استقرارِ جبل سے رویت کو مشروط کردیا گیا۔

اگر رویت واقع میں محال ہوتی تو جب قوم نے دیدارِ رب کی خواہش کی تھی موسیٰؑ پر لازم تھا کہ ان کو جاہل قرار دیتے اور سرزنش کرتے جس طرح کہ قوم والوں نے جب اجعل لنا الٰہا کہا تھا تو حضرت موسیٰؑ نے انکو توبیخ کی اور جاہل قرار دیا تھا حضرت موسیٰ نے تو حضرت ہارونؑ کو بھی مفسدوں کے راستہ پر چلنے کی ممانعت کردی تھی پھر خود کس طرح مفسدوں کے راستہ پر چل کر ان کی زبان بندی کے لئے خود دیدار کی درخواست کرنے لگتے۔ فان استقر مکانہ فسوف ترانی میں یہ بتانا مقصود ہے کہ پہاڑ بھی برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تم کو رویت کی برداشت کیسے ہوگی۔ استقرارِ جبل سے رویت کو مشروط کرنا بتارہا ہے کہ رویت فی نفسہ محال نہیں کیونکہ استقرارِ جبل بجائے خود محال نہیں اور شرط کا امکان مشروط کے امکان کو ثابت کرتا ہے (استقرارِ جبل ممکن ہے لہٰذا وہ رویت جو استقرارِ جبل کی شرط سے مشروط ہے وہ بھی ممکن ہے)

وہب بن منبہ اور ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب موسیٰ نے دیدار کا سوال کیا تو کہر اور تاریکی چار چار فرسخ

تک پہاڑ پر چھا گئی بجلیاں تڑپنے لگیں بادل گرجنے اور کڑکنے لگے اور اللہ نے آسمانوں کے فرشتوں کو حکم دیدیا کہ موسیٰ کے سامنے آجائیں حسب الحکم اس نچلے آسمان کے ملائکہ بیلوں کی شکل میں بادل کی طرح گرجدار آواز میں اللہ کی تسبیح و تقدیس کرتے سامنے سے گذرے پھر دوسرے آسمان کے ملائکہ بشکل شیر سامنے آئے ان کے منہ سے بھی اللہ کی تسبیح و تقدیس کی چیخیں نکل رہی تھیں ضعیف بندہ (موسیٰ) بن عمران اس منظر کو دیکھ کر اور ان آوازوں کو سن کر خوف زدہ ہوگیا لرز گیا بدن کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا اب مجھے اپنی درخواست پر پشیمانی ہو کاش کوئی چیز مجھے اس مقام سے الگ کر دیتی (کہ میں یہ منظر نہ دیکھتا) اس پر ملائکہ کے سرگروہ نے جو سب کا بزرگ تھا کہا موسیٰ ابھی اپنے سوال پر قائم رہو ابھی تو بہت میں سے تھوڑا تم نے دیکھا ہے پھر تیسرے آسمان کے فرشتے اتر کر موسیٰ کے سامنے آئے ان کی شکلیں بھی شیروں جیسی تھیں گرجیلی آوازوں سے متواتر تسبیح و تقدیس کا شور کر رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی لشکر کا مخلوط شور ہے۔ آگ کے شعلے کی طرح ان کا رنگ تھا موسیٰ خوف زدہ ہوگئے اور زندگی کی آس نہ رہی سرگروہ ملائکہ نے کہا ابن عمران ابھی اپنی جگہ ٹھیرو تمہارے سامنے تو ایسا منظر آئیگا کہ برداشت نہ کر سکو گے پھر چوتھے آسمان کے ملائکہ موسیٰ (علیہ السلام) کے سامنے آئے پچھلے ملائکہ کی شکلوں سے الگ ان کی صورتیں تھیں رنگ تو شعلہ کی طرح تھا اور جسم برف کی طرح سفید تھا ان کی تسبیح و تقدیس کی اونچی آوازیں ایسی تھیں کہ سابق فرشتوں کی آوازیں ان جیسی نہ تھیں حضرت موسیٰ کا جوڑ جوڑ چٹکنے اور دل دھڑکنے لگا اور شدت کے ساتھ گریہ طاری ہوگیا سید الملائکہ نے کہا ابن عمران ابھی اپنے سوال پر ٹھیرو کم دیکھا ہے زیادہ دیکھنا ہے پھر پانچویں آسمان کے ملائکہ اتر کر موسیٰ کے سامنے آئے جن کے سات رنگ تھے موسیٰ کو دیکھتے رہنے کی تاب نہ رہی ایسی شکلیں تو انھوں نے پہلے نہیں دیکھی تھیں نہ ایسی آوازیں سنی تھیں۔ دل بھر آیا غم نے گھیر لیا اور خوب رونے لگے۔ سرگروہ ملائکہ نے کہا ابن عمران ابھی اپنی جگہ (یعنی اپنے سوال پر) صبر کئے رہو ایسی چیزیں سامنے آئیں گی کہ صبر نہ کر سکو گے۔ پھر حسب الحکم چھٹے آسمان کے فرشتے اتر کر موسیٰ (علیہ السلام) کے سامنے آئے ہر فرشتے کے ہاتھ میں سورج سے زیادہ روشن درخت کھجور کی طرح لمبا آگ کا ایک ڈنڈا تھا سب کا لباس آگ کے شعلوں کی طرح تھا ہر فرشتے کے ایک سر میں چار منہ تھے گذشتہ فرشتوں کی مجموعی آواز کی طرح اونچی آواز سے تسبیح و تقدیس کر رہے تھے انتہائی بلند آواز سے کہہ رہے تھے سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوحِ رَبُّ الْعِزَّةِ اَبَدًا لَا يَمُوتُ موسیٰ ان کی تسبیح کی آواز سن کر خود بھی تسبیح پڑھنے اور رونے لگے اور عرض کرنے لگے اے میرے رب مجھے یاد رکھنا اپنے بندہ کو نظر انداز نہ کرنا معلوم نہیں اس منظر سے میرا چھٹکارا ہوگا یا نہیں اگر میں (یہاں سے) نکلتا ہوں تو جل جاؤنگا اور رکتا ہوں تو مر جاؤنگا۔

فرشتوں کے سردار نے کہا اے ابن عمران تیرا خوف تو حد سے بڑھ گیا اور تیرا دل نکلا پڑتا ہے مگر

جس چیز کا تو نے سوال کیا ہے اس کے لئے صبر کر اس کے بعد ساتویں آسمان کے ملائکہ کو عرش الٰہی اٹھانے کا حکم ہوا جونہی نورِ عرش نمودار ہوا پہاڑ کھل گیا اور تمام فرشتوں نے سبحان الملک القدوس رب العزۃ ابدا لایموت کی آوازیں بلند کیں پہاڑ میں لرزہ آیا اور جو درخت بھی وہاں تھا پھٹ گیا اور بندہ ضعیف موسیٰ منہ کے بل بیہوش ہو کر گر پڑا پھر اللہ نے اپنی رحمت سے اس کے پاس روح کو بھیجا روح موسیٰ پر سایہ فگن ہو گیا اور چھا گیا اور جس پتھر پر موسیٰ کھڑے ہوئے تھے اسی پتھر کو موسیٰ پر الٹ کر قبہ کی طرح بنا دیا تاکہ موسیٰ جل نہ جائیں کچھ دیر کے بعد روح نے ان کو کھڑا کیا موسیٰ تسبیح پڑھتے اٹھ کھڑے ہوئے اور مناجات کرنے لگے میرے مالک میں تجھ پر ایمان لایا اور تصدیق کرتا ہوں کہ جو شخص بھی تجھے دیکھیگا زندہ نہ رہیگا جو شخص تیرے فرشتوں کو بھی دیکھے گا اس کا دل (خوف سے) باہر نکلنے لگے گا تیری عظمت بہت بڑی ہے تو سب کا رب اور معبود کل اور شاہنشاہ ہے تیرے مساوی اور مقابل کوئی شے نہیں اے میرے رب میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں حمد تیرے ہی لئے ہے تیرا کوئی شریک نہیں تو بڑی بزرگی والا ہے تو بڑی عظمت رکھتا ہے تو رب العٰلمین ہے۔

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ پس جونہی رب نے پہاڑ پر جلوہ ڈالا اس کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ہوش آیا تو عرض کیا بیشک تیری ذات پاک ہے میں تیری بارگاہ میں معذرت کرتا ہوں اور سب سے پہلے یقین رکھتا ہوں (کہ میں تجھے براہ راست نہیں دیکھ سکتا)

تجلّٰی ظاہر ہوا نمودار ہوا یعنی اس کا کچھ نور چمکا۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ چھنگلی کے آدھے پورے کے برابر نور خداوندی کا ظہور ہوا حاکم کی صحیح حدیث میں یہی آیا ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ کسی چیز کا دوسرے درجہ پر ظہور (یعنی عکس اور پرتو کا ظہور) تجلی کہلاتا ہے جیسے آئینہ کے اندر کسی کی صورت کا ظہور حقیقت میں یہ جلوہ اندازی اور جلوہ بینی رویت ذات نہ تھی کیونکہ ظاہر ہے کہ موسیٰ کی استعداد و قوت پہاڑ سے زائد تھی اور موسیٰ کو دیدار ذات سے تاکید کے ساتھ روک دیا گیا تو پہاڑ میں نور ذات کو برداشت کرنے کی صلاحیت کہاں سے آسکتی ہے اللہ نے فرمایا ہے انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نور خداوندی پہاڑ پر نمودار ہوا تھا ضحاک کا قول ہے اللہ نے اپنے نور سے پردے ہٹا لئے تھے اور بیل کی ناک کے سوراخ برابر نور کو ظاہر کر دیا تھا حضرت عبداللہ بن سلام اور کعب احبار نے فرمایا عظمت خداوندی کی جلوہ پاشی صرف سوئی کے ناکے کی برابر ہوئی تھی کہ پہاڑ شق ہو گیا۔ سدی نے کہا چھنگلی کے برابر تجلی ہوئی تھی اس کی تائید حضرت انسؓ کی روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھنگلی کے آخری جوڑ پر انگوٹھا رکھتے ہوئے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا بس اتنی تجلی ہوئی تھی کہ پہاڑ

آہستہ آہستہ چلا (یعنی لرزا) اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

ابوالشیخ کی روایت میں آیا ہے کہ حضورؐ نے چھنگی سے اشارہ کیا (اور فرمایا) اس کے ہی نور سے پہاڑ کے پرخچے اڑا دیئے۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت میں آیا ہے کہ اللہ نے نور کے ستر ہزار حجابوں میں سے درہم کی برابر ہٹایا تھا کہ پہاڑ کے پرخچے اڑ گئے۔ جعلہ دکًّا یعنی ریزہ ریزہ۔ دکٌّ اور دقٌّ ہم معنی ہیں۔ قاموس میں ہے دکٌّ دقٌّ اور ہدم کا معنی ہے ہموار ریت۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا پہاڑ کو خاک کر دیا پہاڑ آہستہ آہستہ چلا یہاں تک کہ سمندر میں جا گرا اور سمندر کے اندر (برابر اب بھی) چلا جا رہا ہے۔ عطیہ نے کہا پہاڑ ریگ رواں ہو گیا۔ کلبی نے کہا دکًّا کا معنی ہے کسرًا پارہ پارہ یعنی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں بٹ گیا۔ بغوی نے لکھا ہے اس آیت کی تفسیروں میں آیا ہے کہ عظمت نور کی وجہ سے وہ پہاڑ چھ پہاڑوں میں منقسم ہو گیا تین مدینہ میں آپڑے احد ورقان، رضوی اور تین مکہ میں ثور۔ ثبیر، حراء۔ سعاف نے تخریج بیضاوی میں لکھا ہے کہ ابن مردویہ نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے موسیٰ کو سنایا اور فرمایا انی انا اللہ یہ واقعہ عرفہ کی شام کو ہوا وہ پہاڑ جس پر تجلی ہوئی موقف (حج) میں تھا تجلی پڑتے ہی اس کے سات ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا سامنے گر گیا یہ ٹکڑا تو وہی ہے جس کے قریب امام موقف میں کھڑا ہوتا ہے تین ٹکڑے مدینہ میں جا پڑے طیبہ احد رضوی اور طور سینا شام میں چلا گیا اس کو طور کہنے کی وجہ ہی یہ ہے کہ یہ اڑ کر شام میں جا پہنچا تھا۔

میں کہتا ہوں اس روایت میں انتہائی غرابت ہے اللہ نے موسیٰ سے کلام تو طور سینا علاقہ شام میں کیا تھا وہیں توریت عطا فرمائی تھی مکہ میں نہ کلام کیا نہ کتاب عطا فرمائی۔

صَعِقًا۔ حضرت ابن عباسؓ اور حسن نے ترجمہ کیا بیہوش۔ اور قتادہ نے کہا مردہ۔ کلبی نے کہا عرفہ کے دن پنجشنبہ کو موسیٰ بیہوش ہوئے تھے اور جمعہ کو قربانی کے دن اللہ نے توریت عطا فرمائی۔ واقدی نے کہا موسیٰ بیہوش ہو کر گر گئے تو آسمانی ملائکہ نے کہا ابن عمران کا اور دیدار کی درخواست کا کیا ہوا۔ فَلَمَّا افاق یعنی جب بے ہوشی سے افاقہ پایا۔ قال تو نظارہ کی عظمت کے زیر اثر کہا۔ تبت الیک یعنی بغیر اجازت کے سوال کرنے کی جرأت سے توبہ کرتا ہوں۔ وانا اول المؤمنین یعنی (اس امت میں) میں سب سے پہلا مومن ہوں ہر نبی کا ایمان اپنی امت سے پہلے ہوتا ہی ہے۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ اللہ نے فرمایا ہم نے پیغمبری اور اپنی ہم کلامی سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے سو جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس کو لو اور شکر گذار ہو۔

اصطفیتک علی الناس۔ یعنی تمہارے زمانہ کے لوگوں پر تم کو امتیاز عطا کیا اور برتری دی۔ بکلامی کلام سے

مراد کلام کرنا ۔ مَا اٰتَیْتُكَ یعنی جو پیغام میں نے تجھے دیا ہے اس کو لے۔
روایت میں آیا ہے کہ جب موسیٰ سے اللہ نے کلام کیا تو اس وقت آپ کے چہرہ پر ایسی چمک آگئی تھی کہ کوئی بھی آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا اور مرتے دم تک آپ کے چہرہ پر تابانی قائم رہی بیوی نے ایک بار آپ سے کہا جب سے اللہ نے آپ سے کلام کیا میں تو آپ سے غیر متعلق ہو کر رہ گئی حضرت موسیٰ نے چہرہ سے نقاب اٹھا دیا تو بیوی کے چہرہ پر سورج کی کرنوں کی طرح شعاعیں پڑنے لگیں اس نے فوراً اپنا چہرہ اپنے ہاتھ سے چھپا لیا اور اللہ کے سامنے سجدہ میں گر پڑی اور حضرت موسیٰؑ سے کہا آپ اللہ سے دعا کریں کہ جنت کے اندر اللہ مجھے آپ کی بیوی بنائے حضرت موسیٰؑ نے فرمایا یہ بات تجھے مل جائیگی بشرطیکہ میرے بعد کسی اور سے تو نکاح نہ کرے کیونکہ عورت آخری شوہر ہی کی بیوی ہوگی۔
بغوی نے حضرت کعب احبار کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے توریت کا مطالعہ کیا اور عرض کیا اے میرے رب میں (توریت میں) ایک امت کا ذکر پاتا ہوں جو خیر الامم ہوگی اس کو لوگوں کی ہدایت کیلئے پیدا کیا گیا ہوگا وہ لوگوں کو بھلائی کا حکم دیگی اور بری باتوں کی ممانعت کریگی اس کا ایمان اللہ پر اور پہلی کتاب پر اور پچھلی کتاب پر ہوگا وہ گمراہیوں سے جہاد کریگی یہاں تک کہ کانے دجال سے لڑیگی اے میرے رب اس کو میری امت بنا دے اللہ نے فرمایا موسیٰ وہ محمد (صلعم) کی امت ہوگی۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا میرے رب مجھے (توریت میں) ایک امت کا تذکرہ ملتا ہے جو بکثرت حمد کرنے والے ہونگے اور سورج کی نگرانی رکھینگے (یعنی اوقات صلوٰۃ کی تعیین سورج کے طلوع غروب سے کرینگے اور نمازوں کے منتظر رہیں گے) جب وہ کسی کام کا ارادہ کرینگے تو کہینگے انشاء اللہ تعالیٰ ہم یہ کام کرینگے ان لوگوں کو میری امت بنا دے اللہ نے فرمایا وہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت ہوگی۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا میں (توریت میں) ایک امت (کا ذکر) پاتا ہوں جو اپنے کفارات اور صدقات کو باہم کھائیں گے (یعنی آگ میں نہیں جلائینگے) گذشتہ شریعتوں والے نذر اور صدقہ کی چیز آگ میں جلا دیتے تھے۔ وہ دعائیں کرینگے اور ان کی دعائیں قبول ہونگی وہ شفاعت کرینگے اور ان کی شفاعت قبول ہوگی ان لوگوں کو میری امت بنا دے اللہ نے فرمایا یہ محمد کی امت ہوگی موسیٰ نے عرض کیا مجھے ایسی امت کا بھی تذکرہ ملتا ہے کہ جب وہ لوگ کسی ٹیلہ پر چڑھینگے تو اللہ اکبر کہینگے اور نشیب میں اترینگے تو حمد کرینگے (یعنی حاجی ہونگے) ساری مٹی ان کے لئے طہور (پاک اور پاک کن) ہوگی ساری زمین ان کے لئے مسجد ہوگی جہاں ہونگے جنابت سے طہارت کرینگے مٹی سے بھی ان کی طہارت ایسی ہوگی جیسی پانی سے بشرطیکہ پانی دستیاب نہو ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے گورے ہونگے (یعنی قیامت کے دن) اے رب ان کو میری امت بنا دے اللہ نے فرمایا یہ محمد (صلعم) کی امت ہوگی حضرت موسیٰؑ نے

موسیٰ نے عرض کیا اے رب مجھے ایسے لوگوں کا تذکرہ ملتا ہے کہ اگر وہ نیکی کا صرف ارادہ کرینگے عمل نہ کر پائینگے تب بھی انکی ایک نیکی لکھی جائیگی اور اگر نیکی کرینگے تو دس گنے سے سات سو گنے تک ان کو ثواب ملیگا اور اگر گناہ کا صرف ارادہ کرینگے تو گناہ نہیں لکھا جائیگا اور اگر گناہ کرینگے تو اتنا ہی لکھا جائیگا جتنا انھوں نے کیا ہوگا۔ ان کو میری امت بنادے اللہ نے فرمایا یہ احمد کی امت ہوگی۔ موسیٰ نے عرض کیا میں ایک مرحوم امت کا تذکرہ پاتا ہوں جو کمزور ہوگی وہ ان لوگوں سے کتاب میراث میں پائیں گے جن کو (عطاءِ کتاب کا) تو نے امتیاز دیا ہوگا ان لوگوں میں سے کچھ تو اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہونگے (یعنی گناہ گار ہونگے) اور کچھ متوسط الحال ہونگے (ان کی نیکیاں بدیاں مخلوط ہونگی) اور کچھ نیکیوں کی طرف پیش قدمی کرنے والے ہونگے اور ان میں سے ہر ایک (گروہ) مرحوم ہوگا کوئی بھی ایسا نہ ہوگا کہ مرحوم نہ ہو اے رب ان لوگوں کو میری امت بنادے اللہ نے فرمایا یہ احمد کی امت ہوگی۔ موسیٰ نے عرض کیا میں ایسے لوگ بھی (توریت میں) پاتا ہوں جن کے مصحف ان کے سینوں میں ہونگے (یعنی حافظ قرآن ہونگے) وہ اہل جنت کے لباس کے رنگ کے کپڑے پہنیں گے۔ نمازوں کے اندر ان کی صفیں ملائکہ کی صفوں کی طرح ہونگی مسجدوں کے اندر ان کی تلاوت و قرأت کی آوازیں شہد کی مکھیوں کی گونج کی طرح ہونگی ان میں سے کوئی کبھی آگ میں نہیں داخل ہوگا سوائے اس شخص کے جو نیکیوں سے اس طرح الگ ہو جائے جیسے پتھر درختوں کے پتوں سے الگ ہو جاتا ہے اے رب ان لوگوں کو میری امت بنادے اللہ نے فرمایا یہ احمد کی امت ہوگی موسیٰ کو جب اس بات پر تعجب ہوا کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کی امت کو اللہ نے یہ بھلائیاں عطا فرمائی ہیں تو عرض کیا کاش میں محمد کے ساتھیوں میں سے ہوتا اس پر موسیٰ کو خوش کرنے کے لئے اللہ نے تین چیزوں کی وحی بھیجی اور فرمایا یموسٰی انی اصطفیتک علی الناس برسالاتی وبکلامی ۔۔۔۔ سے ۔۔۔۔ ساوریکم دار الفٰسقین ہ ومن قوم موسٰی امۃ یھدون بالحق و بہ یعدلون ۔ موسیٰ اس سے کامل طور پر خوش ہو گئے۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۚ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ○ اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی (ضروری) نصیحت اور (احکام ضروریہ کے متعلق) ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دیدی سو تم خود بھی کوشش کے ساتھ ان پر عمل کرو اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں۔ میں اب بہت جلد تم لوگوں کو ان بے حکم لوگوں کا مقام دکھلاؤنگا۔

لہٗ یعنی موسیٰ کے لئے۔ فی الالواح یہ تختیاں سات یا دس تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا الواح سے مراد ہیں توریت کی تختیاں۔ حدیث میں آیا ہے کہ وہ تختیاں جنت کے بیری کے درخت کی تھیں۔ ایک تختی

کی لمبائی بارہ ہاتھ تھی۔ یہ روایت ابوالشیخ کی ہے جس کی نسبت حضرت جعفر کی وساطت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف کی گئی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور تورات اپنے ہاتھ سے لکھی اور طوبیٰ کا درخت اپنے ہاتھ سے بویا۔ حسن نے کہا وہ تختیاں لکڑی کے تختے کی تھیں۔ کلبی نے کہا زبرجد سبز کی تھیں۔ سعید بن جبیر نے کہا یاقوت سرخ کی تھیں۔ آخری قول کعب کا بھی ہے جو طبرانی اور ابوالشیخ نے بیان کیا ہے۔ ربیع بن انس نے کہا زبرجد کی تھیں۔ ابن جریج کا قول ہے زمرد کی تھیں جو جبرئیل بحکم خداوندی عدن سے لائے تھے جن کو اسی قلم سے لکھا تھا جس سے ذکر کو لکھا تھا اور نہر نور کی روشنائی سے لکھا تھا۔ ابوالشیخ کی روایت میں ابن جریج کا قول آیا ہے کہ وہ زمرد یا زبرجد کی تھیں۔ وہب کا بیان ہے ٹھوس پتھر سے اللہ نے ان تختیوں کو اکھاڑنے کا حکم دیا پھر ان کو نرم بنا دیا کہ موسیٰؑ نے ان کو تراش لیا پھر ان کو چیر لیا اور ان پر دس نصائح لکھنے کی قلم کی آواز موسیٰؑ نے خود سنی۔ یہ واقعہ یکم ذیقعدہ کو ہوا۔ تختیوں کی لمبائی حضرت موسیٰؑ کے قد کے موافق دس ہاتھ کی تھی۔ مقاتل اور وہب نے کہا انگوٹھی کے نقش کی طرح تختیوں پر حروف لکھے گئے تھے۔ ربیع بن انس نے کہا توریت نازل ہوئی تو ستر اونٹوں کا بوجھ تھی اس کا ایک جزء ایک سال سے کم میں نہیں پڑھا جا سکتا تھا حضرت موسیٰؑ حضرت یوشعؑ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰؑ کے علاوہ اور کسی نے پوری توریت نہیں پڑھی۔

من کل شئ یعنی دینی ضرورت کی ہر چیز۔ موعظۃ یعنی نصیحت اور ان اعمال سے باز داشت جن کا نتیجہ خوفناک ہے۔ قاموس میں وَعَظَہٗ مَوْعِظَۃً سزا جزا کا ذکر اس طرح کیا کہ دل نرم پڑ جائے۔ وتفصیلاً لکل شیٔ یعنی امر نہی حلال حرام حدود و احکام میں سے ہر چیز کی تفصیل لکھ دی تفصیلاً کا عطف موعظۃ پر ہے بقوۃ یعنی کوشش کے ساتھ یا قوتِ قلب اور صحت عزیمت کے ساتھ کیونکہ ارادہ کے ضعف کے ساتھ لینے کا نتیجہ اعمال میں سستی لازمی ہے۔ باحسنہا احسن اس جگہ اسم تفضیل کے معنی میں مستعمل نہیں ہے کیونکہ اللہ کی کتاب میں جو حکم ہے وہ بہترین ہی ہے کم و بیش کا احتمال ہی نہیں ہے۔ کتاب میں کوئی برا حکم موجود ہی نہیں ہے جیسے محاورہ میں کہا جاتا ہے الصیف اَحَرُّ من الشتاء موسم گرما موسم سرما سے زیادہ گرم یعنی گرم ہوتا ہے (موسم سرما میں تو گرمی ہوتی ہی نہیں ہے پھر موسم گرما کا سرما سے زیادہ گرم ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا) کذا قال قطرب۔

عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا تفسیری قول یاخذوا باحسنہا کی تشریح میں نقل کیا ہے کہ اس کے حلال کو حلال حرام کو حرام سمجھیں احکام پر غور کریں اشیاء و امثال سے نصیحت حاصل کریں اس کے احکام پر عمل کریں اور متشابہات میں غور و خوض نہ کریں۔ بعض علماء نے کہا باحسنہا سے مراد ہیں فرائض اور مستحبات جن پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔ انکے علاوہ مباحات ہیں جن پر نہ ثواب مرتب ہوتا ہے نہ عذاب

بعض نے کہا عزیمت مراد ہے یعنی رخصت سے کام نہ لو عزیمت کو اختیار کرو اور ہر چیز میں جو دو حکم ہوں ان میں سے اعلیٰ پر عمل کرو مثلاً عفو قصاص سے اعلیٰ ہے صبر انتقام سے اعلیٰ ہے پس اعلیٰ کو اختیار کرو۔ سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ اس جملہ میں تخویف ہے کہ کتاب کو ترک نہ کرو۔ ورنہ فاسقوں کی طرح ہو جاؤ گے اور جو مقام ان کا ہے وہی تمہارا ہو جائیگا۔ دار الفاسقین سے مراد ہیں مصر کے اندر فرعون اور اس کی قوم کے ٹوٹے پھوٹے ویران کھنڈر۔ عطیہ عوفی کا یہی قول ہے۔ سدی نے کہا کافروں کی ہلاکت گاہیں (مرنے کے مقامات) مراد ہیں۔ کلبی اور قتادہ نے کہا عاد و ثمود اور دوسری گذشتہ تباہ شدہ قوموں کی ویران بستیاں مراد ہیں جن کو سفر کی حالت میں بنی اسرائیل سر راہ دیکھتے گذرتے تھے۔ مجاہد حسن اور عطاء نے کہا جہنم مراد ہے جہاں آخرت میں ان کا مقام ہوگا۔

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

ع

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق نہیں۔ اگر تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں۔ تب بھی ان کو نہ مانیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں اور یہ اس سبب سے ہے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلایا اور ان سے غافل رہے اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھوٹا قرار دیا ان کے سب کام اکارت گئے ان کو ان کے کئے ہوئے اعمال کی ہی سزا دی جائے گی۔

سَأَصْرِفُ یعنی اندرونی و بیرونی اور انفسی و آفاقی آیات پر غور کرنے اور ان سے عبرت اندوز ہونے سے پھیر دونگا۔ یا اپنی نازل کردہ آیات اور معجزات کو باطل کرنے اور نور الٰہی کو پھونکیں مار کر بجھانے سے روک دونگا مطلب یہ کہ اپنی آیات کا بول بالا کرونگا اور ان تکذیب کرنیوالوں کو ہلاک کردوں گا جیسے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کردیا اللہ اپنا نور پورے طور پر پھیلا کے رہیگا خواہ کافروں کو گوارا نہ ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ چونکہ ان کو حق سے عناد ہے اس لئے ان کو ہدایت سے محروم رکھونگا اور قرآنی آیات کو قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے سے پھیر دونگا دوسری آیت میں بھی اسی طرح کا مضمون آیا ہے فرمایا ہے فلما زاغوا ازاغ اللّٰہ قلوبھم۔ کذا قال ابن عباس سفیان نے سأصرف کی تشریح اس طرح کی کہ میں قرآن کو سمجھنے اور اس کے عجائب کو جاننے سے روک دونگا۔

الذین یتکبرون فی الارض ان لوگوں کو جو ملک میں تکبر کرتے ہیں میرے بندوں پر جبر کرتے ہیں اور میرے دوستوں سے لڑتے ہیں۔ بغیر الحق اس کا تعلق یتکبرون سے ہے یعنی باطل دین کی وجہ سے تکبر کرتے ہیں غیر الحق سے مراد ہے باطل دین۔ یا بغیر الحق یتکبرون کی ضمیر فاعل سے حال ہے بہر حال آیت کا حکم تمام کافروں کے لئے عام ہے۔ بعض علماء کے نزدیک آیاتی سے مراد ہیں وہ نو آیات جو اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو عطا فرمائی تھیں اور الذین سے مراد ہیں خاص کفار (یعنی قبطی) اس وقت آیت کا حکم خاص ہوگا۔

وان یروا یعنی یہ متکبر اگر دیکھ لیں۔ کل ایۃ یعنی ہر نازل شدہ آیت کو یا ہر معجزہ کو لا یؤمنوا بہا تو اس کو نہیں مانیں گے کیونکہ ان کے دلوں میں عناد ہے یا اس وجہ سے کہ اندھی تقلید اور خواہش پرستی میں غرق ہونے کے سبب ان کی عقلیں بگڑ گئی ہیں یا عدم ایمان کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر گمراہی کا ٹھپہ لگا دیا ہے۔ وان یروا سبیل الرشد اور اگر انبیاء اور علماء کی راہنمائی کی وجہ سے ہدایت کا راستہ ان کے سامنے آ بھی جائے لا یتخذوہ سبیلا تو چونکہ شیطنت ان پر غالب ہے اس لئے اپنے لئے اسکو اختیار نہیں کرتے۔ رَشَد رُشْد رشاد سب ہم معنی ہیں جیسے سَقَم سُقْم سقام۔ ابو عمرو نے کہا رشد کسی کام کی درستی کو کہتے ہیں اور رَشَد دین کی استقامت کو۔

وان یروا سبیل الغی اور اگر نفس یا شیطان کے دکھانے سے گمراہی کا راستہ دیکھ لیں۔ ذلک یہ آیات سے پھیر دینا۔ بانہم اس سبب سے ہے۔ کذبوا بایتنا کہ انھوں نے ہماری نازل کردہ آیات اور معجزات کو نہ مانا اور کائناتِ سماوی و ارضی کو نظرِ غور سے نہیں دیکھا غٰفلین اور ان آیات سے غافل رہے یعنی ان کو بھول گئے اور لہو سمجھ کر ان کو ترک کر دیا یا عناد کی وجہ سے ان کی طرف توجہ نہیں کی۔ ولقاء الاخرۃ مفعول ہے یعنی دار آخرت کو پانا یعنی دار آخرت میں اللہ نے جس ثواب عذاب کا وعدہ کیا ہے اس کو پانا جن لوگوں کو تسلیم نہیں حبطت اعمالہم تو جو نیکیاں انھوں نے کی ہونگی سب اکارت جائیگی غریبوں کو مال دینا کنبہ والوں کے ساتھ سلوک کرنا۔ رشتہ داروں سے قطع تعلق نہ کرنا وغیرہ بہر حال یہ سب نیکیاں اس میدانی سراب کی طرح ثابت ہونگی جو دور سے پیاسے کو پانی دکھائی دیتی ہیں اور قریب پہنچتا ہے تو ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ ہل یجزون استفہام انکاری ہے یعنی ان کو بدلہ نہیں دیا جائیگا۔ الا ما کانوا یعملون مگر انہی اعمال کا جو وہ دنیا میں کرتے تھے اور اللہ کے نزدیک بھی وہ اعمال قابلِ اعتبار تھے یعنی خالص نیت کے ساتھ محض اللہ کے لئے (بغیر کسی شہرت و ریا کے جذبہ کے) جو اعمال کئے تھے صرف انہی کی جزا ملے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو بداعمالیاں وہ دنیا میں کرتے تھے انہی کی سزا دیجائیگی (ظلم نہیں کیا جائیگا) اور ان کے تمام اعمال برے ہی ہونگے کوئی بھی اچھا ثابت نہ ہوگا۔ اللہ کے ساتھ دوسروں کی پوجا بدترین گناہ ہے اگر اللہ کی دشمنی میں یا نفسانی خواہش کی تسکین کے لئے مال خرچ کیا یا کنبہ جوڑا جائے تو یہ بھی بہت

برا عمل ہے اسی سے کفر کی مدد ہوتی ہے (اور کافروں کی یہی عملی خصوصیات ہیں اس لئے ان کے تمام اعمال برے ہی ہیں)

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ط اور موسیٰ کے بعد ان کی قوم (یعنی اسرائیل (نے) اپنے (مقبوضہ) زیور کا ایک بچھڑا (پوجا کے لئے) بنالیا جو ایک مجسمہ تھا اور اس کی ایک آواز بھی۔

قَوْمُ مُوسٰى یعنی بنی اسرائیل نے مِن بعدہٖ یعنی جب موسیٰ طور کی طرف مقرر کردہ وقت پر مناجات کرنے اور کتاب لینے کے لئے) چلے گئے اور تیس دن گذرنے کے بعد چلہ کا جو تھا عشرہ شروع ہو گیا۔ من حلیہم یعنی اس زیور کا جو بنی اسرائیل نے شادی کے بہانہ سے مصر سے نکلتے وقت قبطیوں سے بطور عاریت لے لیا تھا اور نکلنے کے بعد انہی کے پاس رہ گیا تھا۔ من حلیہم میں اضافت قبضہ پر دلالت کر رہی ہے یعنی وہ زیور جو ان کے قبضہ میں تھا۔ یا ملکیت کو ظاہر کر رہی ہے کیونکہ قوم فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل اس زیور کے مالک ہو گئے تھے۔ حُلی بضم حاء و کسر لام حلی کی جمع ہے جیسے ثُدِی ثدی کی جمع ثُدِی۔ عجلاً یہ پہلا مفعول ہے دوسرا مفعول محذوف ہے یعنی بنالیا بچھڑے کو معبود۔ جَسَدًا جسم۔ یہ عجلاً سے بدل ہے۔

حضرت ابن عباسؓ قتادہ اور اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ بچھڑا سامری نے بنایا تھا اور حضرت جبرئیل کے نشانِ قدم کی خاک اس کے منہ میں ڈال دی تھی جس کی وجہ سے وہ گوشت اور خون والا جسم بن گیا تھا۔ سامری کے قول کو نقل کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے بصرت بما لم یبصروا بہ فقبضت قبضۃ من اثر الرسول فنبذتہا الخ سورۂ طٰہٰ میں ہم سامری کا قصہ نقل کریں گے۔ خوار گائے کی آواز۔ روایت میں آیا ہے کہ بچھڑے نے صرف ایک بار آواز نکالی تھی۔ بعض کا قول ہے کہ وہ برابر آوازیں نکالتا ہی تھا جب آواز نکالتا تھا بنی اسرائیل اس کے سامنے سجدے میں گر پڑتے تھے اور خاموش ہو جاتا تھا تو سجدہ سے سر اٹھا لیتے تھے۔

وہب کا قول ہے اس کی آواز ضرور تھی مگر وہ حرکت نہیں کرتا تھا۔ سدی نے کہا وہ چلتا بھی تھا۔ بعض اہلِ دانش نے لکھا ہے وہ سونے کا ایک مجسمہ تھا جس میں جان نہ تھی جب ہوا اس کے پیٹ کے اندر داخل ہوتی تھی (اور پھر دوسری طرف سے نکلتی تھی) تو گائے کی آواز کی طرح اس کی آواز سنائی دیتی تھی اس کی بناوٹ ہی اسی تدبیر سے کی گئی تھی۔ اس تشریح کی تردید آیت فقبضت قبضۃ من اثر الرسول سے ہو رہی ہے۔

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ○

(جب ان احمقوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا تو) کیا انھوں نے اتنا نہیں دیکھا کہ وہ (کیسا معبود ہے کہ) ان سے

بات بھی نہیں کر سکتا اور نہ ان کو راہ ہدایت بتا سکتا ہے۔ یعنی انسانوں کی طرح بھی اس میں قدرت نہیں ہے کہ بات کر سکے یا راستہ بتا سکے پھر کیسے انھوں نے اس کو آسمان و زمین اور ساری طاقتوں کا خالق مان لیا ایسے کو معبود بنا لیا اور وہ بڑا بے ڈھنگا کام کرنے والے تھے۔ یعنی ایک ذلیل چیز کو معبود بنا لیا یہ ظلم تھا ایک چیز کا بے محل استعمال تھا۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِيٓ أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَٰسِرِينَ ۝ اور جب نادم ہوگئے اور جان گئے کہ واقعی ہم گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہم کو معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گذرے ہو گئے۔

سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ سقط فعل مجہول کی اسناد فی ایدیہم کی طرف ہے بطور کنایہ سخت پشیمانی مراد ہے پشیمان آدمی افسوس سے ہاتھ کاٹتا ہے گویا اس کا ہاتھ اس کے اندر گرا دیا جاتا ہے عرب لوگ ہر پشیمان کو سقط فی یدہ کہتے ہیں۔ زجاج نے کہا ایدیہم سے مراد ہیں دل اور نفوس یعنی ندامت ان کے دلوں میں پیدا ہوگئی حصل فی یدہ مکروہٌ اس کے ہاتھ میں یعنی دل میں بری بات پیدا ہو گئی اگرچہ ہاتھ میں مکروہ کا پیدا ہونا ناممکن ہے (برا خیال دل میں ہی پیدا ہوتا ہے) مگر دل اور نفس کے اندر پیدا ہونے والی چیز پکڑی اور دیکھی ہوئی چیز کی طرح مان کر حصل فی یدہ مکروہ کہا جاتا ہے (گویا بطور تشبیہ غیر محسوس کو محسوس خارجی قرار دیدیا جاتا ہے) حاصل مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے واپس آکر جب ان پر عتاب کیا تو ان کو پشیمانی ہوگئی اور جان گئے کہ بچھڑے کو معبود بنا کر ہم گمراہ ہو گئے اور توبہ کی اور کہا کہ ہمارا رب اگر ہماری توبہ قبول کر کے ہم پر رحم نہ فرمائیگا اور ہمارے قصور سے درگذر کر کے معافی نہ دیگا تو ہم بڑے گھاٹے میں ہوں گے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰٓ إِلَىٰ قَوْمِهِۦ غَضْبَٰنَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنۢ بَعْدِيٓ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف غضب و رنج کی حالت میں لوٹے تو کہا تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی کیا اپنے رب کے حکم (آنے) سے پہلے ہی جلد بازی کر لی اور تختیاں (ایک طرف) رکھ دیں۔

ولما رجع موسی یعنی میقاتی چلہ پورا کرنے کے بعد جب موسیٰ لوٹے۔ اَسِفًا حضرت ابو درداء نے اسفا کا ترجمہ کیا ہے سخت غضب ناک۔ حضرت ابن عباسؓ اور سدی نے فرمایا سخت غمگین۔ قاموس میں ہے اسفٌ سخت ترین غم۔ اُسِفَ علیہ۔ اس پر غصہ ہوا۔ بئسما خلفتمونی میرے بعد تم نے بری حرکت کی کہ گوسالہ کو پوجنے لگے۔ یہ خطاب صرف گوسالہ پرستوں سے ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم نے میری بُری قائم مقامی کی کہ بچھڑے کی پوجا کرنیوالوں کو نہ روکا اس وقت خطاب حضرت ہارون اور دوسرے صحیح الایمان مومنوں کو ہوگا۔

من بعدی یعنی میرے میقات پر جانے کے بعد۔ یا یہ مطلب ہو کہ باوجودیکہ تم نے میری طرف سے تعلیم توحید وتنزیہ کو دیکھ لیا اور یہ بات بھی دیکھ لی کہ میں شرک سے روکتا ہوں اس کے بعد بھی تم نے یہ بری حرکت کی۔

اعجلتم امر ربکم یعنی تم نے اپنے رب کے کام کو ناتمام چھوڑ دیا۔ چونکہ عجل کے اندر سَبَقَ کا معنی مضمر ہے اس لئے بغیر حرف جر کے مفعول کو ذکر کیا گیا۔ یا یہ معنی ہو کہ تم نے اللہ کے مقرر کردہ چلہ کے پورے ہونے سے پہلے ہی یہ حرکت شروع کر دی مجھے مردہ مان لیا اور اسی طرح دین کو بگاڑ دیا جیسے گذشتہ انبیاء کے بعد ان کی امتوں نے اپنا دین بگاڑ لیا تھا۔ العجلۃ کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو وقت سے پہلے طلب کرنا۔ والقی الالواح یعنی وہ تختیاں جن میں توریت لکھی ہوئی تھی سخت غضب کی حالت میں زمین پر ڈال دیں مگر یہ فعل توریت سے نفرت اور بے ادبی کے طور پر نہ تھا بلکہ یہ مغلوب الغضبی محض اللہ کی ہدایت کی حمایت و اطاعت کے لئے تھی۔

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ کو زبرجد کی سات تختیوں پر (لکھی ہوئی) توریت دی گئی تھی جس کے اندر ہر چیز کا بیان بھی تھا اور ہدایات بھی تھیں۔ لیکن حضرت موسیٰ نے پہاڑ سے آ کر بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا میں منہمک پایا تو اپنے ہاتھ سے توریت کو پھینک دیا جس کی وجہ سے تختیوں کے سات ٹکڑے ہو گئے ٹوٹنے کے بعد چھ حصے توریت کے اللہ نے اٹھا لئے اور صرف ساتواں حصہ رہ گیا بغوی نے لکھا ہے کہ غیب (ماضی و مستقبل) کی خبروں سے تعلق رکھنے والے حصے تو اٹھا لئے گئے اور جس حصہ کے اندر ہدایات، احکام اور حلال و حرام کا بیان تھا وہ رہ گیا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کانوں سے سنی ہوئی آنکھو سے دیکھنے کی طرح نہیں ہوتی اللہ نے طور پر ہی موسیٰ کو بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کی اطلاع دیدی تھی لیکن موسیٰ نے تختیاں نہیں پھینکیں اور جب ان کی حرکت خود دیکھ لی تو تختیاں پھینک دیں اور وہ ٹوٹ گئیں۔ رواہ احمد و الطبرانی فی الاوسط والحاکم بسند صحیح۔

وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِىْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِىْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِىَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِىْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِىْ وَلِاَخِىْ وَاَدْخِلْنَا فِىْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اور اپنے

بھائی کے سر کے بالوں کو پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگے ہارون نے کہا اے میرے ماں جائے ان لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں سو آپ مجھ کو ذلیل کر کے مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسوائیں اور مجھکو ان ظالم لوگوں کے ذیل میں نہ شمار کریں موسیٰ نے کہا اے میرے رب میری اور میرے بھائی کی خطا معاف فرما دے اور ہمکو اپنی رحمت میں داخل فرما دے تو سب سے بڑا رحیم ہے۔

ع ۸

واخذ براس اخیہ موسیٰؑ اپنے بھائی ہارون کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگے آپ کو گمان ہوا کہ ہارون کے قصور سے قوم گمراہی میں مبتلا ہوئی بغوی نے براسہ کی تشریح میں لکھا ہے کہ گیسو اور داڑھی پکڑ کر کھینچی۔ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ سے تین سال بڑے تھے اور چونکہ غصہ آور نہ تھے اس لئے بنی اسرائیل آپ سے حضرت موسیٰؑ کی بہ نسبت زیادہ محبت کرتے تھے۔ ابن ام حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے حقیقی بھائی تھے لیکن موسیٰؑ کے دل میں نرمی پیدا کرنے اور اپنی محبت قلبی کا مظاہرہ کرنے کے لئے ماں جایا کہا۔ ابن عامر حمزہ اور کسائی وغیرہ نے تو ابن اُمِّ پڑھا ہے اور ہونا بھی یہی چاہئے کیونکہ اصل میں یا ابن امی تھا حرف ندا اور یا متکلم کو حذف کر دیا گیا میم کا کسرہ باقی رہ گیا لیکن فتح چونکہ خفیف ہے زیادتی تخفیف کے لئے ابن اُمَّ اکثر قاریوں کی قرأت میں آیا ہے یا جیسے خمسۃ عشر میں تا ہمیشہ مفتوح آتی ہے (کیونکہ دونوں لفظ مل کر ایک کلمہ بن گئے اور اعراب ایک کلمہ کے درمیان جاری نہیں ہوتا جیسے بعلبک میں لام پر ہمیشہ فتح آتا ہے) اسی کی مشابہت سے ابن ام کہا گیا۔

ان القوم یہ لوگ یعنی بچھڑے کے پجاریوں نے۔ کادوا قریب تھا انھوں نے ارادہ کر ہی لیا تھا۔ مطلب یہ کہ میں نے ان کو روکنے میں اپنی کوشش کر لی مگر یہ مجھ پر غالب آگئے اور انھوں نے مجھے بے حقیقت سمجھ لیا قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیں میں نے روکنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی آپ اس میں میری کوشش کا قصور نہ سمجھیں۔

فلا تشمت بی یعنی مجھ سے ایسا سلوک نہ کیجئے کہ دشمن خوش ہوں۔ دشمن کی مصیبت پر خوش ہونے کو شماتت کہتے ہیں کذا فی القاموس۔ ولا تجعلنی اور اس غصہ اور غضب میں مجھے ان ظالموں کا شریک نہ بنایئے ظالموں سے مراد ہیں گوسالہ پرست (کیونکہ گوسالہ پرستی جیسی غیر موزوں نالائق حرکت کا صدور ان سے ہوا تھا) رب اغفر لی یعنی جو حرکت میں نے اپنے بھائی کے ساتھ کی اس کو معاف فرما دے ولاخی اور اگر میرے بھائی سے بنی اسرائیل کو روکنے میں کوئی قصور ہوا ہو تو اسکو بھی معاف فرما دے۔ کلام کا سیاق بتا رہا ہے کہ اصل مقصود اپنے بھائی کے قصور کی معافی کی طلب تھی بھائی کو خوش کرنے اور دشمنوں کی شماتت کو دفع کرنے کیلئے دعاء مغفرت میں حضرت موسیٰؑ نے اپنی ذات کو بھی شریک کر لیا۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ دوسروں کے لئے استغفار کا طریقہ بھی یہی ہے کہ اپنی ذات کے لئے اول استغفار کیا جائے تاکہ اپنے نفس کو پاک سمجھنے کا شبہ بھی باقی نہ رہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ گناہ دعا کو قبول ہونے سے روکتے ہیں اس لئے سب سے پہلے اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست کی جائے اس کے بعد کوئی دعا کی جائے یہی وجہ ہے کہ جنازہ کی (نماز کی) دعا میں اللھم اغفر لحینا و میتنا آتا ہے۔ زندوں کا ذکر مردوں سے پہلے آتا ہے کیونکہ دعا کرنیوالا زندہ ہی ہوتا ہے۔ اور اہل قبور کی دعا میں بھی یغفر اللہ لنا ولکم آتا ہے۔ مخاطب سے پہلے متکلم کا ذکر کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ معصوم تھے آپ سے کسی گناہ کا صدور ہی نہ ہوتا تھا لیکن امت

کی تعلیم کے لئے اللہ نے اپنے نبی کو خطاب کر کے فرمایا واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنت ۔ وادخلنا في رحمتك یعنی دنیا میں ہم کو معصوم رکھ اور آخرت میں ہم پر رحم فرما اور دونوں جہان میں ہم کو ترقی درجات عنایت کر وانت ارحم الراحمین یعنی تو سب سے زیادہ ہم پر مہربان ہے یہاں تک کہ جتنے مہربان ہم اپنے اوپر ہیں اس سے بھی زیادہ تو ہم پر مہربان ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ○ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی بہت جلد اس دنیوی زندگی میں ان پر ان کے رب کا غضب آئے گا اور ذلت پڑے گی۔ ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں اور جن لوگوں نے بُرے کام کرنے کے بعد توبہ کرلی اور (سچے دل سے) ایمان لے آئے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد گناہ کو معاف کرنے والا اور رحم کرنیوالا ہے۔

اتخذوا العجل یعنی جنھوں نے گوسالہ کو معبود بنایا۔ غضب یعنی عذاب اس سے مراد ہے وہ حکم جو ان کو دیا گیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کردیں۔ وذلة ذلت سے مراد ہے گھروں سے نکل جانا جلا وطن ہو جانا۔ اس مطلب پر سینالھم میں سین استقبال کے لئے ہوگی اور حضرت موسیٰ کے غضب ناک ہو چکنے بعد ہی کا زمانہ جس میں بنی اسرائیل کو سزا دی گئی مراد ہوگا۔ لیکن عطیہ عوفی کا قول ہے کہ ان الذین اتخذوا العجل سے مراد ہیں رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ کے یہودی۔ باپ دادا کے ناشائستہ افعال کا ذکر کر کے ان کو عار دلائی گئی ہے اور انہی یہودیوں سے فرمایا گیا ہے کہ تم کو آخرت میں اللہ کی طرف سے عذاب ہوگا اور دنیا میں ذلت پڑیگی چنانچہ بنی قریظہ اور بنی نضیر پر یہ ذلت پڑی کہ ایک قبیلہ کو قتل کیا گیا اور دوسرے قبیلہ کو جلاوطن کیا گیا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ذلت سے مراد ہے جزیہ۔

والذین عملوا السیئات یعنی حضرت موسیٰ کی قوم میں سے جنھوں نے گوسالہ پرستی کی پھر توبہ کی اور مومن ہوگئے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے حکم کے موافق آپس میں ایک نے دوسرے کو قتل کیا۔ من بعدھا یعنی توبہ کے بعد۔ لغفور رحیم بلاشبہ وہ بڑا معاف کرنیوالا اور رحم کرنے والا ہے خواہ گناہ کتنے ہی بڑے اور زیادہ ہوں (سب معاف فرمادیگا)۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ○ اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو ان تختیوں کو اٹھا لیا اور ان کے مضامین میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ہدایت اور رحمت تھی۔

سکت بمعنی سکن یعنی فرو ہوا عن موسی الغضب حضرت ہارون کی معذرت اور قوم کی ندامت د

توبہ کے بعد جب حضرت موسیٰ کا غصہ فرو ہوا۔ سکون کو لفظ سکوت سے تعبیر کرنے میں کلام کی رفتار میں زور آگیا وہ غضب جس میں گذشتہ حرکت حضرت موسیٰ سے صادر ہوئی تھی اس کو آمر و حاکم کی صورت میں پیش کیا گیا ہے (گویا پہلے غضب نے حکم دیا تھا کہ تختیاں پھینکدو موسیٰ نے تختیاں پھینک دیں پھر غصہ خاموش ہو گیا تو موسیٰ نے تختیاں اٹھالیں)

اخذ الالواح تختیاں لے لیں جن کا بقیہ حصہ ٹوٹ چکا تھا۔ فی نسختھا۔ بعض علما کے نزدیک نسخہ سے مراد ہے ایک لوح (کیونکہ نسخہ کا لغوی معنی ہے کاپی، نقل اور) وہ لوح محفوظ کی نقل بھی بعض کا قول ہے کہ پھینکنے سے اصل تختیاں ٹوٹ گئیں پھر ان کی نقل کی گئی۔ بعض نے کہا نسخہ بروزن فعلۃ بمعنی اسم مفعول ہے یعنی لکھا ہوا تحریر کردہ جیسے خطبہ بمعنی مخطوب عطا، نے نسختھا کا ترجمہ کیا ہے بقیہ حصہ۔ حضرت ابن عباسؓ اور عمرو بن ابی الدنیا کا قول ہے کہ (موسیٰ کے پھینکنے سے وہ تختیاں تو ٹوٹ گئیں (ناکارہ اور ناقابل قرأت ہو گئیں) پھر حضرت موسیٰ نے چالیس دن روزے رکھے تو دو تختیوں پر لکھی ہوئی توریت دوبارہ عطا کی گئی۔ ہدًی گمراہی سے ہدایت اور حق کا بیان۔ وّ رحمۃٌ اور عذاب کی جگہ رحمت۔ لربھم اس میں لام زائد ہے (کیونکہ یرھبون کا مفعول بغیر لام کے عربی کلام میں آتا ہے) جیسے ردف لکم میں لام زائد ہے۔ کسائی نے کہا فعل کے مؤخر ہونے کی وجہ سے اس کے عمل میں کمزوری آگئی ہے اس لئے مفعول پر لام زیادہ کیا گیا جیسے للرؤیا تعبرون میں۔ قطرب کے نزدیک یہ لام من کے معنی میں ہے اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ بعض نے کہا یرھبون بمعنی راہبون (اسم فاعل) کے ہے بعض کے نزدیک لام تعلیل کا ہے یعنی اللہ کی وجہ سے گناہوں سے ڈرتے ہیں۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ج اور موسیٰ نے ہمارے مقرر کردہ وقت (پر کوہ طور کو جانے) کے لئے اپنی قوم میں سے ستر آدمی چنے۔

قومہ یعنی من قومہ اپنی قوم میں سے۔ سبعین رجلا یعنی ان لوگوں میں سے ستر آدمی جنھوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی۔ لمیقاتنا یعنی ہم نے ان کی حاضری کا جو وقت مقرر کیا تھا اس وقت کے لئے۔

روایت میں آیا ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو لے کر آؤ اور بچھڑے کی پوجا کی معذرت پیش کرو (یعنی قصور معاف ہونے کی دعا کرو) آپ نے ہر سبط میں سے چھ آدمی چھانٹ لئے اس طرح دو آدمی بڑھ گئے کیونکہ کل اسباط بارہ تھے آپ نے فرمایا دو آدمی کم کر دو اس پر کوئی راضی نہ ہوا آخر آپ نے فرمایا جو آدمی ساتھ نہ جائیگا اسکو بھی ساتھ جانیوالے کے برابر ثواب ملیگا اس پر کالب اور یوشع بیٹھ گئے اور باقی کو ساتھ لیکر آپ چل دیئے پہاڑ کے قریب پہونچے تو موسیٰؑ اور ساتھیوں کو ایک باریک ابر نے اپنی آغوش میں لے لیا سب لوگ سجدہ میں گر پڑے اور سب نے سنا کہ اللہ نے موسیٰؑ سے کلام کیا بعض اوامر و نواہی کی ہدایت کی کچھ دیر کے

بعد ابر پھٹ گیا تو ساتھی حضرت موسیٰ سے کہنے لگے جب تک کلیم اللہ ہم اللہ کو دیکھ نہ لیں یوں ہم کو آپ کی باتوں کا یقین نہیں آئیگا (معلوم نہیں کس کی آواز تھی) اس گستاخی کی وجہ سے ان کو بجلی نے آپکڑا۔ بعض نے کہا پہاڑ میں زلزلہ آگیا اور سب بیہوش ہو گئے یعنی مر گئے۔ سدی کا یہی قول ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جن ستر لوگوں پر بجلی گری تھی ان کا واقعہ بعد کا ہے اور جن لوگوں نے بغیر رو در رو خدا کو دیکھے صرف آواز سن کر ماننے سے انکار کر دیا تھا ان کا واقعہ پہلے ہو چکا تھا۔ اللہ نے موسیٰ کو حکم دیا تھا کہ ستر آدمیوں کو چن کر اپنے ساتھ باہر لاؤ حضرت موسیٰ نے ستر افراد چن لئے اور سب کو لے کر بستی سے باہر آ کر سب نے مل کر دعا کی من جملہ دعا کے انھوں نے یہ الفاظ بھی کہے تھے کہ اے اللہ ہم کو وہ چیز عطا فرما جو تو نے ہم سے پہلے کسی کو نہ دی ہو نہ ہمارے بعد کسی کو دے یہ (تشکیداری کی) دعا اللہ نے رد کر دی اور ان کو بجلی نے آپکڑا وہب نے کہا وہ رجفہ موت نہ تھا (یعنی مرے نہیں) بلکہ منظر دیکھ کر ان پر لرزہ طاری ہو گیا کپکپانے لگے بیچین ہو گئے بند بند ٹوٹنے لگا۔

فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِنْ قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۖ إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ ۖ أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۖ وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ○ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ۚ

سو جب انکو زلزلہ (یا بجلی) نے آپکڑا تو موسیٰ نے عرض کیا اے میرے مالک اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی ان کو ہلاک کر دیتا اور مجھ کو بھی کیا تو ہم میں سے (ان) بیوقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دیگا یہ واقعہ تو تیری طرف سے محض ایک امتحان ہے (یعنی ہلاک کرنے کے لئے تو نے ایسا نہیں کیا) ایسے امتحانات سے تو جس کو چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے تو ہمارا کارساز ہے ہم کو معاف فرما دے اور ہم پر رحم فرما تو سب سے زیادہ معاف کرنے والا ہے اور ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی نیک حالی لکھدے اور آخرت میں بھی ہمارا رجوع تیری ہی طرف ہے۔

فلما اخذتهم الرجفة۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا الرجفہ یعنی سخت زلزلہ چونکہ گوسالہ پرستوں سے وہ لوگ گوسالہ پرستی کے وقت الگ اور کنارہ کش نہیں ہوئے اس لئے سخت بھونچال میں گرفتار ہو گئے حضرت موسیٰ کو ان کی حالت دیکھ کر رحم آیا اور اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ مر نہ جائیں اور حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے نکل نہ جائیں یہ لوگ تمام نیک کاموں میں حضرت موسیٰ کے مددگار تھے اطاعت گذار اور فرماں بردار تھے ان کی یہ حالت دیکھ کر حضرت موسیٰ رونے لگے اور عرض کیا رب لو شئت اے مالک اس منظر کو دیکھنے سے پہلے ہی اگر تو چاہتا تو ان سب کو اور مجھے مار ڈالتا۔ یعنی فرعون کے ہاتھوں سے ان کو

مروا دیتا یا دریا میں غرق کر دیتا یا کسی اور طرح سے مار ڈالتا مگر تو نے رحم کیا ان کو بچایا۔ فرعون سے بھی اور دریا سے بھی ہر مصیبت سے رہائی دی اب اگر ایک بار اور تو ان پر رحم فرمائے تو تیری عمومی رحمت سے بعید نہیں۔ بعض علماء نے کہا لو شئت کا یہ مطلب ہے کہ اگر تو چاہتا تو یہاں آنے سے پہلے ہی قوم کے سامنے ان کو ہلاک کر دیتا سب لوگ دیکھ لیتے اور مجھ پر تہمت تراشی نہ کر پاتے۔

بما فعل السفہاء منا ان بیوقوفوں نے جو طلب دیدار کی جرأت کی یا بچھڑے کی پوجا کی ان کی اس حرکت سے تو کیا سب کو ہلاک کر دیگا۔ مبرد نے کہا کلام استفہامی ہے مگر استفہام کی غرض طلب رحم ہے کیونکہ موسیٰ واقف تھے کہ اللہ بڑا منصف ہے بعض کے جرم سے سب کو ہلاک نہیں کرتا اور جس چیز سے واقف تھے اس کو دریافت کرنے کا کوئی معنی نہیں اس لئے استفہام سے مراد ہے مہربانی کی طلب یعنی ہلاک نہ کر۔ ان ھی نہیں ہے وہ یعنی رویت کی طلب یا گوسالہ پرستی۔ الا فتنتک مگر تیری طرف سے امتحان کہ ان کو کلام سنایا جس سے ان کو تیرے دیدار کا لالچ ہوا یا تو نے ایک بچھڑا جیتا ڈکارتا بنوا دیا جس سے یہ گمراہ ہو گئے اور پھر تو نے ان کو یونہی بے مدد چھوڑ دیا۔

الا فتنتک کے لفظ میں اللہ کے قول اِنَّا فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ کی طرف اشارہ ہے گویا حضرت موسیٰ نے عرض کیا یہ تیرا وہی امتحان ہے جس کی تو نے مجھے اطلاع پہلے ہی دی تھی کہ کچھ لوگوں کو تو نے گمراہی میں ڈال دیا اور وہ فتنہ میں پڑ گئے اور کچھ کو ہدایت پر قائم رکھا اور محفوظ رکھا کہ وہ دین پر جمے رہے۔ تضل من تشاء تو جس کو گمراہی میں ڈالنا چاہتا ہے اس کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے کہ اس کی مدد نہیں کرتا بے مدد چھوڑ دیتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی حد سے آگے بڑھ جاتا ہے وتھدی من تشاء اور جس کی ہدایت چاہتا ہے اس کو ہدایت پر کر دیتا ہے (اور اس کی مدد کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے انت ولینا تو ہمارا مددگار اور محافظ ہے۔ وانت خیر الغفرین یعنی برائی کو معاف کر دیتا ہے اور اس کی جگہ بھلائی عطا کرتا ہے واکتب لنا اور ہمارے لئے لکھ دے یعنی واجب کر دے۔

حسنۃ نیک حالی یعنی طاعت کی توفیق اور نعمت اور عافیت وفی الاٰخرۃ اور آخرت میں بھی نیک حالی یعنی مغفرت اور رحمت اور جنت انا ھدنا ہم نے تیری طرف رجوع کیا توبہ کی یہ لفظ ھاد یھود سے (جمع متکلم ماضی کا صیغہ) ہے۔ قتادہ اور ابن جریج کا قول ہے اور محمد بن کعب نے بھی یہی کہا ہے کہ ان لوگوں کا قصور اتنا تھا کہ گوسالہ پرستی کے وقت یہ لوگ گوسالہ پرستوں سے کنارہ کش نہ ہوئے تھے (انہی کی معاشرت میں گھلے ملے رہتے تھے) نہ بھلائی کا حکم دیا نہ برائی سے روکا تھا اسی جرم کی وجہ سے عذاب رجفہ میں پکڑے گئے۔

قَالَ عَذَابِيٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا

لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اللہ نے فرمایا میں اپنا عذاب تو اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے تو وہ میں ان لوگوں کے لئے تو ضرور ہی لکھونگا جو (اللہ کی نافرمانی سے) ڈرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔

قَالَ یعنی موسیٰ کی دعاء کے جواب میں اللہ نے فرمایا۔ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ یعنی میری رحمت ہر شئے کے لئے عام ہے (کوئی میری رحمت سے محروم نہیں) دنیا میں کوئی ہو مومن ہو کافر ہو مکلف ہو غیر مکلف ہو البتہ آخرت میں کافروں پر رحمت نہ ہوگی کیونکہ دوسروں کی پوجا کر کے اللہ کی رحمت میں داخل ہونے سے خود انکار کر دیا۔ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میری ساری امت جنت میں جائیگی سوائے اس کے جس نے انکار کیا عرض کیا گیا۔ انکار کس نے کیا (امت میں منکر کون ہو سکتا ہے) فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائیگا اور جس نے نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔ رواہ البخاری

علیہ عوفی نے آیت کی تشریح میں فرمایا اللہ کی رحمت سموئے ہوئے تو ہر چیز کو ہے لیکن رحمت کا وجوب صرف متقیوں کے لئے ہے اللہ کی رحمت اہل ایمان کے لئے وسیع ہے ان کی وجہ سے کافروں کو بھی رزق ملتا اور بلائیں دفع ہوتی ہیں اور یہ بھی اللہ کی رحمت سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں پھر جب مومن آخرت کو سدھار گئے تو رحمت خداوندی خصوصیت کے ساتھ انہی پر ہوگی (کافر بلا رحمت رہ جائیں گے) جیسے دوسرے کے چراغ کی روشنی سے کوئی شخص فائدہ اندوز ہوتا ہو اور جب چراغ والا اپنا چراغ لیجائے تو یہ نور سے محروم رہ جائے۔

فَسَاَكْتُبُهَا یعنی اے بنی اسرائیل میں آخرت میں تم لوگوں میں سے انہی کے لئے اپنی رحمت واجب کرونگا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ جو کفر و معصیت سے بچتے ہیں وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (يَتَّقُوْنَ میں ادائے زکوۃ بھی داخل تھی مگر) زکوۃ کا ذکر خصوصیت سے اسلئے کیا کہ نفس پر ادائے زکوۃ بہت شاق ہوتی ہے (دل پر بڑا پتھر رکھ کر اپنا مال بلا احسان دوسرے کو دینا ہوتا ہے) بِاٰيٰتِنَا یعنی میری تمام کتابوں پر يُؤْمِنُوْنَ ایمان رکھتے ہیں کسی کا بھی انکار نہیں کرتے۔

چونکہ اللہ کے علم میں تھا کہ حضرت موسیٰ کی شریعت کو ایک وقت پر منسوخ کیا جائیگا اس لئے آئندہ آیت میں اس پر تنبیہ فرمائی اور بنی اسرائیل کو رسول امی خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع پر برانگیختہ کیا۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۚ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ جو لوگ اتباع کرتے ہیں اس رسول نبی امی کا جس (کے صفات و احوال) کو وہ اپنے پاس انجیل و توریت میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو ان کو نیک باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں کی

ممانعت کرتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتاتا ہے اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام قرار دیتا ہے۔ الذین یتبعون مبتدا ہے یا اُم ہم خبر ہے یا مبتدا محذوف ہے اور الذین خبر ہے یعنی وہ وہی لوگ ہیں جو اتباع کرتے ہیں۔ الرسول النبی یعنی اللہ کا پیغمبر اور بندوں کے لحاظ سے نبی الامی مراد رسول اللہ صلعم۔ امی ام (ماں) کی طرف منسوب ہے یعنی اسی حالت پر ہے جس حالت پر پیدائش کے وقت تھا مطلب یہ کہ نہ لکھا ہے نہ پڑھا۔

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے فرمایا ہم امی گروہ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب داں ہیں۔ رواہ البخاری ومسلم عن ابن عمر۔ امی کا وصف ذکر کرنے سے اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ باوجودیکہ محمد لکھے پڑھے نہیں اس حالت میں ان کا علمی کمال اعلیٰ ترین معجزہ ہے۔ بعض علماء نے کہا امی امت کی طرف منسوب ہے آپ کی امت کثیر ہونے والی تھی اس لئے آپ کو امی فرمایا۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا قیامت کے دن میرے تابع تمام انبیاء سے زائد ہونگے اور میں ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹ کھٹاؤں گا۔ رواہ مسلم

امی اصل میں امتی تھا نسبت کی وجہ سے تاء کو حذف کر دیا جیسے مکی اور مدنی میں تاء کو حذف کر دیا گیا ہے (مکی مکتی تھا اور مدنی مدینتی) بعض کے نزدیک امی ام القریٰ کی طرف منسوب ہے یعنی مکہ کے رہنے والے اس آیت کی وجہ سے وہ بنی اسرائیل حکمِ آیت سے خارج ہو گئے جنھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دور نبوت پایا اور ایمان نہ لائے مگر وہ بنی اسرائیل حکم میں داخل رہے جنھوں نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا عہد رسالت پایا ہی نہیں اور آپ کی نبوت سے پہلے ہی گذر گئے کیونکہ آیت میں صاف صراحت ہے کہ ماتفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ماجاءتہم البینہ

ابن حبان نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا قیامت کے دن ہر نبی کے لئے نور کا ایک ممبر ہوگا اور میں سب سے اونچے اور سب سے زیادہ نور والے ممبر پر متمکن ہونگا کہ ایک منادی ندا دیگا نبیؐ امی کہاں ہے۔ انبیاء کہینگے ہم میں سے ہر ایک نبی امی ہے (یعنی امت والا ہے) پھر کس کے پاس پیام بھیجا ہے منادی دوبارہ لوٹ کر آئے گا اور کہے گا نبیؐ امی عربی کہاں ہے اس پر محمد (ممبر سے) اتر کر آئیگا اور جنت کے دروازہ پر پہنچکر دروازہ کھٹ کھٹائیگا دریافت کیا جائیگا کون ہے جواب ملے گا محمد اور احمد دریافت کیا جائیگا کیا بلایا گیا تھا جواب ملے گا ہاں دروازہ کھول دیا جائیگا اور رب جلوہ انداز ہوگا اس سے پہلے جلوہ انداز نہ ہوگا تجلی پڑتے ہی محمد سجدہ میں گر پڑیگا اور اس طرح سے اللہ کی حمد کریگا کہ کسی نے نہ کی ہوگی حکم ہوگا سر اٹھا بات کر اور شفاعت کر تیری شفاعت قبول کی جائیگی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امی کا لفظ امت کی طرف منسوب ہے

اسی لئے ہر پیغمبر اپنے کو امی کہیگا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے لفظ امی کی خصوصیت اسلئے ہوگی کہ آپ کی امت ہر پیغمبر کی امت سے زیادہ ہے (بڑی امت والا)

یجدونہ جس کو بنی اسرائیل پاتے ہیں مکتوبًا لکھا ہوا نام بھی اور خصوصی اوصاف بھی۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہو گیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اس کا باپ اس کے سرہانے توریت پڑھ رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہودی میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ پر توریت اتاری تھی اور پوچھتا ہوں کیا تجھے توریت میں میرے اوصاف حالات اور مقام خروج (بعثت) کا ذکر ملتا ہے یہودی نے کہا نہیں لیکن اس لڑکے نے کہا کیوں نہیں (ضرور موجود ہے) خدا کی قسم! یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے اوصاف خصوصیات اور مقام خروج کا ذکر توریت میں پاتے ہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (صحابہؓ سے) فرمایا اس (یہودی) کو اس کے سرہانے سے اٹھادو اور اپنے بھائی کی خود کفالت کرو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی روایت ہے کہ فلاں یہودی کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کچھ اشرفیاں قرض تھیں اس نے حضورؐ پر تقاضا کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پاس (اس وقت) کچھ نہیں ہے کہ میں دے سکوں یہودی بولا محمد (صلعم) جب تک دے نہ دو گے میں تم کو نہیں چھوڑونگا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو میں تمہارے پاس بیٹھا رہونگا چنانچہ آپ اس کے پاس بیٹھ گئے اور وہیں حضورؐ نے ظہر، عصر، مغرب عشا اور فجر کی نمازیں پڑھیں صحابۂ کرام یہودی کو دھمکانے لگے اور کچھ وعدے کرنے لگے صحابہؓ کی حرکت کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھ گئے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک یہودی آپ کو روکے ہوئے ہے (ہم سے یہ بات برداشت نہیں ہوتی) رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مجھے میرے رب نے حق تلفی کرنے سے منع فرما دیا ہے کسی معاہد کی ہو یا غیر معاہد کی۔ جب دن چڑھ گیا تو اچانک یہودی بولا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں اور میرا آدھا مال اللہ کے لئے (وقف) ہے۔ خدا کی قسم میں نے جو معاملہ آپ کے ساتھ کیا وہ صرف اس وجہ سے کیا کہ میں نے توریت میں دیکھا تھا محمد بن عبداللہ (صلعم) کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور طیبہ اس کا مقام ہجرت ہوگا اس کی حکومت شام میں ہوگی وہ بدخو درشت مزاج نہ ہوگا، بازاروں میں چیخ وپکار نہ کریگا فحش کلام اور بےحیائی کی باتیں نہیں کرے گا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں یہ میرا مال موجود ہے آپ جیسا مناسب ہو اس میں تصرف کریں۔

یہ یہودی بڑا مالدار تھا۔ مذکورۂ بالا دونوں حدیثیں بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بیان کی ہیں۔

عطاء بن یسار کا بیان ہے میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اوصاف بتائیے جن کا ذکر توریت میں آیا ہے فرمایا اچھا خدا کی قسم رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی جو صفات قرآن مجید میں بیان کی گئی ہیں ان کا کچھ حصہ توریت میں بھی ذکر کیا گیا ہے (توریت میں آیا ہے اے نبی ہم نے تجھ کو (حق و باطل کی) شہادت دینے والا نیکوں کو جنت کی (خوشخبری دینے والا (نافرمان کافروں کو دوزخ سے) ڈرانیوالا اور امیوں (یعنی عربوں) کا محافظ بنا کر بھیجا ہے تو میرا بندہ ہے میرا رسول ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے جو بدخو درشت مزاج نہ ہوگا بازاروں میں پکارتا غل مچاتا نہ پھریگا۔ برائی کو برائی سے دفع نہیں کریگا بلکہ عفو اور مغفرت سے کام لیگا ہم اس کی روح اس وقت تک قبض نہ کرینگے جب تک اسکے ذریعہ سے ٹیڑھی امت کو سیدھا نہ کر دینگے یعنی جب تک لوگ لاالٰہ الا اللہ کے قائل نہ ہو جائیں گے ہم اسکے ذریعہ سے اندھی آنکھوں کو بہرے کانوں کو اور بند دلوں کو کھول دینگے۔ رواہ البخاری۔ دارمی نے حضرت عبداللہ بن سلام کی روایت بھی اسی جیسی نقل کی ہے۔

حضرت کعب احبار نے توریت سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہم (توریت میں) لکھا ہوا پاتے ہیں محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرا منتخب بندہ ہوگا۔ درشت خو بدمزاج نہ ہوگا بازاروں میں شور وغل نہیں کریگا۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیگا بلکہ معاف کر دیگا اور بخشدیگا۔ اس کی پیدائش مکہ میں ہجرت طیبہ میں اور حکومت شام میں ہوگی اس کی امت بکثرت حمد کرنے والی ہوگی دکھ سکھ ہر حال میں اللہ کی حمد کریگی ہر فرودگاہ میں حمد کریگی اور ہر ٹیلہ پر تکبیر کہیگی وہ لوگ سورج (کے طلوع غروب اور چڑھاؤ اتار) کو دیکھتے رہیں گے جب نماز کا وقت آئیگا تو نمازیں پڑھیں گے وہ وضو میں ہاتھ پاؤں دھوئیں گے۔ ان کا مؤذن خلاء سماوی میں (یعنی منارہ پر چڑھ کر) اذان دیگا۔ ان کے میدان قتال کی صف بندی اور نماز کی صف بندی ایک ہی طرح کی ہوگی رات میں ان کی (نمازوں کی) گونج ایسی ہوگی جیسی شہد کی مکھیوں کی بھن بھناہٹ۔ رواہ البغوی فی معالم التنزیل۔ وذکرہ فی المصابیح۔ دارمی نے بھی یہ حدیث کسی قدر تغیر کے ساتھ نقل کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا توریت میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف لکھے ہوئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ عیسیٰ بن مریم کو ان کے ساتھ دفن کیا جائیگا۔ رواہ الترمذی۔ ابوداؤد نے کہا حجرہ میں ایک قبر کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے۔

یامرھم بالمعروف یعنی ان باتوں کا حکم دیتا ہے جو شریعت الٰہیہ میں اچھی بتائی گئی ہیں وینھٰھم عن المنکر یعنی ان باتوں کی ممانعت کرتا ہے جو شرع، عقل سلیم اور سنجیدہ غیر جذباتی ہوش رکھنے والوں کے نزدیک بری ہیں

جیسے شرک محسن کی ناشکری اور نافرمانی قرابت داروں سے رشتۂ قرابت کو توڑ لینا۔ ویحل لہم اور بنی اسرائیل کے لئے حلال کرتا ہے۔ الطیبات وہ پاکیزہ چیزیں جو نافرمانی کی سزا میں توریت کے اندر ان کے لئے حرام کر دی گئی تھیں جیسے چربی اور اونٹ کا گوشت اور ان چیزوں کو بھی حلال کرتا ہے جو اہل جاہلیت نے خود اپنے لئے حرام قرار دے رکھی تھیں جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام (ان چاروں اقسام کے اونٹوں کی تفصیل کسی جگہ گذر چکی ہے)

ویحرم علیہم الخبائث اور گندی چیزوں کو ان کے لئے حرام کرتا ہے جیسے خون، شراب، خنزیر، مردار سود، رشوت۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط اور ان پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتا ہے (یعنی اتار پھینکتا ہے)

اصر لغت میں اس بوجھ کو کہتے ہیں جو حرکت کرنے سے روک دے۔ حضرت ابن عباسؓ، حسن، ضحاک، سدی اور مجاہد کے نزدیک اصر سے مراد وہ عہد ہے جو بنی اسرائیل سے توریت کے کل احکام کی پابندی رکھنے کا لیا گیا تھا۔ قتادہ کے نزدیک وہ دینی تشدد مراد ہے جس کے بنی اسرائیل مکلف تھے۔ والاغلل یعنی وزنی بارجو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تھے جیسے توبہ قبول ہونے کے لئے قتل کئے جانے کا ضروری حکم۔ گناہ کرنے والے عضو کو کاٹ ڈالنے کا حکم کپڑے پر نجاست لگ جائے تو اس کو قینچی سے قطع کر دینے کا حکم قتل عمداً ہو یا خطاءً بہر حال قصاص کا وجوبی حکم اور خونبہا لینے دینے کی ممانعت، سنیچر کے دن کوئی دنیوی کام نہ کرنے کا حکم، گرجا کے علاوہ کہیں اور کسی جگہ نماز کی ادائیگی نہ ہونے کا حکم یہ اور اسی طرح کے دوسرے سخت احکام تھے جو طوق کی طرح یہودیوں کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ع سو جو لوگ اس (نبی امی) پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی حمایت کرتے ہیں اور اس کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے ہی لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

عزروہ اس کی تعظیم کی یعنی قوت پہنچا کر (اسکی کامل) تعظیم کی۔ ونصروہ اور دشمنوں کے خلاف اسکی مدد کی۔ النور یعنی قرآن مجید۔ معہٗ یعنی اس کی نبوت کے ساتھ جو قرآن بھیجا گیا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں۔ قرآن کو نور کہنے کی وجہ یہ ہے کہ (نور اس چیز کو کہتے ہیں جو خود بالکل ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو بھی ظاہر کر دینے والی ہو) قرآن اپنے معجزہ ہونے کی وجہ سے خود ظاہر الصداقت ہے اور اس کا کلام اللہ ہونا پوشیدہ

نہیں ہے اور (افکار و اعمال کو روشن کرنے والے) احکام کو ظاہر کرنے والا بھی ہے یا یوں کہا جائے کہ قرآن حقائق کے چہرہ سے پردہ اٹھا دینے والا ہے اس لئے اس کو نور کہا گیا۔

معہٗ کا تعلق (اتبعوا سے ہو (انزل سے نہ ہو) اس وقت یہ مطلب ہوگا کہ نازل شدہ نور یعنی قرآن کا بھی اتباع کرو اور نبی کا بھی اتباع کرو قرآن اور سنت دونوں کی پیروی کرو۔ المفلحون یعنی ابدی فلاح پانے والے اور لازوال دائمی رحمت سے سرفراز ہونے والے۔ المفلحون تک حضرت موسیٰؑ کی دعا، کا جواب تھا۔

نوف بکالی حمیری کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی چھانٹے پھر اللہ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا میں تم لوگوں کے لئے تمام زمین کو عبادت گاہ اور پاک قرار دیدونگا جہاں نماز کا وقت ہوجائے تم نماز پڑھ سکوگے اِں پاخانہ یا غسل خانہ یا قبر کے پاس پڑھنے کی ممانعت ہوگی اور تمہارے دلوں میں ٹھیراؤ (اطمینان ایمانی) پیدا کر دوں گا تم تہ دل سے (یعنی حفظ) توریت پڑھا کروگے مرد عورت آزاد غلام چھوٹا بڑا ہر شخص توریت حفظ پڑھے گا حضرت موسیٰؑ نے یہ فرمان اپنی قوم کو سنایا وہ لوگ کہنے لگے ہم نہیں چاہتے کہ گرجا کے علاوہ کہیں اور نماز پڑھیں نہ ہم تہ دل سے توریت پڑھنے کی طاقت رکھتے ہیں ہم تو صرف دیکھ کر پڑھنا چاہتے ہیں اس پر اللہ نے فرمایا فساکتبها للذین یتقون ۔۔۔ سے ۔۔۔ المفلحون تک۔

چنانچہ اس امت کے لئے اللہ نے یہ بات مخصوص کردی حضرت موسیٰؑ نے دعا کی اے میرے رب مجھے اس امت کا پیغمبر بنادے اللہ نے فرمایا ان کا نبی انہی میں سے ہوگا حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا تو مجھے اس امت میں سے ہی کردے اللہ نے فرمایا تم ان کے زمانہ کو نہیں پہنچ سکتے (یعنی وہ امت آخری زمانہ میں آئیگی تم اس وقت تک زندہ نہیں رہوگے) حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا اے میرے رب میں بنی اسرائیل کا وفد لیکر حاضر ہوا تھا اور ان کی نمائندگی کا فائدہ دوسروں کو تو نے عطا کیا (یہ محروم رہ گئے) اس پر اللہ نے نازل فرمایا ومن قوم موسیٰ امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون۔ حضرت موسیٰؑ اس پر خوش ہوگئے نوف بکالی کی یہ تشریح اور تفصیل آیت کے صریحی الفاظ اور کلام کی رفتار کے خلاف ہے آیت الذین یتبعون الرسول النبی الامی ۔۔۔ فی التوراۃ والانجیل صراحت کے ساتھ بتارہی ہے کہ یہ آیت صرف مؤمنین اہل کتاب کے حق میں ہے (ان مؤمنوں سے اس کا تعلق نہیں جو پہلے مشرک تھے)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ، قتادہ اور ابن جریجؒ نے فرمایا جب آیت وسعت کل شیٔ نازل ہوئی تو ابلیس کہنے لگا میں بھی کل شیٔ میں داخل ہوں (میں بھی رحمت سے محروم نہیں رہونگا) اس پر اللہ نے فرمایا فساکتبها للذین یتقون ویؤتون الزکوٰۃ والذین ھم بایٰتنا یؤمنون یہ آیت سن کر یہودی اور عیسائی بھی آرزومند ہوگئے اور کہنے لگے ہم بھی تقویٰ رکھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ پر ہمارا ایمان ہے اس پر اللہ

نے رحمت کو محض اس امت کے لئے محدود کر دیا اور فرمایا الذین یتبعون الرسول النبی الامی الخ
اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں خطاب کا رخ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے حالانکہ آیت کا سیاق چاہتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی دعاء کے جواب میں اللہ نے ان الفاظ سے حضرت موسیٰ کو خطاب فرمایا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کا نزول بطور نقل ہوا گویا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ موسیٰ نے یہ دعا کی تھی اور ہم نے ان کی دعا کا یہ جواب دیا) واللہ اعلم۔

قُلْ يَآيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ص آپ کہہ دیجئے کہ لے (تمام) لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔

قل اے محمد آپ کہہ دیجئے۔ انی رسول اللہ اس میں اضافت عہد خارجی کی ہے یعنی میں وہی رسول نبی امی ہوں جس کا ذکر اوپر گذر گیا اور جس کے اتباع کا عہد لیا گیا تھا۔ الیکم یہ تمام لوگوں کو خطاب ہے اسی لئے آگے جمیعاً بطور تاکید فرمایا لفظ جمیعاً کُمْ سے حال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت تمام انسانوں کے لئے بلکہ جنات کے لئے بھی تھی باقی انبیاء کو صرف اپنی اپنی قوم کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے چھ باتوں کی وجہ سے انبیاء پر برتری عطا فرمائی گئی، مجھے جامع الفاظ عطا کئے گئے (یعنی کثیر معانی کو ادا کرنے والے مختصر ترین الفاظ بولنے کا ملکہ عطا کیا گیا) میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی۔ (دشمنوں پر دور دور تک میرا رعب ڈالا گیا) میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا میرے لئے (تمام) زمین کو عبادت گاہ بنا دیا گیا اور پاک کر دیا گیا مجھے سب مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا مجھ پر نبوت ختم کر دی گئی۔ رواہ مسلم والترمذی عن ابی ہریرۃ۔

طبرانی نے الکبیر میں صحیح سند سے حضرت سائب بن یزید کی روایت سے مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے مجھے پانچ باتوں کی وجہ سے انبیاء پر برتری عطا کی گئی۔ مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا۔ میری امت کے لئے میری شفاعت جمع رکھ لی گئی۔ ایک ماہ کی راہ آگے تک اور ایک ماہ کی راہ پیچھے تک رعب ڈالکر میری مدد کی گئی میرے لئے (تمام) زمین کو عبادت گاہ اور طاہر بنا دیا گیا۔ میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا۔ بیہقی نے صحیح سند سے حضرت ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا ہے مجھے چار باتوں کی وجہ سے برتری عطا کی گئی اس روایت میں شفاعت کا ذکر نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں آیت میں خطاب اگرچہ عام طور پر سب لوگوں کو ہے لیکن بیان کی رفتار بتا رہی ہے کہ عام کے ذیل میں مدینہ کے یہودی اور بعض عیسائی خصوصیت کے ساتھ مخاطب ہیں انہی کے خلاف بطور دلیل مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل فرمایا اس کے بعد عناد و خصومت کے زیر اثر ان کا انکار اللہ کے دربار میں بے سود ہوگا (انکار کی کوئی وجہ باقی نہیں) الذی لہ ملک السموات یہ اللہ کی صفت ہے یعنی میں اس اللہ کا رسول ہوں جس کی حکومت سارے جہان پر ہے یا الذی مبتدا ہے اور لا الہ الا ہو۔ خبر ہے یعنی جس اللہ کی بادشاہت تمام جہان میں ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس آخری صورت میں الذی لہ الخ پیام رسالت کا بیان ہوگا یعنی مجھے یہ پیام پہنچانے کے لئے بھیجا گیا ہے کہ جو بادشاہ کائنات ہے وہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ پس تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اللہ کے اس رسول نبی امی پر بھی جو خود اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اس رسول کا اتباع کرو تاکہ تم راہ مقصد پر آلگو۔

رسولہ النبی الامی یعنی اس امی پیغمبر کا اتباع کرو جس کے اتباع کا پکا وعدہ تم سے گذشتہ کتابوں میں لے لیا گیا ہے۔ وکلماتہ اور اللہ کے احکام پر یعنی ان کتابوں پر اور وحی پر جس کا نزول اللہ کی طرف سے نبی امی اور دوسرے پیغمبروں پر ہوا ہے لعلکم تھتدون یعنی ہدایت یاب ہونے کی امید رکھتے ہوئے، ہدایت یابی کی امید کو دونوں باتوں کے مجموعہ کا نتیجہ قرار دیا (ایمان اور اتباع دونوں کے مجموعہ پر امید ہدایت کو مرتب کیا) تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جو شخص صرف تصدیق تو کرتا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کا ایمان تو ہو مگر شریعت کی پابندی نہ کرتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیرو نہ ہو تو وہ فکر و عقیدہ کے لحاظ سے اگرچہ ہدایت یافتہ ہو جائیگا مگر عمل کے اعتبار سے برابر گمراہی میں گھرا رہیگا۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ط اور قوم موسیٰ میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو دین حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتے ہیں۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے سب کی الگ الگ جماعت مقرر کر دی۔

ومن قوم موسی موسیٰ کی قوم میں سے یعنی بنی اسرائیل میں سے۔ امۃٌ یعنی ایک جماعت بالحق (یہ لفظ یا حال ہے) یعنی ایسی حالت میں کہ وہ خود برحق ہیں اصحاب حق ہیں یا بالحق سے مراد ہے بکلمۃ الحق یعنی وہ لوگوں کو حق بات کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ اس حق کے سبب جس پر وہ خود قائم ہیں لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں وبہ یعدلون یعنی آپس کے معاملات میں بھی حق کے ساتھ ہی انصاف کے فیصلے کرتے ہیں۔

ضحاک کلبی اور ربیع کا بیان ہے کہ جس جماعت کا اس آیت میں تذکرہ ہے وہ انتہائی مشرق میں چین سے بھی آگے ایک دریا کے کنارے جس کا نام دریاء اوراق ہے رہتی ہے ان میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ اس کے پاس مال ہو اور اس کے ساتھی کے پاس نہ ہو وہاں (روز) رات کو بارش ہوتی ہے اور دن کو ابر کھل جاتا ہے وہ لوگ کھیتی کرتے ہیں ہم میں سے کوئی بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ وہ سب دین حق پر ہیں۔

روایت میں آیا ہے کہ شب معراج میں حضرت جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر ان کی طرف پہنچے اور ان سے پوچھا تھا کہ کیا تم ان کو پہچانتے ہو جن سے کلام کر رہے ہو انھوں نے انکار کیا تو جبرئیل نے کہا یہ محمد نبی امی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں یہ بات سن کر وہ سب آپ پر ایمان لے آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت موسیٰؑ نے ہم کو وصیت کی تھی کہ تم میں سے جو کوئی بھی احمد کو پالے میرا ان سے سلام کہہ دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موسیٰؑ کے سلام کا جواب دیا پھر انکو دس مکی سورتیں سکھائیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ اپنی جگہ پر ہی قیام پذیر رہیں وہ لوگ سنیچر کے دن عبادت کرتے تھے آپ نے ان کو سنیچر کی جگہ جمعہ کی تعلیم دی۔

بعض علماء کا قول ہے کہ آیت میں وہ یہودی مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے اور مسلمان ہو گئے تھے بغوی کے نزدیک اول قول زیادہ صحیح ہے۔ میرے نزدیک اول روایت غریب ہے کہ مکہ میں معراج کے وقت جمعہ کی نماز کا حکم ہوا ہی نہ تھا اور نہ کوئی دس مکی سورتیں ایسی ہیں جن میں اسلام کے پورے احکام مذکور ہوں زیادہ ظاہر یہ بات ہے کہ آیت میں مراد وہ مؤمن ہیں جو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے اور جو یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے ان میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے وہ بھی مراد ہیں جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ

قطعنھم یعنی ہم نے بنی اسرائیل کے فرقے بنا دیئے۔ اثنتی عشرۃ بارہ یعنی ان کی جماعت کو بارہ حصوں میں بانٹ دیا اسباطا یہ بدل ہے تمیز نہیں ہے اولاد (لڑکی ہو یا لڑکا) کی اولاد کو سبط کہتے ہیں حضرت اسرائیل کے بارہ بیٹے تھے ہر ایک کی اولاد ایک سبط تھی امماً یہ اسباط کی صفت ہے یا دوسرا بدل۔ زجاج نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کے بارہ فرقے یعنی جماعتیں بنا دیں۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ اور ہم نے موسیٰ کو حکم دیا جبکہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا کہ اپنی اس لاٹھی کو فلاں پتھر پر مار دو بس (مارتے ہی) اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر ہر شخص (یا ہر جماعت) نے اپنا پانی پینے کا مقام (یعنی گھاٹ) جان لیا۔

(اذا استسقاہ) یعنی جب تیہ میں بنی اسرائیل نے موسیٰ سے پانی طلب کیا۔ فانبجست یعنی موسیٰ نے جونہی لاٹھی ماری فوراً چشمے پھوٹ نکلے۔ لاٹھی مارنے کا لفظ یہ بتانے کے لئے حذف کر دیا کہ حکم کے بعد موسیٰؑ نے فوراً تعمیل کی جسکے ذکر کی ضرورت نہیں۔ اور تعمیل حکم کرتے ہی چشمے بہ نکلے۔ ایک بات یہ بھی معلوم ہوگئی کہ موسیٰؑ کا لاٹھی مارنا بذاتِ خود موثر نہ تھا اسی لئے اس کو حذف کر دیا کہ اس پر چشموں کا پھوٹ نکلنا موقوف تھا۔ انبجاس کا معنی ہے پھٹ جانا لیکن ابو عمرو بن علاء نے انبجست کا ترجمہ کیا ہے عرقت یعنی پسیج کر اور پھوٹ کر نکلے بارہ چشمے ہر خاندان کے لئے ایک چشمہ کل اناس یعنی ہر سبط نے بارہ اسرائیلی قبائل میں سے ہر قبیلہ نے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَاتِكُمْ ۚ سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝ اور سایہ کر دیا ہم نے ان پر ابر کا اور پہنچائیں ان کو ترنجبین اور بٹیریں (اور اجازت دیدی کہ) ہماری عطا کردہ نفیس چیزوں میں سے (جو دل چاہے) کھاؤ اور انھوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ان کو حکم دیا گیا تھا کہ تم لوگ اسی بستی میں جاکر رہو اور بستی میں سے جہاں چاہو (رہ کر) کھاؤ اور (داخلہ کے وقت) زبان سے حطۃ (توبہ ہے توبہ ہے) کہتے جاؤ اور جھکے جھکے دروازہ میں داخل ہو ہم تمہاری (پچھلی) خطائیں معاف کر دینگے (اور) جو لوگ نیک کام کرینگے ان کو مزید عنایت کرینگے۔

کلوا یعنی ہم نے کہا کھاؤ۔ سنزید المحسنین عمومی مغفرت گناہ کے ساتھ نیکو کاروں سے مزید ثواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ بغیر عطف کے اس جملہ کو ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی طرف سے یہ ثواب محض مہربانی ہے ان احکام کی تعمیل کے عوض نہیں ہے جو ان کو دیئے گئے تھے۔

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ۝ سو بدل دیا ان میں سے ظالموں نے اس لفظ کو جو ان سے کہا گیا تھا۔ غیر لفظ کے ساتھ اس پر ہم نے ان پر ایک آفت آسمان سے بھیجی اس وجہ سے کہ وہ حکم کو ضائع کرتے تھے۔ آیاتِ مذکورہ بالا کی تفسیر سورۂ بقرہ میں مفصل گذر چکی ہے سورۂ بقر کی آیات اور ان آیات میں فرق صرف یہ ہے کہ سورۂ بقر میں فکلوا فاء کے ساتھ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سکونتِ قریہ سببِ اکل ہے (وہاں جاکر رہو تو کھاؤ) اور اس جگہ فا نہیں ہے بدونِ فا کا ذکر کافی سمجھا گیا یا یہ کہ آیات کی رفتار خود بتا رہی ہے کہ سکونت سبب اکل ہے کذا قال البیضاوی۔

میں کہتا ہوں کہ سورۂ بقرہ میں ادخلوا ھذہ القریۃ نکلوا آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کھانا داخل ہونے کے بعد ہی ہوگا اس لئے فاء تعقیبیہ ذکر کر دی گئی اور اس جگہ اسکنوا ھذہ القریۃ آیا ہے اس جگہ کلوا پر فاء تعقیبیہ لانا مناسب نہیں کیونکہ سکونت کے ساتھ ہی کھانا بھی ہو سکتا ہے۔ دونوں فعل ایک وقت میں جمع ہو سکتے ہیں اسلئے واؤ جو محض جمعیت پر دلالت کرتا ہے ذکر کیا اور وادخلوا سے پہلے قولوا ذکر کرنے سے معنی پر کوئی بدیہی اثر نہیں پڑتا۔

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ اور آپ ان (یہودیوں) سے اس بستی کے متعلق دریافت کریں جو سمندر (بحر شور) کے کنارے آباد تھی جب کہ وہ سنیچر کے دن کے (احکام کے) بارہ میں حد شرعی سے نکل رہے تھے یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ سنیچر کے دن سمندر کی مچھلیاں ظاہر ہو کر ان کے سامنے آجاتی تھیں اور سنیچر نہ ہوتا تھا تو نہ آتی تھیں ہم اسی طرح ان کی آزمائش کرتے تھے کیونکہ وہ (پہلے سے) بے حکمی کیا کرتے تھے

واسئلھم یعنی اے محمد یہودیوں سے دریافت کرو یہودیوں سے اقرار کرانے اور کفر و معصیت پر تنبیہ کرنے کے لئے سوال کرنے کا حکم دیا ایک غرض یہ بھی تھی کہ اس سوال کا معجزۂ رسول ہونا ظاہر ہو جائے یہودیوں کو اپنے واقعات کا علم تھا مکہ والے ان سے واقف نہ تھے اب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے ان واقعات کا اظہار معجزہ نہ تھا تو اور کیا تھا۔ عن القریۃ یعنی بستی والوں کا واقعہ (مضاف محذوف ہے) حاضرۃ البحر سمندر کے قریب، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس بستی کا نام ایلہ تھا یہ آبادی مدین اور طور کے درمیان سمندر کے کنارے پر تھی۔ ازہری نے کہا شام کی جھیل طبریہ کے کنارہ پر تھی۔ اذیعدون اس کی ضمیر اہل قریہ کی طرف راجع ہے۔ اہل کا لفظ اگرچہ مذکور نہیں مگر مذکور کے حکم میں ہے) مطلب یہ ہے کہ وہ مچھلی کے شکار میں حد جواز سے آگے بڑھتے تھے (سنیچر کے دن بھی شکار کرتے تھے) اذ تاتیھم اس ظرف کا تعلق یعدون سے ہے یا یہ دوسرا بدل ہے۔ یوم سبتھم اسبت مصدر ہے یعنی سنیچر کی تعظیم کا دن۔ عربی میں کہا جاتا ہے سبت الیھود، یہودیوں نے سبت کی تعظیم کی یعنی عبادت کے لئے سنیچر کے دن تمام مشاغل ترک کر دیئے۔ اس قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آگے لایسبتون (بصیغۂ مضارع بصورت اشتقاق) آیا ہے (جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یوم سبتھم میں بھی سبت کا مصدری معنی مراد ہے) بعض کے نزدیک سبتھم میں سبت سے سنیچر کا دن مراد ہے۔ اس صورت میں سبت کو مضاف کی شکل میں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہوگی کہ سنیچر کے احکام کی خصوصیت صرف یہودیوں کے ساتھ ہے اسلئے سنیچر صرف یہودیوں کا ہوا۔

شُرَّعًا یہ شارع کی جمع ہے یعنی پانی کی سطح پر بکثرت جمع ہونے والیاں۔ شَرَعَ قریب ہو گیا اوپر آ گیا۔ ضحاک نے شُرَّعًا کا ترجمہ کیا ہے پے در پے متواتر۔ روایت میں آیا ہے کہ سنیچر کے دن مچھلیاں پانی کے اوپر بڑے سفید دنبوں یا مینڈھوں کی طرح آجاتی تھیں۔

یوم لایسبتون اور جس روز وہ سنیچر نہیں مناتے تھے (یعنی سنیچر نہ ہوتا تھا) کذلک یعنی سنیچر کے دن جیسی حرکت وہ کرتے تھے ویسی ہی ہم اُن کی جانچ کرتے تھے یا یہ مطلب ہے کہ ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہم ان کی جانچ اس سخت امتحان کی صورت میں کرتے تھے۔ روایت میں آیا ہے کہ شیطان نے ان کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ اللہ نے سنیچر کے دن شکار کرنے سے منع نہیں کیا ہے کھانے سے منع کیا ہے اس لئے وہ شکار کرنے لگے یا یہ وسوسہ پیدا کیا کہ مچھلیاں پکڑنے کی ممانعت کی ہے لہٰذا انھوں نے لب ساحل بڑے بڑے حوض کھود لئے جن کے اندر سمندر سے پانی کے ساتھ سنیچر کے دن مچھلیاں آجاتی تھیں اور اتوار کے دن لوگ ان کو پکڑ لیتے تھے ایسی حرکت بہت دنوں تک کرتے رہے پھر سنیچر کے دن بھی شکار کرنے کی جرأت کرنے لگے اور بولے ہمارے خیال میں اب سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑنا بھی ہمارے لئے حلال کر دیا گیا ہے چنانچہ اس خیال کے بعد وہ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑنے بھی لگے اور خرید فروخت بھی کرنے لگے اور کھانے بھی لگے۔ ایک تہائی آدمی تو اس نافرمانی میں مبتلا ہو گئے مگر ایک تہائی آدمیوں نے ان کو روکا اور باز داشت کی باقی ایک تہائی نے نہ تو جرم میں شرکت کی نہ ممانعت کی خاموش رہے۔

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ اور (اس وقت کا حال دریافت کرو) جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے (اپنے ساتھیوں سے) کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہی ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے انھوں نے جواب دیا تمہارے رب کے سامنے عذر پیش کرنے کے لئے اور اس لئے بھی کہ شاید یہ پرہیزگار ہو جائیں۔

واذ قالت امۃ یعنی خاموش رہنے والے گروہ نے نصیحت کرنے اور (سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑنے سے) روکنے والے گروہ سے کہا اللہ مہلکھم یعنی جن کو اللہ دنیا میں ہلاک کرنے والا ہے یا آخرت میں سخت سزا دینے والا ہے۔ قالوا نصیحت کرنے والوں نے کہا۔ معذرۃ یعنی اس لئے ہم نصیحت کرتے ہیں کہ ہماری طرف سے باز داشت میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ اور اللہ کے سامنے ہم عذر پیش کر سکیں۔ ولعلھم یتقون اور شاید یہ لوگ باز ہی آجائیں (ہم ناامید نہیں ہیں) ناامیدی تو ہلاکت کے بعد ہی ہوگی۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ

ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ○ آخر جو بات ان کو سمجھائی جاتی تھی جب وہ اس کے تارک ہی رہے (یعنی نصیحت نہ مانی) تو ہم نے بری بات سے روکنے والوں کو تو بچالیا اور جو لوگ بیجا حرکت کرتے تھے ان کی نافرمانی کی پاداش میں ان کو سخت عذاب میں پکڑ لیا یعنی جب وہ اس کام میں حد سے نکل گئے جس سے ان کو روکا گیا تھا تو ہم نے (براہ قہر) ان کو کہہ دیا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ (وہ ذلیل بندر ہو گئے)

فلما نسوا پھر جب نافرمان فرقہ واعظ وصالح فرقہ کی نصیحت بھول گیا یعنی نصیحت کا تارک رہا سمجھانے پر عمل نہ کیا۔ الذین ینھون عن السوء تو نصیحت کرنے والے نیکوکار فرقہ کو ہم نے ہلاکت سے بچالیا۔

واخذنا الذین اور نافرمان گروہ کو سخت عذاب میں گرفتار کرلیا۔ بئیس بروزن شدید یعنی شدید بؤس باسا شدید ہو گیا (باب نصر)

حضرت ابن عباس نے فرمایا میں سن رہا ہوں کہ اللہ نے انجینا الذین ینھون عن السوء واخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس تو فرمادیا (یعنی بری باتوں سے روکنے والوں کے بچانے کی اور ظالموں کے گرفتار عذاب ہونے کی تو صراحت فرمادی) مگر معلوم نہیں خاموش رہنے والے (نیکوکار) گروہ کا کیا ہوا۔ عکرمہ نے کہا میں نے عرض کیا۔ حضرت پر میری جان قربان۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہ فرمایا کہ اس خاموش رہنے والے گروہ نے ظالموں کی حرکت سے اپنی نفرت اور بیزاری کا اظہار کردیا اور ان کے عمل کو برا قرار دیا اور نصیحت کرنیوالوں سے کہدیا لم تعظون قوما اللہ مھلکھم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے۔ ان کے متعلق اللہ نے اگرچہ یہ نہیں فرمایا کہ میں نے ان کو بچالیا مگر یہ بھی نہیں فرمایا کہ میں نے ان کو ہلاک کر دیا۔ حضرت ابن عباسؓ کو میری یہ بات پسند آئی اور مجھے دو چادریں پہنانے کا حکم دے دیا یعنی بطور خلعت لطور انعام عنایت فرمایا۔ اور فرمایا خاموش رہنے والے گروہ نے (یقیناً) نجات پائی۔ رواہ الحاکم۔

یمان بن رباب نے کہا دونوں گروہوں نے نجات پائی اس گروہ نے بھی جس نے لم تعظون قوما اللہ مھلکھم کہا تھا اور ان لوگوں نے بھی جنھوں نے معذرۃ الی ربکم کہا تھا اور مچھلیاں پکڑنے والوں کو اللہ نے غارت کردیا۔ یہ قول حسن اور مجاہد کا ہے ابن زید نے کہا صرف روکنے اور بازداشت کرنے والے گروہ نے نجات پائی۔ باقی دونوں گروہ ہلاک ہو گئے۔ نہی عن المنکر کو ترک کرنے کے سلسلہ میں یہ سخت ترین آیت ہے فلما عتوا یعنی گناہگار مجرم گروہ ممنوع کے ترک کی حد سے بڑھ گیا۔ عن ما نھوا میں مضاف محذوف ہے یعنی عن ترک ما نھوا۔

خٰسئین دور (یعنی پھٹکارے) والے ذلیل، یہ امر ایجاب عمل کے لئے نہیں ہے کیونکہ عمل کرنا اور بندر بنجانا ان کے اختیار میں نہ تھا بلکہ تکوین اور تسخیر کے لئے ہے (یعنی تم کو ہونا پڑے گا بندر ذلیل) ظاہر کلام بتارہا ہے کہ اللہ نے پہلے

ان کو کوئی سخت سزا دی لیکن اس پر بھی انھوں نے سرکشی جاری رکھی اور باز نہ آئے تو اللہ نے ان کی صورتیں مسخ کردیں ،
یہ بھی جائز ہے کہ آیت فلما عتوا آیت فلما نسوا کی تاکید اور تفصیل ہو (ہم نے ترجمہ اسی شق کے مطابق کیا ہے)
بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ واذ قالت امتہ سے مراد یہ ہے کہ نیکو کار فرقہ میں سے بعض نے بعض سے کہا تم کیوں
ان کو نصیحت کرتے ہو یعنی بطور افسوس انھوں نے وعظ کے بے سود ہونے کا اظہار کیا اور آپس میں ہی انھوں نے
جواب دیا اور کہا معذرۃ الی ربکم ۔
یا یوں کہو کہ (وعظ کرتے کرتے) جو لوگ نصیحت کرنے سے رک گئے تھے انھوں نے ان لوگوں سے جو نصیحت
کرنے سے نہیں رکے تھے (برابر وعظ کئے جارہے تھے) کہا لم تعظون قوما اللہ مھلکم ۔ بعض اہل علم کے نزدیک یہ مطلب
ہو کہ بطور استہزاء اور مذاق بناتے ہوئے خطاکار لوگوں نے نصیحت کرنے والے گروہ سے کہا کہ جب تمہارے
خیال میں اللہ ہم کو ہلاک کرنے والا ہی ہے تو پھر ایسے لوگوں کو تم نصیحت کیوں کرتے ہو ۔ اس کے جواب میں
نیک گروہ نے کہا معذرۃ الی ربکم ۔ مگر لعلھم یتقون میں غائب کی ضمیر اس مطلب کو غلط قرار دے رہی ہے
اگر یہی مطلب تھا تو لعلکم تتقون مخاطب کی ضمیر کے ساتھ کہنا چاہئے تھا (ممکن ہے کہ گناہگار گروہ نے جب
اپنے کو بصیغہ غائب ذکر کیا اور قوما اللہ مھلکم کہا تو نصیحت کرنے والوں نے بھی اسی رعایت سے مخاطب
کو بصیغہ غائب ذکر کردیا ۔ مترجم)
روایت میں آیا ہے کہ جب واعظ نا امید ہو گئے تو خطاکاروں کے ساتھ رہنا بھی ان کو گوارا نہ ہوا اور
انھوں نے بستی کو تقسیم کرلیا مسلمانوں کی آبادی کا دروازہ الگ ہوگیا اور مجرموں کی آبادی کا دروازہ الگ ہوگیا
اور دونوں آبادیوں میں دیوار حائل ہوگئی اور حضرت داؤد نے مجرموں کے لئے بددعا کی ایک روز صبح کو
جب نیکوکار گروہ اٹھا اور بدکاروں میں سے کوئی گھر سے نہیں نکلا تو انھوں نے کہا آج ضرور ان پر کوئی افتاد
ہوئی ہے چنانچہ گھروں کے اندر جا کر دیکھا تو سب بندر نظر آئے یہ لوگ اپنے قرابتداروں کو نہ پہچان سکے ۔ مگر بندروں
نے ان کو پہچان لیا اور پاس آکر ان کے کپڑے سونگھنے لگے روتے تھے اور ان کے آس پاس لوٹتے پھرتے تھے نیک
گروہ والے ان سے کہنے لگے کیا ہم تم کو منع نہیں کرتے تھے بندر جواب میں سر ہلا دیتے تھے تین روز تک اسی
حال میں رہے لوگ ان کو دیکھتے تھے اور وہ لوگوں کو تین روز کے بعد سب مر گئے ۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ○ اور وہ وقت یاد کرنا چاہئے
جب آپ کے رب نے بتادیا تھا کہ وہ ان (یہودیوں) پر روز قیامت (کے قریب) تک ایسے لوگوں کو ضرور
مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت دکھ پہنچائیں گے بلاشبہ آپ کا رب واقعی جلد سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ واقعی

غفور رحیم ہے۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ۔ تاذّن ماضی باب تفعل اذن سے مشتق ہے اس کا معنی ہے اٹل ارادہ کیونکہ کسی کام کا عزم کرنے والا اپنے نفس کو اس کام کی محکم اطلاع دیدیتا ہے (چیلنج کر دیتا ہے) اسی لئے فعل قسم علم اللہ شہد اللہ وغیرہ کے قائم مقام اس کو استعمال کیا جاتا ہے اور جواب قسم کی طرح اس کا جواب ذکر کیا جاتا ہے حضرت ابن عباسؓ نے تاذّن کا ترجمہ قال (فرمایا) کیا ہے اور مجاہد نے افرّ (اقرار کیا) اور عطاء نے حکم (حکم دیا) لَيَبْعَثَنَّ آخری تینوں اقوال پر جواب قسم محذوف ہوگا یعنی خدا کی قسم اللہ روز قیامت تک۔ یہودیوں پر مسلط کرتا رہے گا من یسومھم سوء العذاب۔ سوء عذاب سے مراد ہے قتل کرنا قید کرنا جزیہ لینا چنانچہ اول اللہ نے حضرت سلیمانؑ کو یہودیوں پر مسلط کیا۔ پھر بخت نصر کو۔ بخت نصر نے ان کی بستیوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی، جوانوں کو قتل کیا۔ عورتوں اور بچوں کو باندی غلام بنایا جو باقی رہے تھے ان پر ٹیکس مقرر کیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت تک۔ مجوسیوں کو وہ ٹیکس دیتے رہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کو قتل کرایا ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کیا اور بنی نضیر و بنی قینقاع کو مدینہ سے نکالدیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے خیبر اور فدک سے بھی ان کو نکال باہر کر دیا اور اللہ نے قیامت تک کے لئے حکم دیدیا کہ یہودیوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے جب تک ذلت کے ساتھ یہ جزیہ ادا نہ کریں۔

لسریع العقاب یعنی نافرمانوں کو جلد سزا دینے والا ہے اسی لئے دنیا میں ہی اس نے سزا دیدی وانہ لغفور رحیم لیکن ان میں سے جو شخص توبہ کرے اور ایمان لے آئے اس کو اللہ معاف کرنے والا مہربان بھی ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ اور ہم نے ان کو ملک میں متفرق جماعتیں کر دیں بعض ان میں نیک تھے اور بعض ان میں اور طرح کے بھی تھے اور ہم ان کو خوش حالیوں (صحت، دولت، حکومت) اور بدحالیوں (بیماری، مفلسی، محکومی) سے آزماتے رہے کہ شاید باز آجائیں

قطعناھم یعنی ہم نے انکو ٹکڑے ٹکڑے کر کے فرقے فرقے بنادیئے اس سے ان کی طاقت ایسی منتشر ہوگئی کہ آئندہ کبھی باہم اتفاق نہ ہوگا اور نہ اجتماعی قوت حاصل ہوگی۔ منھم الصلحون ان میں سے کچھ صالح ہیں حضرت ابن عباس اور مجاہد نے فرمایا الصالحون سے مراد ہیں وہ یہودی جو مسلمان ہوگئے۔

میں کہتا ہوں کہ ظاہر کلام کا تقاضا ہے کہ وہ لوگ مراد ہوں کہ شریعت موسوی کے منسوخ ہونے سے پہلے حضرت موسیٰؑ کی شریعت پر تھے کیونکہ آگے فخلف من بعدھم خلف آیا ہے یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ الصلحون سے مراد وہ یہودی ہیں جو (حضرت عیسیٰؑ سے پہلے) حضرت موسیٰؑ کے صحیح دین پر تھے

ومنھم دون ذٰلک اور کچھ لوگ ان سے گرے ہوئے تھے یعنی درجۂ صلاح پر فائز نہ تھے یہ لوگ (حضرت ابن عباسؓ کے قول پر) وہ یہودی ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے یا (ظاہر کلام کے اعتبار سے) وہ یہودی ہیں جو شریعت موسوی کے منسوخ ہونے سے پہلے اس کو مانتے تھے مگر بداعمال تھے یا وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا انکار کیا۔

وبلوناھم اور ہم نے ان کو جانچا بالحسنات نعمتیں دیکر والسیات اور تکلیفیں دیکر لعلھم یرجعون تاکہ وہ متنبہ ہو کر کفر و بدکاری سے لوٹ جائیں نعمت کے وقت اللہ کا شکر ادا کریں اور تکلیف کے وقت توبہ کریں۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ پھر اُن کے بعد ان کے جانشین ایسے لوگ ہوئے جنھوں نے ان سے کتاب (توریت) کو حاصل کیا یہ لوگ دنیا دنی کے حقیر متاع کو (حکم کتاب کے عوض) لے لیتے ہیں اور (اس گناہ کو حقیر سمجھ کر) کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائیگی حالانکہ اگر ان کے پاس ویسا ہی مال متاع پھر آجائے تو اس کو بھی لے لیتے ہیں کیا ان سے توریت کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا تھا کہ خدا کی طرف بجز سچی بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں (یعنی خود تراشیدہ بات کی نسبت اللہ کی طرف نہ کریں بلکہ جو اللہ کا حکم ہے اسی کی نسبت اللہ کی طرف کریں) اور کتاب میں جو کچھ تھا اس کو انھوں نے پڑھ بھی لیا اور آخرت والا گھر (اس دنیا سے) ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو (نافرمانی سے) بچتے ہیں پھر (اے یہودیو) تم یہ بات کیوں نہیں سمجھتے۔

من بعدھم یعنی جن لوگوں کا ذکر پہلے کر دیا گیا ان کے بعد جانشین ہوئے۔ خَلْفٌ خلف ایک دور کے بعد دوسرا آنیوالا دور کذا فی القاموس ابو حاتم نے کہا خَلْفٌ بسکون لام۔ اولاد۔ اس میں واحد و جمع برابر ہیں اور خَلَف کے معنی ہیں قائم مقام خواہ اولاد ہو یا غیر۔ ابن اعرابی کا قول ہے خَلَف بفتح لام اچھا جانشین اور بسکون لام بُرا جانشین نضر بن شمیل کا قول ہے کہ بُرے جانشین کے لئے خلف بفتح لام بھی آتا ہے اور بسکون لام بھی اور اچھے جانشین کے لئے صرف لام کے فتح کے ساتھ آتا ہے محمد بن جریر کا قول ہے کہ مدح کے لئے اکثر بفتح لام آتا ہے اور ذم کے لئے بسکون لام لیکن کبھی قلت کے ساتھ اس کے برعکس بھی استعمال ہوا ہے۔ بیضاوی نے لکھا خلف مصدر ہے اور صفت (اسم فاعل یا اسم مفعول) کے معنی میں مستعمل ہے مصدر ہونیکی وجہ سے ہی اس کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی بعض اہل علم اس کو جمع کہتے ہیں۔ یہاں خلف سے وہ یہودی مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کے زمانہ میں موجود تھے۔ ورثوا الکتاب یعنی باپ دادا سے توریت ان کو ملی اسلاف سے منتقل ہو کر ان کے پاس
پہنچی جس کو وہ خود پڑھتے اور اس کا مطلب سمجھتے ہیں۔ عرض ھذا الادنیٰ یعنی اس ادنیٰ عالم کا حقیر سامان۔
عالم ادنیٰ سے مراد ہے دنیا۔ لفظ ادنیٰ دنو (قرب) سے مشتق ہے یا دنارت (حقارت) سے۔

ہر سامان کو سوائے سونے چاندی (یعنی روپیہ پیسہ کرنسی سکہ) کے متاع کہا جاتا ہے یا ہر مال کو متاع کہتے ہیں خواہ
کم ہو یا زیادہ سامان ہو یا روپیہ کرنسی۔ اس جگہ یہی معنی مراد ہے بعض علماء کا قول ہے عرض کا معنی ہے ناپائیدار۔ باقی نہ
رہنے کی چیز جس چیز کا بذات خود (بغیر کسی جوہر کے) قیام نہ ہو متکلمین کے نزدیک اس کو عرض اسی لغوی مناسبت
کی وجہ سے کہا جاتا ہے جیسے رنگ کسی طرح کا ہو اچھی ہو یا بری وغیرہ اسی لئے دنیا کو عرض حاضر کہا جاتا ہے
یعنی ناپائیدار۔ یہاں عرض سے مراد ہے وہ مال جو یہودی عالم جاہل لوگوں سے لیکر کھاتے اور شرعی فیصلہ کو
توڑنے موڑنے کی رشوتیں لیا کرتے تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اوصاف امتیازی جو توریت
میں مذکور تھے یہودی عالموں نے اسی ڈر سے چھپا دیئے تھے اور اللہ کے کلام میں (لفظی اور معنوی) تحریف
اسی خوف سے کر دی تھی کہ کہیں ان کی روٹی میں فرق نہ آجائے اور سیادت قومی نہ جاتی رہے۔

ویقولون سیغفر لنا یعنی توبہ نہیں کرتے گناہ پر جمے رہتے ہیں اور اس کے باوجود مغفرت کا یقین رکھتے
ہیں۔ اور یہ بہت بری حرکت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دانشمند وہ ہے جس نے اپنے
نفس کو مطیع رکھا اور مرنے کے بعد کے لئے کام کئے اور بیوقوف وہ ہے جس نے نفس کی خواہشات کی اطاعت کی اور
اللہ سے دیے بنا جھوٹی تمنائیں رکھیں۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والحاکم والبغوی عن شداد بن اوس۔

وَاِنْ یَّاْتِھِمْ عَرَضٌ مِّثْلُہٗ۔ یہ یقولون کی ضمیر سے حال ہے مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ پر اصرار کرتے ہوئے دوسری
مرتبہ گناہ کا ارادہ رکھتے ہوئے بغیر توبہ کئے مغفرت کے آرزومند ہوتے ہیں۔ سدی کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل میں جب
کوئی قاضی ہوتا تھا اور اہل معاملہ اس سے کسی مقدمہ کا فیصلہ طلب کرتے تھے تو وہ بغیر رشوت لئے فیصلہ نہیں دیتا
تھا جب اس سے رشوت لینے کی وجہ دریافت کی جاتی تو کہتا یہ حقیر بات ہے اس کو اللہ معاف کر دیگا فریق مخالف
اس پر نکتہ چینی کرتا تھا پھر جب وہ قاضی مر جاتا یا معزول کر دیا جاتا تھا اور نکتہ چیں جماعت میں سے کوئی فرد قاضی
بنا دیا جاتا تھا تو وہ بھی رشوت لیتا تھا آیت وان یاتھم عرض مثلہ یاخذوہ کا یہی مطلب ہے یعنی نکتہ چیں فریق
مخالف کو اگر رشوت کا مال ہاتھ لگ جاتا تھا تو وہ بھی نہیں چھوڑتے تھے۔

میثاق الکتاب یعنی وہ عہد جو توریت میں مذکور ہے کہ اللہ کی طرف کسی غلط بات کی نسبت نہیں کریں گے
اور یہ بات غلط ہے توریت میں یہ نہیں بیان کیا گیا کہ گناہ پر جمار ہنے کے باوجود مغفرت کر دی جائیگی۔

ودرسوا ما فیہ۔ اس کا عطف الم یؤخذ پر ہے یا ورثوا پر۔ درس کتاب سے مراد ہے پڑھنا اور بار بار

غور کرنا ۔مطلب یہ ہے کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کو جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ گناہ ہے۔ یتقون یعنی جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں اور رسول اللہ ؐ پر ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے آخرت دنیا کے اس حقیر مال سے بہتر ہے۔ افلا تعقلون اس جملہ کا عطف محذوف جملہ پر ہے اصل کلام اس طرح تھا کیا تم برائی کو پسند کرتے ہو اور بھلائی کو چھوڑتے ہو اور سمجھتے نہیں (کہ شر کو اختیار کرنا اور خیر کو ترک کرنا برا ہے) یعنی تمہارے پاس عقل ہی نہیں ہے (ہم نے سمجھتے نہیں کے بعد قوسین کے درمیان کچھ عبارت بڑھا دی ہے جو سمجھتے نہیں کا مفعول ہے لیکن حضرت مؤلف نے جو یعنی کے بعد ۔ تمہارے پاس عقل ہی نہیں ہے ۔ عبارت لکھی ہے اس سے اشارہ اس طرف ہے کہ افلا تعقلون کا کوئی خاص مفعول محذوف نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تم اہل عقل ہی نہیں ہو) کیونکہ عقل کا تقاضا تو یہ ہے شر کو ترک او رخیر کو اختیار کیا جائے بلکہ دو خیروں میں بھی جو بہترین ہو اسکو لیا جائے اور تم ادنیٰ کو اعلیٰ کے مقابلہ میں لیتے ہو وہ زوال پذیر فائدہ جس کا نتیجہ دوامی عذاب ہے اختیار کرتے ہو اور لازوال ابدی نعمت کو ترک کرتے ہو۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ

اور (ان میں سے) جو لوگ کتاب کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں ہم ان اہل اصلاح کا ثواب ضائع نہیں کرینگے۔

مجاہد نے کہا ان سے مراد حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی دوسرے مؤمنینِ اہلِ کتاب ہیں جو توریت پر بھی ایمان لائے تھے اور توریت میں انھوں نے کسی طرح کی تحریف نہیں کی تھی اور نہ اس کے احکام کو بگاڑ کر کمائی کا ذریعہ بنایا تھا بلکہ خالص حکم توریت پر عمل کرتے تھے پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ پر بھی ایمان لائے اور آپ کا اتباع کیا عطاء نے کہا ان سے مراد امتِ محمدیہ ہے۔

انا لا نضیع یعنی ان میں سے اہل اصلاح کا ثواب ہم ضائع نہیں کرینگے۔ یا یوں کہا جائے کہ انا لا نضیع اجرھم کی جگہ اجر المصلحین اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کہا کہ ان کا مصلح ہونا اجر کو ضائع کرنے سے مانع ہے (گویا لفظ مصلحین علت حکم کی طرف اشارہ کر رہا ہے)

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۠ اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر چھت کی طرح ان کے اوپر معلق کر دیا تھا اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ ان پر گرنے ہی والا ہے اور (ان سے کہہ دیا تھا کہ) مضبوطی کے ساتھ جلد قبول کرو اس کتاب کو جو ہم نے تم کو دی ہے اور جو احکام اس میں ہیں ان کو یاد رکھو اس امید پر کہ تم متقی ہو جاؤ گے (گناہوں سے اور عذاب سے بچ جاؤ گے)

واذ نتقنا اذ کی واذکر محذوف ہے اذ کا اسی محذوف سے تعلق ہے۔ نتق کا لغوی معنی ہے کھینچنا یہاں مراد ہی اکھاڑ کر اوپر کو اٹھانا۔ فوقھم بنی اسرائیل کے اوپر۔ بنی اسرائیل نے توریت کے احکام کو شدت و سختی کی وجہ سے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا تو اللہ نے پہاڑ کو زمین سے اکھاڑ کر ان کے سروں کے اوپر معلق کر دیا تاکہ ڈر کر قبول کریں۔ کانّہٗ ظلۃٌ۔ ظلۃ چھت، سائبان۔ ظنّوا یعنی انکو یقین ہوگیا تھا۔ یقین کو لفظ ظن سے تعبیر کیا کیونکہ اس یقین کا نتیجہ واقع نہ ہوا تھا (تو گویا یقین صرف گمان ہوکر رہ گیا) خذوا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ توریت کے احکام کو قبول کرو ورنہ پہاڑ تمہارے اوپر گرا دیا جائیگا۔ بقوۃ کوشش کے ساتھ اور احکام توریت کو برداشت کرنے کے پختہ ارادہ کے ساتھ۔ یہ خذوا کی ضمیر سے حال ہے۔ واذکروا اور یاد رکھو یعنی ان پر عمل کرو اور بھولی بسری چیز کی طرح ترک نہ کر دو۔ لعلکم تتقون اس امید پر کہ برے اعمال بد عادات اور گناہوں سے تم بچ جاؤ گے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ○ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ اور جب آپ کے رب نے (آدمؑ اور) اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل کو نکالا اور ان سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے جواب دیا کیوں نہیں ہم سب (اس واقعہ کے) گواہ بنتے ہیں (یہ اس لئے کیا) تاکہ تم لوگ قیامت کے دن یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس (توحید) سے بے خبر تھے یا یوں کہنے لگو کہ (اصل) شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے تو کیا ان غلط راہ (نکالنے) والوں کے فعل پر تو ہم کو ہلاکت میں ڈالے دیتا ہے۔

من بنی اٰدم۔ کلام میں اختصار ہے اصل کلام یوں تھا من اٰدم و بنی اٰدم آدم اور اولاد آدم سے من ظہورھم یہ بنی آدم سے بدل ہے یعنی ہم نے آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا۔ واشھدھم یعنی بعض کو بعض کا شاہد بنایا ایک پر دوسرے کو گواہ بنا دیا اور ان سے کہا الست بربکم قالوا بلی

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے آدم کو پیدا کرنے کے بعد ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو جو انسان ان کی نسل سے قیامت تک پیدا ہونے والا تھا وہ برآمد ہوگیا اور اللہ نے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک پیدا کر دی پھر سب کو آدمؑ کے روبرو کیا آدمؑ نے عرض کیا اے میرے رب یہ کون ہیں اللہ نے فرمایا یہ تیری اولاد ہیں۔ آدمؑ نے ان میں سے ایک شخص کی دونوں آنکھوں کے درمیان چمک دیکھی تو ان کو بہت اچھی معلوم ہوئی اور عرض کیا پروردگار یہ کون ہے اللہ نے فرمایا یہ داؤد ہے آدمؑ نے عرض کیا پروردگار تو نے اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے اللہ نے فرمایا ساٹھ سال

عرض کیا پروردگار میری عمر میں سے اس کو چالیس برس اور عطا فرمادے چنانچہ حضرت آدمؑ کی عمر جب پوری ہو گئی عمر وہی چالیس برس رہ گئے جو انھوں نے حضرت داؤد کو دیدیئے تھے تو موت کا فرشتہ آگیا آدمؑ نے کہا ابھی تو میری عمر کے چالیس برس باقی ہیں ملک الموت نے کہا کیا آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو چالیس برس نہیں دیدیئے تھے آدم نے انکار کیا اسی لئے ان کی اولاد بھی (کئے ہوئے وعدہ کا) انکار کرتی ہے اور آدمؑ نے اللہ کے حکم کو بھول کر (ممنوعہ) درخت کا پھل کھالیا تھا اسی لئے ان کی اولاد بھولتی ہے اور آدمؑ نے خطا کی تھی اسی لئے ان کی اولاد خطا کرتی ہے۔

ترمذی نے اس حدیث کو حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے اس طرح نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ نے آدمؑ کو جس وقت پیدا کیا تو ان کے دائیں شانہ پر ہاتھ مارا جس سے چھوٹی چیونٹیوں کی طرح ان کی (ساری) گوری نسل نکل پڑی اور بائیں شانہ پر ہاتھ مارا تو کوئلہ کی طرح سیاہ نسل نکل پڑی۔ دائیں طرف والوں کے متعلق اللہ نے فرمایا یہ جنت کی طرف (جانے والے) ہیں اور مجھے (ان کی اطاعت کی) پروا نہیں اور بائیں شانہ والوں کے متعلق فرمایا یہ دوزخ کی طرف (جانے والے) ہیں اور مجھے (ان کی نافرمانی کی) پروا نہیں۔ رواہ احمد۔ مقاتل اور دوسرے اہل تفسیر نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے مقاتل کی روایت کے آخر میں اتنا زائد بھی ہے کہ اللہ نے پھر سب کو آدم کی پشت میں لوٹا دیا جب تک تمام میثاقِ ازل والے باپوں کی پشت اور ماؤں کے پیٹ سے برآمد نہ ہو جائیں گے قبروں والے قبروں کے اندر بند رہیں گے (قیامت نہ آئیگی اور حشر نہ ہوگا) اسی میثاق ازل کو توڑنے والوں کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ۔

مسلم بن یسار کی روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ سے آیت واذ اخذ ربك من بنی ادم الخ کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا میں نے خود سنا کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا مفہوم دریافت کیا گیا تو حضورؐ نے فرمایا اللہ نے آدم کو پیدا کرنے کے بعد اپنا دایاں ہاتھ ان کی پشت پر پھیرا تو اس سے ان کی (کچھ) اولاد نکل پڑی اور اللہ نے فرمایا ان کو میں نے جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ اہل جنت کے عمل کرینگے پھر آدم کی پشت پر بایاں ہاتھ پھیرا تو (کچھ اور) ان کی اولاد برآمد ہو گئی اور اللہ نے فرمایا ان کو میں نے دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ دوزخیوں کے عمل کرینگے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) پھر عمل کی کیا ضرورت ہے فرمایا اللہ نے جس بندہ کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے اس سے جنتیوں کے اعمال کراتا ہے یہاں تک کہ وہ مرنے کے وقت بھی اہل جنت کا کوئی عمل کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے دوزخیوں کے کام کراتا ہے یہاں تک کہ وہ مرنے کے وقت بھی دوزخیوں کا کوئی کام کرتا

ہے جس کی وجہ سے اس کو دوزخ میں لیجاتا ہے۔ رواہ مالک و ابوداؤد والترمذی واحمد فی مسندہ والبخاری فی تاریخ وابن حبان والحاکم والبیہقی ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ چونکہ مسلم بن یسار نے یہ حدیث خود حضرت عمرؓ سے نہیں سنی اس لئے بغوی نے لکھا ہے کہ بعض اہل حدیث نے حضرت عمر اور مسلم بن یسار کے درمیان ایک دوسرے راوی کا ذکر کیا ہے (جس کا نام نہیں بیان کیا)

حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ نے آدمؑ کی پشت سے اولاد کو نکال کر ان سے میثاق نعمان یعنی عرفات میں لیا تھا جتنی نسل اس کو آئندہ پیدا کرنی تھی سب کو آدم کی پشت سے برآمد کیا اور اپنے سامنے چھوٹی چیونٹیوں کی طرح ان کو بکھیر کر رُو در رُو ان سے فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے جواب دیا کیوں نہیں ہم اس کے شاہد ہیں الی آخر الآیۃ۔ رواہ احمد والنسائی والحاکم۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ابن جریر نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی آیت کے بیان میں فرمایا آدم کی پشت سے اللہ نے رآدمؑ کی نسل کو اس طرح لے لیا جیسے کنگھی سے سر کی جوئیں لیلی جاتی ہیں۔ پھر فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے جواب دیا کیوں نہیں۔ فرشتے بولے ہم (اس اقرار کے) شاہد ہیں۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ملک ہند میں دہناء کے مقام پر جہاں حضرت آدمؑ اترے تھے اللہ نے اولاد آدم کو برآمد کیا اور ان سے (ربوبیت کا) اقرار لیا تھا۔ کلبی کا قول ہے کہ مقام میثاق مکہ اور طائف کے درمیان تھا۔ سدی کا بیان ہے کہ پیدا ہونے کے بعد حضرت آدم آسمان سے اترے بھی نہیں تھے کہ اللہ نے ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور انکی نسل کو برآمد کیا تھا۔

حضرت ابی بن کعب کا بیان ہو اللہ نے سب اولادِ آدمؑ کو جمع کیا پھر انکی قسمیں جدا جدا چھانٹیں پھر ان کو صورتیں عطا کیں پھر ان کو گویا کیا چنانچہ سب نے کلام کیا پھر ان سے عہد و میثاق لیا اور ان سے خود انہی پر اقرار طلب کیا اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں (سب نے کہا کیوں نہیں) اللہ نے فرمایا میں (تمہارے اس اقرار پر) ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو شاہد بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدمؑ کو بھی گواہ بناتا ہوں تاکہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس (توحید) کا علم بھی نہ تھا خوب سمجھ لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں میر اکسی کو شریک نہ بنانا میں تمہارے پاس اپنے پیغمبر بھیجونگا جو تم کو میرے اس عہد و میثاق کی یاد دہانی کرینگے اور میں تم پر اپنی کتابیں اتارونگا سب نے جواب دیا ہم شہادت دیتے ہیں کہ تو ہی بلاشک ہمارا رب ہے ہمارا معبود ہے تیرے سوا نہ ہمارا کوئی رب ہے نہ کوئی معبود۔ اس کے بعد ان کو حضرت آدمؑ کے سامنے لایا گیا حضرت آدم نے اوپر سے ان کا معاینہ کیا۔ مالدار نادار خوبصورت بدصورت سب ہی دکھائی دیے عرض کیا پروردگار تونے اپنے بندوں کو یکساں کیوں نہیں کردیا اللہ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے (امیر فقیر کو دیکھ کر شکر ادا کرے

اور خوبصورت بدصورت کو دیکھ کر حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد میں انبیاء کو چراغوں کی طرح نورانی دیکھا انبیاء سے خاص طور پر رسالت و نبوت کے متعلق ایک میثاق علیحدہ لیا گیا اسی میثاق کی بابت اللہ نے فرمایا ہے واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ۔۔۔ سے ۔۔۔ وعیسٰی بن مریم تک۔ عیسٰی بن مریمؑ بھی انہی ارواح میں شامل تھے جن کو اللہ نے مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا تھا حضرت ابی بن کعبؓ کا قول روایت میں آیا ہے کہ عیسٰی مریمؑ کے منہ سے ان کے اندر داخل ہوئے۔ رواہ احمد۔

بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں کسی چیز کو میرا شریک نہ بنانا جو میرا شریک قرار دیگا اور مجھ پر ایمان نہیں لائے گا میں اس سے انتقام لوں گا۔ اور سب نے اس کا اقرار کیا۔ اس جملہ کے بعد اتنا اور بھی آیا ہے کہ اللہ نے ان کی عمریں، رزق اور مصائب لکھ دیئے اور میں چاہتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے اس کے بعد اس روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ اللہ نے جب ان سے توحید کا اقرار لے لیا اور بعض کو بعض پر گواہ بنا لیا تو سب کو آدمؑ کی پشت کی طرف لوٹا دیا اب اس وقت تک قیامت بپا نہ ہوگی جب تک وہ تمام آدمی نہ پیدا ہو جائیں جن سے میثاق لیا گیا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ جب اللہ نے اولاد آدمؑ کو آدمؑ کی پشت سے برآمد کیا تو پھر واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظہورھم کا کیا معنی ہے (کیونکہ اس آیت میں اولاد آدم کی پشت سے برآمد کرنے کا ذکر کیا ہے آدمؑ کی پشت سے نکالنے کا ذکر نہیں ہے) میں کہتا ہوں کہ آدمؑ کی پشت سے برآمد کرنے کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ بعض علماء نے مذکورۂ بالا شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ نے اولاد آدمؑ میں سے ایک کو دوسرے کی پشت سے برآمد کیا جیسا کہ دنیا میں ان کی پیدائش ہوتی ہے تو اب آدمؑ کی پشت سے برآمد کرنے کے ذکر کی کوئی ضرورت نہ رہی کیونکہ سب آدم ہی کی اولاد تھی لہٰذا سب کا خروج آدمؑ ہی کی پشت سے کیا گیا۔ اسی لئے آیت میں آدمؑ کی پشت کا ذکر نہیں کیا گیا۔

میں کہتا ہوں حدیث میں سب کا خروج آدمؑ کی پشت سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ جب بعض لوگ بعض کی پشت میں تھے اور سب کے اصول آدمؑ کی پشت میں تھے تو سب آدمؑ کی پشت میں ہوئے لہٰذا آدمؑ کی پشت سے سب کا برآمد ہونا صحیح ہو گیا یا یوں کہا جائے کہ حدیث میں جو لفظ آدمؑ آیا ہے اس سے مراد آدمؑ مع اولاد ہیں اصل کو ذکر کرنے کے بعد شاخوں کے ذکر کی ضرورت نہیں اس لئے صرف آدم کا نام آگیا۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث میں حضرت آدمؑ کے دائیں بائیں شانہ پر ہاتھ مارنے اور گوری کالی نسل کے برآمد ہونے کا ذکر آیا ہے۔ اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ اللہ نے آدم کے شانہ پر یا ان کی اولاد میں سے بعض کے شانہ پر ہاتھ مارا۔

بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کا قول ہے کہ اہل سعادت نے تو برضائے قلبی ربوبیت کا اقرار کیا تھا اور

اہلِ شقاوت نے بکراہتِ خاطر منافقت کے ساتھ۔ آیت وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا کا یہی مطلب ہے۔

شہدنا ہم گواہی دیتے ہیں۔ سدی نے لکھا ہے یہ اللہ کا قول ہے (بندوں کا جواب بلیٰ پر ختم ہو گیا) اللہ نے اپنی طرف سے اور اپنے ملائکہ کی طرف سے فرمایا کہ ہم اس میثاقِ ازل کے شاہد ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ فقرہ بھی بندوں کے کلام کا جز ہے (اور بلیٰ کے بعد شہدنا بھی بندوں نے ہی کہا تھا) جب اللہ نے الست بربکم فرمایا تو بندوں نے بلیٰ کہا اور جب ایک کو دوسرے کے اقرار کا شاہد بنایا تو سب نے شہدنا کہا۔ کلبی کا بیان ہو کہ یہ ملائکہ کا قول ہے کلام کا کچھ حصہ محذوف ہے۔ اصل کلام اس طرح تھا اولادِ آدمؑ نے جب بلیٰ کہا تو اللہ نے فرشتوں سے فرمایا اس اقرار کے شاہد رہو فرشتوں نے عرض کیا ہم شاہد ہیں۔

ان تقولوا یوم القیٰمۃ۔ یہ جملہ کلام سابق کی علت ہے گویا مفعول لہٗ ہے یعنی تم کو الست بربکم کہہ کر خطاب اس لئے کیا کہ قیامت کے دن تم کہیں یہ نہ کہنے لگو۔ انا کنا عن ھٰذا غٰفلین ہم اس اقرار یا اس میثاق سے بے خبر تھے۔ وکنا ذریۃ من بعدھم یعنی ہم ان کے بعد آئے تھے اور ان کے تابع تھے ہم نے تو ان کی پیروی کی تھی (مجرم تو ہمارے بڑے تھے) افتھلکنا کیا تو ہم کو عذاب دیگا سزا دیگا۔ المبطلون یعنی مشرک اسلاف۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کہیں تم اپنی بے خبری کو یا تقلید اسلاف کو عذر میں نہ پیش کرنے لگو۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ اور ہم آیات کو اسی طور پر صاف صاف بیان کیا کرتے ہیں (تاکہ وہ غور کریں) اور تاکہ وہ باز آجائیں۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ یعنی ہم یونہی آیات کو واضح طور پر کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ بندے ان پر غور کریں اور بھولے ہوئے عہد کو یاد رکھیں اور کفر سے توحید کی طرف لوٹ آئیں اس مطلب پر لعلہم یرجعون کا عطف ایک محذوف جملہ پر ہوگا یعنی لعلھم یتدبرون ویتذکرون ما نسوا و یرجعون۔

جمہور مفسرین اور علمائے سلف نے احادیث کی روشنی میں آیاتِ مذکورہ کا مطلب حسبِ تفسیر مندرجہ بالا بیان کیا ہے۔

بیضاوی اور بیضاوی کے مقلدوں نے (جمہور سلف کے خلاف) آیات مذکورہ کی تفسیر اس طرح کی ہے۔ واذ اخذ ربک اور جب آپ کے رب نے لیا یعنی آدم اور نسلِ آدم کی پشت سے مختلف زمانوں میں انسانوں کو ایک کے بعد ایک کو پیدا کیا۔ واشھدھم علیٰ انفسھم یعنی دلائل ربوبیت قائم کر دیں اور لوگوں کے دماغوں کے اندر وہ قوتِ فہم پیدا کر دی جو اقرار توحید کی دعوت دے رہی ہے گویا وہ اس درجہ پر پہنچ گئے کہ دم تقاضائے فطرت یہ ہو گیا کہ جب ان سے الست بربکم کہا گیا تو انھوں نے بلیٰ کہہ دیا یعنی یہ سوال و جواب اگرچہ

واقع میں نہیں ہوئے لیکن جب اللہ نے ان کو علم عطا کر دیا اور دلائل ربوبیت کی فطری تخلیق کر دی تو یہی تخلیق اور عطاء قوت بطور تشبیہ گواہ بنانا اور اقرار کرنا ہوگیا۔ بیضاوی نے اس مطلب کی تائید میں لکھا ہے کہ آیت کے الفاظ خود اسی مطلب پر دلالت کر رہے ہیں اناکنا عن ھذا غٰفلین یعنی کہیں قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے غافل تھے تو نے کسی دلیل سے ہم کو آگاہ نہیں کیا تھا۔ شرک تو ہمارے اسلاف نے کیا تھا وہی شرک کے مؤسس تھے ہم تو ان کے مقلد پیرو تھے ہم نے ان کی اقتدا کی۔ قیامت کے دن یہ عذر اس وجہ سے نہیں پیش کیا جاسکتا کہ جب دلائل موجود ہیں اور دلائل توحید کا علم حاصل کرنے کی قدرت ہے تو پھر کورانہ اتباع اسلاف ناقابل معذرت ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے اس کلام کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک تو توریت کے اندر یہودیوں سے میثاق خاص طور پر لیا گیا تھا دوسرے فطری عمومی میثاق توحید بھی موجود ہے اس طرح نقلی دلیل کی بھی تکمیل ہوگئی اور عقلی شہادت بھی کافی ہوگئی لہٰذا خود نظر اور استدلال سے کام لینے کی ضرورت ہے اور تقلید اسلاف کے بندھن کاٹ دینے لازم ہیں (گویا ان آیات کے مخاطب خاص طور پر یہودی ہیں جن کو فطرت سلیمہ قوت عقلیہ اور فہم و دانش کی تمام طاقتیں عطا کی گئی تھیں جیسے دوسرے لوگوں کو عطا کی گئی ہیں پھر توریت میں بھی ان سے میثاق لے لیا گیا تھا) اسی مضمون پر دلالت کر رہی ہے آخری آیت وکذٰلک نفصل الاٰیات ولعلھم یرجعون ۝

میثاق الست کے متعلق جو احادیث آئی ہیں بیضاوی اور ان کے متبعین ان احادیث کی اسی نہج پر تاویل کرتے ہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ

اور آپ ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا کیں پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں سے ہوگیا اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی نفسانی خواہش کے پیچھے ہولیا۔

علیھم یعنی یہودیوں کو۔ فانسلخ منھا پس وہ آیتوں سے نکل گیا یعنی آیات سے روگرداں ہوگیا اور انکار کر دیا۔ یہ قصہ بقول حضرت ابن عباسؓ بلعم بن باعور کا اور بقول مجاہد بلعام بن باعور کا ہے عطیہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بلعم اسرائیلی تھا۔ ابو طلحہؓ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کنعانی تھا اور جبارین (یعنی عمالقہ) کے شہر کا رہنے والا تھا۔ مقاتل نے کہا وہ شہر بلقا کا باشندہ تھا حضرت ابن عباس محمد بن اسحٰق اور سدی وغیرہ نے اس کا قصہ حسب تفصیل ذیل بیان کیا ہے۔

حضرت موسٰیؑ نے جب عمالقہ سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا اور ملک شام میں علاقہ کنعان میں جا کر قیام کیا تو کچھ

(کنعان کے آدمی بلعم کے پاس گئے کیونکہ بلعم کو اسم اعظم معلوم تھا اور اس سے کہا موسیٰ تیز مزاج کے آدمی ہیں ان کے پاس لشکر بھی بہت ہے وہ اس لئے ہمارے ملک میں آئے ہیں کہ ہم کو ہماری بستیوں سے نکال دیں اور ہم کو قتل کر دیں اور ہماری جگہ بنی اسرائیل کو آباد کریں آپ کی دعا رقبول ہوتی ہے ہمارے لئے آپ دعا کر دیجئے کہ اللہ بنی اسرائیل کو ہماری طرف سے پھیر دے بلعم نے جواب دیا ارے کم بختو موسیٰ نبی ہیں ان کے ساتھ فرشتے اور مومن ہیں میں ان کے خلاف کس طرح دعا کر سکتا ہوں اللہ کی طرف سے جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اگر میں تمہارے کہنے کے موافق کر دوں گا تو دنیا اور آخرت دونوں میری تباہ ہو جائیں گی۔ لوگوں نے پھر اصرار کیا اور بہت زاری کی تو بلعم نے کہا اچھا میں اپنے رب سے استخارہ کر لوں بلعم کا قاعدہ تھا کہ جب تک خواب میں کسی بات کی اجازت اس کو نہیں مل جاتی تھی وہ دعا نہیں کرتا تھا چنانچہ بنی اسرائیل کے خلاف بد دعا کرنے کے معاملہ میں بھی اس نے استخارہ کیا مگر خواب میں اس کو بد دعا نہ کرنے کی ہدایت کر دی گئی بیدار ہو کر اس نے قوم والوں سے کہہ دیا کہ میں نے استخارہ کیا تھا مجھے بد دعا کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے یہ انکاری جواب سن کر لوگوں نے اس کو کچھ تحفے ہدیہ پیش کئے اس نے قبول کر لئے تو لوگوں نے پھر بد دعا کرنے کی مکرر درخواست کی اور بلعم نے حسب سابق جواب دیا کہ میں اپنے رب سے استخارہ کر لوں چنانچہ اس نے استخارہ کیا مگر اس مرتبہ اس کو کوئی جواب نہیں ملا بیدار ہو کر اس نے قوم سے کہدیا کہ میں نے استخارہ کیا تھا مگر مجھے کوئی جواب نہیں ملا لوگوں نے کہا اگر آپ کا بد دعا کرنا اللہ کو پسند نہ ہوتا تو ضرور اول مرتبہ کی طرح ممانعت فرما دیتا اور اس مرتبہ اس نے ممانعت نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بد دعا کرنا ناپسند نہیں ہے لہٰذا آپ بنی اسرائیل کے لئے بد دعا کر دیجئے (لوگ اپنی درخواست پر برابر اصرار کرتے رہے اور اتنی زاری اور عاجزی کی کہ بلعم فریب کھا گیا اور قوم والے بہکانے میں کامیاب ہو گئے چنانچہ بلعم ایک خچر پر سوار ہو کر کوہ حیسان کی طرف گیا تاکہ اوپر چڑھ کر بنی اسرائیل کے لشکر کا معاینہ کرے مگر پہاڑ پر کچھ ہی چڑھا تھا کہ خچر بیٹھ گیا بلعم نے اتر کر خچر کو مارا خچر اٹھ کھڑا ہوا، بلعم پھر سوار ہو گیا مگر زیادہ نہ چلا تھا کہ پھر بیٹھ گیا بلعم نے پھر اسے مارا اب اللہ نے خچر کو بات کرنے کی طاقت عنایت کر دی اور خچر نے (اللہ کی طرف سے) حجت تمام کرتے ہوئے کہا کم بخت بلعم تو کہاں جا رہا ہے کیا تجھے میرے سامنے ملائکہ نظر نہیں آتے جو مجھے لوٹا رہے ہیں تو اللہ کے نبی اور مومنوں کے خلاف دعا کرنے جا رہا ہے بلعم نے پھر بھی خچر کو نہیں چھوڑا اور اس پر سوار ہو کر ہی کوہ حیسان کے اوپر بد دعا کرنے کے لئے پہنچ گیا لیکن بد دعا کا جو کلمہ زبان سے نکالتا تھا وہ قوم کے لئے نکلتا تھا اور خیر کی دعا جو اپنی قوم کے لئے مانگنے کا ارادہ کرتا تھا اس وقت زبان بنی اسرائیل کی طرف پھر جاتی تھی۔ (گویا بنی اسرائیل کا لفظ زبان سے نکالتا تھا مگر اپنی قوم کا نام زبان سے نکلتا تھا اور اپنی قوم کا نام زبان سے لیتا تھا تو بنی اسرائیل کا لفظ زبان پر آجاتا تھا) قوم والوں نے کہا بلعم آپ کو معلوم بھی ہے آپ کیا کر رہے ہیں،

بنی اسرائیل کے لئے دعا اور ہمارے لئے بددعا کر رہے ہیں بلعم نے جواب دیا اس پر میرا کچھ اختیار نہیں یہ تو اللہ ہی کی طرف سے کرا دیا جاتا ہے میں مجبور ہوں (بددعا کرنے کے وبال میں) بلعم کی زبان سینہ پر لٹک آئی کہنے لگا لوگو اب میری دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہوگئیں اب سوائے چالبازی اور مکاری کے تمہارے کام کا اور کوئی راستہ نہیں رہا اب مجھے تمہارے لئے مکاری سے کام لینا پڑیگا جاؤ کچھ عورتوں کو بنا و سنگھار کرا کے کچھ تجارتی سامان دیکے ہاتھوں میں دیکر بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیجنے کے لئے بھیجدو اور حکم دیدو کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص اگر تمہاری طرف دست درازی کرے تو وہ انکار نہ کریں کیونکہ اگر انمیں سے کسی ایک نے بھی زنا کر لیا تو پھر سب لشکر کے مقابلہ میں تم کو کامیابی ہو جائیگی لوگوں نے اس مشورہ کو مان لیا جب عورتیں لشکر میں پہونچیں تو ایک کنعانی عورت جس کا نام کشتی بنت صور تھا ایک اسرائیلی سردار کی طرف سے گذری اس سردار کا نام زمری بن شلوم تھا یہ سبط شمعون کا سرگروہ تھا زمری عورت کے حسن پر ریجھ گیا اور اٹھ کر اس نے عورت کا ہاتھ پکڑ لیا اور عورت کو لیجا کر حضرت موسیٰ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا میرا خیال ہے کہ آپ یہی کہینگے کہ یہ عورت تیرے لئے حرام ہے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا ہاں یہ تیرے لئے حرام ہے تو اس کے قریب بھی نہ جا۔ زمری بولا خدا کی قسم اس کے معاملہ میں میں آپ کی بات نہیں مانوں گا چنانچہ عورت کو لے کر خیمہ کے اندر چلا گیا اور اس سے قربت کی۔ زنا کرنا تھا کہ فوراً اللہ نے طاعون کو بنی اسرائیل پر مسلط کر دیا جس سے ستر ہزار آدمی ایک گھنٹہ میں مرگئے۔

فیخاص بن عیزار بن مرون حضرت موسیٰ کا مقرر کردہ ایک سردار تھا جو حاکم لشکر تھا۔ یہ شخص قوی الجثہ اور طاقتور بھی تھا۔ زمری نے جس وقت یہ حرکت کی تھی اس وقت فیخاص لشکر میں موجود نہ تھا جب لشکر میں لوٹ کر آیا اور فوج میں طاعون پھیلا ہوا دیکھا اور زمری کی حرکت معلوم ہوئی تو فوراً اپنا چھوٹا برچھا جو پورے لوہے کا تھا لیکر زمری کے خیمہ میں گھس گیا زمری اور وہ عورت دونوں ہم خواب تھے فیخاص نے نیزہ چبھو کر دونوں کو ایک ہی نیزہ میں پرو لیا اور دونوں کو اسی حالت میں اٹھائے ہوئے باہر آیا ہاتھ میں نیزہ پکڑے ہوئے تھا ہاتھ اوپر کو تھا اور کہنی پہلو سے ٹکی ہوئی تھی اور دونوں لاشیں فیخاص کے جبڑوں سے لگی ہوئی تھیں اسی حالت میں رو کر دعا کرنے لگا الٰہی جو تیری نافرمانی کرتا ہے اس کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے اس پر اللہ کو رحم آگیا اور اس نے بنی اسرائیل سے طاعون اٹھا لیا یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل جو ذبیحہ ذبح کرتے ہیں اس کا دست جبڑا اور پہلو فیخاص کی اولاد کو دیتے ہیں کیونکہ فیخاص نے زمری اور عورت کو نیزہ میں پرو کر نیزہ ہاتھ میں اٹھا کر کہنی کو اپنے پہلو سے ٹیکا تھا اور لاشوں کو اپنے جبڑوں سے لگا کر روک رکھا تھا اور بنی اسرائیل اپنے اونٹوں میں سے ایک نوجوان اونٹنی بھی فیخاص کی اولاد کو دیتے ہیں کیونکہ فیخاص عیزار کا جیٹھا بیٹا تھا بلعم ہی کے متعلق اللہ نے آیت واتل علیہم نبأ الذی اٰتینٰہ اٰیٰتنا الخ نازل فرمائی۔

مقاتل کا بیان ہے کہ شاہ بلقاء نے بلعم سے کہا کہ موسیٰ کے لئے بد دعا کرو بلعم نے کہا وہ میرے ہم مذہب ہیں میں ان کے لئے بد دعا نہیں کرونگا بادشاہ نے صلیب کے تختے نصب کرائے (اور) حکم دیا کہ بد دعا کرو ورنہ تم کو صلیب پر لٹکا دوں گا) بلعم نے یہ حالت دیکھی تو خچر پر سوار ہو کر بد دعا کرنے کے لئے بستی سے باہر نکلا بنی اسرائیل کے لشکر کے سامنے پہنچا تو خچر رک گیا۔ بلعم نے خچر کو مارا خچر نے کہا تو مجھے کیوں مارتا ہے مجھے تو حکم ہی یہ ملا ہے میرے آگے یہ آگ ہے جو مجھے چلنے سے روک رہی ہے بلعم لوٹ آیا اور بادشاہ سے واقعہ بیان کر دیا۔ بادشاہ نے کہا تم کو بد دعا تو کرنی ہوگی ورنہ میں صلیب پر لٹکا دونگا آخر بلعم نے اسم اعظم پڑھ کر حضرت موسیٰ کیلئے بد دعا کی کہ وہ اس شہر میں داخل نہ ہوں بد دعا قبول ہوگئی اور اس کی بد دعا کی وجہ سے بنی اسرائیل تیہ میں پھنس گئے حضرت موسیٰ نے عرض کیا پروردگار ہم کس جرم کی وجہ سے تیہ میں پھنس گئے۔ اللہ نے فرمایا۔ بلعم کی بد دعا کی وجہ سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار جس طرح تو نے اس کی بد دعا میرے متعلق قبول فرمائی میری بد دعا اس کے متعلق بھی قبول فرمالے اس کے بعد حضرت موسیٰ نے بد دعا کی کہ بلعم سے اسم اعظم اور ایمان چھین لیا جائے موسیٰ کی بد دعا سے اس کی معرفت سلب کرلی اور ایمان اس طرح کھینچ لیا جیسے بکری کی کھال کھینچ لی جاتی ہے سفید کبوتر کی شکل کی ایک صورت اس کے اندر سے نکل گئی آیت فانسلخ منہا سے یہی مراد ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ، سعید بن مسیب، زید بن اسلم اور لیث بن سعد کا قول روایت میں آیا ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول امیہ بن صلت ثقفی کے متعلق ہوا اس شخص نے (آسمانی) کتابیں پڑھی تھیں اور اس کو معلوم تھا کہ اللہ ایک پیغمبر ضرور بھیجے گا مگر اس کو امید لگی ہوئی تھی کہ وہ پیغمبر میں ہی ہونگا جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر بنا دیا گیا تو امیہ کو حسد ہوگیا اور آپ کی بعثت کا اس نے انکار کر دیا۔ تھا یہ بڑا دانشمند اور اچھا واعظ۔ ایک بادشاہ کے پاس سے لوٹ رہا تھا تو مقام بدر کی طرف سے اس کا گذر ہوا اور بدر کے مقتولوں کو اس نے دیکھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو قتل کیا ہے کہنے لگا اگر محمد نبی ہوتے تو اپنے قرابت داروں کو قتل نہ کرتے۔

امیہ کے مرنے کے بعد اس کی بہن فارعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضور صلعم نے اس کے بھائی کے مرنے کے متعلق دریافت کیا فارعہ نے عرض کیا امیہ نے سوتے میں دیکھا کہ دو آنے والے چھت پھاڑ کر نیچے اترے، ایک اس کے پائیں بیٹھ گیا اور دوسرا سرہانے۔ پائیں والے نے سرہانے والے سے پوچھا کیا (اس کا دل) ہوشیار ہے اس نے کہا ہوشیار ہے پائیں والے نے کہا کیا (نفسانی جذبات سے) پاک ہے اس نے کہا مغرور ہے۔ فارعہ کا بیان ہے کہ میں نے امیہ سے اس کی تعبیر پوچھی تو اس نے جواب دیا کسی بھلائی کا میرے بارے میں ارادہ کیا گیا تھا مگر وہ بھلائی لوٹا دی گئی اتنا کہنے کے بعد اس پر بیہوشی

طاری ہوگئی جب ہوش آیا تو کہنے لگا۔

زندگی کتنی ہی مدت تک لمبی ہو اس کو کبھی زوال کی طرف جانا ہی ہے۔

جو حالت میرے سامنے آئی کاش اس سے پہلے ہی

میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہاڑی بکرے چراتا (یعنی گوشہ گیر ہو کر سب انسانوں سے الگ جا رہتا)

بلاشبہ حساب فہمی کا دن بڑا دن ہوگا ایسا بھاری دن ہوگا کہ (شدتِ ہول سے) بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا مجھے اپنے بھائی کے (کچھ اور) شعر سناؤ۔ فارعہ نے بعض قصائد سنائے حضور (صلعم) نے فرمایا اس کے شعر مؤمن ہیں مگر دل کافر تھا امیہ ہی کے بارہ میں اللہ نے نازل فرمایا اتل علیہم نبا الذی اتینہ ایتنا فانسلخ منہا الخ

حضرت ابن عباسؓ کا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی اسرائیل کے ایک شخص بسوس کے متعلق ہوا اس شخص کو تین دعائیں کرنے کا حق دیا گیا تھا (یعنی اطلاع دیدی گئی تھی کہ تیری تین دعائیں قبول کرلی جائیں گی)، اس کی بیوی بھی تھی اور بیوی سے کچھ اولاد بھی۔ بیوی نے ایک دن اس سے کہا اپنی ایک دعا میرے لئے کر دے بسوس نے پوچھا تو کیا چاہتی ہے بیوی نے کہا اللہ سے دعا کر دے کہ میں بنی اسرائیل کی سب عورتوں سے زیادہ حسین ہو جاؤں بسوس نے دعا کردی عورت سب سے زیادہ خوبصورت ہوگئی خوبصورت ہونے کے بعد عورت کو احساس ہونے لگا کہ میری طرح حسین بنی اسرائیل میں کوئی بھی نہیں ہے یہ احساس ہوتے ہی اس نے شوہر سے بے التفاتی شروع کردی شوہر کو غصہ آیا اور اس نے بددعا کی عورت فوراً کتیا بنادی گئی جو پڑی بھونکتی رہتی تھی۔ بسوس کی دو دعائیں ختم ہوگئیں۔ ماں کی یہ حالت دیکھ کر اس کے لڑکے آئے اور کہنے لگے ہم صبر نہیں کر سکتے ہم کو چین نہیں آسکتا کہ ہماری ماں کتیا بنی رہے اور لوگ ہمیں عار دلاتے ہیں آپ دعا کیجئے کہ اللہ ہماری ماں کو اصلی حالت پر کر دے مجبوراً بسوس نے دعا کی اور بیوی اصلی حالت پر آگئی اس طرح اس کی تینوں دعائیں بیکار گئیں۔

بغوی نے لکھا ہے پہلے دونوں قول (یعنی بلعم یا امیہ کے متعلق آیت کا نزول) زیادہ ظاہر ہے۔ میں کہتا ہوں دوسرے قول کی تردید تو خود آیات کر رہی ہیں اللہ نے فرمایا ہے قالوا یموسی انا لن ندخلها ابداً ما داموا فیها فاذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون قال رب انی لا املك الا نفسی واخی فافرق بیننا وبین القوم الفاسقین ہ قال فانها محرمة علیهم اربعین سنة یتیهون فی الارض الخ یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ بنی اسرائیل کا تیہ میں سرگرداں پھرنا بلعام کی بددعا کی وجہ سے نہ تھا بلکہ خود انہی کے قول

(وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ) کی وجہ سے تھا حسن اور ابن کیسان کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول منافقین اہل کتاب کے متعلق ہوا جو اپنے بیٹوں کی طرح بلاشبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے تھے اور پھر بھی سچے دل سے ایمان نہیں لائے۔ قتادہ نے کہا آیت میں کوئی خاص شخص یا گروہ مراد نہیں ہے بلکہ اللہ نے بطور تمثیل اس شخص کی حالت بیان کی ہے جس کے سامنے ہدایت کو اللہ لے آیا لیکن وہ استقبالِ ہدایت کے لئے تیار نہ ہوا اور قبول کرنے سے انکار کر دیا (گویا ایتنا سے مراد ہے ہدایت)

حضرت ابن عباسؓ اور سدی کے نزدیک آیات سے مراد اسم اعظم ہے دوسری روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے اس کو اللہ کی کوئی کتاب دی گئی تھی مگر وہ کتاب (کے احکام) سے اس طرح نکل گیا جیسے سانپ کینچلی سے نکل جاتا ہے۔ ابن زید نے کہا وہ اللہ سے جو کچھ مانگتا وہ اللہ عطا فرما دیتا تھا آیات سے مراد ہے)

فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا یا شیطان نے اس کو اپنے پیچھے لگا لیا۔ فکان من الغاوین پھر وہ گمراہوں میں شامل ہو گیا۔ لَرَفَعْنٰهُ بِهَا یعنی آیات کے ذریعہ سے ہم چاہتے تو اس کا مرتبہ ابرار کے مرتبہ کی برابر کر دیتے۔ مجاہد نے یہ مطلب بیان کیا کہ اگر ہم چاہتے تو آیات کے ذریعہ سے ہم اس کو کفر سے اٹھا لیتے اور بچا لیتے۔ اخلد الی الارض مگر وہ دنیا اور پستی کی طرف مائل ہو گیا۔ زمین پست ہے دنیا بھی پست ہے پستی کی مناسبت سے بطور کنایہ دنیا کو ارض فرمایا۔ یا یوں کہا جائے کہ دنیا کا سارا مال متاع اسباب جائیداد زمین ہی کی پیداوار ہے اس لئے زمین بول کر دنیا مراد لی۔ زجاج نے کہا خَلَدَ (مجرد) اور اَخْلَدَ (مزید) دونوں ہم معنی ہیں خلد کا اصل (لغوی) معنی ہے۔ دوام اور قیام۔ اخلد فلان بالمکان۔ فلاں شخص نے فلاں جگہ قیام کیا۔ واتبع ھواہ اور وہ اپنی نفسانی خواہش کے پیچھے لگ گیا یعنی دنیا کو اس نے اختیار کیا اور اپنی قوم کی رضامندی کا خواستگار رہا اور آیات کے تقاضوں سے اعراض کیا۔

انسان کیلئے امکان اور عدم ذاتی ہے اسکی فطرت کا تقاضا ہے کہ پستی کی طرف مائل ہو یعنی زمین پر رہنا اور دنیا کیطرف مائل ہونا اسکا ذاتی اقتضا ہے اور بلند درجات کی طرف اٹھایا جانا ایک مرد آئند ہے جو اللہ کی مہربانی سے حاصل ہوتا ہے اسی لئے اونچے مراتب کیطرف اٹھانے کی نسبت اللہ کی طرف کی اور زمین کی طرف مائل ہونے یعنی دنیا کی طرف راغب ہونے کی نسبت بندہ کی جانب کی گئی بیضاوی نے کہا رفع درجات کو اللہ نے اپنی مشیت سے وابستہ کیا لیکن شبہ ہو سکتا تھا کہ بلندی حاصل کرنے یا پستی میں پڑے رہنے کے لئے اعمال بے سود ہیں) تو اس وہم کو دفع کرنے کے لئے فعل عبد (اخلد اور اتبع) کا ذکر کیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ مشیتِ خداوندی انسان کے اس فعل کی سبب ہے جو موجبِ رفعت ہے اور جب انسان موجبِ رفعت فعل نہیں کرتا تو اس عدمِ فعل سے عدمِ مشیت خداوندی معلوم ہوتا ہے

انتفاء مسبب انتفاء سبب پر دلالت کرتا ہے۔ سبب حقیقی تو اللہ کی مشیت ہے باقی جو ظاہری اسباب ہم دیکھتے ہیں وہ حقیقت میں اسباب نہیں بلکہ درمیانی ذرائع ہیں جن سے مسبب (نتیجہ) کا وجود وابستہ ہے یعنی اللہ کی مشیت کے ساتھ جو نتائج کی وابستگی ہے وہ انہی ظاہری اسباب و ذرائع کی وساطت سے ہے۔ اصل کلام تو یوں ہونا چاہئے تھا وَلٰكِنَّهٗ اَعْرَضَ عَنْهَا لیکن اس کی جگہ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اعراض عن الآیات کا باعث کیا ہے اور اس بات پر بھی تنبیہ ہو جائے کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کا سرچشمہ ہے۔ یہ حدیث مرفوع ہے جس کو بیہقی نے بروایت حسن مرسلاً بیان کیا ہے (صحابی کا نام ذکر نہیں کیا)

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ سَآءَ مَثَلًا ِۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے یہی حالت (عام طور پر) ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں ان لوگوں کی حالت بھی بری حالت ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور (اس سے) وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ جس کو اللہ ہدایت کرتا ہے سو ہدایت پانیوالا وہی ہوتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو ایسے ہی لوگ خسارہ میں رہتے ہیں۔

فمثلہ۔ یعنی اس کی ذلت کی حالت ایسی ہے۔ کمثل الکلب جیسی کتے کی ذلیل ترین حالت۔ یلھث کہ وہ ہر حال میں زبان باہر نکال دیتا ہے ہانپتا ہے پیاس ہو تھکان ہو اس کو ڈانٹ ڈپٹ کی جائے اور دھتکار کر باہر نکالا جائے یا ایسا نہ کیا جائے بہر حال وہ ذلت کے ساتھ زبان باہر نکالے رہتا ہے دوسرے جانوروں کی حالت ایسی نہیں ہر وقت ہانپتے اور زبان باہر نکالتے ہیں جب کوئی خاص سبب ہو تھک جائیں پیاس لگی ہو یا کوئی اور محرک ہو تب وہ زبان باہر نکال دیتے ہیں

مجاہد نے کہا یہ حالت اس شخص کی ہوتی ہے جو قرآن پڑھتا تو ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا مطلب یہ ہے کہ کافر کو تم تنبیہ کرو نصیحت کرو یا کچھ نہ کرو وہ کفر سے باز نہیں آتا کچھ نہ کرو تب بھی ہدایت نہیں حاصل کرتا ہمیشہ ہر حال میں گمراہ اور ذلیل رہتا ہے وہ ذلت میں ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کتا جو ہمیشہ زبان باہر نکالے رہتا ہے۔ اسی کی ہم معنی ایک اور آیت آئی ہے فرمایا ہے وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۝

ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا یعنی یہ حالت ہے ان یہودیوں کی جنھوں نے آیات کی تکذیب کی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال وصفات کو خود توریت میں پڑھا اور لوگوں کو پیغمبر آخر الزماں کی بعثت قریب ہونے کی بشارت دیتے رہے لیکن جب آپ مبعوث ہوگئے اور ان کے سامنے آگئے اور معجزات ظاہر کردیئے اور قرآن پیش کیا جو عظیم الشان معجزہ ہے اور یہودیوں نے آپ کو یقینی طور پر بغیر کسی شبہ کے پہچان بھی لیا جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں تو توریت کی آیات سے صاف نکل گئے اور رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کا انکار کردیا اور زبان لٹکائے ہوئے کتے کی طرح ذلیل ہوگئے توریت کی تنبیہات اور نصیحتوں نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

تمثیل مذکور کے حکم میں عام طور پر وہ تمام لوگ داخل ہیں جو آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب کرتے ہیں۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ پس یہودیوں کے سامنے آپ وہی حال بیان کیجئے جو اوپر ذکر کردیا گیا تاکہ وہ سوچیں اور غور کرکے نصیحت پذیر ہوجائیں اور شخص مذکور کی بدانجامی سے عبرت اندوز ہوکر اس کی رفتار پر نہ چلیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ تمثیلِ مذکور میں کفارِ مکہ مراد ہیں ان کو پہلے آرزو تھی کہ کوئی ہادی ہوتا جو ان کو سیدھا راستہ دکھاتا اور کوئی داعی اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتا لیکن جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوگئے تو باوجودیکہ کافروں کو آپ کی صداقت میں پہلے کبھی شک نہ تھا لیکن رسالت کے دعوے کی تکذیب کرنے لگے اور ہدایت یاب نہ ہوئے دعوت دینا نہ دینا دونوں ان کے لئے یکساں ہوگیا۔

وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا اس کا عطف كَذَّبُوْا پر ہے یا سابق کلام سے یہ بالکل جدا ہے (اور تقدیم مفعول حصر کے لئے ہے) مطلب اس طرح ہوگا وہ نہیں ظلم کرتے ہیں مگر اپنے ہی اوپر وبال تکذیب انہی پر پڑیگا۔

فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ چونکہ مَن کا لفظ مذکر تھا اس رعایت سے مذکر غائب کی ضمیر ذکر کی لیکن مَن يُّضْلِلْ معنی کے اعتبار سے جمع ہے اس لئے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ بصیغۂ جمع فرمایا چونکہ تمام ہدایت پانیوالوں کا طریقہ ایک ہی ہے۔ (توحید، نبوت اور قیامت کا اقرار اور ایمان بالقدر وغیرہ) اس لئے فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ فرمایا گویا اس بات پر تنبیہ کی کہ جتنے ہدایت پانے والے افراد ہیں وہ ایک شخص کی طرح ہیں اور چونکہ گمراہی کے راستے جدا جدا متعدد ہیں اس لئے الْخٰسِرُوْنَ بصیغۂ جمع فرمایا۔

آیات میں صراحت ہے کہ ہدایت ہو یا گمراہی دونوں اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں اور اللہ کی ہدایت کرنے کا معنی ہے ہدایت یاب بنا دینا۔ خالی راہِ ہدایت بتا دینا اور بیان کرنا نہیں ہے جس کو اللہ ہدایت کرتا ہے وہ کامیاب ہوجاتا ہے۔ معتزلہ کے نزدیک ہدایت الٰہی کا معنی ہے بتا دینا۔ بیان کردینا۔ مگر آیات کی صراحت اس کے خلاف ہے۔

فھو المھتدی کا لفظ اس امر کو بھی بتا رہا ہے کہ ہدایت یاب ہو جانا ہی درحقیقت بہت بڑا کمال اور عظیم الشان نفع ہے کیونکہ اس سے آئندہ عظیم الشان نعمتوں کا حصول لازمی ہے پس آئندہ زندگی کی کامرانی اور کامیابی کا ذکر کرنے کے بجائے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ جس کو اللہ ہدایت کرتا ہے وہی ہدایت یاب ہوتا ہے۔

مقام جابیہ میں حضرت عمرؓ بن خطاب نے ایک روز خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ کوئی عیسائی یا یہودی یا مجوسی مذہبی عالم سامنے بیٹھا تھا اس نے آخری لفظ سن کر فارسی زبان میں کچھ کہا حضرت عمر نے مترجم سے پوچھا یہ کیا کہتا ہے مترجم نے کہا یہ کہہ رہا ہے کہ خدا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے دشمن خدا تو جھوٹا ہے۔ اللہ ہی نے تجھے پیدا کیا اور تجھے گمراہ کر دیا اور وہی ان شاء اللہ تجھے دوزخ میں داخل کرے گا اگر ہمارا معاہدہ نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا۔ اس بیان کے بعد لوگ اٹھ گئے اور تقدیر کی بابت کسی کو اختلاف نہ رہا۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ ہم نے بلاشبہ جہنم کے لئے ایسے بہت سے جنات اور انسان پیدا کئے ہیں جن کے پاس دل ہیں (مگر) وہ ان سے سمجھتے نہیں ان کی آنکھیں ہیں (مگر) وہ ان سے دیکھتے نہیں اُن کے کان ہیں (مگر) وہ ان سے سنتے نہیں وہ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ بے راہ ہیں ایسے سب لوگ غافل ہیں (حقیقت اور انجام سے بے خبر)۔

ذرأنا ہم نے پیدا کئے۔ کثیرا بکثرت جنات و انسان۔ یعنی وہ لوگ جن کا پیدائش کے بعد کفر پر جما رہنا اللہ کو پہلے سے ہی معلوم ہے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ نے جنت پیدا کی اور اس کے مستحق بھی پیدا کر دیئے جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں ہی تھے (یعنی حضرت آدمؑ کی پشت میں)، اور جہنم کو پیدا کر دیا اور اس کے مستحق بھی پیدا کر دیئے جبکہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے (یعنی دنیا میں آئے بھی نہ تھے) رواہ مسلم۔ اسی مضمون کی حدیث اوپر گذر گئی جس میں حضرت آدم کی پشت سے سب کا برآمد ہونا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دو تحریریں دونوں ہاتھوں میں لئے ہوئے برآمد ہوئے اور فرمایا جانتے ہو یہ دو تحریریں کیسی ہیں ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم کو کچھ نہیں معلوم البتہ آپ بیان فرمائیں

تو معلوم ہو جائے گا حضور صلعم نے دائیں ہاتھ والی تحریر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ رب العلمین کی طرف سے تحریر ہے اس میں جنتیوں کے نام ان کے باپ اور قبائل کے نام درج ہیں اور آخر میں اس کو ختم کر دیا گیا ہے۔ آئندہ کبھی اس میں کمی ہوگی نہ بیشی، پھر بائیں ہاتھ والی تحریر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ رب العلمین کی طرف سے تحریر ہے اس میں تمام دوزخیوں کے اور انکے باپوں کے اور قبائل کے نام درج ہیں اور آخر میں اس کو ختم کر دیا گیا ہے آئندہ کبھی اس میں اضافہ ہوگا نہ کمی۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، پھر عمل کس غرض سے ہے جب کہ یہ (اہل جنت و اہل جہنم کا) معاملہ ختم ہو چکا فرمایا سیدھی چال چلتے رہو۔ جنتی کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا خواہ اس نے (زندگی میں) کوئی عمل کیا ہو اور دوزخی کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوگا خواہ اس نے (زندگی میں) کیسا ہی عمل کیا ہو۔ پھر حضور صلعم نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا اور دونوں (تحریروں) کو (گویا) پھینکدیا پھر فرمایا تمہارا رب بندوں (کے فیصلہ) سے فارغ ہو گیا ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ دوزخ میں کر دیا گیا۔ رواہ الترمذی۔

ایک شبہ

آیت وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں اور اس آیت میں تضاد ہے (اس جگہ کی آیت بتا رہی ہے کہ اللہ نے کچھ لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے کفر و معصیت کے لیے ہی ان کو پیدا کیا ہے جنکو کوئی ہدایت یاب نہیں کر سکتا اور آیت وما خلقت بتا رہی ہے کہ انسان کی تخلیق عبادت اور معرفت کے لئے ہوئی ہے ہر انسان کو معرفت اور عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے) دونوں میں موافقت کیسے ہو سکتی ہے۔

جواب

نفسِ تخلیق اور اصل حکمتِ پیدائش تو یہی ہے کہ انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا نفسِ تخلیق کا تقاضا یہی ہے اصلِ تخلیق کے لحاظ کے وقت اس بات کا کوئی لحاظ نہیں کہ اللہ کا علم بندہ کے متعلق کیا ہے اور وہ بندہ کو جنتی جانتا ہے یا دوزخی (یعنی واقع میں بندہ دوزخی ہے یا جنتی اس کا علم تو اللہ کو ہے تخلیق کا تقاضا اور مصلحت تو یہی ہے کہ ہر شخص عبادت گذار اور صاحب معرفت ہو) رہی یہ بات کہ بہت انسانوں اور جنوں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے تو اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ (ان کی تخلیق کی غرض یہ ہے کہ وہ جہنمی ہوں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ پہلے سے واقف ہے کہ وہ کفر اختیار کرینگے اور اس طرح اللہ کی بات پوری ہو کر رہیگی کہ لَاَمْلَئَنَّ جہنم من الجنۃ والناس اجمعین۔

بعض علماءِ تفسیر نے یہ جواب دیا ہے کہ آیت وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اگرچہ عام ہے لیکن اس سے مراد خاص ہے یعنی صرف وہی لوگ معرفت و عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں جن کے متعلق اللہ جانتا

تھا کہ یہ ایماندار اور اطاعت گذار ہونگے یہ جواب بے دلیل اور غلط ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ لجھنم میں لام عاقبت کا ہے یعنی کثیر مخلوق کی پیدائش کا نتیجہ جہنمی ہونا ہے اور جس کی پیدائش کا نتیجہ جہنمی ہونا ہے وہ گویا جہنم کے لئے پیدا ہی کیا گیا ہے۔ معتزلہ نے یہ تاویل اس لئے اختیار کی کہ وہ گناہوں کو اللہ کی مشیت وارادہ کے تحت نہیں مانتے مگر یہ تاویل ظاہرِ کلام کے خلاف ہے۔

لا یفقھون بھا یعنی حق کو شناخت کرنے اور دلائل پر غور کرنے کی ان میں استعداد وصلاحیت ہی نہیں ہے لا یبصرون بھا یعنی آنکھیں تو ہیں مگر دلائل کو عبرت اندوز نظر سے نہیں دیکھتے۔ لا یسمعون بھا یعنی ان کے کان تو ہیں مگر آیات ومواعظ کو گوشِ قبول سے نہیں سنتے۔ اولئک کالانعام یعنی کھانے پینے جماع کرنے اور اسبابِ تعیش میں مشغول رہنے کے لئے ہی ان کی ساری قوتیں اور احساسات وقف ہیں وہ بے سمجھی میں اور عبرت اندوز نظر نہ رکھنے میں اور گوشِ قبول وتامل کے فقدان میں جانوروں کی طرح ہیں۔ بل ھم اضل بلکہ وہ جانوروں سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں جانوروں میں تو کسی قدر ضرر رساں اور فائدہ بخش چیزوں میں تمیز کرنے کی صلاحیت ہے اور وہ منافع کو حاصل کرنے اور مضرات کو دفع کرنے کی اپنی انتہائی کوشش کرتے ہیں لیکن کافروں میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو محض عناد کی وجہ سے دوامی دوزخ کی طرف دوڑے جاتے ہیں باوجودیکہ جانتے ہیں کہ یہ راستہ یقینی ہلاکت کا ہے اللہ نے انہی کے متعلق فرمایا ہے یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم ظلما وعلوا اور بعض کافر ایسے ہیں کہ فطری دانش وشعور کو ضائع کر دیتے ہیں تقاضائے عقل کا مقابلہ وہم سے کرتے ہیں یہ دونوں گروہ مکلف ہیں مامور ہیں اور جانور نہ مکلف ہیں نہ مامور فطری مجبور ہیں اس لئے کافر زیادہ گمراہ ہیں قابل مواخذہ اور جانور گم کردہ راہ ہیں معذور ومجبور۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ یعنی کامل طور پر یہی غافل ہیں کوئی دوسرا کامل غفلت کا حامل نہیں ہے اس آیت (اور حصر) سے معلوم ہو رہا ہے کہ جانوروں کو بلکہ جمادات کو بھی اپنے خالق کا کسی قدر شعور ہے وہ کامل طور پر اپنے رب سے غافل نہیں ہیں اسی کی تائید دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے فرمایا ہے وان من شیء الا یسبح بحمدہ۔ دوسری آیت ہے الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموٰت ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس وکثیر حق علیہ العذاب۔

مقاتل کی روایت ہے کہ ایک شخص نے اللہ کا نام لے کر بھی نماز میں دعا کی اور رحمٰن کا لفظ کہہ کر بھی اس پر کافر کہنے لگے ان مسلمانوں کا تو یہ دعویٰ ہے کہ ہم ایک ہی رب کی عبادت کرتے ہیں پھر اس شخص کو کیا ہو گیا کہ دو کو پکار رہا ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں بس انہی ناموں سے اللہ کو پکارا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں ان لوگوں کو انکے کئے کی سزا ملیگی۔

وللہ الاسماء الحسنٰی یعنی جن ناموں کے معنی تمام معانی سے اچھے ہیں وہ اللہ ہی کے نام ہیں ان سے مراد وہ الفاظ ہیں جو صرف صفات پر نہیں دلالت کرتے بلکہ اس ذات کو بتاتے ہیں جو صفات کی حامل ہے دونوں میں بڑا فرق ہے (دوسری زبانوں کے اندر جو اللہ کے نام ہیں وہ محض صفات پر دلالت کرتے ہیں جیسے پرماتما یعنی روح کائنات۔ واجب الوجود۔ علت تامہ۔ بھگوان وغیرہ) فادعوہ بہا پس انہی ناموں سے اس کو پکارا کرو۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جو ان کو یاد کرے گا جنت میں داخل ہوگا دوسری روایت میں آیا ہے اللہ وتر ہے طاق کو پسند کرتا ہے۔ شیخین نے اس حدیث میں ننانوے ناموں کی تفصیل ذکر نہیں کی کیونکہ شیخین کی شرط کے موافق تفصیل مروی نہیں۔ ترمذی نے اور بیہقی نے الدعوات میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ننانوے نام ہیں جو ان کو یاد کرلے گا جنت میں جائیگا۔ هو الله الذی لا اله الا هو الرحمن الرحيم الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر الخالق البارئ المصور الغفار الوهاب الرزاق الفتاح العليم القابض الباسط الخافض الرافع المعز المذل السميع البصير الحكم العدل اللطيف الخبير الحليم العظيم الغفور الشكور العلى الكبير الحفيظ المقيت الحسيب الجليل الكريم الرقيب المجيب الواسع الحكيم الودود المجيد الباعث الشهيد الحق الوكيل القوى المتين الولى الحميد المحصى المبدئ المعيد المحيى المميت الحى القيوم الواجد الماجد الصمد الواحد القادر المقتدر المقدم المؤخر الاول الاخر الظاهر الباطن الوالى المتعالى البر التواب المنتقم العفو الرؤف مالك الملك ذو الجلال والاكرام الجامع الغنى المغنى المانع الضار النافع النور الهادى البديع الباقى الوارث الرشيد الصبور۔

خوب سمجھ لو کہ اللہ کے اسماء کا حصر انہی مذکورہ بالا اسماء میں نہیں ہے (دوسرے نام بھی ہیں) حدیث مذکور میں جن اسماء کا ذکر ہے ان سے مراد شاید یہ ہے کہ جو ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں جائے گا،

اسی لئے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ان سب کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے (تاکہ لوگ یاد کرلیں)

ترمذی کی روایت مذکورہ میں جن اسماء کا ذکر ہے ان میں سے ستائیس ایسے ہیں جو بلفظ صراحۃً قرآن مجید میں نہیں آئے القابض الباسط الخافض الرافع المعز المذل العدل الجلیل الباعث المحصی المبدی المعید المحیی الممیت الواجد الماجد المقدم المؤخر الوالی ذوالجلال والاکرام (ذی الجلال والاکرام آیا ہے) المقسط المغنی المانع الضار النافع الباقی الرشید الصبور۔

مندرجۂ ذیل توصیفی اسماء حسبِ ذیل آیات میں آئے ہیں مگر ترمذی کی روایت میں نہیں آئے۔

هُوَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى اِلٰه شاكرٌ رب العالمين احد مالك يوم الدين الاعلى الاكرم حفی اعلم بمن ضل عن سبيله واعلم بالمهتدين القريب النصير القدير المبين الخلاق مبتليكم الموسع المليك الكافی فاطر السموات والارض القائم بالقسط غافر الذنب قابل التوب شديد العقاب نعم المولى الغالب على امره سريع الحساب . فالق الحب والنوى فالق الاصباح جاعل الليل سكناً علام الغيوب عالم الغيب والشهادة ذوالطول ذوانتقام رفيع الدرجات ذوالعرش ذوالمعارج ذوالفضل العظيم ذوالقوة ذوالمغفرة جامع الناس ليوم لاريب فيه مُتِمُّ نعمته مُتِمُّ نوره عدو للكافرين ولی المؤمنين القاهر فوق عباده اسرع الحاسبين مخرج الميت من الحی محی الموتىٰ ارحم الراحمين. احكم الحاكمين خير الرازقين خير الماكرين خير الفاتحين مخزی الكافرين موهن كيد الكافرين فعّالٌ لما يريد المستعان نور السموٰت والارض اهل التقوى اهل المغفرة نعم الماهدون رب الناس ملك الناس اله الناس اقرب اليه من حبل الوريد القائم على كل نفس بما كسبت احق ان تخشاه الذی هو اغنى واقنى والذی هو امات واحيى والذی هو اضحك وابكى والذی خلق الزوجين الذكر والانثى والذی اهلك عاد ن الاولى الذی لم يكن له ولد (لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد) ولم يكن له شريك فی الملك ولم يكن له ولیٌّ من الذل الذی انزل على عبده الكتاب الذی بيده ملكوت كل شی الذی يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر الذی يبدؤ الخلق ثم يعيده الذی بيده الملك الذی بعث فی الاميين رسولا لا اله الا انت سبحانك انی كنت من الظلمين اس آیت کو حدیث میں اللہ کا اسم اعظم فرمایا گیا ہے اس کے علاوہ قرآن مجید میں اللہ کی صفات اور بھی بیان کی گئی ہیں۔

بعض اسماء ایسے بھی دوسری احادیث میں آئے ہیں جو نہ قرآن مجید میں مذکور ہیں نہ ترمذی کی روایت مذکورہ میں مثلاً الحنان المنان الجواد الاجود الفرد الوتر الصادق الجمیل القدیم البادُ الوافی العادل المعطی المغیث الطیب الطاہر المبارک خالق الشمس والقمر المنیر رازق الطفل الصغیر جابر عظم الکسیر مدبر کل کبیر الذی نفسی بیدہ وغیرہ پھر یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ کے جتنے نام قرآن مجید اور احادیث میں آئے ہیں بس یہی اللہ کے نام ہیں ان کے علاوہ اور کوئی نام اللہ کا نہیں ہے کیونکہ روایت میں آیا ہے کہ اللہ نے توریت میں اپنے ایک ہزار نام نازل فرمائے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دعا کیا کرتے تھے اللھم انی اسئلک بکل اسم ھو لک سمیت بہ نفسک وانزلتہ فی کتاب او علمت احدامن خلقک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک اے اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں تیرے ہر نام کے ساتھ جو تو نے اپنی ذات کا مقرر کیا ہے اور اس کو کتاب میں نازل کر دیا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھا دیا ہو یا اپنے علم غیب میں تو نے خاص طور پر رکھ چھوڑا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اللہ کے تمام ناموں پر جو اللہ کو معلوم ہیں اجمالی ایمان رکھا جائے۔

وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ۔ الحادٌ (مزید) اور لحدٌ (مجرد) دونوں کا لغوی معنی ہے سیدھے راستہ سے مڑجانا۔ کج راہ ہو جانا۔ یعقوب بن سکیت کا قول ہے کہ الحاد کا معنی ہے حق سے مڑجانا اور جو چیز حق نہیں ہے اس کو حق کی فہرست میں شامل کر دینا اَلحَدَ فی الدین اور لَحَدَ فی الدین دونوں طرح بولا جاتا ہے۔

آیت میں مشرک مراد ہیں جنھوں نے اللہ کے ناموں کو اصل مصداق سے موڑ کر بتوں کو ان ناموں سے موسوم کر دیا پھر ان میں کمی بیشی بھی کر لی اللہ سے اللّات العزیز سے العُزّٰی اور منان سے مَنات بنالیا۔ حضرت ابن عباسؓ ومجاہد نے یہی تفسیر فرمائی۔

بعض علماء نے کہا کہ الحاد فی الاسماء سے مراد یہ ہے کہ مشرکوں نے بتوں کا نام الٰہ رکھدیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے یلحدون فی اسماءہٖ کی تشریح میں فرمایا یکذبون۔ اہل معنی کہتے ہیں کہ اللہ کے ناموں میں الحاد کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے وہ نام رکھ چھوڑے ہیں جو اللہ نے اپنے لئے نہیں اختیار کئے نہ اللہ کی کتاب میں آئے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ کے نام صرف توقیفی (تنزیلی) ہیں اللہ کا نام جواد ہے سخی نہیں عالم ہے عاقل نہیں رحیم ہے رفیق نہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے یخادعون اللہ وھو خادعھم۔ دوسری آیت ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین لیکن اللہ کو خادع اور ماکر یا مکار نہیں کہا جا سکتا یا قائم بالقسط کہا جاسکتا ہے قائم نہیں کہا جاسکتا یا خالق کہا جاسکتا ہے خالق القردۃ والخنازیر (بندروں اور سوروں کے خالق) کے نام سے موسوم نہیں کیا جاسکتا۔ زید اگرچہ تمام بادشاہوں سے بڑا بادشاہ ہو مگر اللہ کو کبیر من زید نہیں

کہا جاسکتا (مطلب یہ کہ کسی صفت کے موجود ہونے کی بنا پر اللہ کا وصفی نام از خود نہیں بنایا جا سکتا) بلکہ اللہ کو انہی ناموں سے پکارا جائیگا جو بطور تعظیم قرآن یا حدیث میں آگئے ہیں (یعنی اللہ نے اظہار عظمت کے نشان کے طور پر جن کو نازل کیا ہے جہاں صرف تقابلی صورت میں آئے ہیں۔ اظہار عظمت کے لئے نہیں آئے جیسے ھو خادعھم یا مکر اللہ تو ایسے ناموں سے بھی اللہ کو نہیں پکارا جا سکتا) توریت میں ذکر کئے ہوئے نام بھی لینا درست نہیں کیونکہ یہودیوں کی معرفت جو نام آئے ہیں ان کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں علماء یہود میں سے جو لوگ مسلمان ہوگئے اور دل سے مسلمان ہوگئے ان کی روایت سے توریت میں ذکر کئے ہوئے ناموں کے لینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابوہریرہؓ اور بعض دوسرے صحابی حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور بعض دوسرے مسلمان علماء یہود سے توریت کی اطلاعات دریافت کرتے تھے اور کوئی اس کی مخالفت نہیں کرتا تھا۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جو لوگ اللہ کے ناموں کے متعلق کجراہی اختیار کرتے ہیں شریعت نے اللہ کا جو نام نہیں بتایا وہ نام اللہ کا رکھتے ہیں ان کو چھوڑ دو۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے جو نام اپنا مقرر کیا ہے اور مشرک اس نام کو نہیں مانتے تو تم ان مشرکوں کی پروا نہ کرو جیسے اللہ نے اپنا نام رحمن فرمایا تو مشرک کہنے لگے ہم تو رحمٰن یمامہ کے علاوہ کسی رحمن سے واقف نہیں (یعنی اللہ کا نام رحمٰن نہیں ہے) یا یہ مطلب ہے کہ اگر مشرک اللہ کے ناموں کا اطلاق بتوں پر کرتے ہیں اور اس کے ناموں سے (مونث کے) صیغے مشتق کرتے ہیں تو ان کو کرنے دو تم ان کی موافقت نہ کرو۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم ان سے اعراض کرو اللہ خود ان کو سزا دیدے گا ان کے کئے کی سزا ان کو دی جائیگی۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِۦ يَعْدِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِـَٔايَٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَأُمْلِى لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِى مَتِينٌ ۝

اور ہماری مخلوق میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق (یعنی اسلام) کے مطابق ہدایت کرتا ہے اور حق ہی کے موافق عدل کرتا ہے اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو (جہنم کی طرف) آہستہ آہستہ لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں۔ اور ان کو میں ڈھیل دیتا ہوں بے شک میری پوشیدہ تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

وممن خلقنا امة۔ بغوی نے لکھا ہے کہ عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت میں امت سے مہاجرین انصار اور وہ لوگ جو ان کے پیرو ہوں مراد ہیں۔ قتادہ نے کہا ہم کو اطلاع ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کو پڑھ کر فرماتے یہ تمہارے لئے ہے اور اسی کی طرح اس امت کو

بھی دیا گیا تھا جو تمہارے سامنے موجود ہے (یعنی یہودی۔ یہودیوں کے متعلق آیا تھا) ومن قوم موسی امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون۔ کلبی نے کہا (کوئی خاص امت مراد نہیں ہے بلکہ آیت عام ہے) تمام لوگوں میں ایسا گروہ ہوتا ہے بہرحال (آیت میں خاص امت مراد لی جائے یا عام) اللہ نے پہلے ذکر کیا کہ ایک گروہ کو دوزخ کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو ظالم اور حق سے اعراض کرنے والے ہیں پھر (اس آیت میں) ذکر کیا کہ ایک گروہ کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتا اور عدل کرتا ہے۔

بعض لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہر زمانہ میں اجماع اہل ہدایت صحیح (بلکہ نص قرآنی ضروری الوقوع) ہے اور اس آیت سے وہ حدیث تعلق رکھتی ہے جس میں حضور (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا ہے کہ میری امت میں برابر ایک گروہ پیدا ہوتا رہیگا جو اللہ کے امر کو پورے طور پر ادا کرتا رہیگا ان کی مدد نہ کرنیوالے اور ان کی مخالفت کرنیوالے ان کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں قیامت آجائے گی۔ متفق علیہ من حدیث معاویۃ بن ابی سفیان ومغیرۃ بن شعبہ مگر یہ استدلال غلط ہے اور حدیث مذکور کا بھی اس آیت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ ہر امت میں ایک گروہ ایسا ضرور ہوگا۔

والذین کذبوا بایٰتنا اس سے مراد مکہ کے کافر ہیں سنستدرجھم ہم آہستہ آہستہ ان کو ہلاکت کے قریب لئے جا رہے ہیں استدراج کا لغوی معنی ہے آہستہ آہستہ چڑھانا یا درجہ بدرجہ اتارنا۔ من حیث لا یعلمون عطا نے کہا مراد یہ ہے کہ ہم ان کے متعلق ایسی پوشیدہ تدبیر کرینگے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ کلبی نے کہا ہم ان کے اعمال ان کی نظر میں مرغوب بنا دینگے پھر ان کو ہلاک کر دینگے ضحاک نے کہا جسقدر وہ نو بنو گناہ کرینگے ہم نو بنو ان کو نعمتیں دیں گے۔ سفیان ثوری نے کہا ہم ان کو پوری پوری نعمت دینگے اور شکر ادا کرنا فراموش کرا دینگے۔

واملی لھم۔ اس کا عطف سنستدرجھم پر ہے یعنی میں ان کی عمریں لمبی کر دوں گا اور ان کے بُرے اعمال کو ان کی نظر میں مرغوب بنا دوں گا اور ان کو بداعمالی کی سہولت عطا کروں گا، تاکہ وہ گناہوں میں بڑھتے چلے جائیں اور آخر ہلاک ہو جائیں۔

ان کیدی متین یعنی میری گرفت سخت ہے گرفت کو کید سے اسلئے تعبیر کیا کہ اللہ کی گرفت بظاہر انعام نظر آتی ہے اور حقیقت میں تباہی آفریں ہے حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ کیا میری پوشیدہ تدبیر سخت ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جو اللہ کا اللہ کے رسول کا اور اہل ایمان کا مذاق اڑاتے تھے چنانچہ ایک ہی رات میں اللہ نے سب کو قتل کرا دیا۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے قتادہؒ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک رات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش

کے ایک ایک کنبہ اور شاخ کو نام بنام یا بنی فلاں یا بنی فلاں کہہ کر پکارا اور اللہ کے عذاب و حوادث الہیہ سے برابر ڈراتے رہے ایک شخص بولا تمہارا یہ ساتھی یقیناً دیوانہ ہے رات بھر صبح تک چیختا رہا ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ۝ مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

کیا انھوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی کو ذرا بھی جنون نہیں ہے وہ تو بس صاف صاف (نافرمانی کے عذاب سے) ڈرانیوالا ہے اور کیا انھوں نے آسمانوں کی اور زمین کی اور ان دوسری چیزوں کی حکومت پر جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے غور نہیں کیا اور اس بات پر بھی غور نہیں کیا کہ ممکن ہے ان کی اجل قریب ہی آپہنچی ہو۔ پھر قرآن کے بعد کس بات پر یہ لوگ ایمان لائینگے جس کو اللہ گمراہ کردے اس کو کوئی راہ پر لانیوالا نہیں اور اللہ ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔

صاحبکم سے مراد ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، جنۃ بمعنی جنون مبین صاف صاف کھول کر واضح طور پر ڈرانے والا کسی سے کوئی بات چھپی نہ ہے (سب کی سمجھ میں آجائے) اولم ینظروا کیا دلیل آفریں اور استدلال کی نظر سے انھوں نے نہیں دیکھا ماخلق اللہ من شئی یعنی جس پر لفظ شئی کا اطلاق ہوتا ہے کوئی چیز ہو شئی کے افراد و اجناس ان گنت ہیں اور سب اپنے بنانے والے کی ہمہ گیر قدرت اور توحید پر دلالت کررہی ہیں ان کو استدلال کی نظر سے کائنات عالم کو دیکھنا چاہیے تاکہ ان پر واضح ہوجائے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کی ان کو دعوت دے رہے ہیں وہ صحیح ہے۔

وان عسیٰ اس کا عطف ملکوت پر ہے اَن مصدری ہے یا خفیفہ ہے اور ضمیر شان اس کا اسم ہے اسی طرح اَن یکون میں اَن مصدری ہے یا خفیفہ۔ دونوں جگہ استفہام انکاری ہے اور تعجب پر دلالت کر رہا ہے کلام کا مطلب اس طرح ہے تعجب ہے یہ لوگ قرآن اور پیغمبر پر ایمان نہیں لائے اور پیغمبر کو دیوانہ بتانے لگے اور اس بات پر غور نہیں کیا کہ شاید ان کی اجل قریب آگئی ہو اگر اس پر غور کرتے تو طلب حق کی طرف تیزی سے بڑھتے اور ایسی چیز کی طرف توجہ کرتے جو مرنے سے پہلے ان کی نجات کا باعث ہوجاتی

فبای حدیث بعدہ یومنون یعنی جب انھوں نے اس قرآن کو نہیں مانا جو علم و حکمت سے بھرا ہے اور معجزہ ہے تو اس کے بعد اور کونسی بات کا یقین کریںگے۔ یعنی ممکن ہے ان کی موت قریب ہو پھر قرآن پر ایمان

لانے کی طرف کیوں نہیں بڑھتے اور قرآن سے بڑھ کر اور کونسی واضح دلیل چاہتے ہیں قرآن سے بڑھ کر اور کونسی بات ہو جس پر یہ ایمان لانا چاہتے ہیں۔ حقیقت میں ان کی روگردانی کی علت یہ ہے کہ من یضلل اللّٰہ فلا ھادی لہ، جس کو اللہ گمراہ چھوڑ دے اس کو راہ پر لانے والا کوئی نہیں وَیَذَرُھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ یعمھون یذرھم کی ضمیر مفعول سے حال ہے۔

ابن جریر نے قتادہ وغیرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ ہمارے قرابت دار ہیں ہم کو بطور اشارہ بتا دیجئے کہ قیامت کب آئیگی ابن جریر وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حمل بن ابی قشیر اور سمول بن زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا اگر آپ نبی ہیں جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے تو بتائیے کہ قیامت کب آئیگی ہم بھی تو جان لیں قیامت کیا ہے اس پر آیاتِ ذیل کا نزول ہوا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؔ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ؁

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا آپ کہہ دیجئے کہ اس کا (تعیینی) علم تو میرے رب کے پاس (محفوظ) ہے اس کے وقت پر بس وہی اس کو ظاہر کریگا وہ آسمان و زمین کسب سے بھاری حادثہ ہوگا بس وہ تم پر اچانک ہی آپڑیگی وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اس کا (تعیینی) علم تو بس اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

الساعۃ قیامت کے اسمارِ غالبہ میں سے ہے یا تو قیامت کو ساعت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اچانک آجائیگی یا اس وجہ سے کہ قیامت کے دن حساب بہت جلد ہو جائیگا یا اس وجہ سے کہ قیامت کا دن باوجودیکہ بہت لمبا ہوگا مگر اللہ کے نزدیک گھڑی بھر ہوگا۔ ایان کب۔ مرسٰھا مرسا مصدر میمی ہے ارسا بھی مصدر ہے یعنی استقرارِ قیامت کب ہوگا۔ رسو الشئی کسی چیز کا ثبات اور استقرار، رسا الجبل پہاڑ جما ہوا ہے۔ ارسی السفینۃ کشتی لنگر انداز ہوگئی، رُک گئی۔ حضرت ابن عباسؓ نے مرسا کا لفظی ترجمہ کیا منتہی اور قتادہ نے کہا وقوع انما علمھا عند ربی یعنی اللہ نے قیامت کا علم اپنے پاس ہی رکھا ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اس نے کسی کو نہیں بتایا نہ کسی مقرب فرشتہ کو واقف کیا نہ کسی نبی مرسل کو۔

لا یجلیھا یعنی اس کا پردہ نہیں کھولے گا اس کو ظاہر نہیں کریگا۔ لوقتھا لام بمعنی فی ہے یعنی اسکے وقت پر

ثَقُلَتْ یعنی قیامت کا علم ثقیل اور اس کا معاملہ زمین و آسمان کے رہنے والوں سے پوشیدہ ہے
ہر پوشیدہ چیز کا حصول ثقیل ہوتا ہے۔ یا یہ مطلب کہا جائے کہ آسمانوں کے ملائکہ اور زمین کے باشندے
سب کے پیش نظر قیامت کی حالت کو جاننا ہی ہے ہر ایک کی تمنا ہے کہ قیامت کا علم اس کو حاصل ہو جائے
علم قیامت کا مخفی رہنا سب پر بار ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ قیامت کی شدتیں اور ہولناکیاں زمین و آسمان
میں بھاری ہیں جس نے ثقلت کا مطلب یہ بیان کیا کہ ملائکہ اور جن و انس غرض تمام زمین آسمان والوں پر قیامت
ثقیل اور عظیم ہے اسی لئے قیامت کو مخفی رکھا گیا ہے، گویا ثقلت کے لفظ سے قیامت کو مخفی رکھنے کی حکمت
کی طرف اشارہ کیا ہے۔

الا بغتۃ مگر اچانک، غفلت کی حالت میں صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا دو شخص (یعنی بائع اور مشتری) اپنے بیچ میں کپڑا پھیلائے ہونگے اور خرید نے بیچنے نہ پائینگے
کہ قیامت آ جائیگی کوئی آدمی اپنا حوض درست کرتا ہوگا اور اس کا پانی پلانے نہ پائیگا کہ قیامت بپا ہو جائیگی
کوئی آدمی اونٹنی کا دودھ دوہ کر لے کر لوٹ رہا ہوگا اور پینے نہ پائیگا کہ قیامت بپا ہو جائیگی کوئی شخص لقمہ اٹھا کر
منہ میں لیجانا چاہتا ہوگا اور کھانے نہ پائیگا کہ قیامت قائم ہو جائیگی (یعنی قیامت کا وقوع اچانک ہو جائے گا
اگرچہ اس کی نشانیاں مدت سے ظاہر ہو رہی ہونگی)

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ صور میں پھونک ماردی جائیگی جبکہ لوگ
راستوں بازاروں اور اپنی اپنی مجلسوں میں ہونگے یہاں تک کہ بیچنے خرید نے والے آپس میں بھاؤ چکا لیے
ہونگے اور ایک اپنے ہاتھ سے اس چیز کو چھوڑنے نہ پائیگا کہ صور پھونک دیا جائیگا جس کی آواز سے وہ بے ہوش
ہو جائیگا حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا یہی مطلب ہے آیت ما ینظرون الا صیحۃ واحدۃ۔ کا۔ لوگ بازاروں میں خرید
فروخت کر رہے ہونگے کپڑے ناپ رہے ہونگے اونٹنیوں کا دودھ دوہ رہے ہونگے اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہونگے
کہ قیامت آ جائیگی اور کوئی کسی کو وصیت کر سکیگا نہ گھر لوٹ سکیگا۔

عبد اللہ بن احمد نے الزہد کی روایت میں حضرت زبیر بن عوام کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت ایسی حالت میں
آ جائیگی کہ کچھ لوگ کپڑا ناپ رہے ہونگے کچھ لوگ اونٹنیوں کا دودھ دوہ رہے ہونگے پھر آپ نے پڑھا فلا یستطیعون
توصیۃ ولا الی اھلھم یرجعون۔ طبرانی نے کھری سند سے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا قیامت سے پہلے ڈھال برابر ایک کالا ابر مغرب کی طرف سے اٹھیگا اور اونچا
ہوتا جائیگا پھیلتا جائیگا یہاں تک کہ آسمان کو بھر دے گا پھر ایک (غیبی) منادی ندا دیگا لوگو! اَتٰی اَمْرُ اللّٰہِ
فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ دو آدمی

اپنے بیچ میں کپڑا پھیلائے ہوئے ہونگے اور لپیٹنے نہ پائیں گے کہ قیامت آجائیگی کوئی آدمی اپنا حوض درست کرتا ہوگا اور اس سے پانی پلانے نہ پائیگا کہ قیامت آجائیگی اور کوئی آدمی اونٹنی دودھ رہا ہوگا اور دودھ پینے نہ پائیگا کہ قیامت آجائیگی۔

یسئلونک کانک حفی عنہا۔ حفی بروزن فعیل تحقیقات کرنے والا حفی الشئی اس چیز کی پوری تفتیش کی۔ حفی سے اس جگہ مراد ہے عالم ہونا کیونکہ کسی چیز کی پوری تحقیقات اور کامل تفتیش کرنے والا اس سے واقف ہو ہی جاتا ہے اور اس چیز کا پورا پورا علم اس کو حاصل ہو ہی جاتا ہے۔ علمی تحقیقات کے مضمون کو ظاہر کرنے کے لئے ہی حفی کے بعد عن کا استعمال کیا ہے (ورنہ حفی کا استعمال بغیر عن کے ہوتا ہے) بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ عنہا کا تعلق یسئلونک سے ہے یعنی وہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں گویا آپ قیامت کا پورا علم رکھتے ہیں۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک حَفِیٌّ حفاوۃ سے مشتق ہے حفاوۃ کا معنی ہے شفقت و مہربانی کیونکہ قریش نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا ہماری آپ سے قرابت داری ہے ہمیں آپ بتادیجئے کہ قیامت کب آئیگی اس صورت میں مطلب یہ ہوگا وہ آپ سے قیامت کے متعلق (خصوصی) سوال اس طرح کرتے ہیں گویا آپ قریش سے اپنی قرابتداری کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ ان کو بتادینگے کہ قیامت کب آئیگی۔

قل انما علمہا عند اللہ چونکہ یسئلونک دوبارہ ذکر کیا تھا کیونکہ ثانی یسئلونک سے کانک حفی عنہا کا تعلق تھا اس لئے قل انما علمہا عند اللہ کو بھی دوبارہ ذکر کیا یا تکرار ذکر سے مراد صرف کلام میں زور پیدا کرنا ہے۔

ولکن اکثر الناس لا یعلمون یعنی اکثر لوگ نہیں جانتے کہ قیامت کا تعینی علم اللہ نے صرف اپنے لئے خاص کر رکھا ہے مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں فرمایا۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۗ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ میرے بس میں تو اپنے لئے بھی نہ کوئی نفع ہے نہ نقصان مگر صرف اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا اگر میں غیب کی (سب) باتیں جانتا تو میں بہت سے منافع کی باتیں حاصل کر لیا کرتا اور مجھے دکھ ہی نہ پہنچتا میں (عالم الغیب نہیں کارساز اور قادر مطلق نہیں) صرف (اللہ کے عذاب و نافرمانی سے) ڈرانیوالا ہوں اور ایمان والوں کو خوشخبری دینے والا ہوں۔

قل لا املک یعنی کسی دینی دنیوی منفعت کو حاصل کرنے اور مضرت کو دفع کرنے کی مجھے خود اپنے لئے بھی قدرت نہیں ہے۔ یہ قول عبدیت کے اظہار اور غیب دانی کے دعوے سے بیزاری پر دلالت کر رہا ہے۔ لاستکثرت من الخیر الخ یعنی کثرت سے منافع حاصل کر لیتا اور ضرر رساں چیز کو دفع کر دیتا یہاں تک کہ پھر مجھے کوئی دکھ ہی نہ پہنچتا۔ نہ لڑائیوں میں کبھی مغلوب اور کبھی غالب ہوتا۔ بعض علماء نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح

بیان کیا ہے کہ اگر میں غیب کی باتیں جانتا یعنی یہ معلوم ہوتا کہ میں کب مروں گا تو کثرت سے اچھے اچھے کام کر لیتا اور مجھے کچھ نقصان نہ پہنچتا یعنی ہر شر اور فتنہ سے بچا رہتا۔

بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا یعنی اگر مجھے معلوم ہوتا کہ قیامت کب آئے گی تو میں تم کو بتا دیتا تم ایمان لے آتے اور تمہاری تکذیب کا مجھے دکھ نہ پہنچتا۔ بعض کے نزدیک مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ الگ مستقل کلام ہے وہ پہلے کلام سے مربوط نہیں ہے اس سے مشرکوں کے قول کی تردید کرنی مقصود ہے کہ تم جو مجھے دیوانہ کہتے ہو یہ غلط ہے مجھے تو کوئی دکھ بھی نہیں لگا ہے الا نذیر یعنی کافروں کو ڈرانے والا بشیر لقوم یومنون یعنی تصدیق کرنے والوں کو خوشخبری دینے والا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لقوم کا تعلق نذیر اور بشیر دونوں سے ہو کیونکہ عذاب سے ڈرانا ہو یا ثواب کی بشارت دونوں کا فائدہ اہل تصدیق ہی کو پہنچ سکتا ہے (کافروں کو نہ دھمکی فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ خوشخبری۔ اس صورت میں لقوم میں لام انتفاع کا ہوگا)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ اللہ وہی ہے جس نے تم کو ایک تن واحد (آدم) سے پیدا کیا اور اسی (کے اندر) سے اس کا جوڑا (حوا کو) پیدا کیا تاکہ وہ اپنے جوڑے سے سکون خاطر حاصل کرے پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اس نے ہلکا سا بوجھ اٹھا لیا اتنا کہ اس کو لئے پھرتی رہی پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بی بی نے اللہ سے جو ان کا رب تھا دعا کی کہ اگر تو نے ہمیں صحیح سالم بچہ دیدیا تو ہم بڑے شکرگزار ہوں گے لیکن جب اللہ نے ان کو صحیح سالم بچہ دیدیا تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں دوسروں کو ساجھی قرار دینے لگے سو ان کے شرک سے اللہ پاک ہے۔

من نفس واحدة ایک شخص سے یعنی حضرت آدمؑ سے وجعل منها یعنی اس ایک شخص کے تن سے اسکی پسلی سے زوجها یعنی حواؑ کو لیسکن الیها تاکہ اس زوج سے اس کو سکون خاطر اور انس حاصل ہو چونکہ نفس سے شخص مراد ہے اس لئے لیسکن بصیغہ مذکر ذکر کیا۔ تغشها قربت کی جماع کیا۔ حملت حملا خفیفا تو حوا نے ہلکا سا بار اٹھا لیا یعنی نطفہ اس صورت میں حملاً مصدر بمعنی محمول (اسم مفعول کے) ہوگا اور مراد نطفہ ہوگا یا حملا مفعول مطلق ہے یعنی حاملہ عورتوں کو حالت حمل میں عام طور پر جو دکھ اور تکلیف کا احساس ہوتا ہے حضرت حواؑ پر وہ دکھ نہیں پڑا فَمَرَّتْ بِهٖ وہ اس کو لئے چلتی پھرتی رہی اٹھنے بیٹھنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کی یا یہ مطلب کہ پیدائش کے وقت تک وہ حمل کو لئے رہی اس نے صحیح سالم حمل کے ساتھ یہ مدت گزار دی

نہ اخراج ہوا نہ اسقاط۔ فلما اثقلت یعنی جب بچہ بڑا ہوگیا اور وہ عورت بار دار ہوگئی بچہ کا بوجھ اس پر پڑنے لگا دعوا تو آدم حوا، دونوں نے دعا کی۔ صالحا صحیح سالم ہماری طرح لنکونن من الشکرین تو ہم تیری اس نئی نعمت کے شکر گذار ہونگے۔

بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کا بیان ہے کہ جب حوا، حاملہ ہوگئیں تو ابلیس مرد کے بھیس میں ان کے پاس آیا اور پوچھا تیرے پیٹ میں کیا ہے حوا نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ ابلیس نے کہا مجھے اندیشہ ہے کہیں یہ کوئی چوپایہ یا کتا یا خنزیر نہ ہو اور یہ بھی نہیں معلوم کہ کس طرح باہر آئیگا اگر پیچھے سے برآمد ہوا تو تیری ہلاکت کا سبب ہو جائیگا ممکن ہے منہ سے برآمد ہو یا تیرا پیٹ پھٹ جائے۔ حوا، کو ڈر لگنے لگا اور آدمؑ سے اس کا تذکرہ کیا ان کو بھی فکر ہوگئی ابلیس دوبارہ لوٹ کر آیا اور حوا، سے کہا میرا اللہ کی بارگاہ میں مرتبہ ہے اگر میں دعا کردوں کہ بچہ صحیح سالم تیری طرح خدا پیدا کردے اور اس کا برآمد ہونا بھی بسہولت ہو تو کیا تو اس کا نام عبدالحارث رکھ دیگی۔ ابلیس کا نام ملائکہ میں حارث تھا۔ حواؑ نے اس کا ذکر حضرت آدم سے کیا حضرت آدمؑ نے فرمایا شاید یہ وہی شخص ہے جس کو میں پہلے سے جانتا ہوں (یعنی شاید یہ وہی ابلیس ہے) لیکن ابلیس (بصورت مرد) برابر دونوں کے پاس آتا رہا آخر دونوں فریب کھا گئے اور بچہ پیدا ہونے کے بعد اس کا نام عبدالحارث رکھا کلبی کا بیان ہے کہ ابلیس نے حوا، سے کہا تھا اگر میں اللہ سے دعا کروں اور تو انسان کا بچہ جنے تو کیا میرے نام پر تو اس کا نام رکھ دیگی حوا، اس کے نام سے واقف نہ تھیں نادانی کی وجہ سے اقرار کرلیا بچہ پیدا ہوگیا تو ابلیس نے کہا میرے نام پر اس کا نام رکھو حوا، نے پوچھا تیرا کیا نام ہے ابلیس نے کہا الحارث حوا، جانتی نہ تھیں کہ جس ابلیس کی وجہ سے جنت سے دونوں کو نکالا گیا اس کا نام حارث تھا اس لئے بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ حوا، کے بطن سے ایک کے بعد ایک متعدد بچے ہوتے رہے حضرت آدمؑ کسی کا نام عبداللہ کسی کا عبیداللہ اور کسی کا عبدالرحمٰن رکھتے رہے لیکن سب مرتے رہے آخر ایک بچہ کا نام عبدالحارث رکھا تو وہ جیتا رہا۔

حضرت سمرہ بن جندب کی روایت سے امام احمد اور ترمذی اور حاکم نے بیان کیا ہے ترمذی کے نزدیک یہ روایت حسن غریب اور حاکم کے نزدیک صحیح ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حوا، کے بچے پیدا ہوتے مگر زندہ نہ رہتے تھے ایک بچہ جو پیدا ہوا تو ابلیس نے ادھر کا چکر لگایا اور حواؑ، سے کہا اس کا نام عبدالحارث رکھو حواؑ نے عبدالحارث نام رکھدیا اور وہ بچہ زندہ رہا یہ حرکت شیطان کے مشورہ اور وسوسہ سے ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے حدیث میں آیا ہے کہ حوا، کے پاس ابلیس دوبار آیا (اور حوا، اس کے بہکاوے میں آگئیں) ایک بار جنت میں اور ایک بار زمین پر۔ ابن زید کا بیان ہے کہ حضرت آدم کا ایک بچہ پیدا ہوا

آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا ابلیس نے آکر پوچھا تم نے بچہ کا کیا نام رکھا حضرت آدمؑ اور حواء نے کہا عبداللہ، اس سے پہلے حضرت آدمؑ کا ایک بچہ پیدا ہوا تھا جس کا نام آپ نے عبداللہ رکھا تھا اور وہ مر چکا تھا ابلیس نے کہا کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اللہ اپنے بندہ کو تمہارے پاس چھوڑ دیگا ایسا نہیں ہو سکتا خدا کی قسم جس طرح پہلے بچہ کو اس نے لے لیا اس کو بھی لے لیگا، میں تم کو ایسا نام بتاتا ہوں کہ اگر وہ تم رکھدو گے تو جب تک تم زندہ رہو گے وہ بچہ بھی جیتا رہیگا چنانچہ دونوں نے اُس بچہ کا نام عبدالشمس رکھا۔ بغوی نے لکھا ہے اول روایت زیادہ صحیح ہے۔ صالحاً پورا انسان صحیح سالم۔ جعلا لہ شرکاء بغوی نے لکھا ہے شرکاء جمع کا صیغہ ہے مگر مراد واحد ہے یعنی عبدالحارث نام رکھ کر غیر کو اللہ کا شریک قرار دیدیا۔ لیکن یہ شرک نہ عقیدہ میں تھا نہ عبادت میں کیونکہ حضرت آدم نبی معصوم تھے شرک نہیں کر سکتے تھے بلکہ یہ شرک صرف نام رکھنے میں تھا اس سے آپ کی غرض یہ بھی کہ حارث بچہ کی صحت اور ماں کی سلامتی کا سبب ہے کبھی عبد کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا ہے جو مملوک نہ ہو (یعنی بمعنی خادم) جیسے رب کا اطلاق کبھی ایسے (مربی اور سرپرست) شخص پر ہو جاتا ہے جو معبود نہیں ہوتا۔ بعض لوگ اپنے مہمان کی تواضع کرنے کے لئے اپنے آپ کو عبدالضیف کہتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ضیف اس کا معبود ہے اور وہ ضیف کا بندہ۔

بعض لوگ دوسروں سے کہتے ہیں میں تو آپ کا بندہ ہوں حضرت یوسف نے عزیز مصر کے متعلق کہا تھا انہ ربی احسن مثوای آپ کی مراد اس سے یہ نہ تھی کہ عزیز مصر آپ کا معبود ہے۔ عبدالحارث نام بھی اسی طرح رکھا گیا۔ حسن اور عکرمہ نے کہا جعلا سے مراد ہے جَعَلَ اَولَادُھُمَا یعنی آدم و حواء کی اولاد نے اللہ کے شریک بنا رکھے اس سے مراد مکہ کے کافر اور دوسرے مشرک ہیں۔ مضاف محذوف ہے۔ جیسے ان یہودیوں کو جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تھے خطاب کر کے فرمایا ہے ثم اتخذتم۔ واذ قتلتم نفسا۔ حالانکہ گوسالہ پرستی اور قتل نفس ان کا فعل نہ تھا بلکہ ان کے اسلاف کا تھا اس مطلب کی تائید لفظ شرکاء سے بھی ہو رہی ہے (کیونکہ حضرت آدمؑ و حواءؑ نے عبدالحارث نام رکھا یعنی نام رکھنے میں شرک کیا اگر یہ مطلب ہی ہو تو شرکاء کا لفظ کیوں استعمال کیا حارث تو واحد ہے اور فعل بھی واحد ہے ہاں کفار بہت ہیں اور انھوں نے بکثرت شرکاء بھی بنا رکھے ہیں اس لئے جَعَلَا کی اسناد حضرت آدم و حواء کی طرف حقیقی نہیں بلکہ مضاف محذوف ہے یعنی جعل اولادھما لہ شرکاء

فتعالی اللہ عما یشرکون پس اللہ برتر ہے ان چیزوں سے جن کو وہ شریک کرتے ہیں یعنی بتوں سے (اس صورت میں ما مصدری نہ ہوگا بلکہ موصولہ ہوگا) بغوی نے لکھا ہے بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ کلام ابتدائی ہے (پہلے کلام سے مربوط نہیں ہے) اور مشرکوں سے مراد ہیں کفار مکہ اور اگر پہلے کلام سے اس کو مربوط بھی قرار دیا جائے اور مذکور بالا اشخاص ہی مراد ہوں تب بھی مطلب صحیح ہو جائیگا (اور شرک سے مراد ہوگا نام رکھنے میں شرک کرنا کیونکہ

حضرت آدمؑ و حوّا کے لئے بہتر یہی تھا کہ نام میں بھی شرک نہ کرتے۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ اس جملہ کا عطف خلقکم پر ہے اور درمیانی کلام بطور معترضہ ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ یشرکون کی ضمیر یہود و نصاریٰ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ نے ان کو اولاد عنایت فرمائی جو موحد اور مسلم تھی مگر انھوں نے اس کو یہودی اور عیسائی بنایا اللہ ان کے اس فعل سے بزرگ و برتر ہے۔ ابن کیسان نے کہا یشرکون سے مراد وہ کفار ہیں جو اپنی اولاد کا نام عبدالعزیٰ عبداللات، عبدالمناۃ اور عبدالشمس رکھتے تھے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ عکرمہ اور حسن کے نزدیک آیات کی تفسیر سب سے الگ ہے ان بزرگوں کے نزدیک خلقکم من نفس واحدۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے تم سب کو ایک شخص سے یعنی ہر ایک کو اس کے باپ سے پیدا کیا پھر اس نفس سے یعنی اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا اور دونوں کے ملنے سے اولاد عطا کی مگر وہ شرک کرنے لگے اگرچہ یہ قول حضرت ابن عباسؓ مجاہد سعید بن مسیب اور جمہور مفسرین کی تفسیر کے خلاف ہے مگر میرے نزدیک یہی صحیح ترین قول ہے اس کی دلیل حسب ذیل ہے۔

اللہ نے حضرت آدم اور حوا کو اکل شجرہ کی ممانعت فرمادی لیکن جب دونوں نے شجرہ کو کھا لیا تو چند مقامات پر بطور تشنیع اس کا اظہار کیا مثلاً فرمایا وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ۔ حضرت آدمؑ کو بھی اپنے اس قصور پر بڑی ندامت ہوئی اور انھوں نے دعا کی ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔ اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی فرمایا ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدیٰ۔ حضرت آدمؑ کو توبہ قبول ہونے کے بعد بھی اپنی اس لغزش پر پشیمانی رہی صحیحین میں آیا ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مومنوں کو روک لیا جائیگا ان کو سخت پریشانی ہوگی اور کہیں گے کاش اس وقت کوئی سفارشی ہوتا جو اللہ سے سفارش کر کے ہم کو اس جگہ سے رہا کرا دیتا چنانچہ لوگ آدم کے پاس جاکر کہینگے آپ سب آدمیوں کے باپ ہیں اللہ نے خود اپنے ہاتھ سے آپ کو بنایا تھا اور اپنی جنت میں سکونت عطا کی تھی اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا تھا اور تمام چیزوں کے اسماء آپ کو سکھا دیئے تھے آج اپنے رب سے شفاعت کر کے ہم کو اس جگہ سے نجات دلا دیجئے حضرت آدم اپنی اس لغزش کو یاد کرینگے جو ممنوعہ درخت کو کھا لینے کی صورت میں پیدا ہوئی تھی اور کہینگے میرا یہ مقام نہیں کہ تمہارے کام آؤں۔ اس حدیث پر غور کرو حضرت آدمؑ سے درخت کو کھا لینے کی صورت میں جو خطا ہوئی تھی اس کو تو اس وقت یاد کرینگے (باوجودیکہ وہ لغزش معاف بھی ہو چکی ہے) لیکن دوسری (شرک والی) غلطی کو یاد نہیں کرینگے باوجودیکہ پہلی خطا سے دوسری خطا زیادہ سخت تھی (اور اس کی معافی کی بھی کوئی صراحت نہیں کی گئی) لہٰذا آیت مذکورہ کی تفسیر وہی صحیح ہے جو عکرمہ اور حسن نے کی۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا

وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ کیا ایسوں کو شریک ٹھیراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہ کر سکیں اور خود ہی (اللہ کی قدرت سے) پیدا کئے جاتے ہوں اور وہ ان کو کسی طرح کی مدد بھی نہ دے سکتے ہوں اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہوں اور اگر تم ان کو راہِ راست کی طرف بلاؤ تو تمہارے کہنے پر نہیں چلتے تمہارے اعتبار سے دونوں امر برابر ہیں خواہ تم ان کو پکارو یا خاموش رہو واقعی تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں اگر تم سچے ہو تو ان کو پکارو پھر ان کو چاہئے کہ تمہارا کہنا کر دیں۔

ایشرکون کیا اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ مالا یخلق جو کسی چیز کو پیدا نہ کر سکیں یعنی ابلیس اور بت۔ وھم یخلقون ھُم ضمیر بتوں کی طرف راجع ہے (اگرچہ ھُم کی ضمیر جمع اصحاب عقل کی طرف راجع ہونا چاہئے اور بت جامد چیز ہے لیکن) بتوں کو مشرک معبود قرار دیتے تھے (اس لئے بت بھی اصحاب عقل کے حکم میں ہو گئے) و لا یستطیعون اور بت طاقت نہیں رکھتے لھم نصرا ان مشرکوں کی مدد کرنے کی جو ان کے پجاری ہیں ولا انفسھم ینصرون اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں کہ نامناسب ناگوار چیز کو دفع کر سکیں مثلاً اگر کوئی ان کو توڑے تو اپنے کو محفوظ رکھ سکیں وان تدعوھم الی الھدی اور اگر تم مشرکوں کو اسلام کی طرف بلاؤ۔ بعض علماء کے نزدیک تدعوا سے خطاب مشرکوں کو ہے اور ھُم ضمیر بتوں کی طرف راجع ہے یعنی اے مشرکو اگر تم بتوں کو بلاؤ کہ وہ تم کو ہدایت کریں راستہ بتلا دیں تو وہ تمہارے کہنے پر عمل نہیں کر سکتے یعنی تم کو راستہ نہیں بتلا سکتے نہ اللہ کی طرح تمہاری دعا قبول کر سکتے ہیں۔

سواء علیکم ادعوتموھم ام انتم صامتون۔ بجائے (صَمَتُّم) فعل کے (صامتون) اسم فاعل ذکر کیا یا تو صرف آیات کے مقاطع کے لحاظ سے یا غیر مفید ہونے کو پر زور طور پر ظاہر کرنے کے لئے کہ تمہارا ان کو پکارنا بھی خاموش رہنے کے برابر بے سود ہے (نہ پکارنے سے تم کو کوئی فائدہ پہونچ سکتا ہے نہ خاموش رہنے سے) یا اسلوبِ ادا کو بدلنے کی یہ وجہ ہے کہ (فعل حدوث و تجدد پر دلالت کرتا ہے اور اسم دوام و استمرار پر اور) مشرک اپنی اغراض کے لئے تو بتوں کو پکارتے نہ تھے (عرضِ مقاصد کے وقت خاموش رہنا ان کی عادت جاریہ تھی جس پر وہ قائم تھے) اغراض کے لئے پکارنا ایک نئی بات ہو گی اس لئے فرمایا کہ (خلاف معمول اور برخلاف عادت) ان کو پکارنا یا (حسب معمول) خاموشی پر قائم رہنا دونوں غیر مفید اور بے سود ہونے میں برابر ہیں۔

ان الذین تدعون من دون اللہ یعنی اے مشرکو! اللہ کے سوا تم جنکی عبادت کرتے اور ان کو معبود کہتے ہو عبادا امثالکم تمہاری طرح بندے ہیں یعنی مخلوق ہیں اللہ کے مملوک اور تابع ارادہ ہیں مقاتل نے کہا خطاب

کا رخ ان لوگوں کی طرف ہے جو فرشتوں کی پوجا کرتے تھے اس لئے الذین تدعون سے مراد ملائکہ ہیں اول تفسیر زیادہ صحیح ہے ان کنتم صدقین اگر تم سچے ہو کہ وہ الٰہ ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مطلب اس طرح ہو کہ چونکہ انسانوں کی شکل کی انھوں نے مورتیاں بنا رکھی تھیں تو ان سے (گویا) فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ تمہاری طرح زندہ اور عاقل ہو جائیں اگر ایسا ہو بھی جائے تب بھی وہ تمہاری عبادت کے مستحق نہیں ہو سکتے جس طرح تم میں سے کوئی کسی کی عبادت کا مستحق نہیں ہے اس سے آگے واضح فرمایا کہ وہ تو تم سے کمتر درجہ پر ہیں۔

أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہوں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں یعنی تمہاری طرح نہ ان کے ہاتھ پاؤں ہیں نہ آنکھ کان پھر اپنے سے کمتر درجہ والوں کی پوجا تم کس طرح کرتے ہو۔

قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنْظِرُونِ ۝ إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ۝ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ۝ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝ آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنے سب معبودوں کو جنکو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو بلا لو پھر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر مجھے ذرا مہلت مت دو بے شک میرا حامی اللہ ہی ہے جس نے کتاب نازل فرمائی ہے اور وہی نیک بندوں کی مدد کیا کرتا ہے اور جن کو اللہ کو چھوڑ کر تم پوجتے ہو وہ تمہاری مدد بالکل نہیں کر سکتے اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اگر ان کو کوئی بات بتانے کو پکارو تو نہیں سنتے آپ کو نظر آتا ہے کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔

ثم کیدون یا متکلم محذوف ہے اسی طرح فلا تنظرون میں بھی یا محذوف ہے یعنی تم اور تمہارے معبود جس قدر ہو سکے میرے خلاف تدبیریں کرو اور مجھے دکھ پہنچانے کی کوشش کرو اور قطعاً مجھے مہلت نہ دو چونکہ میرا اعتماد اللہ پر ہے اس لئے مجھے تمہاری کوئی پروا نہیں۔

ان ولی بے شک میرا حامی اور محافظ اللہ ہے جس نے کتاب یعنی قرآن نازل فرمایا ہے اور وہی اپنے نیک بندوں کی حفاظت و مدد کرتا ہے انبیاء کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو لوگ اللہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے ان کی مدد کا ذمہ دار اللہ ہوتا ہے دشمنوں کی دشمنی ان کو ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ والذین سے ینصرون تک پروا نہ کرنے کی علت کی تکمیل ہے

لا یسمعوا وہ یعنی بت نہیں سنتے۔ وتراھم اور اے مخاطب تجھے وہ نظر آتے ہیں کہ تیری طرف

دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے چونکہ مشرکوں نے اپنے معبودوں کی مورتیاں انسانی شکل کی بنا رکھی تھیں تو دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا تھا کہ یہ ہماری طرف دیکھ رہے ہیں حسن بصری نے لایسمعوا اور تراھم کی ضمیریں مشرکوں کی طرف راجع کی ہیں یعنی اگر مشرکوں کو آپ اسلام کی دعوت دیں تو وہ دلوں سے نہیں سنتے کچھ نہیں سمجھتے بظاہر آنکھوں سے آپ کی طرف دیکھتے نظر آتے ہیں مگر دل کی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ سرسری برتاؤ قبول کر لیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجئے اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جایا کیجئے اور اگر شیطان کی طرف سے وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

حضرت عبد اللہؓ بن زبیرؓ اور مجاہدؒ کا بیان ہے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ لوگوں کی طرف سے سرسری برتاؤ اور سہل ترین اعمال کو قبول کریں مثلاً کوئی عذر کرے تو عذر قبول کر لیں عفو اور سہولت سے کام لیں ان کے عیوب اور احوال کا تجسس نہ کریں ایسی بات کے لوگوں سے طلبگار نہ ہوں جس کو پیش کرنا ان کے لئے دشوار اور ناگوار ہو۔ اس تفسیر پر عفو کا معنی ہوگا سرسری برتاؤ۔ کوشش اور جہد کی ضد۔

بعض علماء کے نزدیک عفو سے مراد ہے مجرموں اور گناہگاروں کو معاف کر دینا۔ بخاری نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عیینہ بن حصین بن حذیفہ اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس آکر ٹھیرا، حر حضرت عمرؓ کے مقربین میں سے تھے، حضرت عمرؓ کے اہل مجلس اور مشیر قراء ہوتے تھے جوان ہوں یا بوڑھے عیینہ نے حر سے کہا بھتیجے کسی تدبیر سے تم انسے (یعنی حضرت عمرؓ سے) اجازت لے سکتے ہو کہ وہ مجھے اپنے پاس حاضر ہونے کی اجازت دیدیں، حر نے وعدہ کر لیا اور حضرت عمرؓ سے عیینہ کے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی آپنے اجازت دیدی عیینہ حاضر ہوا اور کہنے لگا ابن خطابؓ خدا کی قسم تم ہم کو کچھ زیادہ مال نہیں دیتے نہ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کرتے ہو۔ (گویا تقسیم مال میں جائر اور فصل مقدمات میں ظالم ہو) حضرت عمرؓ کو یہ سن کر اتنا غصہ آیا کہ قریب تھا عیینہ پر حملہ کر دیں (یا کوئی سخت حکم دیدیں) حسن نے کہا امیر المومنین اللہ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا ہے خذ العفو وأمر بالعرف واعرض عن الجاھلین اور یہ شخص جاہل ہے حضرت عمرؓ آیت سنتے ہی حکم آیت کے مطابق فوراً رک جاتے تھے آپ کی یہ عادت ہی تھی جب یہ آیت سنی تو پھر اس آیت کے حکم سے آگے نہیں بڑھے۔

حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب بندے حساب کے لئے رکے کھڑے ہونگے ...... الخ اس حدیث میں ہے پھر ایک منادی ندا کریگا جس کا اجر اللہ کے ذمہ ہو وہ کھڑا ہو جائے اور جنت میں داخل ہو جائے لوگ کہینگے اللہ کے ذمہ کس کا اجر ہو سکتا ہے منادی کہے گا لوگوں کو

معاف کر دینے والوں کا اجر اللہ کے ذمہ ہے یہ سن کر اتنے اتنے ہزار لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور بلا حساب کے جنت میں چلے جائیں گے۔ رواہ الطبرانی باسناد حسن۔

روایت میں آیا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا جبرئیل اس کا مطلب کیا ہے جبرئیل نے کہا مجھے نہیں معلوم اللہ سے دریافت کر کے بتاؤں گا کچھ دیر کے بعد جبرئیل لوٹ کر آئے اور کہا آپ کے رب نے آپ کو حکم دیا ہے کہ جو تم سے (قرابت) کاٹے تم اس سے جوڑو، جو تم کو محروم رکھے تم اس کو دو جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کرو۔ رواہ ابن مردویہ عن جابر وابن ابی الدنیا وابن جریر وابن ابی حاتم عن الشعبی مرسلاً۔

حضرت ابی بن کعبؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص (جنت کے اندر) اپنے مکان کا بلند ہونا اور درجات کا اونچا ہونا پسند کرتا ہو اس کو چاہئے کہ جو شخص اس کی حق تلفی کرے اس سے درگذر کرے اور جو اس سے قرابت منقطع کرے وہ اس سے قرابت جوڑے رکھے۔ رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد۔ مگر اس حدیث کی سند منقطع ہے۔

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برابر دینے والا واصل (قرابت) نہیں۔ قرابت جوڑنے والا وہ ہے کہ اگر اس کی رشتہ داری توڑی جائے تو وہ جوڑے رکھے۔ رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلعم) میرے کچھ قرابت دار ہیں کہ میں ان سے جوڑتا ہوں تو وہ کاٹتے ہیں۔ میں ان سے بھلائی کرتا ہوں وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں میں ان کی طرف سے برداشت کرتا ہوں اور وہ میرے خلاف جہالت کرتے ہیں (برداشت سے کام نہیں لیتے) رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اگر تو ایسا ہی ہے جیسا تو کہہ رہا ہے تو تو ان کو بھوبھل (گرم راکھ) پھنکا رہا ہے اور جب تک تو اس سلوک پر قائم رہیگا برابر اللہ کی طرف سے ایک مددگار تیرے ساتھ رہیگا۔ رواہ مسلم

حضرت ابن عباسؓ ضحاک اور کلبی نے آیت کا معنی اس طرح بیان کیا ہے وہ مال لیلو جو عفو ہو یعنی جو مال اہل وعیال کی ضرورت سے فاضل ہو وہ لیلو۔ آیت یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو میں بھی عفو کا یہی معنی ہے (یعنی وہ پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا دیں آپ کہہ دیجئے کہ جو مال اہل وعیال کی ضرورت سے بچا ہوا ہو وہ سب دیدو) آئندہ زکوٰۃ فرض کر دی گئی تو یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔

وأمر بالعرف یعنی جو فعل شرعاً اور عقلاً اچھا ہے اس کا حکم دیجئے۔ حضرت ابو سعیدؓ خدری (رضی اللہ عنہ) کی روایت ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تم میں سے جو شخص کسی بری بات کو دیکھے اسکو

اپنے ہاتھ سے بدل دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان ہی سے روکے اگر ایسا بھی نہ کر سکتا ہو تو دل سے ہی (اس سے نفرت کرے) اور یہ ضعیف ترین ایمان (کا درجہ) ہے۔ رواہ مسلم۔ حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے (یا تو) تم بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے ورنہ اغلب ہے کہ اللہ اپنی طرف سے تم پر عذاب بھیجدیگا اس وقت تم دعا کرو گے مگر تمہاری دعا قبول نہ ہوگی۔ رواہ الترمذی

واعرض عن الجاھلین۔ یعنی اگر کوئی جاہل تمہارے خلاف حماقت کرے تو تم بیوقوفی اور سبک سری سے اس کا مقابلہ نہ کرو اور اس کے برتاؤ کی طرح خود برتاؤ نہ کرو اسی مفہوم کو بیان کیا ہے آیت واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما۔ میں۔ حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا اللہ نے اپنے پیغمبر کو برگزیدہ اخلاق اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور قرآن میں کوئی اور آیت اس آیت سے بڑھ کر مکارمِ اخلاق کی جامع نہیں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اللہ نے مجھے اخلاق برگزیدہ اور محاسنِ افعال کی تکمیل کے لئے بھیجا ہے۔ رواہ البغوی

حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فحش گو نہ تھے نہ فحش پسند۔ نہ بازاروں میں چیخ و پکار کرنے والے تھے نہ آپ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے بلکہ معاف فرمادیتے اور درگذر کرتے تھے۔ رواہ الترمذی والبغوی۔

واما ینزغنک۔ اِمّا میں ما زائد ہے اِنْ شرطیہ ہے نَزْغ کا معنیٰ ہے انگلیوں کے پوروں سے کچو کا دینا ٹھوکا دینا۔ اس جگہ مراد ہے شر پر برانگیختہ کرنا ابھارنا وسوسہ ڈالنا۔

عبد الرحمٰن بن زید کا بیان ہے جب آیت خذ العفو نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عرض کیا میرے رب سخت غصہ (کی حالت) ہو تو عفو کی کیا صورت ہوگی اس پر آیت واما ینزغنک من الشیطٰن نزغ الخ نازل ہوئی۔

فاستعذ باللہ تو اللہ سے بچاؤ کی طلب کرو اللہ کی پناہ مانگو۔ امر کا جواب محذوف ہے یعنی اللہ شیطان کے اغواء اور وسوسہ کو رفع کر دیگا۔

انہ سمیع علیم وہ بلاشبہ آپ کی بات کو سنتا اور آپ کی پناہ جوئی کو جانتا ہے اور جس بات میں آپ کے کام کی درستی ہو اس سے واقف ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ آپ کو دکھ پہنچانے والوں کی باتوں کو اللہ سنتا اور ان کے اعمال کو جانتا ہے وہ خود ان کو بدلہ دے دیگا آپ کو انتقام لینے اور شیطان کا اتباع کرنے کی ضرورت نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۚ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝ بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جب ان کو شیطانی وسوسہ آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور جو شیطان کے بھائی ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچے ہیں پھر وہ باز نہیں آتے۔

طائف یہ لفظ یا طاف یطوف سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس سے مراد ایک شیطانی وسوسہ ہے گویا یہ وسوسہ اور شیطانی خیال اہل تقوی کے چہار سمت گھومتا ہے مگر متقیوں پر اثر انداز ہونے پر اس کا قابو نہیں چلتا۔ یا طاف بہ الخیالُ سے ماخوذ ہے اس کے اندر ایک تصویر خیالی آگئی (اس وقت طائف کا مادہ طیفٌ ہوگا طوفٌ نہ ہوگا)

من الشیطٰن اس سے مراد جنس شیطان ہے خواہ ایک ہو یا چند اسی لیے اخوانہم میں جمع مذکر کی ضمیر الشیطان کی طرف راجع کی ہے۔ تذکروا وہ یاد میں لگ جاتے ہیں یعنی اللہ کے امر و نہی اور ثواب و عذاب کو یاد کرتے ہیں اور سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شیطانی خیال ہے۔ فاذا ھم مبصرون تو یکایک وہ متقی روشن نظر ہو جاتے ہیں وہ گناہ کے مقام اور شیطان کے جال کو دیکھ لیتے ہیں اور اس سے بچ جاتے ہیں۔ شیطانی خیال کے پیچھے نہیں لگ جاتے۔

سدی نے کہا متقی پھسلتے ہی لوٹ پڑتا ہے مقاتل نے کہا متقی کو اگر کوئی شیطانی کچوکا لگتا ہے تو وہ فوراً یاد کرتا اور سمجھ لیتا ہے کہ یہ گناہ ہے یہ جانتے ہی اس کی (دل کی) آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی سے نکل آتا ہے۔ یہ آیت سابق کلام کی معنوی تاکید ہے۔

و اخوانہم یعنی شیطانوں کے بھائی۔ مراد فاسق بدکار لوگ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اخوان سے مراد شیاطین ہوں اور اخوانہم کی ضمیر الجاھلین کی طرف راجع کی جائے جاہلوں کے بھائی یعنی شیطان۔ یمدونہم یعنی شیاطین ان کی مدد کرتے ہیں ابھارتے ہیں برانگیختہ کرتے ہیں سہولت پیدا کرتے ہیں یا وہ شیطانوں کو مدد دیتے ہیں شیاطین کے کہنے پر چلتے ہیں ان کے احکام کا اتباع کرتے ہیں۔

ثم لا یقصرون پھر اہل فسق گمراہی سے باز نہیں آتے ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں بر خلاف اہل تقوے کے کہ شیطانی خیال آتے ہی وہ اللہ کے احکام کو یاد کرتے ہیں اور آنکھیں کھول لیتے ہیں ضحاک اور مقاتل نے یہی مطلب بیان کیا ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ وہ شیاطین کو اغوا کرنے سے نہیں روکتے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: تو انسان اپنی بدکاری سے باز آتے ہیں نہ شیاطین ان سے رکتے اور باز رہتے ہیں۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۗ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ اور اگر

آپ کوئی معجزہ ان پر پیش نہیں کرتے تو کہتے ہیں آپ معجزہ کیوں نہیں لائے آپ کہہ دیجئے کہ میں اس حکم کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچتا ہے یہ حکمتوں کا مجموعہ ہے تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

بایۃٍ آیت سے مراد قرآن مجید کی آیات۔ یا کافروں کا طلب کیا ہوا معجزہ۔

لولا اجتبیتھا آپ از خود تراش کر کیوں نہیں لائے۔ عرب کہتے ہیں اجتبیتُ الکلام میں نے بات خود گڑھ لی۔ کلبی کا بیان ہے کہ مکہ والے محض ضد اور دشمنی کے زیر اثر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آیات کے طلب گار ہوتے تھے اور جب آیات (کے ظہور یا نزول) میں دیر ہو جاتی تو کہتے آپ نے (حسب سابق) خود اپنی طرف سے آیات کیوں نہ بنالیں اس کی تردید میں اللہ نے یہ کہنے کا حکم دیا کہ آپ کہہ دیجئے انما اتبع میں از خود آیات نہیں بناتا یا اپنی طرف سے آیات طلب نہیں کرتا۔ جو رب کی طرف سے بھیجی جاتی ہیں ان کا اتباع کرتا ہوں۔

ھٰذا یہ قرآن۔ بصائر بصیرتوں کا مجموعہ ہے دل اس کے ذریعہ سے حق کا باطل سے اور صحیح کا غلط سے امتیاز کر لیتے ہیں یا یہ قرآن دلائل اور براہین کا مجموعہ ہے جن سے میرے دعوے کی سچائی ظاہر ہوتی ہے

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو اس امید پر کہ تم پر رحمت ہوگی۔

ابوعیاض کے طریق سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ لوگ نماز میں باتیں کر لیتے تھے اس پر آیت نازل ہوئی۔ رواہ ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابوالشیخ و ابن مردویہ و ابن ابی شیبۃ فی المصنف والبیہقی فی السنن۔ حضرت ابوہریرہ کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے آواز اونچی کرنے کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ میں نے جاکر سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا اس سے پہلے لوگ نماز میں کلام کر لیا کرتے تھے اور اپنے کام کے لئے کہہ دیا کرتے تھے نماز سے فارغ ہو کر حضورؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون نازل ہوئی۔ رواہ ابن ابی حاتم و ابن مردویہ۔

حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت ہے کہ لوگ نماز میں کلام کر لیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز میں بولنے کی ممانعت فرما دی۔ اخرجہ ابن مردویہ والبیہقی فی السنن۔

قتادہ کی روایت ہے کہ شروع میں جب لوگوں کو نماز کا حکم دیا گیا تو وہ نماز میں بات کرلیا کرتے تھے آدمی آتا لوگ نماز میں مشغول ہوتے تو آنے والا پوچھ لیتا کہ تم کتنی نماز پڑھ چکے پڑھنے والے بتا دیتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور کان لگا کر سننے اور خاموش رہنے کا حکم دے دیا گیا۔ اخرجہ عبدالرزاق وعبد بن حمید وابوالشیخ وابن جریر والبیہقی ضحاک کا بیان ہے کہ لوگ نماز میں بولا کرتے تھے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اخرجہ عبد بن حمید۔ ان تمام روایات سے ثابت ہو رہا ہے کہ نماز میں بات کرنے کی ممانعت کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔

امام اعظمؒ کا قول ہے اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول آیا ہے کہ نماز میں کلام کرنا تھوڑا ہو یا بہت قصداً ہو یا بھول کر یا سہو سے ہو یا جبراً یا حرمتِ کلام سے ناواقفیت کی حالت میں بہر حال نماز کو توڑ دیتا ہے ہاں اگر یہ خیال نہ رہے کہ نماز میں مشغول ہوں اور سلام کرلے تو نماز باطل نہیں ہوتی۔ باقی تینوں اماموں کے نزدیک اگر بھول کر نماز میں بات کرلی یا سلام کرلیا یا حرمتِ کلام سے واقف نہیں ہے اور سلام کلام کرلیا یا بے ساختہ منہ سے سلام کلام نکل گیا تو نماز نہیں ٹوٹتی۔ خواہ کلام کتنا ہی طویل ہو۔ امام شافعی کا قول صحیح ترین روایت میں یہ آیا ہے کہ بھول کر یا ناواقفیت کی حالت میں اگر طویل کلام کرے گا تو نماز ٹوٹ جائیگی۔

امام مالکؒ کا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ قصداً ایسا کلام کرنا جس کا تعلق نماز سے ہو مثلاً نابینا کو راستہ سے آگاہ کرنا گمراہ کو راستہ بتانا وغیرہ نماز کو باطل نہیں کرتا۔ ائمہ ثلثہ کے اتفاقی قول کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی مندرجۂ ذیل روایت ہے جو ابن سیرینؒ کے توسط سے آئی ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مغرب یا عشاء کی نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھائی دو رکعتیں پڑھ کر آپ نے سلام پھیر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ غصہ کی حالت میں ہیں۔ مسجد کے اندر ایک تختہ پڑا ہوا تھا آپ نے اس سے کچھ سہارا لگا لیا دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر انگلیوں کا جال بنا لیا اور دایاں رخسار بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیا میں جلد جلد مسجد سے نکل گیا لوگ آپس میں کہنے لگے کیا نماز میں قصر ہوگیا لوگوں میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، مگر حضورؐ کے ڈر سے وہ کچھ نہ بول سکے ایک آدمی اور تھا جس کے ہاتھ کسی قدر لمبے تھے اس لئے اس کو ذوالیدین کہا جاتا تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا نماز میں قصر ہوگیا۔ حضورؐ نے فرمایا نہ مجھے نسیان ہوا ہے، نہ نماز میں قصر ہوا ہے (میں نے پوری نماز پڑھادی) پھر حضور صلعم نے (لوگوں سے خطاب کرکے) فرمایا کیا ایسا ہی ہوا ہے جیسا ذوالیدین کہہ رہا ہے صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں فوراً حضور صلعم آگے بڑھ گئے اور جتنی نماز رہ گئی تھی پوری

کی پھر سلام پھیر کر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کو چلے گئے اور معمولی سجدہ کی طرح یا اس سے لمبا سجدہ کیا پھر سر اٹھایا پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کو چلے گئے اور معمولی سجدہ کی طرح یا اس سے لمبا سجدہ کیا پھر سر اٹھا کر اللہ اکبر کہا پھر سلام پھیر دیا۔

ابن سیرین سے لوگ اکثر پوچھتے تھے تو ابن سیرین جواب دیتے تھے مجھے اطلاع ملی ہے کہ عمران بن حصین نے کہا تھا پھر سلام پھیر دیا (یعنی یہ آخری لفظ ابو ہریرہؓ کی روایت میں نہیں ہی) رواہ الشیخان فی الصحیحین۔ حضرت عمران بن حصین کی روایت ہی کہ ایک روز عصر کی تین رکعت پڑھ کر حضور (صلعم) اندر گھر میں تشریف لے گئے ایک شخص نے جسکا نام خرباق تھا اور اس کے ہاتھ کسی قدر لمبے تھے اٹھ کر حضورؐ کو یاد دہانی کی۔ حضور (صلعم) چادر کھینچتے ہوئے باہر تشریف لائے معلوم ہوتا تھا سخت غصہ کی حالت میں ہیں اور فرمایا کیا یہ سچ کہتا ہی صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فوراً ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر کر دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔ رواہ مسلم اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے جس وقت کلام کیا اس وقت آپ کو یقین تھا کہ نماز پوری ہوئی ہے اور آپ نماز کی حالت میں نہیں ہیں اور ذوالیدین کی بھی یہی حالت تھی (ان کو بھی یقین تھا کہ نماز پوری ہوگئی اور اسی حالت میں انھوں نے کلام کیا تھا) کیونکہ منسوخ ہو جانے کا (ان کی نظر میں) امکان تھا اس حدیث کی روایت پر حسب ذیل اعتراضات کئے گئے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ ۷ھ میں مسلمان ہوئے اور حضرت ذوالیدین کی شہادت بدر کی جنگ (۲ھ) میں ہوئی پھر یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ رسول اللہ نے ہم کو نماز پڑھائی۔ (۲) حدیث کے الفاظ میں اختلاف ہے کسی میں دو رکعت کسی میں تین رکعت پڑھ کر سلام پھیرنا مذکور ہے (۳) اس حدیث میں اس وقت کا قصہ مذکور ہے جب نماز میں بولنا جائز تھا اسی لئے حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور دوسرے لوگوں نے قصداً کلام کیا۔

حدیث کے اول اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ائمہ حدیث کے نزدیک بالاتفاق یہ حدیث صحیح ہی حضرت ذوالشمالین کی شہادت جنگِ بدر میں ہوئی تھی حضرت ذوالیدین تو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے بعد بھی زندہ تھے۔ ذوالیدین کا نام، حضرت عمران بن حصین کی روایت میں خرباق آیا ہے اور حضرت ذوالشمالین کا نام عمیر تھا درحقیقت یہ اعتراض زہری کی روایت پر پڑتا ہے جس میں آیا ہے کہ ذوالشمالین کھڑے ہوئے ابوداؤد سجستانی نے لکھا ہے کہ زہری کو نام میں دھوکہ ہوگیا انھوں نے خیال کرلیا کہ ذوالشمالین اور ذوالیدین دونوں ایک شخص کے نام تھے اس لئے روایت میں بجائے ذوالیدین کے انھوں نے ذوالشمالین کہہ دیا۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں تین رکعت پڑھ کر سلام پھیرنے کی حدیث تو حضرت عمران بن حصین کی روایت سے آئی ہے جو مسلم کے راوی ہیں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔ پھر اگر تعداد میں شک بھی ہو تب بھی کوئی ہرج نہیں۔ اہلِ حدیث کو

حدیث تو محفوظ ہے اور بھول کر بات کرنے کا ثبوت موجود ہے رہا کلام کا نماز میں حرام ہو جانا تو زید بن ارقم (جو مدنی تھے) کا قول ہے کہ ہم نماز میں بات کر لیا کرتے تھے یہاں تک کہ آیت وقوموا للہ قانتین نازل ہوئی اور ہم کو خاموش رہنے کا حکم دیدیا گیا۔ ابو سلیمان خطابی نے لکھا ہے کہ ہجرت سے کچھ مدت کے بعد ہی نماز میں کلام کرنے کی اجازت منسوخ کردی گئی۔ دونوں قولوں پر حضرت ابو ہریرہؓ کے اسلام سے پہلے یقیناً نماز کے اندر کلام کرنے کی ممانعت ہو گئی تھی باقی حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور دوسرے لوگوں کے کلام کرنے سے استدلال تو اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے۔

(۱) حماد بن زید نے جو ایوب کی روایت بیان کی ہے اس میں آیا ہے کہ لوگوں نے اشارہ سے ہاں کہنے کا اظہار کیا تھا یعنی زبان سے ہاں نہیں کہا تھا لہذا جس روایت میں ہاں کہنے کا ذکر آیا ہے اس سے مراد بھی اشارہ سے ہاں کا اظہار کرنا ہے۔

(۲) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سوال کا جواب دینا اس وقت تک منسوخ نہیں ہوا تھا کیونکہ حضرت ابو سعیدؓ بن معلی کا بیان ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اسی دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے آواز دی میں نے جواب نہیں دیا پھر نماز ختم کرنے کے بعد جب حاضر خدمت ہوا تو عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نماز پڑھ رہا تھا۔ حضور (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نے فرمایا کیا اللہ نے نہیں فرمادیا ہے استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم۔ رواہ البخاری

امام ابو حنیفہؒ نے اپنے قول کے استدلال میں حضرت معاویہؓ بن حکم کی حدیث پیش کی ہے حضرت معاویہؓ کا بیان ہے۔ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ مقتدیوں میں سے کسی کو چھینک آئی میں نے کہا یرحمک اللہ لوگوں نے مجھے گھور کر دیکھا۔ میں نے کہا ہائے ہائے تم کیوں مجھے گھور کر دیکھ رہے ہو لوگوں نے اپنے ہاتھ رانوں پر مارے۔ جب میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش کر رہے ہیں تو میں چپ ہو گیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز پڑھ چکے تو مجھے طلب کیا میرے ماں باپ حضور صلعم پر قربان میں نے نہ آپ سے پہلے ایسا اچھی تعلیم دینے والا معلم دیکھا نہ حضورؐ کے بعد آپ نے نہ میرے منکا مارا نہ برا کہا نہ ضرب رسید کی بلکہ فرمایا یہ نماز ہے اس میں لوگوں کی کسی طرح کی بات درست نہیں یہ تو صرف تسبیح تکبیر اور قرآن کی قرأت ہے۔ رواہ مسلم

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کلام نماز کو توڑ دیتا ہے وضو کو نہیں توڑتا۔ رواہ الدار قطنی

اول حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ تو امام اعظمؒ کے قول کی تائید میں نہیں بلکہ خلاف جاری ہے اس

حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معاویہ کو نماز لوٹانے کا حکم دیا بلکہ ان کو نماز کے احکام کی تعلیم دی اور فرمایا بات کرنا درست نہیں نماز میں کلام ممنوع ہے۔ رہی دوسری حدیث تو اس میں ایک راوی ابو شیبہ ہے جس کا نام عبدالرحمٰن بن اسحاق ہے یحییٰ بن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے اور امام احمد نے فرمایا ہے کہ اس کی روایت کچھ نہیں ہے یہ منکر الحدیث ہے اگر یہ منفرد ہو تو اس کی روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ ابن حبان کا بھی یہی بیان ہے۔ سعید بن جبیر عطاء اور مجاہد کا بیان ہے کہ آیت اذا قرئ القرآن کا نزول جمعہ کے خطبہ کے متعلق ہوا امام جمعہ کا خطبہ پڑھ رہا ہو تو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سیوطی نے اسی قول کو پسند کیا ہے ہم نے خطبہ کے دوران خاموش رہنے کا مسئلہ سورۂ جمعہ کی تفسیر میں بیان کر دیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا ہر واعظ کے وعظ کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ نماز میں جب لوگ جنت اور دوزخ کا تذکرہ سنتے تھے تو چیخ پڑتے تھے یعنی جنت کی دعا اور دوزخ سے پناہ مانگتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نماز کے اندر امام کے پیچھے آواز سے قرأت نہ کرنے کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے بغوی نے بروایت زید بن اسلم حضرت ابوہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے (نماز کے اندر) لوگ اونچی آوازیں کرتے یعنی اونچی آواز سے قرأت کرتے تھے تو اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت مقداد نے لوگوں کو امام کے ساتھ (نماز پڑھتے وقت) قرأت کرتے سنا تو نماز ختم کرنے کے بعد فرمایا کیا ابھی تم کو اتنی سمجھ بھی نہیں ہوئی کہ جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حسن، زہری اور نخعی کا قول بھی یہی ہے کہ اس آیت کا نزول امام کے پیچھے قرأت کرنے کے سلسلہ میں ہوا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ آیت کا نزول جمعہ کے خطبہ کے متعلق ہوا ان کے قول سے حسن و زہری کا قول زیادہ بہتر ہے کیونکہ آیت مکی ہے اور نماز جمعہ کا وجوب مدینہ میں ہوا تھا۔

بیہقی نے لکھا ہے کہ امام احمد نے فرمایا سب لوگوں کا اتفاق ہے کہ اس آیت کا نزول نماز کے متعلق ہوا۔ ھٰکذا قال ابن ھمام۔

بغوی نے مجاہد کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز میں قرأت کر رہے تھے کہ ایک انصاری جوان کو آپ نے قرأت کرتے سنا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ہم نے امام کے پیچھے قرأت کرنے کا مسئلہ سورۂ مزمل کی آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن کی تفسیر میں مفصل لکھ دیا ہے۔

ابن جریر نے زہری کی روایت نقل کی ہے کہ اس آیت کا نزول ایک انصاری جوان کے حق میں ہوا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جب قرأت کر رہے تھے تو وہ بھی اس کی قرأت کر رہا تھا میں کہتا

ہوں کہ اس سے مراد نماز سے باہر قرأت کرنا ہے۔ کیونکہ سعید بن منصور کا قول ہے کہ محمد بن کعب نے فرمایا لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سیکھتے تھے جب حضور کچھ پڑھتے تھے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ پڑھتے تھے یہاں تک کہ سورۂ اعراف میں یہ آیت نازل ہوئی۔ لباب النقول فی اسباب النزول کے مؤلف نے لکھا ہے اس روایت سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ آیت مدنی ہے۔

فصل

اگر کوئی شخص نماز سے باہر ہو اور نماز کے اندر یا نماز سے باہر کسی کو قرآن پڑھتے سنے تو کیا کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا واجب ہے یہ اختلافی مسئلہ ہے علماء کا اس میں اختلاف ہے بیضاوی نے لکھا ہے کہ عام علماء کے نزدیک صورت مذکورہ میں قرآن کو کان لگا کر سننا مستحب ہے (واجب نہیں) ابن ہمام نے لکھا ہے ہمارے علماء کا کلام دلالت کر رہا ہے کہ اگر قرآن آواز سے پڑھا جا رہا ہو تو کوئی نماز کے اندر ہو یا نماز کے باہر بہر حال کان لگا کر سننا واجب ہے۔ خلاصہ میں لکھا ہے اگر کوئی شخص فقہ کی کوئی تحریر لکھ رہا ہے اور اس کے برابر کوئی شخص قرآن ایسی آواز سے پڑھ رہا ہو کہ لکھنے والے کو کان لگا کر سننا ممکن نہ ہو تو گناہ پڑھنے والے پر ہو گا اسی پر مبنی ہے یہ مسئلہ کہ اگر رات کے وقت چھت پر کوئی شخص چلا کر قرآن پڑھے جب کہ لوگ سو رہے ہوں تو گنہگار ہو گا اس میں کان لگا کر سننے کا وجوب صراحۃً مذکور ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سبب نزول خواہ خاص ہو مگر حکم اسی پر محدود نہ ہو گا الفاظ کے عموم کا اعتبار ہے۔

میں کہتا ہوں حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رات کو بلند آواز سے قرآن اس طرح پڑھتے تھے کہ حجرہ سے باہر والے بھی سن لیتے تھے اور اکثر ہمسائے بھی سنتے تھے رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ام ہانی۔

حضرت ام ہانی کا بیان ہے کہ میں اپنی چھت پر ہوتی تھی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رات کو قرآن پڑھنے کی آواز سنتی تھی۔ اس حدیث میں لفظ عریش آیا ہے بغوی نے شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ عریش کا معنی ہے چھت، مکہ کے گھروں کو عریش اس لئے کہتے تھے کہ وہ نانڈ کی طرح لکڑی کے ستونوں پر نصب کئے جاتے تھے (جن کے اوپر لوگ سوتے لیٹتے بیٹھتے تھے) اور ان کا سائبان ہو جاتا تھا ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ گھر کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قرأت اس اندازہ پر ہوتی تھی کہ حجرہ سے باہر والے سن لیتے تھے اور حضورؐ کے گھروں کے اندر بیبیاں موجود ہوتی تھیں اور حضورؐ کے نماز میں مشغول ہونے کے وقت بعض بیبیاں سوتی بھی ہوتی تھیں۔ بخاری نے صحیح میں حضرت عائشہؓ

کا بیان نقل کیا ہے کہ میں رسول اللہ کے سامنے سوتی ہوتی تھی میرے دونوں پاؤں آپ کے قبلہ کی طرف ہوتے تھے جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے دبا دیتے میں ٹانگیں سمیٹ لیتی پھر جب آپ سجدہ سے کھڑے ہو جاتے تو میں ٹانگیں پھیلا لیتی اس وقت گھروں میں چراغ نہ ہوتے تھے۔ صحابہؓ رات دن بلند آواز سے قرآن پڑھا کرتے تھے اور کوئی مخالفت نہ کرتا تھا۔

مسلم نے حضرت ابو موسیٰؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا مجھے وہ منظر نظر آیا ہو کہ رات تم قرآن پڑھ رہے تھے اور میں تمہاری قرأت سن رہا تھا۔ صحیحین میں حضرت ابو موسیٰؓ کا بیان منقول ہو آپؐ نے فرمایا تھا کہ میرے ہم سفر اشعریؓ جب رات کو قرآن پڑھتے تھے تو دوران سفر میں میں ان کی آوازیں پہچان لیتا تھا اور آوازوں سے رات کو ان کی فرودگاہیں بھی پہچان لیتا تھا باوجودیکہ دن میں مجھے معلوم نہ ہوتا تھا کہ رات کو انھوں نے کہاں کہاں پڑاؤ کیا اور یہ حقیقت ہے کہ جب اشعری لوگ قرآن پڑھتے ہونگے تو کچھ لوگ لشکر میں سونے کی حالت میں بھی ہونگے ابن ابی داؤد کی روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب نے مسجد میں کچھ لوگوں کے قرآن پڑھنے کی آوازیں سنیں اور فرمایا ان لوگوں کے لئے بشارت ہو یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑے پیارے تھے۔ یہ تمام احادیث دلالت کر رہی ہیں کہ مصنفِ خلاصہ کا فتویٰ غلط ہے۔

ابن مردویہ نے ابواسامہ از سفیان از ابی المقدام ہشام بن زید از معاویہؓ بن قرہ کی سند سے بیان کیا ہے کہ معاویہؓ نے کہا میں نے صحابہؓ کرام میں سے اپنے بعض مشائخ سے (غالباً معاویہؓ نے حضرت عبداللہ بن مغفل کا نام لیا تھا) دریافت کیا کہ جو شخص قرآن سنے کیا اس پر کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا واجب ہے انھوں نے جواب دیا کہ آیت اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا امام کے پیچھے قرأت کرنے (کی ممانعت) کے لئے نازل ہوئی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ اذا قرئ القرآن میں القرآن میں الف لام عہد کے لئے ہے جنس کے لئے نہیں ہے اس سے مراد وہ قرآن ہے جو پڑھنے والا تمہارے سنانے کو پڑھ رہا ہو جیسے امام مقتدیوں کو سنانے کے لئے پڑھتا ہے یا خطیب اہل مجلس کو خطاب کرنے کے وقت پڑھتا ہے یا قاری شاگردوں کو سکھانے کے لئے پڑھتا ہے۔ واللہ اعلم

فصل

اگر پڑھنے والا خود یا امام نماز میں قرأت کے اندر جنت اور دوزخ کا تذکرہ پڑھے تو (جنت میں داخل ہونے کی) دعا نہ مانگنا اور (دوزخ میں داخل ہونے سے) پناہ نہ مانگنا واجب ہے دعا اور تعوذ جائز نہیں کلبی کا

قول ہم نے اوپر ذکر کر دیا ہے ابن ہمام نے لکھا ہے کہ قرآن سننے کے وقت کان لگانے اور خاموش رہنے والے سے اللہ نے رحمت کا وعدہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا ہے فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون اور اللہ کا وعدہ غلط نہیں ہو سکتا اور قرآن کی طرف سے غافل ہو کر دعا کرنا اور اس دعا کا قبول ہونا کوئی قطعی یقینی نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ منفرد آدمی فرض نماز میں قرات کو چھوڑ کر کسی دعا یا تعوذ میں مشغول نہ ہو ہاں نفل نماز میں اگر تلاوت کے وقت جنت یا دوزخ کا ذکر آئے تو جنت کے لئے دعا کرے اور دوزخ سے پناہ مانگے اور آیت پر غور کرے۔ حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ رات کی یعنی تہجد کی نماز پڑھی جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کوئی ایسی آیت پڑھتے تھے جس میں جنت کا ذکر ہوتا تھا تو رک کر اللہ سے جنت کے لئے درخواست کرتے اور اگر ایسی آیت پڑھتے جس میں دوزخ کا ذکر ہوتا تو ٹھیر جاتے اور دوزخ سے محفوظ رہنے کے لئے دعا کرتے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ○ اور (آپ ہر شخص سے یہی کہہ دیجئے کہ) اپنے رب کی یاد کرو اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام، اور غفلت کرنے والوں میں شامل نہ ہو جاؤ۔

واذکر ربک فی نفسک۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ذکر سے مراد نماز کی قرأت ہی مطلب یہ ہے کہ سری نماز میں چپکے چپکے اپنے دل میں قرأت کیا کرو۔

ودون الجہر من القول۔ الجہر سے مراد ہے جہری نماز۔ دون الجہر سے مراد ہے جہر سے کم اور سر سے زیادہ۔ مطلب یہ کہ سری نماز میں جہر سے کم آواز سے قرآت کرو اور جہری میں کھلی آواز سے کرو مگر بالکل چیخ کر نہ پڑھو بلکہ سکون اور پست آواز ہی سے پڑھو کر پیچھے والا سن لے۔ حضرت ابن عباسؓ نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ اس صورت میں ودون الجہر کا عطف فی نفسک پر ہوگا۔ میں کہتا ہوں یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ قرآن متوسط آواز سے پڑھو نہ بالکل ہی چپکے چپکے نہ بالکل چلا کر۔ یہی مضمون دوسری آیت میں آیا ہے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۔ حضرت ابو قتادہ کی حدیث اس مفہوم کی مؤید ہے۔

حضرت ابو قتادہؓ کا بیان ہے کہ ایک رات رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لے آئے اور ملاحظہ فرمایا کہ حضرت ابو بکرؓ بہت ہی پست آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں، پھر حضرت عمرؓ کی طرف سے گذرے تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ اونچی آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں، جب صبح کو دونوں حضرات خدمت گرامی میں جمع ہوگئے تو حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا میں تمہاری طرف سے

گذر اتھا تم نہایت پست آواز سے نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلعم) جس سے میں دعا کر رہا تھا اس کو سنا رہا تھا حضرت عمرؓ سے فرمایا میں تمہاری طرف سے بھی گذرا تھا تم اونچی آواز سے نماز پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اونگھنے کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا حضور صلعم نے فرمایا ابوبکرؓ تم اپنی آواز کچھ اٹھاؤ اور عمر تم اپنی آواز کچھ نیچی کرو رواہ ابوداؤد و ترمذی نے ایسی ہی حدیث حضرت عبداللہ بن رباح انصاری کی روایت سے بیان کی ہے۔

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہو کہ قرآن کو چپکے چپکے بھی پڑھو اور آواز سے بھی، مگر آواز زیادہ زور سے نہ ہو۔ یعنی کبھی اس طرح پڑھو اور کبھی اس طرح دونوں طرح پڑھو۔ ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رات کو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قرأت اس طرح ہوتی تھی کہ آپ کبھی آواز کو اٹھاتے تھے کبھی پست کر کے پڑھتے تھے حضرت عبداللہ بن ابی قیس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قرأت کی کیفیت دریافت کی کہ آپ چپکے چپکے پڑھتے یا آواز سے۔ ام المومنین نے فرمایا ہر طرح قرأت کرتے تھے چپکے چپکے بھی پڑھتے تھے اور آواز سے بھی۔ میں نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہر کام میں گنجائش رکھی ہے۔ رواہ الترمذی، ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

فصل

رات کو نماز میں اور نماز سے باہر قرآن کس طرح پڑھا جائے علماء کے اقوال اس میں مختلف ہیں بعض لوگوں کے نزدیک چپکے چپکے پڑھنا مکروہ ہے آواز سے پڑھنا ضروری ہے، حضرت ام ہانیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی مندرجۂ سابق حدیثیں اسی پر دلالت کرتی ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ گھر کے اندر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی آواز سے پڑھتے تھے کہ حجرہ سے باہر قرآت سنائی دیتی تھی اور حضرت ام ہانی نے اپنی چھت پر حضورؐ کی قرأت کی آواز سنی تھی

جمہور کے نزدیک پڑھنے والے کو اختیار ہے آواز سے پڑھے یا چپکے چپکے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کبھی آواز اٹھا کر پڑھتے تھے کبھی پست آواز سے، طحاوی نے لکھا ہے کہ حضرت ام ہانی اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیثوں میں رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے قرأت کرنے کا اظہار (ضرور) ہے مگر یہ روایات اس بات کے منافی نہیں کہ حضور کبھی پست آواز سے قرأت کرتے تھے

(یعنی ان روایات میں ہمیشہ اونچی آواز سے پڑھنے کا اظہار نہیں ہے) حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ظاہر کر رہی ہے کہ نمازی کو اختیار ہے چپکے چپکے پڑھے یا آواز سے جس طرح چاہے پڑھے مؤخر الذکر صورت افضل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ

اور امام ابو یوسفؒ اسی کے قائل ہیں۔ جو لوگ نمازی کو اخفاء و جہر کا اختیار دیتے ہیں انہیں پھر دو گروہ ہیں ایک گروہ اخفاء کو افضل کہتا ہے کیونکہ حضرت عقبہؓ بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے آواز سے قرآن پڑھنے والا سب کے سامنے صدقہ دینے والے کی طرح ہے اور چپکے چپکے قرآن پڑھنے والا چھپا کر صدقہ دینے والے کی طرح ہے رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ چھپا کر خیرات کرنی علانیہ خیرات کرنے سے افضل ہے اللہ نے فرمایا ہے ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم۔ سلف کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔

اعمش کا بیان ہے میں ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ قرآن مجید دیکھ کر پڑھ رہے تھے اتنے میں ایک شخص داخلہ کا خواستگار ہوا آپ نے فوراً قرآن مجید کو الگ رکھ دیا اور فرمایا یہ شخص دیکھنے نہ پائے کہ میں ہر وقت قرآن پڑھتا ہوں۔ ابوالعالیہ کا بیان ہے میں صحابہ کرام کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک شخص نے کہا رات میں نے اتنا قرآن پڑھا صحابہ نے فرمایا قرآن سے تمہارا نصیب یہی تھا۔

کثیر علماء کے نزدیک آواز سے پڑھنا افضل ہے اس قول کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں آواز سے پڑھنے کا ذکر ہے اس مضمون کی چند احادیث پہلے نقل کی جا چکی ہیں۔

ان کے علاوہ ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے صحیحین میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے اللہ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنا خوش آواز نبی کی آواز کو توجہ سے سنتا ہے جو آواز سے قرآن کو اچھی لے سے پڑھ رہا ہو۔ سننے سے اشارہ ہے رضامند ہونے اور قبول کرنے کی طرف۔

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کا بیان منقول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تجھے داؤد کے سُروں میں سے ایک سر دیا گیا ہے

ابن ماجہ نے حضرت فضالہ بن عبید کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس قدر گانیوالی عورت کے گانے کی آواز توجہ سے اس کا آقا سنتا ہے اس سے زیادہ توجہ سے اللہ اس خوش آواز شخص کی قرأت سنتا ہے جو آواز سے قرآن پڑھتا ہے۔

ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے حضرت براءؓ بن عازب کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی آوازوں سے قرآن کی سجاوٹ کرو یعنی خوش آوازی سے پڑھو کر سننے والے کو قرآن مکروہ نہ معلوم دے حسین محسوس ہو مختلف احادیث میں مطابقت پیدا کرنے اور تضاد کو دور کرنے کے لئے امام غزالی اور کچھ دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ اگر پڑھنے والے کو خود اپنے متعلق ریاکار ہو جانے کا اندیشہ

ہو اور وہ ڈرتا ہو کہ آواز سے قرآن پڑھنا میرے اندر عجب و غرور پیدا کر دیگا تو چپکے چپکے پڑھنا افضل ہے اگر ریاء کا اندیشہ نہ ہو تو آواز سے پڑھنا اولیٰ ہے جہر کے ساتھ پڑھنے سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے پڑھنے والے کے دل میں بیداری بھی پیدا ہوتی ہے خیالات کی پراگندگی زائل ہو جاتی ہے کان بھی قرآن کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں نیند بھاگ جاتی ہے چستی پڑ جاتی ہے سونیوالے اور غافل آدمی بھی اسکے پڑھنے سے بیدار اور ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ ان تمام مقاصد کے پیش نظر آواز سے پڑھنا افضل ہے اور ثواب چند گنا ہو جاتا ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ قرآن میں دیکھ کر پڑھنا اولیٰ ہے۔

میں کہتا ہوں کوئی شک نہیں کہ آواز سے قرآن پڑھنے کی احادیث بکثرت آئی ہیں اور صحابہؓ و تابعین کے آثار و اقوال بھی اس سلسلہ میں بے شمار ہیں لیکن یہ حکم اسی شخص کے لئے ہے جس کو اپنے اوپر ریاء کا شبہ نہ ہو، غرور و عجب پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو کسی کو تکلیف بھی نہ ہو کسی کی نماز میں خلل بھی نہ پڑتا ہو اگر اس قسم کا کوئی اندیشہ ہو تو آواز سے پڑھنا درست نہیں۔ اندیشہ نہ ہو تو جہر سے قرأت مستحب ہے اگر ایک جماعت سننے کے لئے جمع ہو تب تو آواز سے پڑھنا اور بھی افضل ہے۔ مگر بہت چنگھر پڑھنا اور اپنے کو تکلیف و مشقت میں ڈالکر جہر کے ساتھ پڑھنا جائز کسی طرح نہیں اللہ نے فرمایا ہے ودون الجھر من القول امام محمدؒ نے موطا میں امام مالک کی روایت سے ابو سہیل کے باپ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نماز میں اتنی آواز سے قرأت کرتے تھے کہ میں ابو جہیم کے گھر کے پاس ان کی قرأت سن لیتا تھا اسی لئے امام محمدؒ نے فرمایا کہ جہری نماز میں آواز سے قرآن پڑھنا چاہئے لیکن پڑھتے وقت (زور لگا کر) اپنے کو دکھ میں نہ ڈالنا چاہئے۔

ایک شبہ:۔ اللہ کے ذکر اور دعا میں جہر کرنا بدعت ہے چپکے چپکے ذکر اور دعا کرنا سنت ہے آیت وادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ کی تفسیر میں یہ مسئلہ آچکا ہے پھر قرأت اور ذکر میں کیا فرق ہے قرأت بھی ذکر ہی ہے۔

جواب:۔ قرآن میں نصیحتیں بھی ہیں۔ عبرت انگیز سبق آموز قصے بھی ہیں اور احکام بھی ہیں۔ اس کی عبارت معجز میٹھی اور دلکش بھی ہے یہ چیزیں ذکر سے زائد ہیں ذکر سے تو دل سے غفلت دور ہو جاتی ہے بجائے خود یہ عبادت ہے لیکن دوسرے کو سنانا اور اس میں بیداری پیدا کرنا مزید عبادت ہے دعا کی غرض صرف قبولیت ہے اور ذکر کا مقصد ازالۂ غفلت اور اتنا انہماک کہ خود ذاکر کو اپنا بھی ہوش نہ رہے وہ اپنے کو بھول جائے اور بصیرت کے اندر خدا ہی خدا رہ جائے قرأت میں یہ بات نہیں ہے۔

فائدہ:۔ شعبہ کا بیان ہے مجھے ابو عبیدہؒ نے حدیث زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ بیان کرنے سے منع کر دیا تھا۔ ابو عبیدہ نے کہا ممانعت کی وجہ ہمارے خیال میں یہ ہوگی کہ اس حدیث کو سن کر لوگوں کو ان نو خیز بدعتی

لہجوں کا جواز ہاتھ لگ جائیگا جو لوگوں نے ایجاد کر رکھے ہیں۔ اس کے بعد ابو عبیدہ نے قرآن کو خوش آوازی سے پڑھنے کے سلسلہ کی بکثرت احادیث نقل کیں اور فرمایا ان تمام احادیث کا مقصد یہ ہے کہ غم انگیز خوف آفریں اور شوق افزا طریق ادا اختیار کیا جائے یہ تفریحی لہو آگیں لہجے اور لَے مراد نہیں ہیں۔ ابو عبیدہ نے اپنے اس قول کے ثبوت میں مرفوع اور غیر مرفوع متعدد احادیث بیان کیں جن میں اسی مفہوم کی تشریح تھی مثلاً طاؤس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا سب سے زیادہ اچھی آواز سے قرآن پڑھنے والا یا سب سے اچھی قرأت کرنے والا کون ہے فرمایا (سب سے اچھا پڑھنے والا) وہ شخص ہے کہ جب تم اس کی قرأت سنو تو سمجھ لو کہ یہ اللہ سے ڈر رہا ہے (یعنی اس پر اس وقت خشیت کی کیفیت طاری ہے) دارمی نے طاؤس کا قول مرسلاً بیان کیا ہے کہ قرآن پڑھنے میں سب سے زیادہ خوش آواز وہ شخص ہے جو پڑھتے وقت) سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہو۔

حضرت حذیفہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عرب کی لَے اور آوازوں میں قرآن پڑھو۔ اہل عشق کی لَے اور ان دونوں کتابوں والوں کے ترانوں سے پرہیز رکھو آئندہ میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو گانے کی گٹکری سے اور نوحہ کے طرز سے قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اتریگا، ان کے اور ان کی کیفیت کو پسند کرنے والوں کے دل فتنہ میں مبتلا ہونگے۔ رواہ البیھقی فی شعب الایمان و رزین فی کتابہ۔

مجاہدؒ نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ دلوں کے اندر ذکر کریں یعنی دعا میں عاجزی اور تضرع کریں آوازیں نہ اٹھائیں چیخ پکار نہ مچائیں چپکے چپکے دعا کرنے سے خلوص قلبی میں اضافہ ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس تفسیر پر دون الجھر من القول کا فی نفسک پر عطف تفسیری ہوگا (جو مطلب فی نفسک کا ہوگا وہی مطلب دون الجھر کا) ذکر خفی و جہری کا مسئلہ آیت ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔

بیضاوی نے لکھا کہ یا یہ مقتدی کو حکم ہے کہ جب امام قرأت سے فارغ ہو جائے تو مقتدی چپکے چپکے پڑھ لے جس طرح امام شافعی کا قول ہے مگر بیضاوی کا یہ قول غلط ہے کیونکہ آیت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے آپ امام تھے مقتدی نہ تھے اور اگر مقتدیوں کو خطاب ہوتا تو جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا جیسے فاستمعوا لہ و انصتوا لعلکم ترحمون میں ہے۔ پھر یہ بھی ایک بات ہے کہ قرأت جہری ہو یا سری کان لگا کر سننے اور خاموش رہنے کے تو بہرحال منافی ہے اور امام کی فراغت کے بعد مقتدی کا پڑھنا آیت سے مستفاد نہیں ہے لہذا آیت فاستمعوا اور آیت دون الجھر میں تضاد لازم آئیگا دونوں پر عمل ایک وقت میں نہیں

ہو سکتا، اس کے علاوہ امام قرأت سے فارغ ہو کر رکوع کو چلا جائیگا اتنا موقع ہی کہاں ہو سکتا ہو کہ مقتدی بھی قرأت کرلے اور امام کے رکوع کی حالت میں مقتدی کا قرأت کرنا باجماع علماء درست نہیں ہے اور اگر امام مقتدی کی قرأت کے انتظار میں کھڑا رہیگا تو امام نہ رہیگا مقتدی کا تابع ہو جائیگا۔

بالغدو غدو مصدر ہے تڑکے میں داخل ہو جانا۔ غدا یغدوا اس کا فعل آتا ہے یہاں مراد ہے دن کا ابتدائی وقت۔ قاموس میں ہے الغدوۃ بالضم تڑکا یا دن کی پو پھٹنے سے طلوعِ آفتاب تک کا وقت۔

والاٰصال یعنی دن کا آخری وقت۔ یہ اصیل کی جمع ہے۔ بغوی نے لکھا ہے اصیل کا وقت عصر سے مغرب تک ہوتا ہے ان دونوں وقتوں کو فضیلت حاصل ہے اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر کیا ورنہ مراد ہے دوامِ ذکر ہر وقت اللہ کا ذکر کرنا۔ آیت ولا تکن من الغفلین دوامِ ذکر پر ہی دلالت کر رہی ہے۔

ولا تکن من الغفلین یعنی کسی وقت اللہ سے غافل نہ ہو۔ میں کہتا ہوں آیت واذکر ربک فی نفسک کے بعد بالغدو والاصال ولا تکن من الغفلین فرمانا اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ذکر سے مراد عام مفہوم ہے خواہ قرأت قرآن ہو یا کوئی اور ذکر مقصد یہ ہے کہ غفلت دور ہو جائے جس طرح بھی ممکن ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۝ بے شک وہ لوگ جو تیرے رب کے پاس ہیں (یعنی مقرب ہیں) اُس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

السجدۃ ۲۴ ع ۱۴

اِنَّ الَّذِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّکَ ۔ اَلَّذِیۡنَ سے مراد ہیں ملائکہ انبیاء اور نیک بندے۔ اللہ کا قرب جسمانی طور پر محال ہے۔ اللہ جسم نہیں ہے اس کے پاس ہونے اور مقرب ہونے کے معنی ہیں معزز، مکرم ہونا لا یستکبرون عن عبادتہ اللہ کی عبادت سے اپنے کو بڑا نہیں سمجھتے غرور نہیں کرتے بلکہ عبادت کی وجہ سے بڑے بنتے ہیں۔ ویسبحونہ اور نازیبا غیر مناسب صفات سے اس کو پاک سمجھتے اور پاک قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں سبحان ربی الاعلیٰ ۔ وَلَهُ يَسْجُدُونَ اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں اسی کی عبادت کرتے ہیں کسی دوسرے کو سجدہ میں شریک نہیں کرتے۔

معدان بن طلحہ کا بیان ہے میں حضرت ثوبانؓ سے ملا جو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آزاد کردہ تھے اور عرض کیا مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس کی وجہ سے میں جنت میں پہنچ جاؤں آپ خاموش رہے۔ میں نے دوبارہ درخواست کی آپ پھر بھی خاموش رہے میں نے تیسری بار سوال کیا تو فرمایا میں نے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہی سوال کیا تھا حضور صلعم نے فرمایا تھا اللہ کو بکثرت سجدہ کرنے کا التزام کرو تم جو سجدہ بھی اللہ کو

کرو گے اللہ اس سے تمہارا ایک درجہ اونچا کردیگا اور ایک گناہ ساقط کردیگا۔ معدان کا بیان ہے پھر میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے بھی یہی سوال کیا تو انھوں نے بھی یہی جواب دیا جو حضرت ثوبان نے فرمایا تھا۔ رواہ مسلم۔ دوسری روایت میں حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے جو بندہ بھی اللہ کو کوئی سجدہ کرتا ہے تو اللہ اس سجدہ کے سبب سے ضرور اس کا ایک درجہ اونچا کرتا اور ایک گناہ گراتا ہے۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی و ابن حبان والبغوی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے لہٰذا (سجدہ کی حالت میں) زیادہ دعا کیا کرو۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب ابن آدم سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا الگ ہوجاتا ہے اور کہتا ہے ہائے ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا اور اس کے لئے جنت ہوگئی اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے سجدہ سے انکار کردیا میرے لئے دوزخ ہوگئی۔ رواہ مسلم۔

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں رات کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتا تھا حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) کے لئے وضو کا پانی اور دوسری ضروریات کی چیزیں فراہم کردیتا تھا۔ ایک روز حضور نے مجھ سے فرمایا مانگ (کیا مانگتا ہے) میں نے عرض کیا میں حضور (صلعم) کی رفاقت جنت میں چاہتا ہوں فرمایا اس کے علاوہ کچھ سوال کرو، میں نے عرض کیا میرا سوال تو یہی ہے فرمایا تو سجود کی کثرت سے اپنے لئے میری مدد کرو (یعنی سجود کی کثرت کرو تاکہ جنت میں میں تم کو اپنے ساتھ رکھ سکوں) رواہ مسلم

هم نے سجدۂ تلاوت کے مسائل سورۂ انشقت کی تفسیر میں بیان

کردیئے ہیں واللہ اعلم۔ ۱۶ محرم ۱۲۰۰ھ جمعہ کو سورۂ

اعراف ختم ہوئی۔ اور ۳ رمضان ۱۳۸۳ھ

کو فجر کے وقت بحمد اللہ ترجمہ کی تکمیل ہوئی ٭٭

صححہ مولوی عبدالرحمن نائب المفتی بمدرسہ امینیہ دھلی و کتبہ حکیم محمد ثناء احمد شیرکوٹی ۳ رمضان ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۴ء